علمائے دیوبند

کے

واقعات و کرامات

حافظ مومن خان عثمانی

علماء دیوبند

کے

واقعات وکرامات

علماء حق علماء دیوبند کے اکابر اولیائے کرام ومجاہدین عظام کی جدوجہد،
بے مثال قربانیوں، تقویٰ وتوکل، اخلاص وللہیت،
عجز وانکساری، تزکیہ نفس، رجوع الی اللہ کے
ایمان افروز واقعات اور کرامات

مرتب
حافظ مومن خان عثمانی
خطیب مرکزی جامع مسجد فاروق اعظم کٹھائی

المیزان ناشران وتاجران کتب
سنٹرل مارکیٹ اردو بازار لاہور پاکستان فون: ۳۷۱۲۴۷۹۲، ۳۷۱۲۲۹۸۱-۰۴۲

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ

سلسلہ مطبوعات – ۳۱۲

سن اشاعت ۲۰۱۰ء

محمد شاہد عادل نے

حاجی حنیف پرنٹرز سے چھپوا کر

فہرست

عنوان | صفحہ

☆ ☆ ☆

انتساب

مفسر اعظم، محدث کبیر، فقیہ زمان، ولی کامل، استاذ العلماء اور بزم مدنی کے عظیم رہبر
حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی نوراللہ مرقدہ کے نام
جنہوں نے

☆ علماء دیوبند کے افکار ونظریات اور علوم کو اگلی نسلوں تک منتقل کرتے کے کاروان حق کی جڑوں کو مضبوط کیا۔

☆ شرک وبدعت اور ہوا پرستی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں توحید وسنت کی شمع کو روشن کیا اور قرآن وحدیث اور علوم دینیہ کی ضیا پاشیوں سے ایک عالم کو منور کیا۔

☆ علماء دیوبند کے مسلک حقہ کو باتمک ودلائل بیان کیا۔

☆ شاہ ولی اللہ کا عظیم فلسفہ امت مسلمہ تک پہنچایا۔

☆ حضرت نانوتوی، حضرت شیخ الہند، حضرت سندھی اور حضرت مدنی کے مشن کو جلا بخشی اور قرآن وسنت کی خدمت کرتے کرتے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

دنیا کو چھوڑ کر جانب خلد ہوئے رواں
بن کر چلے عقبیٰ میں حوروں کے درمیاں

تفسیر و حدیث ان کا مشغلہ تھا یہاں
مولیٰ! اس کا صلہ تو ہی عطا کردے وہاں

الٰہی خلد بریں میں ان کا ٹھکانہ کر دے
حوض کوثر کی طرف ان کو روانہ کر دے

نگاہ اولیں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

برصغیر پاک و ہند پر برطانوی یلغار کے بعد اہل مغرب ہندوستان میں اسلام کو چند دنوں کا مہمان سمجھ بیٹھے تھے اور انہوں نے ہسپانیہ کی طرح یہاں بھی اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا عزم کیا تھا اور اس کے لئے انہوں نے اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لانا شروع کر دیا تھا۔ ہزاروں پادری ہندوستان کے مسلمانوں کے ایمان و عقائد پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے شب و روز مصروف عمل تھے۔ لارڈ میکالے نے نئی نسل کو اپنے نظام تعلیم کے ذریعے انگریز بنانے کے منصوبے بنائے اور خود مسلمانوں کے اندر بہت سے غدار اسلام کے خلاف استعمال ہونے لگے۔

ان پر آشوب حالات میں برطانوی ہتھکنڈوں کا مقابلہ کرنے کے والے اس خطہ کے وہ بوریا نشین لوگ تھے جنہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ کے گھرانے سے علم دین حاصل کیا تھا۔ مسجدوں، خانقاہوں میں بیٹھ کر قرآن و حدیث کے نور سے اپنے دلوں کو منور کیا تھا، جن کے دلوں میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا خوف تھا اور نہ ہی دنیا کے مال و دولت کی چاہت تھی۔ اس قافلہ حق کے ہر مسافر نے جان کی بازی لگا کر اسلام کی آبیاری کی، مسلمانوں کے عقائد بچانے کیلئے اپنے تن من دھن کی قربانی دی، سولیوں پر لٹکائے گئے، آگ کے شعلوں میں ڈالے گئے، گرم انگاروں پر لٹائے گئے، خنزیر کی کھالوں میں بند کر کے گولیوں سے چھلنی کر دیئے گئے، جائیدادیں ضبط کر دی گئیں، ملک بدر کر دیئے گئے، کالا پانی اور مالٹا کے زندانوں میں پس

دیوارِ زنداں دکھیل دیئے گئے، ظلم و ستم کے ہر نئے حربے کے ذریعے تختۂ مشق بنائے گئے۔ لیکن اللہ کے ان سپاہیوں نے ظلم و بربریت کے سامنے سر نہیں جھکایا۔

ادھر آ ستمگر ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

ہر ظلم و بربریت کا مردانہ وار مقابلہ کیا، ہر محاذ پر لڑے، باطل کے ہر وار کا دندان شکن جواب دیا اور اہل دنیا پر ثابت کر دیا کہ:

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے حالات کے خونی منظر سے
جس دور میں جینا مشکل ہو اس دور میں جینا لازم ہے

شاملی کا میدان کارزار آج بھی نئی نسلوں کو دعوت فکر دے رہا ہے کہ جب آزادی و حریت اسلام اور اسلامی شعائر پر زد آنے لگے تو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، حافظ محمد ضامن شہید کے پیروکاروں کو خانقاہوں، مدارس و مساجد سے نکل کر میدان عمل میں باطل کا اسی طرح مقابلہ کرنا ہوگا جس طرح ان بوریا نشین، گوشہ نشین بزرگوں نے شاملی کے میدان میں کیا تھا۔

کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر
غلامی کی حیات جاوداں سے

کیوں کہ یہی عزت و عظمت کامیابی و کامرانی کا راستہ ہے کہ جب اہل حق باطل کے مقابلہ میں اپنے تن من دھن کو قربان کرتے ہیں تو اپنی آنے والی نسلوں کو ظلم و بربریت کے اس وحشتناک شکنجے سے نجات دلاتے ہیں۔

سوز دروں سے ظلم کو فی النار کر دیا
ہر وار کو یزید کے بے کار کر دیا
نیند آگئی تلوار کے سایہ میں لیٹ کر
خود سو گئے حیات کو بیدار کر دیا

آج دنیا کے اندر اگر بیداری ہے، اسلامی غیرت و حمیت اور اسلام پر کٹ مرنے کا کوئی

جذبہ ہے تو وہ انہی بزرگوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ اور حافظ محمد ضامن شہید کے خون کا صدقہ ہے۔ آج اگر آزادی و حریت کے گیت گانے والے کیوبا کے جزیرے گوانتاناموبے میں اہل باطل اور فرعونان وقت کے ظلم وستم کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں تو اس سے قبل اسی آزادی اور اسلام کی حرمت کے لئے مالٹا کے جزیرے میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عزیز گل، مولانا وحید احمد مدنی، مولانا حکیم نصرت حسین اور ان کے رفقاء برطانوی درندوں کے ہاتھوں یہ تمام منازل طے کر چکے ہیں۔

ہمارے سروں کی قیمتیں لگائی گئیں ہمیشہ
قربان گاہیں ہم سے سجائی گئیں ہمیشہ
للکارتے رہے ہم نمرودان وقت کو
ہمارے لئے بستیاں جلائی گئیں ہمیشہ
اے راہ حق بتا کیا جرم ہے ہمارا
سزائیں موت کی ہمیں سنائی گئیں ہمیشہ

باطل کے ان تمام ہتھکنڈوں، ظلم وستم، وحشت و بربریت کے باوجود اہل حق کا قافلہ رواں دواں رہا اور قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی نے جس شجرہ طوبیٰ کی بنیاد رکھی تھی، آج پورا عالم اس کے ثمرات سے مستفید ہو رہا ہے۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
قافلے ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا

آج بھی علماء دیوبند پوری دنیا میں باطل کے خلاف برسرپیکار ہیں، دنیا کے مظالم کی پرواہ کئے بغیر اکابر کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔

ہم نے اڑایا ہے کجکلاہوں کی رعونیت کا مذاق
ہم نے چہرہ دار و رسن کو ضیا بخشی ہے
ہم نے بدلا ہے زمانے میں محبت کا مزاج
ہم نے ہر دل کو نئی راہ و نوا بخشی ہے

بہت سے لوگوں نے اس کاروان حق کو روکنے کی کوششیں کیں، روڑے اٹکائے، کانٹے بچھائے، کسی نے وہابی کا نام دیا، کسی نے گستاخ رسول کے لقب سے پکارا، کسی نے اولیاء کو نہ ماننے والے الفاظ سے یاد کیا، کسی نے کشف و کرامات سے منکر ہونے کا طعنہ دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج دنیا کے جس کونے میں بھی اسلام کی آواز بلند ہو رہی ہے، اللہ اکبر کا نعرہ لگایا جا رہا ہے۔ جذبہ جہاد کا اظہار کیا جا رہا ہے، دعوت و تبلیغ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں، اصلاح و تزکیہ نفس کی محنتیں ہو رہی ہیں، اسلام نظام کے نفوذ کے لئے تگ و دو ہو رہی ہے، یہ سب اکابر علماء دیو بند کی کرامت ہے۔ علماء دیو بند کشف و کرامت کے قائل ہیں بلکہ علماء دیو بند کے تمام اکابر صاحب کشف و کرامت تھے۔ لیکن وہ ان چیزوں سے اپنی بڑائی کے اظہار کے قائل نہ تھے اور نہ انہوں نے ان چیزوں میں زیادہ دلچسپی لی بلکہ ان کے ہاں اصل کرامت استقامت علی الحق کی صورت میں تھی اور یہی چیز ان کے ہاں مقصود و مطلوب تھی۔

بعض لوگ کرامت کو ولایت کا معیار سمجھتے ہیں اور جس شخص سے خلاف عادت کوئی بات سرزد ہو جائے اسے ولی کامل سمجھتے ہیں، اگرچہ وہ بے دینی کے اعلیٰ درجہ پر کیوں نہ ہو۔ لیکن حقیقت میں کرامت یہ ہے کہ کسی شریعت کے پابند متبع کامل سے خلاف عادت الٰہی کوئی بات ظاہر ہو اور طبعی اسباب سے وہ اثر پیدا نہ ہوا ہو، خواہ وہ اسباب جلی ہوں یا خفی۔ اور جو شخص شریعت کا پابند نہیں اس سے خلاف عادت بات کا ظاہر ہونا کرامت نہیں بلکہ استدراج ہے اور یہ اس آدمی کے لئے نہایت ہی نقصان دہ ہے۔ کیونکہ یہ شخص اپنے آپ کو کامل سمجھتا ہے اور دھوکہ میں پڑ کر صراط مستقیم طلب کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی اتباع سنت کی فکر کرتا ہے۔

کرامت کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ علم بھی ہو اور ارادہ بھی ہو، جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان مبارک سے دریائے نیل کا جاری ہونا اور حضرت خالد بن ولید کا زہر قاتل پی جانا اور زہر کا آپ پر اثر نہ کرنا۔

۲۔ علم ہو مگر ارادہ نہ ہو۔ جیسے حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پھلوں کا آنا۔

۳۔ نہ علم ہو نہ ارادہ۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانے کا

دوگنا اور تین گنا ہو جاتا، اس لئے کہ خود حضرت صدیق اکبرؓ کو اس پر تعجب ہوا۔

کرامت کا ظہور ولی کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے نیک بندوں کے ہاتھوں خلاف عادت کام ظاہر ہو جاتے ہیں اور اس سے ان کی عزت بڑھ جاتی ہے۔ اور یہ کرامت ولی اللہ کے لئے بہت بڑی نعمت ہے۔ جس طرح معجزات انبیاء کرام سے ظاہر ہوتے ہیں مگر وہ بھی اللہ کے حکم سے ظہور پذیر ہوتے ہیں، خود نبی کے اختیار میں نہیں ہوتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔

"مٹھی بھر ریت پھینک کر کافروں کو آپ نے اندھا نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کی آنکھوں میں ریت پہنچائی اور ان کو اندھا کیا۔"

بعض اولیاء سے کرامتوں کا ظہور نہیں ہوتا اور ان پر عبودیت و رضا کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ کسی چیز میں تصرف نہیں کرتے اور نہ ہی کرامت کا ظہور ولایت کے لئے ضروری ہے۔ بہت سے اولیاء کرام ایسے گزرے ہیں جن سے ایک کرامت بھی ظاہر نہیں ہوئی، بلکہ بہت سے صحابہ کرام جو ولایت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، ان سے بھی کرامت کا ظہور نہیں ہوا۔

کرامت دو طرح کی ہے: (۱) کرامت حسی، (۲) کرامت معنوی۔

کرامت حسی، جس کو عام لوگ کرامت کہتے ہیں جیسے دل کی بات پر مطلع ہو جانا، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، تھوڑی دیر میں کہیں سے کہیں پہنچ جانا، بے موسم پھل لا دینا وغیرہ۔ مگر یہ چیزیں ریاضت و مجاہدہ سے غیر مسلم جوگیوں وغیرہ سے بھی صادر ہو جاتی ہیں، فاسق و فاجر لوگ بھی ریاضت و مجاہدہ سے ان چیزوں کو حاصل کر سکتے ہیں۔ جس طرح مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے واقعات میں ایک مناظرہ کے موقع پر ایک ہندو کی توجہ سے مسلمان مناظر کی تقریر میں اثر انداز ہونے کا واقعہ آپ پڑھیں گے۔ اور یہ چیزیں بعض اوقات امور طبیعت مسمریزم، قرین میسن، ہمزاد، عملیات، نقوش، طلسمات، شعبدات، ادویات کی تاثیر عجیب، سحر، نظر بندی وغیرہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ان میں بعض خیالی چیزیں ہیں اور بعض واقعی بھی ہیں جو کہ طبیعت خفیہ سے متعلق ہیں۔

دوسری کرامت معنوی ہے اور اہل علم کے نزدیک بڑا کمال یہی کرامت معنوی ہے جس کا حاصل صراط مستقیم پر قائم رہنا، اخلاق فاضلہ سے متصف ہونا، نیک اعمال کرنا، سنت نبویہ کی پابندی، فرائض وواجبات، سنن ومستحبات کی پابندی کرنا، اخلاق رزیلہ، کبر وحسد، ریا وسمعہ، کینہ وبغض، حرص وطمع، غیظ وغضب، حب جاہ وحب مال سے پاک وصاف ہونا اصل کرامت ہے۔ جس کو کہا گیا ہے الاستقامة فوق الکرامة" دین پر استقامت ہی اصل کرامت ہے۔"

اکثر لوگ کرامات سے حجت پکڑتے ہیں۔ حالانکہ کرامات اور کشف شرعی مسائل کے ثبوت میں حجت نہیں ہوتے البتہ کسی دلیل کے ساتھ بطور تائید پیش کیے جاسکتے ہیں۔ انبیاء کے معجزات کے علاوہ کسی کی کوئی کرامت حجت نہیں۔ اکثر اولیاء کرام کرامات کو ظاہر نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو مخفی رکھتے تھے اور اس سے بھی ڈرتے تھے کہ کہیں استدراج نہ ہو یا اس سے عجب اور کبر پیدا نہ ہو۔ اس لئے علماء دیوبند کے اکابرین نے بھی ان چیزوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی اور نہ ہی ان کے سوانح نگاران نے ان چیزوں کو اہتمام کے ساتھ جمع کیا ہے۔

میں نے اکابر کی کرامات اور ان کے اخلاص وللہیت، جواں مردی وبہادری، مردانگی وبے باکی، امت کی خیر خواہی وغمخواری، پابندی شریعت واتباع سنت، عاجزی وانکساری، زہد وتقویٰ، تسلیم ورضا، توکل وانابت، رجوع الی اللہ کے چند واقعات کو جمع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان بزرگوں کی صحیح پیروی اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

علماء دیوبند وہ جماعت ہے جس نے ہر فتنے کا مقابلہ کیا ہے، ہر باطل کا تعاقب کیا ہے اور دین کی کما حقہ خدمت کی ہے۔ ان خادمان دین، عاملان شریعت، پیران طریقت، مجاہدین اسلام، محافظین ختم نبوت کے واقعات میں ہمارے ایمانوں کو تازگی بخشنے کا سامان ہے، اچھے مقصد کے ساتھ لگن اور اپنے مشن کے ساتھ مخلص ہونے کا سبق ہے۔

خیال یار کبھی ذکر یار کرتے رہے
اسی متاع پہ ہم روزگار کرتے رہے

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

ابو وقاص محمد مومن خان عثمانی
فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
و وفاق المدارس العربیہ پاکستان
خطیب مرکزی جامع مسجد فاروق اعظم کٹھائی
تحصیل اوگی ضلع مانسہرہ (سرحد) پاکستان
موبائل نمبر: 0345-9485845

یکم رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
۵ جولائی ۲۰۰۸ء

سید الطائفہ

امیر المجاہدین

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

قافلہ حق کے سالار

حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہم اللہ تعالیٰ کے پیرومرشد

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے امیر

شاملی کے محاذ پر انگریز کو شکست سے دوچار کرنے والے عظیم مجاہد

پیدائش ۱۸۱۷ء

وفات ۱۸۹۹ء

جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں

سورج چاند ستارے جن کی وسعت میں محدود رہے

مان ہمیں نے توڑا آخر افرنگی ایوانوں کا

جہاز ڈوبنے سے بچ گیا

خاں صاحب نے فرمایا کہ پھلاؤدہ ضلع میرٹھ میں لارڈ کے قریب ایک مقام ہے، وہاں کے رہنے والے ایک شخص تھے جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ یہ صاحب حافظ عبدالغنی صاحب کے (جو پھلاؤدہ کے رہنے والے اور مولوی احمد صاحب امروہوی کے شاگرد ہیں) دادا کے چھوٹے بھائی تھے اور رئیس بھی تھے۔ ان صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ جو بچہ بکری کا پیدا ہوتا تھا میں اس کی اون کتروالیتا تھا۔ اس طرح میں نے اون جمع کروا کے حاجی صاحب کے لئے ایک کملی بنوائی۔ اور اس وقت تک حاجی صاحب کی زیارت سے مشرف نہ ہوا تھا بلکہ غائبانہ طور پر معتقد تھا۔

جب میں حج کے لئے گیا تو اس کملی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ ایک جگہ ہمارا جہاز طغیانی میں آ گیا اور جہاز میں ایک شور مچ گیا۔ میں چھتری پر تھا، وہاں سے اتر کر تختے کی جالیوں سے کمر لگا کر اور منہ لپیٹ کر ڈوبنے کے لئے بیٹھ گیا، کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ اب کچھ دیر میں جہاز ڈوبنے والا ہے۔

اسی اثنا میں مجھ پر غفلت طاری ہوئی۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ نیند تھی یا غم کی بدحواسی۔ اسی غفلت میں مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ فلانے اٹھو اور پریشان مت ہو، ہوا موافق ہو گئی ہے، کچھ دیر میں جہاز طغیانی سے نکل جاوے گا اور میرا نام امداد اللہ ہے، مجھے میری کملی دو۔ میں نے گھبرا کر کملی دینی چاہی۔ اس گھبراہٹ میں آنکھ کھل گئی اور میں نے لوگوں سے کہہ دیا کہ تم مطمئن ہو جاؤ جہاز ڈوبے گا نہیں کیونکہ مجھ سے حاجی صاحب نے خواب میں بیان فرما دیا ہے کہ جہاز ڈوبے گا نہیں۔

اس کے بعد میں نے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کوئی حاجی صاحب کو جانتا ہے؟ مگر کسی نے اقرار نہیں کیا۔ آخر جہاز طغیانی سے نکل گیا اور ہم مکہ پہنچ گئے۔ میں نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ کوئی مجھے حاجی صاحب کو نہ بتلائے، میں خود ان کو پہچانوں گا۔ جب میں طواف قدوم کر رہا تھا تو میں نے طواف کرتے ہوئے حاجی صاحب کو مالکی مصلے کے قریب کھڑے

دیکھ اور دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ ان کی شکل اور لباس وہی تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا، صرف اتنا فرق تھا کہ جب میں نے جہاز میں دیکھا تو اس وقت آپ لنگی پہنے ہوئے تھے اور اس وقت پاجامہ۔ میں نہیں سمجھتا کہ اتنا فرق کیوں تھا۔

خان صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے یہ وجہ بیان کی کہ جہاز کو طغیانی سے نکالنے کے لئے لنگی ہی مناسب تھی، اس لئے آپ نے لنگی پہنے دیکھا تھا۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں طواف سے فارغ ہو کر حاجی صاحب سے ملا اور کمبل پیش کی اور جہاز کا قصہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی مجھے تو خبر بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض وقت اپنے کسی بندے کی صورت سے کام لے لیتے ہیں۔ (ارواح ثلاثہ: ۱۷۱)

رشید احمد کو کوئی شخص پھانسی نہیں دے سکتا

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی گرفتاری اور جیل جانے پر ایک دفعہ یہ خبر پھیلی کہ ان کو پھانسی کا حکم ہو گیا ہے۔ حضرت حاجی صاحب کو بھی یہ خبر پہنچی۔ حضرت حاجی صاحب ایک دن فرمانے لگے کہ میاں کچھ سنا کیا مولوی رشید احمد کو پھانسی کا حکم ہو گیا؟ خدام نے عرض کیا کہ حضرت کچھ پتہ نہیں، ابھی تک تو کوئی خبر نہیں آئی۔ فرمایا "ہاں حکم ہو گیا، چلو"۔ یہ فرما کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ حکیم صاحب کا بیان تھا کہ برسات کا زمانہ تھا، مغرب کے بعد اعلیٰ حضرت اور غالباً مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی غرض تین آدمی چلے۔ شہر سے نکل کر تھوڑی دور جا کر اعلیٰ حضرت زمین کی گھاس کے قدرتی سبز مخملی فرش پر بیٹھ گئے اور کچھ دیر سکوت فرما کر گردن اوپر اٹھائی اور فرمایا: "پھر چھو مولوی رشید احمد کو کوئی پھانسی نہیں دے سکتا، خدائے تعالیٰ کو ابھی ان سے بہت کچھ کام لینا ہے۔" چنانچہ چند روز بعد اس کا ظہور ہو گیا ...... والحمد للہ علی ذلک۔ (تین بڑے مسلمان: ۱۹۹، بروایت مولوی ولایت حسین)

بے نمازی نمازی بن گیا

ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی برکت کی حکایت جو ان کے معاملہ میں ظاہر ہوئی تھی، مجھ سے بیان کی کہ میں ایک آزاد شخص تھا، نماز بھی نہ پڑھتا تھا۔ حضرت سے

بیعت کو جی چاہا۔ حضرت سے عرض کیا کہ اعمال کی تو ہمت نہیں اگر آزاد رکھا جائے تو بیعت ہوتا ہوں اور یہ بھی شرط ہے کہ ایک تو نماز نہ پڑھوں گا اور ایک ناچ دیکھوں گا۔ حضرت نے منظور فرمایا اور بیعت کرلیا اور فرمایا کہ ایک شرط ہماری بھی ہے کہ ہم تھوڑا سا ذکر بتلادیں گے اس کو کر لیا کرنا۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔

اس کا ان پر یہ اثر ہوا کہ جب نماز کا وقت آیا تو دفعتاً بدن میں خارش ہوئی۔ اب جو تدبیر بھی اس کے دفع کی کی گئی وہی الٹی پڑی۔ کہیں چنبیلی کا تیل مل رہے ہیں کہیں اور تدبیر کر رہے ہیں مگر کچھ افاقہ نہیں ہوا۔ پھر جی میں آیا کہ لاؤ ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ ہی دھولوں۔ جب دھو چکے تو پھر خیال آیا کہ سب اعضا دھل گئے لاؤ مسح بھی کرلو۔ وضو کا تمام ہونا تھا کہ خارش آدھی رہ گئی۔ مگر پھر جی میں آیا کہ لاؤ نماز بھی پڑھ لوں۔ کوئی یہ شرط تھوڑی ہی تھی کہ بالکل ہی نہ پڑھوں گا۔ نماز کا شروع کرنا اور خارش کا تدارد ہونا۔ پھر جب اگلی نماز کا وقت آیا تو وہی خارش پھر شروع ہوئی اور نماز اسی طرح شروع کرتے ہی جاتی رہی۔ اب سمجھے کہ بڑے میاں یعنی حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز نے پہرہ بٹھا دیا ہے۔ نمازی ہو گئے۔ پھر خیال آیا کہ جب تو نماز پڑھتا ہے اور پانچ وقت خدا کے دربار میں حاضری دیتا ہے تو ناچ میں کیا منہ لے کے جاتا ہے، وہ بھی چھوٹ گیا۔ خدا کے فضل سے اس وقت ان کی حالت بہت اچھی ہے۔ نماز، تہجد اور اشراق وغیرہ سب کچھ پڑھتے ہیں۔ (ارواح ثلاثہ ۱۷۷)

ایں بندہ را رسوا مکن

حضرت حاجی صاحبؒ بعض اوقات تمام تمام رات اس ایک شعر کو پڑھ پڑھ کر روتے روتے گزار دیتے تھے۔

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم ہم سر من پیدا مکن

یہ حافظ عبدالقادر سے سنا ہے۔ (امیر شاہ خان ارواح ثلاثہ ۱۸۹)

حاجی صاحب غائب تھے

تینوں حضرات کے نام وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے تھے اور گرفتار کنندگان کیلئے صلہ

تجویز ہو چکا تھا۔ اس لئے لوگ تلاش میں سپاہی اور حراست کی تگ ودو میں پھرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے وطن کو خیر باد کہا اور بہ نیت حرمین گھر سے باہر نکلے۔ چونکہ مولانا گنگوہی سے زیادہ تعلق تھا، اس لئے آخری ملاقات ہند کے لئے گنگوہ تشریف لائے۔ اس وقت حضرت مولانا قدس سرہ کی عفت مآب صاحبزادی یعنی حافظ محمد یعقوب صاحب کی والدہ ماجدہ کی عمر دو سال تھی جس وجہ سے پنجلاسہ ضلع انبالہ میں پہنچے ہیں تو راؤ عبداللہ خاں رئیس کے اصطبل اسپاں کی ویران وتاریک کوٹھڑی میں مقیم تھے۔ ایک روز اسی کوٹھڑی میں وضو فرما کر چاشت کی نماز کے ارادہ سے مصلیٰ بچھایا اور جان نثار حضار جلسہ سے فرمایا کہ آپ لوگ چلے جائیں، میں نفلیں پڑھ لوں۔

راؤ عبداللہ خاں اعلیٰ حضرت کے بڑے جان نثار خادم اور مشہور مرید ہیں، گھر کے خوشحال زمیندار اور سرکار کے نزدیک باوجاہت شخص سمجھے جاتے تھے۔ سمجھتے تھے کہ اعلیٰ حضرت پر جو الزام لگایا گیا ہے، اس کے قائم ہوتے اپنا مکان کھول دینا دنیاوی حیثیت سے کس درجہ خطرناک ہے کیونکہ باغی کی اعانت بھی سرکاری بغاوت میں شمار ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی غلبہ حب دین اور فرط عشق میں اس درجہ مغلوب تھے کہ نہ مال کی پرواہ تھی نہ جان کی۔

خدا کی شان کہ جس وقت راؤ عبداللہ خاں اعلیٰ حضرت کو تحریمہ باندھے نوافل میں مشغول چھوڑ کر کوٹھڑی سے باہر نکلے اور پٹ بند کر کے اصطبل کے دروازہ کے قریب پہنچے ہیں تو سامنے سے دوش کو آتے دیکھا اور ہکا بکا ششدر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ خدا جانے کون مخبر تھا اور کس بلا کا پکا تھا جس نے عین وقت پر روپوشی کی کوٹھڑی تک متعین کر دی تھی۔ چنانچہ دوش اصطبل کے پاس پہنچی اور افسر نے مسکرا کر راؤ صاحب سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں، گویا اپنے ناوقت آنے کی وجہ کو چھپایا۔ جہاں دیدہ وتجربہ کار راؤ صاحب دور ہی سے تاڑ گئے تھے کہ این گل دیگر شگفت مگر نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن۔ اپنی جان یا عزت کے جانے، ریاست وزمینداری کے ملیامیٹ ہونے اور ہتھکڑیاں پڑ کر جیل خانہ پہنچنے یا پھانسی پر چڑھ کر عالم آخرت کا سفر کرنے کی تو مطلق پرواہ نہ تھی اگر رنج وفکر یا حزن وافسوس تھا تو یہ کہ ہائے غلام کا گھر ہے اور آقا گرفتار ہو اور عبداللہ خان کی نظر کے سامنے اس کا جان سے زیادہ عزیز شیخ پا بہ

زنجیر کیا جائے۔ مگر اس کے ساتھ ہی راؤ صاحب ایک جوانمرد و مستقل مزاج نہایت دلیر اور قوی القلب راجپوت تھے۔ تشویش کو دل میں دبایا اور چہرہ یا اعضاء پر کوئی بھی اثر اضطراب کا محسوس نہ ہونے دیا۔ مسکرا کر جواب دیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

وہ انگریز افسر گھوڑے سے اترا اور یہ کہہ کر کہ میں نے آپ کے یہاں ایک گھوڑے کی تعریف سنی ہے، اس لئے بلا اطلاع یکا یک آنے کا اتفاق ہوا، اصطبل کی جانب قدم اٹھائے۔ راؤ صاحب بہت اچھا کہہ کر ساتھ ہو لئے اور نہایت ہی اطمینان کے ساتھ گھوڑوں کی سیر کرانی شروع کی۔ افسر بار بار راؤ صاحب کے چہرہ پر نگاہ جماتا اور اس درجہ مطمئن پا کر کبھی مخبر کی دروغ گوئی کا شبہ اور گاہے اپنی ناکامی و تکلیف سفر کا افسوس لاتا تھا۔ یہاں تک کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا ہوا حاکم اس حجرہ کی طرف بڑھا جس میں اعلیٰ حضرت کی سکونت کا مخبر نے پورا پتہ دیا تھا۔ اور یہ کہہ کر کہ اس کوٹھڑی میں کیا گھاس بھری جاتی ہے؟ اس کے پٹ کھول دیجئے۔ راؤ عبداللہ خان کی اس وقت جو حالت ہوئی ہوگی، وہ انہی کے دل سے پوچھنا چاہیے۔ سمجھتے تھے کہ تقدیر کے آخری فیصلہ کا وقت آ گیا اور اپنا پیمانہ حیات لبریز ہو کر اچھلا چاہتا ہے، اس لئے راضی برضا ہو کر جی ہاں اور حکم گرفتاری کے منتظر کھڑے ہو گئے۔

خداوندی حفاظت کا کرشمہ دیکھئے کہ جس وقت کوٹھڑی کا دروازہ کھلا، تخت پر مصلیٰ ضرور بچھا ہوا تھا، لوٹا رکھا ہوا اور نیچے وضو کا پانی البتہ بکھرا پڑا ہوا تھا، مگر اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کا پتہ بھی نہ تھا۔ افسر حیران و متحیر اور راؤ عبداللہ خان دل ہی دل میں شیخ کی عجیب کرامت پر فرحاں و شاداں۔ کچھ عجیب سا سماں تھا کہ حاکم نہ کچھ دریافت کرتا ہے نہ استفسار۔ کبھی ادھر دیکھتا ہے کبھی ادھر۔ آخر مخبر کی دھوکہ دہی سمجھ کر بات کو ٹالا اور کہا کہ خان صاحب یہ لوٹا کیسا اور پانی کیوں پڑا ہے؟ راؤ صاحب بولے، جناب اس جگہ ہم مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور وضو میں منہ ہاتھ دھویا کرتے ہیں، چنانچہ ابھی آپ کے آنے سے دس منٹ قبل اسی کی تیاری تھی۔ افسر نے ہنس کر کہا کہ آپ لوگوں کی نماز کے لئے تو مسجد ہے یا اصطبل کی کوٹھڑی۔ راؤ صاحب نے فوراً جواب دیا کہ جناب مسجد فرض نماز کیلئے ہے اور نفل نماز ایسی ہی جگہ پڑھی جاتی ہے جہاں کسی کو پتہ بھی نہ چلے۔

بیہ لا جواب جواب سن کر افسر نے پٹ بند کر دیئے اور اصطبل کے چاروں طرف غائر نظر دوڑانے کے بعد باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر یہ کلمات کہہ کر رخصت ہوا کہ راؤ صاحب معاف کیجئے، اس وقت آپ کو ہماری وجہ سے بہت تکلیف اٹھانا پڑی اور پھر بھی ہمیں کوئی گھوڑا پسند نہ آیا۔ راؤ عبداللہ خان صاحبؒ کی نظر سے دوش کے سوار جب اوجھل ہو لئے تو واپس ہوئے اور کوٹھڑی کھول دی۔ دیکھا کہ اعلیٰ حضرت نماز سے سلام پھیر چکے اور مصلے پر مطمئن بیٹھے ہوئے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید ص ۷۹، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق ص ۲۵)

آپ تشریف لے آئے، ہم جاتے ہیں

ایک روز نصف شب کے وقت ایک سفید باف آیا اور آپ کو جگا کر عرض کیا کہ حضرت میری لڑکی کو آسیب کی خلش سے بہت تکلیف ہے، آپ تشریف لے چلیں اور اس کا علاج فرماویں۔ اسی وقت آپ اس کے ہمراہ ہوئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ میاں اللہ بخش اس کے سر پر موجود ہیں۔ انہوں نے آپ کو سلام کیا اور کہا کہ آج اس نے اپنی زبان سے ایسے ایسے کلمات ہماری نسبت کہے تھے اس لئے ہم یہاں آ گئے تھے۔ آپ تشریف لے آئے، ہم جاتے ہیں اور پھر کبھی یہاں نہ آویں گے۔ آئندہ آپ کسی کی درخواست پر ایسے وقت تشریف نہ لایا کریں، صرف ایک تحریر اس کے ہاتھ بھیج دیا کریں، موافق اس کے تعمیل کیا کروں گا۔ مجھ سے آپ کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔

پھر جب کہیں ایسی شکایت ہوتی تو آپ ایک پرچے پر اپنا نام نامی لکھ کر دے دیتے، وہ شکایت رفع ہو جاتی۔ (بیس بڑے مسلمان: ۱۰۱)

حضرت کے دستک دینے سے لڑکوں کی واپسی

بعض لڑکے بلا اطلاع کہیں چلے جاتے اور ان کے اقارب پریشان ہوتے۔ حضرت کے روبرو جس وقت کسی لڑکے کے چلے جانے کا ذکر آتا تو حضرت اسی وقت دستک دے دیتے، وہ لڑکا اس وقت جس جگہ ہوتا تھا، اس سے آگے نہ بڑھتا، وہاں ہی سے واپس اپنے گھر چلا آتا۔ آپ فرمایا کرتے کہ جس وقت فرار کا حال معلوم ہوا کرے، فوراً بیان کر دیا کریں۔

جس قدر جلدی بیان کر دیا جائے گا اتنی ہی جلدی وہ لڑکا واپس آ جائے گا، اور جس قدر دیر کی جاوے گی اتنی ہی دیر سے واپس آئے گا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۱۰۱)

کل انشاء اللہ بمبئی پہنچ جائے گا

۱۳۰۸ھ میں احقر جب سفر ہند کے قصد سے آگبوٹ میں سوار ہوا اور بعد گزرنے عدن کے چھ روز گزرے آگبوٹ کا کوئلہ تمام ہو گیا۔ جس کے باعث انجینئر مع کپتان ومعلم کے بہت حیران و پریشان ہوئے حتیٰ کہ تختے اور رسیاں جلانے کی نوبت پہنچی۔ احقر نے انجینئر سے پوچھا، بھلا رسیوں اور تختوں کا جلانا کچھ مفید ہے اور آگبوٹ موافق معمول کے چلتا ہے یا کم۔ اس نے کہا، موافق معمول چلنا تو درکنار پانی کے زور سے کسی قدر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ تب احقر نے نہایت ملول ہو کر کہا کہ پھر رسیوں کا جلانا کیا مفید ہے؟ کیا فقط انجن گرم رکھنے کے لئے؟

یہ گفتگو بعد الظہر ہوائی اور وہ باقی دن نہایت شدت سے گزرا۔ شب کے وقت ایک بجے نیم خوابی کی حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت حاجی صاحب احقر کو نہایت دلجوئی سے فرما رہے ہیں کہ تو کیوں گھبرا رہا ہے، کل انشاء اللہ بمبئی ساتھ سلامتی کے پہنچے گا۔ اسی وقت بیدار ہوا اور اپنے وظیفہ و ورد میں مشغول رہا اور انجینئر پھرتے پھرتے میرے پاس آن پہنچا اور کہا کہ اس وقت آگبوٹ ان ہی رسیوں اور لکڑوں کے زور سے کچھ آگے بڑھ رہا ہے۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک آگبوٹ نظر آیا اور روشنی صبح کی ظاہر ہوئی۔ اپنی اصطلاح خاص میں اس کو کچھ کہا کہ وہ آگبوٹ نزدیک آیا اور تھوڑے کوئلے ان سے لئے۔ کوئلے لینے کی دیر تھی کہ آگبوٹ کی رفتار ایسی ہوئی کہ انجینئر کہتا تھا کہ جب سے میں اس آگبوٹ پر ہوں ایسی چال کبھی نہیں چلا۔ پھر میں نے پوچھا کہ اب کب پہنچے گا۔ کہا کل صبح کو۔ احقر متحیر ہوا کہ حضرت نے فرمایا آج کے روز اور یہ کہتا ہے کہ کل۔ خیر اسی خیال میں ایک عرصہ گزر گیا۔ بامداد اللہ تعالیٰ اسی روز مع الخیر والسلامت بمبئی پہنچے اور شہر میں اترے۔

(بیس بڑے مسلمان: ۱۰۱ بروایت حافظ قاری مولوی احمد مکی)

جہاز واپس آ گیا

ایک مرتبہ یہ ناچیز بقصد حرمین شریفین وطن سے چلا، بمبئی میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں

کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ اس مرتبہ ہم تو ہندوستان میں آ گئے تم کے نہ جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اب تو یہاں آ گئے اور جہاز کا کرایہ بھی کر لیا اور کل جہاز روانہ ہو جائے گا۔ فرمایا نہیں، جانا مناسب نہیں۔ میں عرض کرتا رہا، ارشاد ہوا کہ نہیں اس سال نہ جاؤ۔

آنکھیں کھلیں، فی الجملہ تردد رہا۔ مگر اس دن جہاز کی روانگی تھی، میں اس بھید سے واقف نہ تھا، سوار ہو گیا۔ اور جہاز روانہ ہوا۔ اسی دن ایسا طوفان آیا کہ جہاز میں نقصان آ گیا اور جہاز واپس آیا۔ (راوی مولانا شاہ محمد حسینؒ الہ آبادی، (بیس بڑے مسلمان: ۱۰۲)

تم لوگوں نے لیٹنے بھی نہ دیا

ایک دن ظہر کے بعد میں اور مولوی منور علی صاحب اور ملا محب الدین صاحب کوئی ضروری بات عرض کرنے کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت حسب معمول اوپر جا چکے تھے۔ کوئی آدمی تھا نہیں کہ اطلاع کرائی جاتی۔ آواز دینا ادب کے خلاف تھا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ حضرت کے قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائیں، یا بات کا جواب مل جائے گا یا حضرت خود تشریف لائیں گے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ حضرت اوپر سے نیچے تشریف لائے۔ ہم لوگوں نے معذرت کی کہ اس وقت حضرت لیٹے ہوئے تھے، ناحق تکلیف فرمائی۔ ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے لیٹنے بھی دیا؟ کیونکر لیٹتا۔ ہم لوگ سخت نادم ہوئے۔ (راوی مولانا شاہ محمد حسینؒ الہ آبادی، (بیس بڑے مسلمان: ۱۰۳)

''ما'' نافیہ نہیں ''ما'' موصولہ ہے

ایک دن ایک فقیر صدا دیتا کہ ما فی قلبی غیر اللہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ما نافیہ نہیں ما موصولہ ہے۔ ما نافیہ ہوتا اور اس کو اس کی حالت ہوتی تو کبھی سوال نہ کرتا۔ (راوی مولانا شاہ محمد حسینؒ الہ آبادی، (بیس بڑے مسلمان: ۱۰۳)

روحانی غذا

باوجود پیرانہ سالی کے مجاہدہ کا یہ حال تھا کہ ایک سال رمضان شریف میں مجھے حاضری

خدمت اقدس کا اتفاق ہوا، دیکھا کہ تمام رات نماز پڑھنے اور قرآن سننے میں بسر ہوتی ہے۔ حافظ عبداللہ پنجابی ایک بزرگ تھے۔ تراویح میں ہر روز وہ حرم شریف میں محض حضرتؒ کے سنانے کو سات آٹھ سیپارے پڑھتے تھے، اس میں قریب نصف شب گزر جاتی۔ اس کے بعد حضرت کبھی کبھی شیخ حسن عرب کا قرآن سننے جاتے۔ نصف شب سے حافظ عبدالحمید صاحب باب الرحمۃ پر تہجد میں پانچ چھ سیپارے روز پڑھتے۔ ان کا قرآن سنتے۔ فجر تک برابر یہی کیفیت رہتی۔

ایک دن حضرت کی طبیعت صحیح نہ تھی، کھانا تناول نہیں فرمایا۔ حافظ جی نے کم پڑھا۔ آپ نے سلام کے بعد ارشاد فرمایا کہ حافظ جی طبیعت کیسی ہے؟ آج تم نے کم کیوں پڑھا؟ حافظ نے عرض کیا کہ آپ کے خیال سے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو جب قرآن سننے لگتا ہوں تو کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا اور جی یہ چاہتا ہے کہ بس یہ آواز برابر آتی ہی جائے اور اس وقت تک ذرا بھی ضعف نہیں معلوم ہوتا۔ (راوی مولانا شاہ محمد حسینؒ الہ آبادی)

(بیس بڑے مسلمان: ۱۰۳)

علم باطنی

میرے والد صاحب قبلہ اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ حضرت قبلہ عمومی حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے علم عربی کم پڑھا ہے۔ ایک بار حضرت موصوف نے مجھ کو کاندھلہ اپنے ماموں کے پاس کسی بڑی کتاب حدیث کو منگانے کے لئے بھیجا۔ اس کے جواب میں حضرت کے ماموں صاحب نے فرمایا کہ کیا میاں امداد اللہ اس کتاب کی زیارت کیا کریں گے یا کسی سے پڑھوا کر سنیں گے؟ حجام نے واپسی میں عرض کیا کہ حضرت! انہوں نے ایسے فرمایا کہ میری مجال نہیں کہ عرض کروں۔ حضور نے باصرار وہ لفظ سنا، فرمایا کہ اسی وقت واپس کاندھلہ چلا جا اور میرا خط ماموں صاحب کے حضور میں پیش کر کے عرض کرو کہ جو حدیث مشکل ہو وہ آپ تشریف لا کر دریافت فرمالیں، خدا کے حکم سے جواب دوں گا۔

سنا گیا ہے کہ وہ بزرگ تشریف لائے اور مشکل احادیث دریافت فرمائیں۔ حکم خدا سے جواب درست پایا کہ الحمد للہ علم باطنی سینہ مبارک پر کھل گیا۔ ظاہری علم اس کے سامنے

کیا ہے۔ (از حکیم مقبول احمد صاحب تھانوی (بیس بڑے مسلمان: ۱۰۳)

عشق اول عشق آخر

حافظ غلام مرتضیٰ مجذوب مقیم پانی پت سالک مجذوب تھے۔ حالت سلوک میں ان کو جذب ہو گیا تھا، ہماری بستی میں اکثر آیا کرتے تھے۔ ایک بار غل ہوا کہ غلام مرتضیٰ پتھر مار رہے ہیں۔ میں ان کے پاس گیا۔ مجھ کو دیکھ کر انہوں نے پتھر مارنا چھوڑ دیئے اور مجھے قریب بلایا۔ میرے ہاتھ میں کوئی کتاب عشق تھی، اس کے اوراق کھلوائے گئے۔ جب یہ شعر نظر پڑا:

عشق اول عشق آخر عشق کل
عشق شاخ و عشق نخل و عشق گل

مجھ کو اشارہ کیا اور بشارت غلبہ توحید کی دی۔ فرمایا کہ جو اسرار توحید میری زبان سے بے ساختہ نکل جاتے ہیں۔ یہ اسی بشارت کا ثمرہ ہے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۱۰۳)

دشمن پر رعب

تھجا سہ میں ایک بار آپ مکان میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک سکھ آپ کی خبر پا کر گرفتاری کے لئے آیا۔ گھوڑے پر سے اتر کر دروازے پر کھڑے ہو کر مکان کے اندر جھانکا اور آپ پر نظر پڑتے ہی لوٹنا شروع کیا اور تھوڑی دیر کے بعد سوار ہو کر واپس چلا گیا۔

(از حضرت گنگوہیؒ (بیس بڑے مسلمان: ۱۰۴)

زخم پر ہاتھ رکھا

شاملی کے معرکہ میں حاجی امداد اللہؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسمؒ اور حافظ ضامنؒ ہمراہ تھے۔ بندوقچیوں سے مقابلہ ہوا۔ یہ نبرد آزما جتھہ بھاگ جانے والا یا ہٹ جانے والا نہ تھا۔ اس لئے پہاڑ کی طرح جم کر مقابلہ پر ڈٹ گئے اور دوسرا گروہ ہاتھوں میں تلواریں لئے بندوقچیوں کے سامنے ایسے جارہا تھا گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے۔ چنانچہ ان حضرات پر فائر ہوئے اور حضرت ضامنؒ نے زیر ناف گولی کھائی اور شہید ہوئے۔ حضرت مولانا قاسم یکا یک سر پکڑ کر بیٹھ گئے، جس نے دیکھا، جانا کہ کنپٹی پر گولی لگی ہے اور دماغ پار کر کے نکل گئی۔ حضرت

حاجی صاحب نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ کیا ہوا میاں؟ عمامہ اتار کر سر جو دیکھا، کہیں معمولی کا نشان تک نہیں۔ تعجب یہ تھا کہ تمام کپڑے خون سے تر تھے۔ (تیس بڑے مسلمان: ۱۹)

حاجی صاحب کی لسان

جب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے حج کا ارادہ فرمایا تو چونکہ شیخ یعنی حاجی صاحبؒ مکہ مکرمہ میں تھے، اس لئے سوچا کہ شیخ کی خدمت میں کوئی تحفہ لے کر جانا چاہئے۔ آب حیات نامی کتاب تصنیف فرمائی اور وہاں پہنچ کر حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ کتاب لکھ کر لایا ہوں، سناؤں گا۔ فرمایا کہ فلاں وقت سنانا۔

چنانچہ وہ کتاب سنائی اور جگہ جگہ حضرت حاجی صاحبؒ نے اصلاح بھی فرمائی۔ پھر فرمایا کہ شمس تبریز کی لسان مولانا رومؒ تھے، مولانا محمد قاسم صاحبؒ میری لسان ہیں۔ جو مضامین میرے قلب پر وارد ہوتے ہیں، وہ ان کے ذریعے واکرائے جاتے ہیں۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط: ۳/ ۹۷)

اگر ہم حضور علیہ السلام سے کہلوادیں تو

جب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب فیصلہ ہفت مسئلہ شائع ہوئی تو مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کو خواب میں حاجی صاحب کی زیارت ہوئی۔ حاجی صاحب فرما رہے ہیں کہ بھئی جب فقہاء کی کتابوں سے ان مسائل کی جو فیصلہ ہفت مسئلہ میں ذکر کئے گئے ہیں، گنجائش معلوم ہوتی ہے تو تم لوگ اتنا تشدد کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا، حضرت! گنجائش نہیں ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے پھر فرمایا کہ بھئی گنجائش ہے۔ انہوں نے بھی عرض کیا کہ حضرت نہیں ہے۔ تیسری مرتبہ حاجی صاحب نے فرمایا کہ اگر ہم حضور اقدس ﷺ سے کہلوادیں تو؟ اس پر حافظ صاحب نے کہا کہ حضرت! ہم بھی حضور اقدس ﷺ کے فرمان کی وجہ سے ہی نادرست کہتے ہیں۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام درست کہہ دیں تو ہمیں انکار کی کیا گنجائش ہے؟

اس کے بعد دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بحلیہ حضرت گنگوہیؒ تشریف لے آئے اور یہ ہاتھ باندھ کر ادب سے ایک کونہ میں کھڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ نے حاجی صاحب کو

خطاب کر کر فرمایا کہ حاجی صاحب! جو یہ لڑکا کہہ رہا ہے وہ ٹھیک ہے۔

اس پر حاجی صاحب نے کھڑے ہو کر سات دفعہ بجا و درست اس طرح کہا کہ اولاً جھکتے پھر سر و قد کھڑے ہو جاتے، پھر جھکتے پھر کھڑے ہو جاتے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا حاجی صاحب! ہم جائیں۔ حاجی صاحب نے عرض کیا، جیسی رائے عالی ہو۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جانے لگے۔ جب حافظ صاحب کے پاس سے گزرے تو انہوں نے دبی آواز سے عرض کیا کہ حضور! کتابوں میں ہم نے جو آپ کا حلیہ شریف پڑھا ہے، وہ تو اور ہے اور یہ حلیہ جس میں آپ اس وقت تشریف لائے ہیں، مولانا رشید احمد گنگوہی کا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اصل حلیہ تو وہی ہے جو آپ نے کتابوں میں پڑھا ہے، مگر آپ کو چونکہ مولانا رشید احمد سے عقیدت و محبت ہے، اس لئے ہم ان کی صورت میں آئے ہیں۔

پھر حافظ صاحب نے یہ خواب لکھ کر حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں مکہ مکرمہ بھیجا۔ حضرت حاجی اس سے بہت مسرور ہوئے اور یہ وصیت فرمائی کہ اس خواب کو میری قبر میں ایک طاق بنا کر اس میں رکھ دینا۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط:۳/۱۰۷)

تنگی کے بعد فراخی

حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ خود نوشت سوانح میں تحریر فرماتے ہیں کہ قطب عالم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کو فرماتے ہوئے میں نے خود سنا کہ ایک ہفتہ تک حضرت قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ میں اس کے انکار سے سمجھا کہ منشا الوہیت یہی ہے، اس لئے میں بھی صبر کر کے چپکا ہو گیا۔ ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد جبکہ ضعف و نقاہت بہت زیادہ ہو گیا تھا، رات میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ العزیز کو خواب میں دیکھا، ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے تم کو اپنے باورچی خانہ کا ناظم اور مہتمم بنا دیا۔ صبح کو اندھیرے میں ایک شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے دروازہ کھولا تو اس نے ایک تھیلی دی جس میں سو ریال تھے اور پھر چلا گیا۔ اس کے بعد سے عسرت نہیں ہوئی۔

(آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریا:۲/۱۰۷)

جن حاضر ہو گیا

سہارنپور میں ایک مکان تھا، اس میں جن کا سخت اثر تھا، جس سے وہ مکان متروک کر دیا گیا تھا۔ اتفاق سے حضرت حاجی صاحب پیران کلیر سے واپس ہوتے ہوئے سہارن پور تشریف لائے تو مالک مکان نے حضرت کو اسی مکان میں ٹھہرایا کہ حضرت کی برکت سے جن دفع ہو جائیں گے۔

رات کو تہجد کے واسطے جب حضرت اٹھے اور معمولات سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ حضرت کو حیرت ہوئی کہ باہر کا آدمی، اندر کوئی نہ تھا اور کنڈی لگی ہوئی ہے، پھر یہ کیسے آیا؟

حضرت نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا:

حضرت! میں وہ شخص ہوں جس کی وجہ سے یہ مکان متروک ہو گیا ہے یعنی جن ہوں، مدت دراز سے حضرت کی زیارت کا مشتاق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آج میری تمنا پوری کی۔

حضرت نے فرمایا:

ہمارے ساتھ محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور پھر مخلوق کو ستاتے ہو، توبہ کرو۔

حضرت نے اس کی توبہ کرائی، پھر فرمایا:

دیکھو! سامنے حضرت حافظ (ضامن شہیدؒ) صاحب تشریف رکھتے ہیں، ان سے بھی ملے ہو۔

اس نے کہا:

نہیں حضور! ان سے ملنے کی ہمت نہیں ہوئی، وہ بڑے صاحب جلال ہیں، ان سے ڈر لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری وہ شے ہے کہ جن وانس سب مطیع ہو جاتے ہیں۔

(امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق - ۱۳۰)

شہنشاہ عالم رب العزت کا ادب

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی پاؤں پھیلا کر نہ سوتے تھے کسی خادم نے کہا حضرت! آپ پاؤں کیوں نہیں پھیلاتے؟ آپ نے فرمایا کہ کوئی اپنے بادشاہ کے سامنے پاؤں بھی پھیلاتا ہے۔ (امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق:۱۳۹)

برا ماننے کی کیا بات ہے؟

کسی نے حضرت حاجی صاحب پر کفر کا فتویٰ لگایا حضرت نے سن کر برا نہیں مانا اور فرمایا کہ عنداللہ اگر مومن ہوں تو مجھے کسی کی تکفیر مضر نہیں اور اگر خدانخواستہ کافر ہوں تو برا ماننے کی کیا بات ہے؟ (امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق:۱۳۹)

چغل خور کو ڈانٹنا

حضرت حاجی صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص آپ کے متعلق یہ کہتا تھا۔ حضرت نے فرمایا اس نے تو پس پشت ہی کہا لیکن تم اس سے زیادہ بے حیا ہو کہ میرے منہ پر کہتے ہو۔ (امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق:۱۳۷)

عبادت

حضرت مولانا فتح محمد فرماتے ہیں میں حضرت حاجی صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا بہت دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا آخر جب بہت دیر ہوئی تو میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت! آج میں نے آپ کی عبادت میں بہت حرج کیا۔ حضرت فرمانے لگے مولانا! آپ نے یہ کیا فرمایا کیا نماز روزہ ہی عبادت ہے اور دوستوں کا جی خوش کرنا عبادت نہیں ہے؟۔

(امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق:۱۳۷)

چار چیزیں

حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب نے مجھے چار چیزیں تلقین فرمائیں: (۱) طلب رزق حلال (۲) تمام عالم سے اپنے آپ کو بدتر سمجھنا (۳) مراقبہ

احسان (۴) ترک اختلاط غیر جنس۔ (امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق: ۲۶)

درس مثنوی

ایک مرتبہ قسطنطنیہ کے ایک بڑے شیخ اسعد آفندی مولانا روم کے خاندان اور سلسلے کے مشائخ کامل و مثنوی کے زبردست عالم تھے آپ سے ملنے کے لئے تشریف لائے اس وقت مثنوی کا درس ہو رہا تھا حضرت شیخ العرب والعجم بڑے جوش کے ساتھ حقائق و معارف بیان فرما رہے تھے اور یہ درس اردو میں ہو رہا تھا آپ کے ایک خادم مولوی نیاز احمد حیدر آبادی نے عرض کیا کہ اگر شیخ اسعد اردو سمجھتے تو بہت محظوظ ہوتے اس پر حضرت نے فرمایا کہ حظ و لطف کے لئے زبان جاننے کی کیا ضرورت ہے یہ فرمایا کہ مثنوی شریف کے چند اشعار ایک خاص انداز سے پڑھے جن کو سن کر شیخ اسعد آفندی پر حال طاری ہو گیا۔ جب افاقہ ہوا تو انہوں نے آپ سے اشغال کی اجازت لی اور قبا پیش کر کے درخواست کی کہ آپ اس کو تبرکاً مجھے عنایت فرما دیجئے۔

(کمالات امدادیہ ۴۳)

بیعت

حضرت حاجی صاحب نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس آراستہ ہے آپ مجلس نبویؐ میں حاضر ہونا چاہتے تھے نہایت ادب کی وجہ سے قدم آگے نہیں پڑتا تھا اچانک آپ کے جد امجد حافظ بلاقی تشریف لائے اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر بارگاہ نبویؐ میں پہنچا دیا آنحضرت ﷺ نے دست مبارک میں آپ کا ہاتھ لے کر حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی کے حوالے فرما دیا۔ (سوانح میاں جی نور محمد جھنجھانوی ۹۵)

زیارت نبویؐ کا شوق

۱۲۶۰ھ میں آپ نے خواب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ آپ کو طلب فرما رہے ہیں فرط شوق میں زاد راہ کا بندوبست بھی نہ کر سکے اور خالی ہاتھ روانہ ہو گئے جب بھائیوں کو معلوم ہوا تو پیچھے سے مصارف سفر بھجوائے۔ (سوانح میاں جی نور محمد جھنجھانوی ۹۰)

قرآن کریم سے عشق

حافظ عبداللہ پنجابی ایک بزرگ تھے تراویح میں ہر روز حرم شریف میں حضرت کو سنانے کے لئے سات آٹھ پارے پڑھتے تھے اس میں تقریباً نصف شب گزر جاتی تھی اس کے بعد حضرت بھی شیخ حسن عرب کا قرآن سنتے جاتے نصف شب سے حافظ عبدالمجید صاحب باب الرحمۃ پر تہجد میں پانچ چھ پارے روز پڑھتے ان کا قرآن سنتے فجر تک برابر یہی کیفیت رہتی ایک دن حضرت کی طبیعت ٹھیک نہ تھی آپ نے کھانا تناول نہیں فرمایا حافظ جی نے قرآن کم پڑھا آپ نے سلام کے بعد ارشاد فرمایا حافظ جی طبیعت کیسی ہے آج تم نے کیوں کم پڑھا؟ حافظ جی نے عرض کیا کہ آپ کے خیال سے۔ اس پر آپ نے فرمایا میں تو جب قرآن سننے لگتا ہوں تو کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا اور جی یہ چاہتا ہے کہ یہ آواز برابر آتی رہے جب تک آواز آتی رہتی ہے اس وقت تک ضعف معلوم نہیں ہوتا۔ (سوانح میاں جی نور محمد جھنجھانوی ۱۰۱)

حضرت مولانا

مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ولی کامل

نمونہ اسلاف

صاحب تقویٰ و توکل

ہر رنگ میں راضی بہ رضا ہو تو مزا دیکھ
دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

جنت البقیع مدینہ منورہ میں مدفون ہیں

پیدائش	وفات
۱۸۰۵ء	۱۸۶۶ء

ان کا کھانا کراہت سے خالی نہیں

مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے شاگردوں میں سے تین شخص نہایت متقی تھے۔ اول درجہ کے مولوی مظفر حسین صاحب، دوسرے درجہ کے شاہ عبدالغنی صاحب، تیسرے درجہ کے نواب قطب الدین خان صاحب۔ ایک مرتبہ نواب قطب الدین خان صاحب نے شاہ اسحٰق صاحب، مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی مظفر الدین حسین صاحب اور چند دوسرے احباب کی دعوت کی۔ شاہ اسحٰق صاحب نے منظور فرمالی اور مولوی محمد یعقوب صاحب نے بھی مگر مولوی مظفر حسین صاحب نے منظور نہ فرمائی۔

اس سے نواب قطب الدین خان کو ملال ہوا اور انہوں نے شاہ اسحٰق صاحب سے شکایت کی کہ میں نے مولوی مظفر حسین صاحب کو بھی دعوت دی تھی مگر انہوں نے انکار فرمایا۔ شاہ صاحب نے مولوی مظفر حسین پر عتاب فرمایا اور فرمایا، ارے مظفر حسین تجھے تقویٰ کی بدہضمی ہوگئی ہے۔ کیا نواب قطب الدین کا کھانا حرام ہے۔ انہوں نے فرمایا حاشا وکلا مجھے نواب صاحب پر اس قسم کی بدگمانی نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا، پھر تو انکار کیوں کرتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا، حضرت نواب صاحب نے آپ کی بھی دعوت کی ہے اور مولوی محمد یعقوب صاحب کی بھی اور ان کے علاوہ اتنے اور آدمیوں کی اور آپ کو پالکی میں لے جائیں گے، اس میں بھی وہ ضرور صرف ہوگا اور نواب صاحب گو بگڑ گئے ہیں مگر پھر نواب زادہ ہیں، وہ دعوت میں ضرور لوازمہ تکلف بھی کریں گے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نواب صاحب مقروض بھی ہیں۔ پس یہ مقروض ہیں اور جتنا روپیہ وہ دعوت میں صرف کریں گے وہ ان کی حاجت سے زائد بھی ہے۔ تو یہ روپیہ وہ اپنے قرض میں کیوں نہیں دیتے۔ ایسی حالت میں ان کا کھانا کراہت سے خالی نہیں۔ یہ بات شاہ صاحب کے ذہن میں بھی آگئی اور شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں قطب الدین اب ہم بھی تمہارے یہاں کھانا نہ کھائیں گے۔ (ارواح ثلاثہ ۱۸۸)

مولوی مظفر حسین صاحب ہی تو ہیں

مولوی محمود حسن صاحب بیان فرماتے ہیں کہ

ایک مرتبہ مولوی مظفر حسین صاحب کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لئے ہوئے جاتا تھا۔ بوجھ کسی قدر زیادہ تھا اس وجہ سے مشکل سے چلتا تھا۔ مولوی مظفر حسین صاحب نے جب یہ حال دیکھا تو آپ نے اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اس بڈھے نے پوچھا کہ جی تم کہاں رہتے ہو۔ انہوں نے کہا بھائی میں کاندھلہ میں رہتا ہوں۔ اس نے کہا، وہاں مولوی مظفر حسین صاحب بڑے ولی ہیں اور ایسے ہیں ویسے ہیں، غرض بہت تعریفیں کیں۔ مگر مولوی مظفر حسین صاحب نے فرمایا کہ اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے ہاں نماز تو پڑھتے ہیں۔ اس نے کہا، واہ میاں! تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں ٹھیک کہتا ہوں۔ وہ بوڑھا ان کے سر ہو گیا۔ اتنے میں ایک شخص آ گیا جو مولوی مظفر حسین صاحب کو جانتا تھا۔ اس نے اس بوڑھے سے کہا، بھلے مانس مولوی مظفر حسین صاحب یہی تو ہیں۔ اس پر وہ بوڑھا ان سے لپٹ کر رونے لگا، مولوی صاحب بھی اس کے ساتھ رونے لگے۔ (ارواح ثلاثہ ۱۸۹)

تقویٰ کی عجیب مثال

مولانا مظفر حسین صاحبؒ ایک مرتبہ دہلی سے بہلی میں سوار ہو کر اپنے وطن کاندھلہ کو تشریف لا رہے تھے۔ بزرگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر شخص سے اس کے مذاق کے موافق گفتگو کیا کرتے ہیں۔ اس بہلی والے سے بہلی ہی کے متعلق کچھ پوچھنے لگے کہ بیلوں کو راتب کتنا دیتے ہو اور کیا بچت ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں بہلوان کی زبان سے یہ بھی نکل گیا کہ بہلی ایک رنڈی کی ہے اور میں اس کا نوکر ہوں۔ بھلا مولانا رنڈی کی گاڑی میں کیسے بیٹھ سکتے تھے۔ (کسی طالب علم نے کرایہ کر کے لا دی ہوگی مولانا کو پتہ نہ تھا، اب مولانا کا دقیق تقویٰ دیکھئے) فوراً نہ اترے تاکہ اس کی دل شکنی بھی نہ ہو، تقویٰ بھی برتنا ہر شخص سے نہیں آتا۔ ذرا دیر کے بعد بولے کہ بہلی کو روک لینا مجھے پیشاب کی ضرورت ہے۔ اس نے بہلی روکی، آپ نے اتر کر پیشاب کیا اور اس کے ساتھ استنجا سکھلاتے چلے۔ کہاں تک چلتے آخر ڈھیلا پھینک دیا۔ اس نے کہا بیٹھ جائیے۔ فرمایا ٹانگیں شل ہو گئی ہیں ذرا دور پیدل چلوں گا۔ تھوڑی دور چل کر اس نے پھر عرض کیا، پھر ٹال دیا۔ پھر وہ سمجھ گیا اور کہا کہ مولانا میں سمجھ گیا کہ یہ رنڈی کی گاڑی ہے، آپ

اس میں بیٹھیں گے نہیں۔ پھر لے جانے سے کیا فائدہ، حکم دیجئے لوٹ جاؤں۔ فرمایا، ہاں بھائی بیٹھوں گا تو نہیں مگر تم کو کاندھلہ چلنا ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی اس کے پاس کرایہ کو آیا ہو اور اس نے انکار کر دیا ہو تو اس کا خواہ مخواہ نقصان ہوگا۔ (یہاں پہ یہ شبہ ہے کہ جب کرایہ دیا ہی تھا تو پھر کاندھلہ تک خالی بہلی کیوں لائے؟ تو بات یہ ہے کہ بعض طبیعتیں بلا کارگزاری کے لینا گوارا نہیں کرتیں یا اس کے سوا کوئی اور وجہ ہو) لہٰذا آپ کاندھلہ تک ویسے ہی پیدل آئے اور ہر منزل پر بیلوں کو گز، گھی اور گھاس دانہ کا ویسے ہی انتظام کیا اور مکان پر آ کر اس کو کرایہ دے کر واپس کیا۔ (منقول از اشرف التنبیہ، ارواح ثلاثہ ۱۹۰)

ململ کے کرتے سے عجب پیدا ہوتا

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مہاجر مکی سے بھی شدید تعلق تھا اور آپ انہیں کے مرید تھے۔ سلسلہ درس و تدریس نہ تھا۔ ایک سید ھی سادی زندگی بسر کرتے تھے، کبھی کبھی مسجد میں اور کبھی مستورات میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ گاڑھے کا کرتہ، پاجامہ اور نیلی لنگی، یہ آپ کا لباس تھا۔ میری دادی صاحبہ یعنی صاحبزادی مولانا صاحبؒ فرماتی تھیں کہ ایک بار میں نے موٹی ململ کا کرتہ حضرت کے لئے سیا۔ اول تو زیب تن فرمانے سے انکار کیا۔ بعد میں میری خوشنودی کو پہنا مگر جمعہ کی نماز پڑھ کر فوراً اتار دیا اور فرمایا میرے گاڑھے کا کرتہ دے دو، اس میں عجب پیدا ہوتا ہے۔ سواری پر بھی سوار نہ ہوتے۔ پیدل سفر کرتے تھے اور سامان سفر لوٹا، لنگی، لکڑی اور مشکیزہ ہوتا تھا۔ جہاں شام ہو جایا کرتی تھی وہیں شب بسر فرمایا کرتے تھے۔

(ارواح ثلاثہ ۱۹۲)

ہندو گھرانہ مسلمان ہوگیا

ایک مرتبہ شام ایک ایسے گاؤں میں ہوئی جہاں سب ہندو تھے، کوئی مسلمان نہ تھا۔ وہاں والوں سے کہا کہ رات کو رہنے کے لئے کوئی جگہ بتا دو تو ایک شخص نے گاؤں کے باہر کولھو پر بتا دیا۔ آپ کے پاس روٹی تھی اس کو نوش فرمایا۔ اتفاقاً وہی شخص رات کو کسی کام کیلئے جنگل میں آیا تو حضرتؒ کو قرآن پڑھتے سنا۔ تمام شب بے تابی سے گزاری اور صبح کو حاضر خدمت ہو

کر عرض کیا، رات جو تو پڑھ رہا تھا وہ جلدی سے مجھے بھی پڑھا دے۔ اس کے بعد آپ کو اپنے گھر لے گیا اور وہاں اس کے بچے، بیوی وغیرہ سب مسلمان ہو گئے۔ (ارواح ثلاثہ ۱۹۴)

اب دل تیرے قبضہ میں ہے

ایک مرتبہ آپ کا جلال آباد یا شاملی پر گزر ہوا۔ ایک مسجد ویران پڑی تھی وہاں نماز کے لئے تشریف لا کر پانی کھینچا، وضو کیا، مسجد میں جھاڑو دی۔ اس کے بعد ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی نمازی نہیں؟ اس نے کہا کہ جی سامنے خان صاحب کا مکان ہے جو شرابی اور رنڈی باز ہیں۔ اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو یہاں اور بھی دو چار نمازی ہو جائیں۔ آپ ان خان صاحب کے پاس تشریف لے گئے تو رنڈی پاس بیٹھی تھی اور نشہ میں مست تھے۔ آپؒ نے خان صاحب سے فرمایا کہ بھائی خان صاحب اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار آدمی اور جمع ہو جایا کریں گے اور مسجد آباد ہو جائے گی۔ خان صاحب نے فرمایا کہ میرے سے وضو نہیں ہوتا اور نہ یہ دو بری عادتیں چھوٹتی ہیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ بے وضو ہی پڑھ لیا کرو اور شراب بھی پی لیا کرو۔ اس نے اس نے عہد کیا کہ میں بغیر وضو ہی پڑھ لیا کروں گا۔ آپؒ وہاں سے تشریف لے گئے اور کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدہ میں خوب روئے۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت آپ سے دو ایسی باتیں سرزد ہوئیں جو کبھی نہیں ہوئیں۔ اول یہ کہ آپ نے شراب اور زنا کی اجازت دے دی، دوسری یہ کہ آپ سجدہ میں بہت روئے۔ فرمایا کہ مسجد میں، میں نے جناب باری تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ اے رب العزت! گھڑا تو میں کر دیا اب دل تیرے ہاتھ میں ہے۔

ان خان صاحب کا یہ حال ہوا کہ جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا، اپنا عہد یاد آیا۔ پھر خیال آیا کہ آج پہلا روز ہے لاؤ غسل کر لیں کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے۔ غسل کیا، پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی، بعد نماز باغ کو چلے گئے، عصر اور مغرب باغ میں اسی وضو سے پڑھی۔ بعد مغرب گھر پہنچے، طوائف موجود تھی۔ اول کھانا کھایا، پھر گھر میں گئے، بیوی پر جو نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے۔ ان کی شادی کو سات سال ہو گئے تھے اور آج تک نہ کبھی بیوی کے پاس گئے اور نہ اس کی صورت دیکھی تھی۔ فوراً باہر آئے، رنڈی سے کہا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا اور خادم سے کہا کہ بستر گھر میں بھیج دو۔

سنا ہے کہ ان خان صاحب کی پچیس سال تک کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔

(ارواح ثلاثہ ۱۹۲)

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

ایسے ہی ایک مرتبہ گڑھی پختہ تشریف لے گئے۔ ایک خان صاحب سے نماز کے لئے کہا تو انہوں نے کہا کہ مجھے داڑھی چڑھانے کی عادت ہے اور وضو سے یہ اتر جاتی ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ بے وضو ہی پڑھ لیا کرو۔ خان صاحب نے کچھ روز بغیر وضو پڑھی۔ پھر خیال آیا کہ ایک مولوی کے کہنے سے تو نے بغیر وضو نماز پڑھنی شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے باوضو نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اس کے بعد ہمیشہ باوضو نماز پڑھنے لگا۔ (ارواح ثلاثہ ۱۹۳)

مولانا تھانے میں بند کر دیئے گئے

آپؒ نے سات حج کئے اور پیدل۔ ایک مرتبہ حج سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ پانی پت سے چل کر شب کو کسی گاؤں میں سرائے کی مسجد میں قیام فرمایا اور آخر شب میں وہاں سے روانہ ہوئے۔ اتفاق سے رات کو سرائے میں چوری ہو گئی۔ بھٹیاری نے کہا، ایک شخص رات کو مسجد میں ٹھہرا تھا اور صبح ہی چلا گیا، ضرور وہی چور ہے۔ لوگ تعاقب کے لئے آئے اور جھنجھانہ کے قریب آ کر پکڑ لیا اور کہا کہ تھانہ چلو۔ آپؒ نے فرمایا کہ جھنجھانہ کے تھانے میں نہ لے چلو، اور کہیں چلو۔ اس پر ان لوگوں نے اور بھی شبہ کیا اور جھنجھانہ کے ہی تھانہ میں لے گئے اور ایک سپاہی کے حوالہ کر دیے جس نے حوالات میں آپ کو بند کر دیا۔ تھوڑی دیر میں قصبہ کے لوگوں نے دیکھا اور تمام قصبہ میں شور مچ گیا، عوام بہت مشتعل ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ تھانے دار کی بدمعاشی ہے، اس کی جان کے درپے ہو گئے۔ تھانے کو لوٹنا چاہتے تھے۔ تھانے دار خواجہ احمد حسن تھے اور مولوی صاحب سے خوب واقف تھے۔ بہت مشکل سے جان بچا کر تھانہ آتے اور مولوی صاحب کو حوالات سے نکالا اور واقعہ کی تحقیق کی۔ پھر لوگ اس پانی پت والے آدمی کی جان کے درپے ہو گئے جو آپ کو پکڑ کر لایا تھا۔ آپؒ نے خواجہ احمد حسن سے فرمایا کہ اس کی جان کے تم ذمہ دار ہو، اس کے ساتھ دو تین آدمی کر دو جو اس کو بخیریت پانی پت پہنچا دیں۔

(ارواح ثلاثہ ۱۹۳)

اس میں کیا حرج ہے؟

ایک مرتبہ کاندھلہ تشریف لا رہے تھے۔ ایک شخص مل گیا، اس سے دریافت فرمایا کہ کہاں جاؤ گے؟ اس نے جواب دیا کہ کاندھلہ مولوی مظفر حسین ؒ کے پاس۔ اس کے پاس سامان تھا اور آپ ؒ خالی ہاتھ تھے۔ آپ ؒ نے اس سے سامان لے کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ کاندھلہ آ کر جب اسے معلوم ہوا کہ یہی مولوی صاحب ہیں تو بہت پشیمان ہوا۔ آپ ؒ نے فرمایا کہ اس میں حرج کیا تھا، میں خالی ہاتھ تھا اور تم بوجھ لئے ہوئے آ رہے تھے۔ (ارواح ثلاثہ ۱۹۴)

تقویٰ ہو تو ایسا

آپ ؒ محتاط بہت تھے۔ کبھی مشتبہ مال نہ کھاتے تھے اور بھولے سے یا غلطی سے کھا لیتے تھے تو فوراً قے ہو جاتی تھی۔ زمانہ طالب علمی کا قصہ ہے کہ:

آپ ؒ نے کئی سال روٹی سالن نہ کھایا۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ دال کے اکثر سالنوں میں کھٹائی پڑی ہے اور آموں کی بیع ناجائز طریق پر ہوتی ہے اس لئے میں سالن نہیں کھاتا۔ آپ ؒ بجز اپنے گھر کے اور کسی کے یہاں دعوت وغیرہ میں تشریف نہ لے جاتے تھے۔ ابتداء میں قاضی جی اور متولی جی کے یہاں کھانا تناول فرما لیا کرتے تھے۔ قاضی جی اور متولی جی کے والد کے انتقال کے بعد ان کے یہاں بھی کھانا چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد پھر شروع کر دیا اور بغیر بلائے خود چلے گئے۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ پہلے تم نابالغ تھے، اس لئے میں تمہارے مال سے پرہیز کرتا تھا۔ اب تم بالغ ہو گئے اس لئے اب مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔ (ارواح ثلاثہ ۱۹۵)

☆☆☆

حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات

بانی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے سپہ سالار

جنگ آزادی میں بظاہر ناکامی کے بعد دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی تاکہ آنے والی نسلوں میں دین اسلام کی پختگی کے ساتھ آزادی وحریت کی روح پھونک دی جائے

پیدائش	وفات
۱۸۳۱ء	۱۸۷۹ء

علوم مصطفیٰ کا قاسم خیرات روحانی
فروزاں جس کے سینے میں چراغ بزم ایمانی
بغاوت قوت باطل سے جس کا مقصد ہستی
اٹھارہ سو ستاون سن کی تحریکات کا بانی

طلب علم کا شوق

مولانا نانوتویؒ سفر حج میں تھے۔ اس سفر میں ان کا جہاز یمن کی ایک بندرگاہ پر ٹھہر گیا اور مولانا کو معلوم ہوا کہ یہاں جہاز چند روز قیام کرے گا۔ چونکہ آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں سے قریب کسی بستی میں ایک بہت معمر عالم اور محدث رہتے ہیں، اس لئے آپؒ جہاز سے اتر کر ان کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔ جب ان کی خدمت میں پہنچے اور گفتگو ہوئی تو مولانا کو ان کی شہرت علم کی تصدیق ہوئی اور آپؒ نے ان سے حدیث کی سند کی درخواست کی۔ ان عالم نے دریافت کیا کہ تم نے کس سے حدیث پڑھی ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ شاہ عبدالغنی صاحب سے۔ وہ عالم شاہ عبدالغنی صاحب کو نہ جانتے تھے اس لئے دریافت کیا کہ شاہ عبدالغنی نے کس سے پڑھی؟ مولانا نے فرمایا شاہ اسحٰق صاحب سے۔ وہ شاہ اسحٰق صاحب سے واقف نہ تھے اس لئے پوچھا کہ شاہ اسحٰق صاحب نے کس سے پڑھی ہے؟ مولانا نے فرمایا شاہ عبدالعزیز صاحب سے۔ وہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے واقف تھے، جب ان کا نام سنا تو فرمایا کہ اب میں تم کو سند دے دوں گا اور یہ بھی فرمایا کہ شاہ ولی اللہ طوبیٰ کا درخت ہے پس جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں وہاں جنت ہے اور جہاں اس کی شاخیں نہیں ہیں وہاں جنت نہیں ہے۔ یوں ہی جہاں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں وہاں جنت نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے مولانا کو حدیث کی سند دے دی۔ (ارواح ثلاثہ ۲۰۳)

میں اپنے اندر کمال نہیں پاتا

مولوی امیر الدین صاحب نے فرمایا کہ:

ایک مرتبہ بھوپال سے مولانا کی طلبی آئی اور پانچ سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ میں نے کہا، اے قاسم! تو چلا کیوں نہیں جاتا تو فرمایا کہ وہ مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں اور اسی بناء پر وہ پانچ سو روپے دیتے ہیں مگر میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا پھر کس بناء پر جاؤں؟ میں نے بہت اصرار کیا مگر نہیں مانے۔ (ارواح ثلاثہ ۲۱۲)

عجیب مخمصہ سے خلاصی

امیر شاہ خان فرماتے ہیں کہ خورجہ میں ایک شخص تھے، حاجی محمد اسحق خان۔ نہایت پابند صوم و صلوٰۃ اور ذاکر و شاغل تھے۔ یہ صاحب مولانا نانوتوی سے بیعت تھے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ دو تین روز مسجد میں نہیں آئے۔ میں سمجھا کہ شاید کچھ بیمار ہو گئے ہیں اس لئے میں ان کی عیادت کے لئے گیا۔ جا کر دیکھا تو ایک کوٹھڑی میں چھپے بیٹھے تھے اور کانوں میں روئی ٹھونس رکھی تھی۔ میں نے پوچھا کہ کیا حالت ہے؟ تم کئی روز سے نماز کے لئے نہیں آئے۔ انہوں نے کہا، اچھا ہوں مگر کوئی چار روز سے ایک سخت عذاب میں مبتلا ہوں۔ وہ یہ کہ جب کوئی گاڑی نکلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے اوپر چل رہی ہے اور جب بیلوں کو سونٹا مارا جاتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھے لگتا ہے اور جب کتوں کی آپس میں لڑائی ہوتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ مجھے کاٹتے ہیں۔ جب چکی چلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ گیہوں کے بدلے میں میں پس رہا ہوں۔ لڑکے بھاگتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھ پر دوڑتے ہیں۔ اس لئے سخت تکلیف میں ہوں اور باہر نہیں نکل سکتا اور نہ چکی کی آواز سن سکتا ہوں اسی لئے چھپا ہوا بیٹھا ہوں اور میں نے کانوں میں روئی ٹھونس رکھی ہے۔ میں نے کہا کہ اپنی اس حالت کی مولانا نانوتوی کو اطلاع دو۔ انہوں نے کہا کہ تم لکھ دو۔ میں نے کہا کہ تم لکھ کر مجھے دے دو، میں اپنے خط میں بھیج دوں گا۔ انہوں نے اپنی حالت لکھ کر مجھے دے دی اور میں نے اپنے عریضہ کے ساتھ اس کو مولانا کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ مولانا اس زمانہ میں دہلی میں تھے۔ مولانا نے جواب دیا کہ اس کا جواب تحریر نہیں ہو سکتا۔ تم ان سے کہہ دو کہ وہ میرے پاس چلے آئیں، چنانچہ یہ گئے۔ مولانا نے کچھ نہیں کیا صرف اوراد و اشغال کے اوقات بدل دیئے۔ یہ شخص دوسرے ہی دن اچھے ہو گئے۔

(ارواح ثلاثہ ۲۱۴)

اس شخص سے مذہب حنفی کو تقویت ملے گی

مولانا نانوتوی نے خواب دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی شے پر بیٹھا ہوں اور کوفہ کی طرف میرا منہ ہے اور ادھر سے ایک نہر آتی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا کر جاتی

ہے۔ اس خواب کو انہوں نے مولوی یعقوب صاحب سے اور شاہ محمد اسحٰق صاحب سے اس عنوان سے بیان فرمایا کہ حضرت ایک شخص نے اس قسم کا خواب دیکھا ہے تو انہوں نے یہ تعبیر دی کہ اس شخص سے مذہب حنفی کو بہت تقویت ملے گی۔ اور وہ پکا حنفی ہوگا اور اس کی خوب شہرت ہوگی لیکن شہرت کے بعد اس کا جلدی انتقال ہو جاوے گا۔ اور میں نے یہ خواب اور اس کی تعبیر خود مولانا نانوتویؒ سے سنی ہے۔

مولانا کا قاعدہ تھا کہ جب عام لوگوں اس خواب کو بیان فرماتے تو فرماتے ہیں، ایک شخص نے ایسا خواب دیکھا تھا لیکن خاص لوگوں سے فرما دیتے تھے کہ میرا خواب ہے۔ جب مولانا نے مجھ سے یہ خواب بیان فرمایا، اس وقت میں اکیلا تھا اور پاؤں دبا رہا تھا اور مولانا نے بے تکلف مجھ سے اپنا نام لیا تھا۔ (امیر شاہ خان، ارواح ثلاثہ ۱۲۵)

خلافت صدیق اکبرؓ کے ثبوت کا دلکش انداز

خان صاحب نے فرمایا کہ نواب اعظم علی خان کے یہاں ایک قصہ خواں نوکر تھا اور یہ قصہ خوان بہادر شاہ کا قصہ خواں تھا اور اس سے بڑھ کر دہلی میں کوئی قصہ خواں نہ تھا۔ نواب صاحب کے یہاں اسے تیس روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ اسکے اندر یہ کمال تھا کہ کیسا ہی چلا یا تو تلا یا اور کسی قسم کا آدمی ہو اس کی اس طرح نقل کر دیتا تھا کہ اصل اور نقل میں امتیاز نہ ہو سکتا تھا۔ ایک مرتبہ مولانا نانوتویؒ خورجہ تشریف لائے اور اعظم خان صاحب نے مولانا کی دعوت کی، یہ قصہ خوان رافضی تھا۔ اس نے مولانا سے سوال کیا کہ حضرت میں ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں، مولانا نے اسے اجازت دے دی۔ اس نے عرض کیا کہ خلافت کی قابلیت کس میں تھی؟ اور ابوبکر صدیقؓ کیسے خلیفہ ہو گئے جب کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کو خلیفہ نہ بنایا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ میں جواب عرض کرتا ہوں مگر تم اس کے درمیان میں نہ بولنا، جب میں تقریر کر چکوں اس وقت جو کچھ شبہ ہو اس کو پیش کرنا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔

مولانا نے فرمایا اگر کوئی پہلوان یا پھکیت یا بکیت بیمار ہو جاوے اور اس وجہ سے کشتی یا پھکیتی یا بکیتی خود نہ سکھا سکے اور جب سکھانے کا وقت آئے، اس وقت اپنے کسی شاگرد سے کہہ دے کہ تو سکھلا۔ یا کوئی رئیس یا اہل کار کہیں جاوے اور اپنے کام کے متعلق اپنے بیٹے یا

کسی عہدے دار سے کہہ جاوے کہ میرا کام تم کرنا اور اشخاص مامورین اس خدمت مفوضہ کو انجام دیں تو یہ استخلاف محلی ہوگا اور اس قسم کا استخلاف اس استخلاف سے کہیں بڑھ کر ہے جو فقط اس کہنے سے ہو کہ فلاں میرا خلیفہ ہے۔ جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا تو اب دوسرا مقدمہ سنو اور اس کو غور سے سنو۔ ارکان اسلام چار ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ مگر دو ان میں اصل ہیں اور دو ان کے تابع ہیں۔ نماز اصل ہے اور زکوٰۃ اس کے تابع ہے کیونکہ نماز کا تعلق براہ راست حق تعالیٰ سے ہے اور وہ اس کے دربار کی حاضری اور اس کی تعظیم اور اس سے عرض معروض کا نام ہے اور زکوٰۃ کا تعلق بلا واسطہ محتاجوں اور فقراء سے ہے۔ پس نماز کے مقابلہ میں زکوٰۃ ایسی ہے جیسے کوئی بادشاہ اہل دربار کو اپنے دربار میں پانچ وقت حاضری کا حکم دے اور یہ بھی حکم دے کہ ہمارے طرف سے جو انعامات و صلات تم کو وقتاً فوقتاً ملے ہیں، ان میں سے کچھ ہماری غریب رعایا کو بھی جو دربار کے راستہ میں خیرات کے موقع پر بیٹھ جاتے ہیں دے دیا کرو۔ سو ظاہر ہے حاضری دربار مقصود ہے اور صدقہ و خیرات اس کے تابع۔ اور یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے تقریباً ہر جگہ قرآن میں زکوٰۃ کو نماز کے بعد بیان فرمایا ہے۔

یقیمون الصلوٰۃ ویوءتون الزکوٰۃ اور اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وغیرہ وغیرہ فرمایا۔

اسی طرح حج کا تعلق براہ راست حق تعالیٰ سے ہے کیونکہ اس میں محبوب کے در دولت پر حاضر ہو کر اپنے عشق و محبت کا اظہار ہے اور روزہ میں کسر شوکت نفس ہے جو مانع ہے، اس عشق و محبت سے اور ان خامیوں کو دفع کرتا ہے جو اس نامہربان نفس امارہ کی بدولت اس کی خدمت میں پیدا ہو گئی ہیں۔ اسی لئے روزے تیس مقرر کئے گئے اور حج کا وقت رمضان کے بعد سے شروع کیا گیا کیونکہ آخری وقت حج سے (کہ ۹ ذی الحجہ) رمضان تک (بارعایت) دس مہینے ہوتے ہیں بحذف کسر گذشتہ دہ سے بھی کم ہے۔ ہاں ہر مہینے کے لئے تین مسبل (یعنی روزے) تجویز کئے گئے اور ان سب کو ایک مہینہ میں (یعنی رمضان میں) جمع کر دیا گیا (کہ تیس روزے فرض کر دیئے گئے) تا کہ دس مہینوں میں جس قدر نفس امارہ کی وجہ سے عشق و محبت کے جذبات میں خامی اور خلل آ گیا ہے، ان مسہلوں پر حاضر ہو کر صحیح طور پر اپنی محبت کا

اظہار کر سکے۔ اور جب رمضان میں وہ ان مسہلوں سے اس قابل ہو گیا تو اب یکم شوال سے اس کو اجازت ہوئی کہ اب آؤ اور آ کر اپنی محبت کا اظہار کرو۔ یعنی اس وقت سے حج کا وقت شروع ہو گیا اور اس کی ایسی مثال سمجھو جیسے بادشاہ اپنے اہل دولت کو جشن شاہی کی شرکت کے لئے دعوت دے اور اس کے ساتھ یہ بھی حکم دے کہ سب لوگ خوب نہا دھو کر اور اعلیٰ خوشبوئیں لگا کر اور عمدہ پوشاکیں پہن کر غرض پوری طرح شرکت جشن کے قابل ہو کر شریک جشن ہوں۔

سو ظاہر ہے کہ شرکت جشن ہے اور باقی امور اس کے تابع۔ جب یہ بھی ذہن نشین ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ نماز اور حج ارکان مقصودہ ہیں اور زکوٰۃ اور روزہ ان کے تابع تو اب اصل مقصود سنو۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات میں صدیق اکبرؓ کو امیر حج بنایا۔ اور باوجود تمام صحابہؓ کی موجودگی کے اس خدمت پر آپ کے سوا کسی اور کو مامور نہیں کیا۔ پس اسلام کے ایک رکن اصلی کے متعلق آپ کا استخلاف عملی ثابت ہو گیا اور اس کے ضمن میں تابع روزہ کے متعلق بھی استخلاف ثابت ہو گیا۔ پھر آپ نے اپنے مرض وفات میں خدمت امامت صلوٰۃ آپ کے سپرد کی اور سترہ نمازیں اپنے سامنے آپ سے پڑھوائیں اور باوجود تمام صحابہ کی موجودگی کے یہ خدمت صدیق اکبرؓ کے سوا کسی اور کے سپرد نہیں فرمائی۔ پس نماز کے متعلق آپ کا استخلاف عملی ثابت ہو گیا تو دوسرے اعمال مثل جہاد وغیرہ کے متعلق بھی ضمناً استخلاف ثابت ہو گیا۔

اب کون سی وجہ ہے کہ صدیق اکبرؓ کو خلیفہ برحق نہ مانا جائے اور کس طرح کہا جاوے کہ خلافت کی ان میں اہلیت نہ تھی اور اہلیت خلافت صرف حضرت علیؓ میں ہی تھی اور وہی خلیفہ تھے۔

مولانا نے اس تقریر کو نہایت وضاحت اور بسط کے ساتھ بیان فرمایا تھا۔ اور اس قدر دلکش پیرائے میں بیان فرمایا تھا کہ میں نے مولانا کی کوئی تقریر اس قدر دلکش نہیں سنی مگر وہ تقریر مجھے محفوظ نہیں رہی۔ اس لئے اس کا قریب قریب خلاصہ بیان کر دیا گیا۔ اس تقریر کا اس قصہ خواں پر یہ اثر ہوا کہ اسی وقت رفض سے تائب ہو کر سنی ہو گیا۔ (ارواح ثلاثہ ۲۱۸)

دوستی کا اثر

جب منشی ممتاز علی کا مطبع میرٹھ میں تھا۔ اس زمانہ میں ان کے مطبع میں مولانا نانوتوی بھی

ملازم تھے اور ایک حافظ صاحب بھی نوکر تھے۔ یہ حافظ جی بالکل آزاد تھے، رندانہ وضع تھی، چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے، داڑھی چڑھاتے تھے، نماز کبھی نہ پڑھتے تھے مگر مولانا نانوتوی سے گہری دوستی تھی۔ وہ مولانا کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے۔ اور مولانا ان کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے۔ مولانا ان کے تنکھا کرتے تھے، وہ مولانا کے تنکھا کرتے تھے۔ اگر کبھی مٹھائی وغیرہ مولانا کے پاس آتی تو ان کا حصہ ضرور رکھتے تھے۔ غرض بہت گہرے تعلقات تھے۔

مولانا کے مقدس دوست مولانا کی ایک ایسے آزاد شخص کے ساتھ اس قسم کی دوستی سے ناخوش تھے مگر وہ اس کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کا دن تھا۔ مولانا نے حسب معمول حافظ جی کو نہلایا اور حافظ جی نے مولانا کو۔ جب نہا چکے تو مولانا نے فرمایا کہ حافظ جی! مجھ میں اور تم میں دوستی ہے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارا رنگ اور ہو اور میرا رنگ اور۔ اس لئے میں بھی تمہاری سی وضع اختیار کرتا ہوں۔ تم اپنے کپڑے لاؤ، میں بھی ویسی کپڑے پہنوں گا اور میری یہ داڑھی موجود ہے، تم اس کو بھی چڑھا دو۔ اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ کپڑے اتاروں گا نہ داڑھی۔

وہ یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، آپ مجھے اپنے کپڑے دیجئے۔ میں آپ کے کپڑے پہنوں گا اور یہ داڑھی موجود ہے، اسے آپ اتار لیجئے۔ اور مولانا نے ان کو کپڑے پہنائے اور داڑھی اتروادی اور وہ اس روز سے پکے نمازی اور نیک وضع بن گئے۔ (ارواح ثلاثہ ۲۲۰)

پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے

ایک مرتبہ مولانا نانوتوی خورجہ تشریف لے گئے، وہاں کے پٹھانوں میں ایک شخص دل مست خان نامی نہایت خوش گلو اور فن سرود سے واقف تھے۔ وہ ایک دفعہ میرے پھوپھا کے پاس آئے۔ پھوپھا صاحب کھانا پکانے کے شوقین تھے۔ اس وقت بھی یہی مشغلہ تھا کوئی پیاز کتر رہا تھا، کوئی آگ جلا رہا تھا، بہشتی پانی بھر رہا تھا کہ دل مست خان نے اچانک حافظ شیرازی کی یہ غزل شروع کی:

غلام نرگس مست تو تاجدارانند

کچھ ایسا سماں بندھا کہ پیاز کترنے والے کے ہاتھ پیازوں پر رہ گئے، بہشتی کا ہاتھ مشک اور گھڑے پر رکھا رہ گیا۔ غرض جو جس حالت میں تھا، اسی میں ششدر و حیران بن رہ گیا۔

یہی رن مست خان مولانا نانوتوی ؒ کی مجلس میں آئے اور مولوی عبداللہ صاحب ساکن گلاوٹھی نے جو مولانا کی پشت پر تھے، رن مست خان کو جو مولانا کے سواچہ میں تھا، اشارہ کیا اور ذرا مستعدی کے ساتھ اشارہ و ابرو سے حکم دیا۔ اس نے یہی حافظ کی غزل شروع کی اور ایک آدھ شعر پڑھ کر خود بخود رک گیا۔ کہا، مولانا آپ تو مجھے پڑھنے نہیں دیتے۔ اور بعد میں کہا کہ جب میں ارادہ کرتا تھا، جب ہی کوئی انگلی زبان پر آ کر رکھی جاتی اور اسے دبا دیتی تھی۔ لیکن مولانا نے ان کے گلے کی تعریف فرمائی۔

جب مجلس برخاست ہوئی تو مولانا نے مولوی عبداللہ کی طرف خلاف عادت چیں بجبیں ہو کر دیکھا اور فرمایا، مولوی صاحب یہ کیا بات ہے کہ آپ نے بغیر میرا ایما معلوم کئے اس سے ایسی فرمائش کی؟ اور پھر فرمایا کہ میں جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے، اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اگر یہ مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک تک کا پتہ نہ چلتا۔ جانوروں کا گھونسلا بھی ہوتا ہے، میرا یہ بھی نہ ہوتا اور کوئی میری ہوا تک نہ پاتا۔ (ارواح ثلاثہ ۲۲۳)

علوم ولی اللہی کے حقیقی وارث

مولانا محمود حسن صاحب فرماتے تھے کہ میں نے اس کا التزام کیا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف دیکھ کر حضرت نانوتوی ؒ کے درس میں حاضر ہوتا اور وہ باتیں پوچھتا جو حضرت شاہ صاحب کی کتب میں مشکل ہوتی تھیں۔ شاہ صاحب کی کتاب میں جو انتہائی جواب ہوتا تھا وہ حضرت نانوتوی ؒ اول ہی دفعہ فرما دیتے تھے، بارہا اس کا تجربہ کیا۔

(ارواح ثلاثہ ۲۲۵)

دہشت گردی کا الزام

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بعض مفسدہ پردازوں نے جس میں رامپور کا

ایک خاندان بھی شامل تھا جس کو حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کے خاندان سے پشتینی عداوت تھی۔ حکومت میں یہ درخواست پیش کی کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے دیوبند میں ایک مدرسہ گورنمنٹ کے مقابلہ میں کھولا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ سرحد کے لوگوں سے تعلقات پیدا کئے جائیں تاکہ گورنمنٹ سے جہاد آسان ہو جائے۔ یہ مدرسہ خفیہ طور پر طلباء کو قواعد جنگ کی تعلیم دیتا ہے اور ہندوستان پر چڑھائی کرنے کے لئے کابل کو تیار کر رہا ہے، ہم گورنمنٹ کو خیر خواہانہ اطلاع دیتے ہیں کہ وہ بیدار رہے اور ہم بھی ہر قسم کی سراغ اور تفتیش حالات کے لئے گورنمنٹ کی مدد دینے کے لئے تیار ہیں۔

حکومت کے یہاں تفتیش حالات کے لئے احکام جاری ہوئے اور تفتیش کے مراکز گنگوہ، نانوتہ، رامپور، جلال آباد قرار پائے۔ اور ان کا صدر مقام دیوبند بنادیا گیا۔ حکام نے دور سے اور بعض حکام نے نانوتہ پہنچ کر حضرت نانوتوی کی زیارت کرنے کے لئے مسجد میں آنے کی اجازت چاہی، حضرت نے اجازت دی اور کہا کہ جوتا نکال کر آئیں۔ حاکم آیا اور بیٹھا نہیں بلکہ نہایت ادب سے چپ چاپ حضرت کے سامنے کھڑا رہا۔ واپس ہو کر اس نے حکومت ہند کو رپورٹ دی کہ جو لوگ ایسی مقدس صورتوں پر تلبیس امن اور غدر و فساد کا الزام لگاتے ہیں وہ خود مفسد ہیں اور یہ محض چند مفسدوں کی شرارت ہے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں اکثر دیکھتا ہوں کہ حضرت ﷺ تشریف لاتے ہیں اور اپنی رداء مبارک میں مجھے ڈھانپ کر کبھی اندر لاتے ہیں، کبھی باہر جاتے ہیں۔ سوتے اور جاگتے اکثر اوقات یہی منظر آنکھوں کے سامنے رہتا ہے کہ حضور ﷺ رداء مبارک میں لئے رہتے ہیں اور الگ کرنا نہیں چاہتے۔

سب حضرات نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ ان مفسدوں کی مفسدہ پردازی اور شر سے تحفظ منظور ہے۔ لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں، مولانا کی عمر ختم ہو چکی ہے اور حضور ﷺ کو یہ دکھانا منظور ہے کہ جب لوگ اپنے ہو کر ایسے مفسد ہو گئے کہ خدا کے ایسے مقدس بندوں پر الزام لگانے سے نہیں شرماتے تو ہم بھی ایسی ہستی کو اب ایسے لوگوں میں رکھنا نہیں چاہتے کہ یہ لوگ اس قابل نہیں رہے۔

چنانچہ حضرت زیادہ دن زندہ نہیں رہے، قریب ہی زمانہ میں وفات ہوگئی۔

(ارواح ثلاثہ ۲۲۵)

مناظرہ علم میں یا جہل میں

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب دیانند سرسوتی کے مقابلہ میں جب روڑ کی تشریف لے گئے تو علاوہ اور خدام کے منشی نہال احمد صاحب دیوبندی اور شاہ جی عاشق علی بھی ہمراہ تھے۔ منشی نہال احمد کو (جو نہایت ذکی تھے) دیانند کے پاس شرائط مناظرہ طے کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ منشی صاحب اس کی قیام گاہ پر موجود تھے کہ کھانے کا وقت آگیا اور اس کیلئے کھانا لایا گیا۔ کئی بڑی بڑی تھالیں پوریوں کی تھیں اور سیروں مٹھائی تھی۔ جس کو یہ کئی آدمیوں کا کھانا سمجھے، مگر وہ اس اکیلے کے لئے آیا تھا اور اس تنہا نے سب تھالیں صاف کر دیں۔

منشی صاحب نے اپنی ایک بے تکلف مجلس میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بطور مزاح کہا کہ اگر ہمارے مولانا سے علم و فضل میں مناظرہ ہوا تو ان شاء اللہ مولانا غالب آئیں گے ہیں، لیکن اگر کھانے میں مناظرہ کی ٹھن گئی تو کیا ہوگا؟ کیونکہ حضرت نہایت ہی قلیل الاکل تھے۔

یہ مقولہ حضرت تک پہنچا تو منشی نہال احمد صاحب بلائے گئے۔ حضرت قیام گاہ کی چوکھٹ پکڑے ہوئے کھڑے تھے کہ یہ حاضر ہوئے اور دل میں سمجھے ہوئے تھے کہ دیکھئے اب کیا سوال ہوگا اور کہیں وہی بات پہنچ گئی ہے تو دیکھئے کیسی ڈانٹ پڑے گی۔ حضرت نے فرمایا کہ منشی جی تم نے کیا کہا تھا؟ میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ انہوں نے وہی مقولہ دبی زبان سے دہرایا، فرمایا کہ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کھانے میں مناظرہ ہوگا تو تم ساتھ ہو۔ اب دوسری بات جو حقیقت ہے وہ سنو۔ تمہارے دل میں یہ سوال کیوں پیدا ہوا؟ اور یہ سوال کیوں پیدا نہ ہوا کہ اگر ترک اکل اور فاقوں میں مناظرہ ہوگا تو کون غالب رہے گا؟ تم جانتے ہو کہ کھانا کس کی صفت ہے؟ بہائم اور جانوروں کی۔ اور نہ کھانا کس کی صفت ہے؟ حق تعالیٰ کی اور ملائکہ کی تو تم مجھ سے مناظرہ جہالت میں کرانا چاہتے ہو؟ مناظرہ علم میں ہوتا ہے یا جہل میں اگر اس میں مناظرہ ہوا تو کسی بھینسے یا ہاتھی کو لا کر دیانند کے مقابلہ میں کھڑا کر دینا کہ کون زیادہ کھاتا ہے۔ (ارواح ثلاثہ ۲۲۸)

وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے

حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہوی اور مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی میں باہم معاصرانہ چشمک تھی اور اس نے بعض حالات کی بنا پر ایک مخاصمت اور منازعت کی صورت اختیار کر لی اور مولانا محمود حسن صاحب کو اصل جھگڑے میں شریک تھے نہ انہیں اس قسم کے امور سے دلچسپی تھی مگر صورت حالت ایسی پیش آئی کہ مولانا بھی بجائے غیر جانبدار رہنے کے کسی ایک جانب جھک گئے اور یہ واقعہ کچھ طول پکڑ گیا۔ اسی دوران میں ایک دن علی الصباح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحبؒ نے مولانا محمود حسن صاحب کو اپنے حجرے میں بلایا (جو دارالعلوم دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے او بند حجرے کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ موسم سخت سردی کا تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو۔ مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا۔ فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتویؒ جسد عنصری کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تر بتر ہو گیا اور یہ فرمایا کہ محمود حسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے۔

پس میں نے یہ کہنے کے لئے بلایا ہے۔

مولانا محمود حسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولوں گا۔ (ارواح ثلاثہ ۲۲۱)

گویا میں دربار الٰہی میں حاضر ہوں

مولانا منصور علی خان صاحب مرحوم مرادآبادی حضرت نانوتویؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ طبیعت کے ساتھ ادھر جھکتے تھے۔ انہوں نے اپنا واقعہ نقل فرمایا کہ مجھے ایک لڑکے سے عشق ہو گیا اور اس قدر اس کی محبت نے طبیعت پر غلبہ پایا کہ رات دن اسی کے تصور میں گزرنے لگے۔ میری عجیب حالت ہو گئی۔ تمام کاموں میں اختلال ہو گیا۔

حضرت کی فراست نے بھانپ لیا لیکن سبحان اللہ تربیت و نگرانی اسے کہتے ہیں کہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ حضرت نے میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ شروع کیا اور اسے اس قدر

بڑھایا کہ جیسے دو یار آپس میں بے تکلف دل لگی کیا کرتے ہیں، یہاں تک کہ خود ہی اس محبت کا ذکر چھیڑا۔ فرمایا کہ ہاں بھائی! وہ (لڑکا) تمہارے پاس کبھی آتے بھی ہیں یا نہیں؟ میں شرم و حجاب سے چپ رہ گیا۔ تو فرمایا کہ نہیں بھائی! یہ حالات تو انسان ہی پر آتے ہیں، اس میں چھپانے کی کیا بات ہے؟

غرض اس طریقے سے میرے ساتھ گفتگو کی کہ میری ہی زبان سے اس کی محبت کا اقرار کرا لیا اور کوئی خفگی یا ناراضگی ظاہر نہیں کی بلکہ دل جوئی فرمائی۔ اس مخصوص بے تکلفی کے آثار اب مجھ پر ظاہر ہونے شروع ہوئے۔ میں ایک دن تنگ آ گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ محبت میری رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی۔ مجھے تمام امور سے بے کار کر دیا۔ کیا کروں اور کہاں جاؤں؟ آخر عاجز آ کر دوڑا ہوا حضرت کی خدمت میں پہنچا اور مؤدب عرض کیا کہ حضرت! اللہ میری اعانت فرمایئے، میں تنگ آ گیا ہوں اور عاجز ہو چکا ہوں۔ ایسی دعا فرمایئے کہ اس لڑکے کا خیال تک میرے قلب سے محو ہو جائے۔

تو ہنس کر فرمایا کہ بس مولوی صاحب! کیا تھک گئے؟ بس جوش ختم ہو گیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں سارے کاموں سے بے کار ہو گیا، نکما ہو گیا۔ اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا۔ خدا کیلئے میری امداد فرمایئے۔ فرمایا، بہت اچھا، بعد مغرب جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں۔

میں نماز مغرب پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا۔ جب حضرت صلوٰۃ الاوابین سے فارغ ہوئے تو آواز دی، مولوی صاحب! میں نے عرض کیا، حضرت حاضر ہوں۔ میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ ہاتھ لاؤ۔ میں نے ہاتھ بڑھایا، میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اس طرح رگڑا جیسے پان بنے جاتے ہیں۔ خدا کی قسم! میں نے عیاناً دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں اور ہر چہار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کر لیا ہے، گویا میں دربار الٰہی میں حاضر ہوں۔ میں اس وقت لرزاں اور ترساں تھا کہ ساری عمر مجھ پر یہ کیفیت اور یہ خوف طاری نہ ہوا تھا۔ میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور بالکل خودی سے گزر گیا۔ اور حضرت برابر میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی پھیر رہے تھے۔ جب ہتھیلی پھیرنا بند فرمایا تو یہ حالت بھی فرو ہو گئی۔ فرمایا، جاؤ۔ میں اٹھ کر چلا آیا۔ دو ایک دن کے بعد حضرت نے پوچھا کہ مولوی

صاحب! کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس لڑکے کا تصور یا عشق تو کجا، دل میں اس لڑکے کی گنجائش تک باقی نہیں۔

فرمایا، اللہ کا شکر ادا کرو۔ والحمد للہ علی ذالک۔ (ارواح ثلاثہ ۲۳۶)

دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد

حضرت والد (حافظ محمد احمد) صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مدرسہ دیوبند جاری ہو چکا تھا لیکن اس کی کوئی مستقل عمارت نہ بنی تھی بلکہ کرائے کے مکانوں میں مساجد میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری تھا۔ جب یہ سلسلہ تعلیم بڑھنے لگا تو حضرت نانوتویؒ کی رائے یہ ہوئی کہ کرائے کے مکانوں سے کام نہ چلے گا بلکہ اب ایک مستقل جگہ مدرسہ کے نام سے ہونی چاہیے۔ سب نے اس رائے پر لبیک کہا، لیکن حاجی محمد عابد صاحب مرحوم اس رائے کے خلاف تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ کیا ضرورت ہے اتنے مصارف برداشت کرنے کی، جامع مسجد کی عمارت کافی ہے۔ اس کے ہر چہار سمت حجرے بنا دیئے جائیں اور مسجد میں مدرسین درس دیں۔

لیکن بقول حضرت شیخ الہندؒ حاجی صاحب مرحوم کے سامنے وہ مستقبل نہ تھا جو حضرت کو نظر آ رہا تھا۔ ان کی فراست کے سامنے یہ مکتب مدرسہ اور پھر مدرسہ سے دارالعلوم ہونے والا ہے۔ اس لئے حضرت نے فرمایا کہ حاجی صاحب مدرسہ کے لئے الگ ہی جگہ مناسب ہے، مسجد میں مدرسہ کا ہونا بہت سے اشکالات اور دشواریوں کا باعث ہوگا۔ یہ طلبہ کی قوم آزاد ہوتی ہے، کبھی شکایت ہوگی کہ مسجد کے لوٹے ٹوٹ گئے، کبھی فریاد ہوگی کہ مسجد کی صفیں گم ہو گئیں، ٹوٹ گئیں، لالٹینیں نہ رہیں، غرض دشواریاں ہوں گی اس لئے یہی مناسب ہے کہ مدرسہ کا مکان مدرسہ کے نام سے الگ ہی ہو۔

لیکن حاجی صاحب مرحوم نے ہرگز اس رائے کو تسلیم نہیں کیا اور چونکہ طبیعت کا ایک خاص انداز تھا اسی لیے اپنی رائے پر اصرار تھا۔ لوگوں کے چہرے بدلے ہوئے تھے۔ مگر حضرت نانوتویؒ کے حلم کی وجہ سے کوئی کچھ کہہ نہ سکتا تھا۔

آخر کار حضرت نے لوگوں سے فرمایا کہ مکان مدرسہ کے لئے اشتہار جاری کر دیا جائے۔ اس اشتہار میں اس کا کوئی تذکرہ نہ ہو کہ مکان الگ بنے گا یا مکان مسجد میں مدرسہ

رہے گا۔ یہ وقت پر ہوتا رہے گا۔ اتنے عرصہ میں حاجی صاحب بھی موافقت کر لیں گے۔ یہ رائے طے ہوگئی اور ساتھ ہی یہ طے پایا کہ سنگ بنیاد رکھنے کے لئے منتخب جگہ پر مسلمانوں کو جمع کیا جائے اور صورت یہ ہو کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد حضرت وعظ فرمائیں اور وعظ ختم ہوتے ہی سارا مجمع شہری اور بیرونی حضرات کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے اس جگہ پر آ جائے جو مدرسہ بنانے کے لئے تجویز کی گئی اور چار آنے گز کے حساب سے زمین کا معاملہ طے ہو چکا۔

چنانچہ اس مضمون کا اشتہار ملک میں بھیج دیا گیا۔ اطراف و اکناف سے لوگوں کے قطوط آمد کے متعلق آنے شروع ہوئے۔ عین جمعہ کے دن بیرونی حضرات کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ علی گڑھ سے بھی بعض سربرآوردہ لوگ آئے۔ اور زیادہ تر حضرت کے وعظ و تقریر کے اشتیاق میں یہ مجمع جمع ہوا تھا۔ بہرحال جمعہ کے بعد حسب تجویز مشتہر شدہ حضرت نے وعظ فرمایا۔ وعظ کے آخر میں فرمایا کہ مکان مدرسہ کے لئے سب حضرات فلاں جگہ تشریف لے چلیں تاکہ مدرسہ کے سنگ بنیاد رکھ دیا جائے۔

بس یہ سنتے ہی حاجی صاحب مرحوم کو غصہ آیا اور زور سے فرمایا، ہائیں کیا؟ حضرت نے فرمایا کہ حاجی صاحب یوں ہی مناسب ہے۔ آپ تشریف تو لے چلیں۔ حاجی صاحب نے فرمایا، میں کیوں چلوں؟ کیا ضرورت ہے اس اسراف کی اور کیوں یہ بے کار اتنا بڑا کام اٹھایا جا رہا ہے؟ یہ الفاظ غصہ سے بھرائی ہوئی آواز میں نکلے۔

حضرت نے فرمایا، حاجی صاحب سنبھلیں، یونہی مصلحت ہے کہ مدرسہ الگ بنے۔ اس پر حاجی صاحب زور سے بولے، حضرت نے فرمایا، حاجی صاحب کو اختیار ہے، سب حضرات چلیں اور سنگ بنیاد رکھیں۔ یہ ایما پاتے ہی تمام شہری اور بیرونی لوگوں کا جم غفیر چلا۔ حاجی صاحب تو چھتہ کی مسجد میں آ گئے اور لوگوں کا مجمع حضرت کے ساتھ چلا۔ لیکن حضرت بجائے اس کے چلے جائے بنیاد پر آتے سب سے پہلے چھتہ کی مسجد میں تشریف لائے اور حاجی صاحب سے پکار کر کہا کہ حاجی صاحب آپ تو ہمارے بڑے اور ہم سب آپ کے چھوٹے ہیں، یہ آپ نے اپنے چھوٹوں کے ساتھ کیا بے رخی اور بے توجہی برتنی شروع فرما دی۔ کچھ ان الفاظ کا ایسا اثر حاجی صاحب پر ہوا کہ بے اختیار آ کر گر پڑے اور اتنے روئے کہ آوازیں نکل

پڑیں اور کہا کہ مولانا! اللہ میرا قصور معاف فرمایئے۔

حضرت نے حاجی صاحب کو اٹھا کر گلے سے لگا لیا اور فرمایا، حضرت حاجی صاحب کو لے کر بنیاد پر پہنچے جو کھود کر تیار تھی۔ اس وقت کے اکابر کا خیال تھا کہ کوئی مقدس اور بزرگ ہستی ایسی نہ تھی جو اس وقت وہاں نہ ہو۔ سارے ہی مقدسین کو حق تعالیٰ نے اس موقع پر جمع فرما دیا تھا۔

اب یہ گفتگو ہوئی کہ پہلی اینٹ کون رکھے؟ حضرت کا اس وقت ایک خاص امتیاز تھا۔ لوگوں کی رائے ہوئی کہ پہلی اینٹ حضرت رکھیں مگر حضرت ہمیشہ پیش پیش ہونے اور کسی ظاہری امتیاز سے بچتے تھے۔ کبھی خود آگے نہ ہوتے تھے، کام میں ہمیشہ خود سبقت فرماتے اور آگے کسی کو فرما دیتے تھے۔ مدرسہ قائم ہوا۔ اس کے انتظامات ہوئے۔ اس میں علمی کارنامے ظاہر ہوئے۔ اور حضرت ہی نے سب کچھ کیا۔ لیکن اپنا نام کبھی نہیں رکھا۔ حتیٰ کہ مدرسہ کی زمین کا بیع نامہ بھی حاجی صاحب مرحوم کے نام کرایا۔ غرض کام میں سب کے روح رواں تھے اور نام رکھنے میں ہمیشہ پیچھے رہتے تھے۔

بہرحال جب بنیاد رکھنے کے لئے پہلے حضرت کو تجویز کیا گیا۔ فرمایا، یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اور خود ہی تجویز فرمایا کہ سب سے پہلے میاں جی منے شاہ صاحبؒ جو مولانا سید اصغر حسین صاحب دام ظلہ کے نانا تھے۔ اینٹ رکھیں کہ وہ سید بھی ہیں اور بزرگ بھی ہیں۔ اور پھر حاجی صاحب مرحوم اینٹ رکھیں اور پھر تمام اکابر۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اول ان دو حضرات نے اینٹ رکھی۔ پھر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بڑھایا کہ آپ اینٹ رکھیں۔ انہوں نے رکھی۔ لوگوں نے کہا، حضرت آپ بھی تو اینٹ رکھیں۔ فرمایا، ہاں میں بھی آپ سب کے ساتھ حاضر ہوں اور پھر خود بھی اینٹ رکھی۔ اس دن اہل اللہ کے قلوب پر ایک عجیب سرور تھا۔ ایک عجیب خوشی تھی اور سب کے دل فرحت سے مالا مال تھے۔ (ارواح ثلاثہ ۲۴۹)

حاجی قاسم

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا، راؤ عبدالرحمن خان صاحب ٹیلاسہ (پنجاب) میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے خلیفہ تھے اور بڑے زبردست صاحب کشف و حالات

تھے۔ کشف کی یہ حالت تھی کہ کوئی لڑکا لڑکی کے لئے تعویذ مانگتا، بے تکلف فرماتے، جا تیرے لڑکا ہو گیا یا لڑکی ہو گئی۔ لوگوں نے عرض کیا، حضرت آپ یہ کیسے بتاتے ہیں؟ فرمایا کہ کیا کروں؟ بے محابا مولود کی صورت سامنے آجاتی ہے۔

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ روپوش تھنجلاسہ میں مقیم رہے ہیں اور وہیں توجہ کا حلقہ ہوتا تھا۔ اس پر عبداللہ شاہ فرماتے کہ میاں یہ کیا حلقے وغیرہ تم نے بنائے ہیں۔ ہم نے اپنے بادشاہ (شاہ عبدالرحیم) صاحب کو دیکھا ہے کہ نماز میں جب داہنا سلام پھیرا تو ادھر کی صف لوٹ گئی، جب بایاں سلام پھیرا تو ادھر کے آدمی گر گئے۔ نہ حلقہ تھا نہ مجلس۔ غرض عبداللہ شاہ اس مرتبہ کے تھے اور ایسے زبردست ان کے حالات تھے۔ حضرت نانوتویؒ ان سے اکثر ملنے تشریف لے جایا کرتے تھے اور ان کی یہ عادت تھی کہ مولانا سے ملتے ہی کہتے کہ آؤ حاجی قاسم! اس پر مولانا فرماتے کہ حضرت! میں حاجی تو نہیں ہوں۔ تو فرماتے کہ بھائی! زبان سے یونہی نکل جاتا ہے۔

جب پہلے حج کو تشریف لے گئے ہیں تو براہ پنجاب فیروز پور کے دریا سے دریائے سندھ میں ہوتے ہوئے پہلا حج فرمایا۔ راستہ میں تھنجلاسہ کا علاقہ بھی پڑتا تھا۔ مولانا نے رفقائے سفر سے جن میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ بھی تھے اور حاجی محمد عابد صاحبؒ بھی تھے، فرمایا کہ بھائی میں تو تھنجلاسہ ضرور جاؤں گا۔ اور راؤ عبداللہ شاہ صاحب سے ضرور ملوں گا۔ چنانچہ تشریف لے گئے اور ملے۔ راؤ صاحب نے فرمایا کہ آؤ حاجی قاسم! مولانا نے فرمایا کہ بھائی میں تمہارے لئے کیا دعا کروں؟ میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں دونوں جہانوں کے بادشاہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بخاری شریف پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۲۴۳)

علوم ظاہری و باطنی

مولانا حبیب الرحمن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ میرٹھ میں مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے۔ اتفاقاً درس میں کوئی صاحب حال اور صاحب دل بھی آنکلے۔ انہوں نے جب حضرت مولانا کے عالی مضامین سنے جو مثنوی میں بیان فرمانے جا رہے تھے تو بڑی حسرت سے کہنے لگے کہ کاش! اس شخص کو اس ظاہری علم کے ساتھ باطنی علم بھی ہوتا تو کیا اچھا تھا اور وہ

محض خلوص اور نیک نیتی سے خلوت میں حضرت مولانا کے پاس تشریف لائے اور یہی فرمایا کہ کاش آپ کو باطنی علوم بھی ہوتے۔ حضرت مولانا نے ازراہ انکسار فرمایا، جی ہاں! میں ایسا ہی محروم ہوں۔ اگر آپ ہی مجھ پر نظر شفقت فرمادیں تو میری نیک نصیبی ہے۔ اس پر وہ بزرگ متوجہ ہو کر مراقب ہوئے۔ ادھر حضرت مولانا بھی ضبط نسبت کے ساتھ مراقب ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ بزرگ ہاتھ جوڑ کر اٹھے کہ مولانا مجھے خبر نہ تھی کہ آپ میں یہ جوہر بھی علی الوجہ الاتم موجود ہے۔ (ارواح ثلاثہ ۲۳۶)

علم و حکمت کا دریا

مولوی حبیب الرحمن صاحب نے فرمایا کہ منشی حمید الدین صاحب سنبھلی فرماتے تھے کہ حضرت نانوتویؒ ایک بزرگ سے ملنے کے لئے ریاست رامپور تشریف لے گئے۔ ساتھ مولانا احمد حسن صاحب اور منشی حمید الدین صاحب رحمہما اللہ علیہما تھے۔ ریل نہ تھی۔ مراد آباد سے اس طرح چلے کہ خود حضرت پاپیادہ ہو لیے۔ منشی صاحب کی بندوق اپنے کندھے پر رکھ لی اور منشی حمید الدین صاحب کو سواری پر بٹھا دیا۔ جس نے پوچھا کہ کون ہیں، فرمادیتے کہ منشی حمید الدین صاحب رئیس سنبھل ہیں۔ گویا اپنے کو ایک ملازم کی حیثیت سے ظاہر کیا اس لئے کہ تاکہ خفیہ پہنچیں۔

جب رامپور پہنچے تو وہاں وارد و صادر کا نام اور پورا پتہ وغیرہ داخل شہر کے وقت لکھا جاتا تھا۔ حضرت نے اپنا نام خورشید حسن (تاریخی نام) بتایا اور لکھا دیا اور ایک نہایت ہی غیر معروف سرائے میں مقیم ہوئے۔ اس میں بھی ایک کمرہ چھت پر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تحذیر الناس کے خلاف اہل بدعات میں ایک شور برپا تھا۔ مولانا کی تکفیریں تک ہو رہی تھیں۔ حضرت کی غرض اس اخفاء سے یہی تھی کہ میرے اعلانیہ پہنچنے سے اس بارے میں جھگڑے اور رنجشیں نہ کھڑی ہو جائیں۔

لیکن مراد آباد کے حضرات نے جب یہ سنا کہ مولانا رامپور تشریف لے جارہے ہیں اور خفیہ جارہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ غضب ہو گیا۔ مولوی عبدالحق صاحب خیرآبادی اور وہاں کے تمام اہل معقول یہ اڑائیں گے کہ چھپ کر نکل گئے، اس لئے اہل مراد آباد نے ایک شخص کو

رامپور روانہ کر دیا اور اس نے پہنچتے ہی حضرت کی تشریف آوری اور جائے قیام کی عام شہرت دے دی۔ تمام رامپور میں یہ خبر پھیل گئی۔ مولوی ارشاد حسین صاحب مشہور معقولی جو حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے شاگرد یعنی مولوی صاحب کے استاد بھائی تھے۔ گو بعض مسائل میں مختلف تھے، ملنے آئے۔ اور ایسے ہی ایک مولوی عبدالعلی صاحب منطقی بھی ملنے آئے اور مولوی ارشاد حسین صاحب نے قیام گاہ کے زینے پر چڑھتے ہوئے اپنے تلامذہ اور دوسرے علماء سے کہا کہ اگر رامپور کی عزت رکھنا چاہتے ہو تو اس شخص کو مت چھیڑنا۔

بہر حال خبر پھیل چکی تھی۔ لوگ جوق در جوق ملنے کے لئے آنے لگے۔ اور جب شہرت ہو ہی گئی تو حضرت مولانا بھی احباب سے ملنے کے لئے شہر تشریف لے گئے۔ ایک موقع پر جبکہ حضرت کسی سے ملنے کو تشریف لے جا رہے تھے۔ پیچھے مولانا احمد حسن صاحب تھے کہ مولوی عبدالحق صاحب کے چند شاگردوں نے مولانا احمد حسن صاحب کو تقدیر اثنا اس کے بارے میں چھیڑنا شروع کیا۔ مولوی احمد حسن صاحب حضرت مولانا کے لحاظ واجب کی وجہ سے دب کر اور پست آواز میں کچھ جواب دیتے تھے۔

اس مکالمہ کا احساس حضرت کو ہوا تو ان طلبہ سے فرمایا کہ بھائی یہ ظاہر ہے اگر یہ (مولوی احمد حسن) عاجز ہوئے تو میں ان کی مدد کروں گا۔ اور اگر تم عاجز ہوئے تو تمہارے استاد تمہاری مدد کریں گے۔ پھر یہ کیوں نہ ہو کہ تم اپنے استاد کو لے آؤ اور میری ان سے گفتگو ہو جائے۔ بہر حال راستہ ختم ہوا۔ اہل شہر نے وعظ کی درخواست کی۔ حضرت نے منظور فرمائی۔ شب کو مجلس وعظ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ شہر کے امراء، رؤساء، علماء، عمائد شہر، طلباء غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگ بھر گھر گئے تھے اور لوگوں کا میلہ سا لگ گیا۔ حضرت مولانا نے تقریر فرمائی۔ بس اس دن شاید بچے اور عورتیں گھروں میں رہ گئی ہوں گی ورنہ کل شہر مجلس وعظ میں آ گیا تھا۔ اور اس آیت کا وعظ فرمایا: اذا وقعت الواقعۃ لیس لوقعتہا کاذبہ۔ اور اس آیت کے تحت میں فلسفہ کے ان تمام مسائل کا جن پر منطقیوں کو ناز تھا، رد فرمایا اور اسی آیت سے جزو لا یتجزی کا اثبات، قیامت کا ثبوت، حدوث عالم وغیرہ امور مہمہ ثابت فرمائے۔ اور ایک غیر معمولی جلال اور خوشی کی شان سے فرمایا۔ یہ جوش کی شان اس وقت سے پیدا ہوئی تھی جبکہ ان طلبہ نے مولوی

احمد حسن صاحب سے چھیڑ چھاڑ شروع کی تھی۔

مولوی مملوک علی صاحب نے اقلیدس کا ایک ترجمہ کیا تھا، جس پر مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی نے رکیک الفاظ اعتراض کئے تھے۔ ان سب کا جواب بھی اس تقریر میں ارشاد فرمایا۔ اور نہایت جوش میں فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ لوگ گھر میں بیٹھ کر اعتراض کرتے ہیں، اگر کچھ حوصلہ ہے تو میدان میں آجائیں مگر ہرگز یہ توقع لے کر نہ آئیں کہ وہ قاسم سے عہدہ برآ ہو سکیں گے۔ پھر فرمایا کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر میں نے جن کی جوتیاں سیدھی کی ہیں وہ سب کچھ تھے۔ غرضیکہ مسائل مناطقہ وفلاسفہ کا نہایت زبردست رد اس وعظ میں فرمایا۔ شہر کے مشاہیر علماء سوائے مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی کے اس وعظ میں موجود تھے۔ مگر بولنے کی جرأت کسی کو نہ ہوئی۔

اس کے بعد نواب کلب علی خان نے اپنے خاص سیکرٹری کو اور وزیر عثمان کو حضرت کی خدمت میں بھیجا کہ حضرت کا میں مشتاق ہوں، مجھ سے مل لیں۔ حضرت نے اول تو اعذار شروع کئے کہ میں غریب ہوں۔ دیہات کا رہنے والا آداب امراء سے غیر واقف۔ لیکن وزیر نے اپنی نہایت شستہ اور مکمل تقریر میں عرض کیا کہ حضرت نواب صاحب تو خود حضرت کا ادب کریں گے۔ حضرت تمام آداب سے مستثنیٰ رہیں گے۔ تب آخر میں مولانا نے ارشاد فرمایا کہ پھر نواب صاحب ہی تو میری ملاقات کے مشتاق ہیں۔ میں تو ان کی زیارت کا مشتاق نہیں ہوں۔ اگر ان کو اشتیاق ہے تو خود مجھ سے ملنے آئیں۔ ان کے پیروں میں تو مہندی نہیں لگی ہے؟

بہر حال نہ جانا تھا، نہ گئے۔ اور امراء کے مقابلہ میں حضرت کا یہی طرز عمل رہا ہے۔ نواب محمود علی خان صاحب رئیس چھتاری ساری عمر اسی تمنا میں رہے کہ کسی طرح مل لوں مگر حضرت نے اتنا موقع ہی نہ دیا۔ اگر حضرت کی علی گڑھ آنے کی خبر سن کر وہ علی گڑھ آئے تو حضرت خورجہ تشریف لے گئے جو خورجہ گئے تو حضرت میرٹھ آگئے۔ اسی طرح بغیر نواب صاحب کی درخواست مانے ہوئے رامپور سے واپس تشریف لے آئے۔ (ارواح ثلاثہ ۲۳۹)

ہم دنیا کو ٹھکراتے ہیں وہ قدموں میں پڑتی ہے

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے حافظ انوار الحق صاحب دیوبندی کی روایت سے نقل فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ کی مسجد میں حجرہ کے سامنے چھپر میں حجامت بنوا رہے تھے کہ شیخ عبدالکریم رئیس لال کرتی میرٹھ حضرت مولانا سے ملنے کے لئے دیوبند آئے۔ مولانا نے ان کو دور سے آتے ہوئے دیکھا، جب وہ قریب آنے تو ایک تغافل کے ساتھ رخ دوسری طرف پھیر لیا گویا کہ دیکھا ہی نہیں ہے۔ وہ آکر ہاتھ باندھے کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہاتھ میں رومال میں بندھے ہوئے بہت سے روپے تھے۔ جب انہیں کھڑے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا تو حضرت مولانا نے ان کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ آہا شیخ صاحب ہیں۔ مزاج اچھا ہے؟

انہوں نے سلام عرض کیا اور قدم چوم لئے اور وہ روپیہ بندھا ہوا قدموں پر ڈال دیا۔ حضرت نے اسے قدموں سے الگ کر دیا۔ تب انہوں نے ہاتھ باندھ کر بمنت قبول فرما لینے کی درخواست کی۔ بالآخر بہت سے انکار کے بعد انہوں نے تمام روپیہ حضرت کی جوتیوں میں ڈال دیا۔ حضرت جب اٹھے تو نہایت استغنا کے ساتھ جوتے جھاڑے اور روپیہ سب زمین پر گر گیا۔ حضرت نے جوتے پہن لئے اور حافظ انوار الحق صاحب سے ہنس کر فرمایا کہ حافظ جی! ہم بھی دنیا کماتے ہیں اور اہل دنیا بھی کماتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہم دنیا کو ٹھکراتے ہیں اور وہ قدموں میں پڑتی ہے اور دنیادار اس کے قدموں میں گرتے ہیں اور وہ انہیں ٹھکراتی ہے۔

یہ فرما کر روپیہ وہیں تقسیم کر دیا۔ (ارواح ثلاثہ ۲۵۲)

الفاضل للقاسم

ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحب کے پاس آپ کے خادم مولوی فاضل حاضر تھے۔ مولانا نے ان کو مٹھائی تقسیم کرنے کے واسطے فرمایا (کیونکہ مولانا کا کوئی جلسہ مٹھائی سے خالی نہ ہوتا تھا۔ اگر کہیں سے آئی ہوئی موجود نہ ہوتی تو خود منگوا کر تقسیم فرماتے) انہوں نے تقسیم کر دی۔ آخر میں اتفاق سے اس میں سے تھوڑی سی مٹھائی بچ گئی تو آپ نے فرمایا "الفاضل للقاسم۔" (یعنی بچی ہوئی مٹھائی قاسم کی ہے یا بچی ہوئی مٹھائی تقسیم کنندہ کی ہے)۔ انہوں نے

جواب دیا، ذالفاضل للفاضل والقاسم محروم (یعنی فاضل مٹھائی تو کسی فاضل کی ہے اور قاسم محروم ہیں، یا یہ کہ بچی ہوئی صاحب فضیلت یعنی آپ کی ہے اور تقسیم کنندہ محروم ہے)۔ اہل علم کے لطیفے بھی علمی ہوتے ہیں۔ (ارواح ثلاثہ ۲۵۵)

حفظ قرآن کا عجیب واقعہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ جہاز میں روز ایک پارہ حفظ کر کے شام کو تراویح سنا دیا کرتے تھے اور آہستہ آہستہ یاد فرماتے تھے کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔ یہ حضرت مولانا کی کرامت ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے رمضان شریف میں آدھا قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ تبسم سے فرمایا کہ چونکہ وہ مولانا سے آدھے تھے، اس لئے کرامت بھی آدھی ہوگئی۔ (ارواح ثلاثہ ۲۵۶)

عجیب خواب

مولانا محمد قاسم صاحب نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ میں مر گیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کرآئے ہیں۔ تب قبر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کچھ تھیلیں سامنے رکھے اور یہ کہا کہ تمہارے اعمال ہیں، اس میں ایک تھیلی بہت خوشنما اور کلاں ہے۔ اس کو فرمایا کہ یہ عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔

ایسے ہی مولانا نے ایک خواب ایام طالب علمی میں دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ میں سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہیں۔ اس خواب کی مولانا مملوک علی صاحبؒ نے یہ تعبیر دی تھی کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔

(از تحریرات بعض ثقات، ارواح ثلاثہ ۲۵۷)

بڑے بڑے اس کی خادمی کریں گے

ایک مرتبہ حضرت مولانا نانوتویؒ کے والد ماجد نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے شکایت کی کہ بھائی میرا تو یہ ایک بیٹا تھا اور مجھے کیا کچھ امیدیں تھیں، کچھ کماتا تو افلاس دور ہو جاتا۔ تم نے اسے خدا جانے کیا کر دیا، نہ کچھ سے نہ نوکری کرتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب اس وقت تو ہنس کر چپ ہو رہے۔ پھر کہلا بھیجا کہ یہ شخص ایسا ہونے والا ہے کہ بڑے بڑے اس کی خادمی کریں گے اور ایسی شہرت ہو گی کہ اس کا نام ہر طرف پکارا جائے گا اور تم تنگی کی شکایت کرتے ہو، خدا تعالیٰ بے نوکری ہی اتنا دے گا کہ ان سو سو پچاس پچاس روپے کے نوکروں سے اچھا رہے گا۔ (از تحریرات بعض ثقات)

(ارواح ثلاثہ ص ۲۵۶)

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے

مولانا احمد حسن صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا قاسم صاحب کی ایک جولاہے نے دعوت کی۔ اتفاق سے اس روز بارش ہو گئی اور وہ جولاہا وقت پر بلانے نہ آیا تو مولانا صاحب خود اس جولاہے کے یہاں تشریف لے گئے۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت چونکہ آج بارش ہو گئی تھی اس لئے میں دعوت کا انتظام نہ کر سکا۔

مولانا نے فرمایا کہ انتظام کیا ہوتا؟ تمہارے ہاں کچھ پکا بھی ہے؟ اس نے کہا، جی ہاں وہ تو موجود ہے۔ فرمایا کہ بس وہی کھائیں گے۔

چنانچہ جو کچھ معمولی کھانا ساگ وغیرہ اس کے یہاں تیار تھا، وہ بخوشی مولانا نے تناول فرما کر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ بس جی تمہاری دعوت ہو گئی۔ (ارواح ثلاثہ ۲۹۰)

من و عن وہی تقریر کی جو حضرت نانوتویؒ نے کی تھی

مولوی احمد حسن صاحب امروہیؒ فرماتے تھے کہ جب مباحثہ شاہجہاں پور کا طے ہوا تو مولانا محمد قاسم بغیر کسی کو اطلاع کئے ہوئے تنہا بہ نفس نفیس شاہجہانپور تشریف لے گئے۔ جب مولانا محمود الحسن صاحب نے سنا تو وہ بھی مولانا کے بعد تشریف لے گئے۔ اس کے بعد میں گیا تو شاہجہان پور میں مولانا محمود الحسن صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا مولانا صاحبؒ مل گئے۔ مولانا محمود الحسن صاحب نے فرمایا کہ نہیں، مجھ کو تو ابھی تک نہیں ملے۔ تو میں نے کہا کہ اچھا چلو سرائے میں چل کر تلاش کریں۔

چنانچہ سرائے کے اندر جو ایک شخص آنے والے کا نام لکھا کرتا ہے، اس سے جا کر

دریافت کیا کہ یہاں کوئی خورشید حسن صاحب بھی آئے؟ اس نے کہا کہ ہاں آئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے جو تلاش کیا تو ایک کوٹھڑی کے اندر مولانا صاحب تشریف رکھتے تھے۔

جب صبح ہوئی تو مولانا میدان مناظرہ میں تشریف لے چلے۔ راستہ میں ایک دریا پڑتا تھا اور مولانا پیدل تھے۔ مولانا پاجامہ پہنے ہوئے دریا میں اتر پڑے جس سے پاجامہ بھیگ گیا۔ خیر، مولانا نے پار اتر کر لنگی باندھی اور پاجامہ نچوڑ کر پیچھے لاٹھی پر جیسے گاؤں کے رہنے والے ڈال لیا کرتے ہیں، ڈال لیا اور تشریف لے چلے۔

خیر، جب مولانا کی تقریر ہوئی تو لوگوں کو مولانا کی اطلاع ہوئی تو لوگ رتھ میں بٹھا کر بڑے اعزاز کے ساتھ مولانا کو واپس لائے اور جو پادری کہ وہاں پر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آیا ہوا تھا، اس نے کہا کہ اگر ایمان تقریر پر لانا ہو تو میں مولانا محمد قاسم کی تقریر پر ایمان لے آتا۔

جب مولانا وہاں سے واپس تشریف لائے تو اس وقت چونکہ شہر کے لوگوں کو اطلاع ہو چکی تھی اس لئے بہت لوگ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہم لوگ دفتروں میں نوکر ہیں، اس مجبوری سے جناب کی تقریر سننے سے محروم رہے، اس لئے ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو بھی اس سے مشرف فرمایا جاوے۔ تو مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے مجھ سے یعنی مولانا احمد حسن صاحب امروہی سے فرمایا کہ مولوی احمد حسن، تم سنا دو۔ اب میں بہت حیران تھا، اس لئے کہ میں نے ٹھیک طور پر مولانا کی تقریر سنی بھی نہ تھی۔ مگر مولانا کا حکم تھا، اس لئے میں نے بیان کرنے کا ارادہ کیا اور میں نے کہا، صاحبو! مولانا کی مثال دریا کی سی ہے اور میری مثال کوزہ کی سی۔ جو بات سلجھی ہوئی کہوں، اس کو مولانا کا مضمون سمجھا جائے اور جو الجھی ہوئی کہوں، اس کو میری طرف سمجھا جائے۔ اس کے بعد میں نے تقریر بیان کی۔ مگر پھر مجھ کو تقریر کے دوران میں کچھ خبر نہ رہی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ مگر تقریر کے بعد لوگوں نے بیان کیا کہ من و عن وہی تقریر تھی جو مولانا محمد قاسمؒ نے فرمائی تھی۔ (ارواح ثلاثہ ۲۶۶)

حساب حاضر ہے

حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ دیوان محمد یٰسین مرحوم جو حضرت نانوتویؒ کے خدام

میں سے تھے، ان کا ذکر جہر مشہور تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ ان کا ذکر سن کر کوئی بغیر روئے وہاں سے گزر جائے۔ نہایت دردناک آواز میں ذکر کرتے تھے اور بہت روتے تھے۔ ہر وارد و صادر پر اس ذکر اور گریہ کا اثر پڑتا تھا اور وہ بھی روتا تھا۔ خود فرماتے تھے کہ میں ایک دفعہ چھتہ کی مسجد کے شمالی گنبد کے نیچے ذکر جہر میں معروف تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے صحن میں اسی شمالی جانب مراقب اور متوجہ تھے اور توجہ کا رخ میرے ہی قلب کی طرف تھا۔ اسی اثناء میں مجھ پر ایک حالت طاری ہوئی اور میں نے بحالت ذکر دیکھا کہ مسجد کی چاردیواری تو موجود ہے مگر چھت اور گنبد کچھ نہیں بلکہ ایک عظیم الشان روشنی اور نور ہے جو آسمان تک فضا میں پھیلا ہوا ہے۔ یکایک میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک تخت اتر رہا ہے اور اس پر جناب رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں اور خلفائے اربعہ ہر چار کونوں پر موجود ہیں۔ وہ تخت اترتے اترتے بالکل میرے قریب آ کر مسجد میں ٹھہر گیا اور آنحضرت ﷺ نے خلفائے اربعہ میں سے ایک سے فرمایا کہ بھائی ذرا مولانا محمد قاسم کو بلا لو۔ وہ تشریف لے گئے اور مولانا کو لے کر آ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا مدرسہ کا حساب لایئے۔ عرض کیا کہ حضرت حاضر ہے اور یہ کہہ کر حساب بتلانا شروع کیا اور ایک ایک پائی کا حساب دیا۔ حضرت ﷺ کی خوشی اور مسرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ تھی، بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا کہ اچھا مولانا اب اجازت ہے۔ حضرت نے عرض کیا جو مرضی مبارک ہو۔ اس کے بعد وہ تخت آسمان کی طرف عروج کرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔ (ارواح ثلاثہ:۲۸۲)

گرفتاری کے وارنٹ اور اتباع سنت

ان تینوں حضرات...... حضرت حاجی صاحبؒ، مولانا قاسمؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ...... کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو ہو گئے تھے کہ تھانہ بھون کے فساد میں شاملی کی تحصیل پر حملہ کرنے والے یہی لوگ تھے۔ تھانہ کی بستی کی دکانوں کے چھپراتیوں نے تحصیل کے دروازے پر چھپر جمع کیے اور ان پر آگ لگا دی۔ یہاں تک کہ جس وقت آدھے کواڑ جل گئے، ابھی آگ بجھنے نہ پائی تھی کہ ان نڈر مولویوں نے جلتی آگ میں گھس کر خزانہ لوٹ لیا۔

حضرت حاجی امداد اللہ نے اسی قصبہ میں مولانا محمد قاسم، مولانا گنگوہی کو الوداع کہا اور

حجاز جانے کے لئے روانہ ہو گئے۔ ان ایام میں مولانا محمد قاسم مرحوم احباب کے اصرار پر تین دن تک روپوش رہے۔

تین دن پورے ہوتے ہی ایک دم باہر نکل آئے اور کھلے بندوں چلنے پھرنے لگے۔ لوگوں نے پھر نسبت روپوشی کے لئے عرض کیا تو فرمایا کہ تین دن سے زائد روپوش رہنا سنت کے خلاف ہے کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غار ثور میں تین ہی دن تک روپوش رہے۔ (سوانح قاسمی ج ۲ ص ۱۷۲، ۱۷۳، مناظر احسن گیلانی) (بیس بڑے مسلمان: ۱۱۹)

گنبد خضراء کا احترام

ہندوستان میں بعض حضرات کفش (سبز رنگ) کا جوتا بڑے شوق سے پہنتے تھے۔ اور اب بھی پہنتے ہیں۔ لیکن حضرت نانوتویؒ نے ایسا جوتا مدت العمر کبھی نہیں پہنا اور اگر کوئی تحفتاً لا دیتا تو اس کے پہننے سے اجتناب و گریز کرتے اور آگے کسی کو ہدیہ دے دیتے اور سبز رنگ کا جوتا پہننے سے محض اس لئے گریز کرتے کہ سرور کائنات آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضراء کا رنگ سبز ہے۔ پھر بھلا ایسے رنگ کے جوتے پاؤں پر کیسے اور کیونکر استعمال کئے جا سکتے ہیں؟ چنانچہ شیخ العرب والعجم حضرت استاذنا المکرم مولانا حسین احمد مدنیؒ (المتوفی ۱۳۷۷ھ) نقش الاسلام حضرت نانوتویؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:

تمام عمر کفش کا جوتا اس وجہ سے کہ قبر مبارک سبز رنگ کا ہے، نہ پہنا۔ اگر کوئی ہدیہ لے آیا تو کسی دوسرے کو دے دیا۔ (الشہاب الثاقب: ص ۵۴)

اندازہ کیجئے اس نظر بصیرت اور فریفتگی کا کہ گنبد خضراء کے ظاہری رنگ کے ساتھ کس قدر عقیدت و الفت ہے، جس کے اندر عظیم المرتبت مکین آرام فرما ہیں، جن کی نظیر، جن کی مثال اور جن کا ثانی خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق میں نہ آج تک وجود میں آیا اور نہ تا قیامت آ سکتا ہے۔ علامہ اقبال مرحومؒ نے شاید اسی کی ترجمانی کی ہے کہ:

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں

(بیس بڑے مسلمان: ۱۳۶)

مدینۃ الرسول کا احترام

حضرت نانوتویؒ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ طیبہ سے کئی میل دوری سے پابرہنہ چلتے رہے۔ آپ کے دل اور ضمیر نے یہ اجازت نہ دی کہ دیار حبیب ﷺ میں جوتا پہن کر چلیں۔ حالانکہ وہاں سخت نوکیلے سنگریزے اور چبھنے والے پتھروں کی بھرمار ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ جناب مولانا حکیم منصور علی خان صاحب حیدرآبادی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں جو اس سفر حج میں حجۃ الاسلام کے رفیق سفر تھے کہ:

> ''مولانا مرحوم مدینہ منورہ تک کئی میل آخر شب تاریکی میں اسی طرح چل کر پابرہنہ پہنچ گئے۔ (سوانح قاسمی ج ۳ ص ۶۱)

اور نیز حکیم موصوفؒ کے حوالہ ہی سے ارقام فرماتے ہیں کہ:

> ''جب منزل بہ منزل مدینہ طیبہ کے قریب ہمارا قافلہ پہنچا، جہاں روضہ پاک صاحب لولاک نظر آتا تھا، فوراً جناب مولانا (محمد قاسم صاحب) مرحوم نے اپنے نعلین اتار کر بغل میں دبالیں اور پابرہنہ چلنا شروع کیا۔ (سوانح قاسمی ج ۳ ص ۶۰، ۶۱)

ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو مدینہ طیبہ اور گنبد خضراء کے ساتھ کس قدر عقیدت اور کیسی فریفتگی تھی اور دیکھئے کہ تادب حسن کا کیا ہی بہترین طریقہ اختیار فرما کر اپنی فرط محبت کا اظہار فرمایا اور یہ ساری عقیدت ومحبت جناب امام الانبیاء خاتم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی وجہ سے ہے ورنہ اس سنگلاخ رقبہ اور پتھریلی زمین کی فی نفسہ کیا قدر ہے؟ جو کچھ بھی ہے اور جتنی کچھ بھی ہے وہ حبیب کبریا ﷺ ہی کی بدولت ہے اور آپ ﷺ ہی کے واسطہ سے ہے اور ایسے ہی موقعے کے لئے کشتہ عشق نے یہ کہا ہے کہ:

وما حب الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من نزل الدیارا

میرا اور میرے تمام اکابر کا یہ عقیدہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کی قبر مبارک کا وہ حصہ جو آپ کے جسد اطہر سے لگتا ہے عرش سے بھی زیادہ مرتبہ اور فوقیت رکھتا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو،

وفاء الوفاء ج ۱ ص ۱۹۰، سیرت حلبی ج ۲ ص ۳۲ اور روح المعانی ج ۱۵ ص ۲۲۱) اور اس کی وجہ بھی صرف اور صرف یہ ہے کہ:

عرش پر گرفرش بھاری ہے تو ہے اس خاک سے
جس میں محو خواب ہے کون و مکاں کا تاجدار

(تیس بڑے مسلمان: ۱۳۷)

حفظ قرآن کریم

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کتب اور دینی بحث ومباحثہ اور سرگرمیوں میں ایسے منہمک رہتے تھے کہ ان اہم دینی کاموں سے فراغت کا موقعہ ہی ہاتھ نہ آتا تھا اور دل میں قرآن کریم کے حفظ کا جو شوق تھا وہ کب چین لینے دیتا تھا۔ بالآخر دو سال کے صرف دو رمضان میں قرآن پاک یاد کرلیا اور ایسی روانی کے ساتھ سناتے تھے کہ کوئی کہنہ مشق پختہ کار حافظ بھی شاید ایسا نہ سنا سکتا ہو۔ چنانچہ خود ان کا اپنا بیان (سوانح قاسمی ص ۱۳ از مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ میں) ہے کہ:

''فقط دو سال رمضان میں میں نے یاد کیا ہے اور جب یاد کیا، پاؤ، سیپارہ کی قدر یا کچھ اس سے زائد یاد کرلیا اور جب سنایا، ایسا صاف سنایا جیسے اچھے پرانے حافظ''۔

اور یہ کلام اللہ کی عظمت اور اس کی طرف پوری توجہ اور محبت کا نتیجہ تھا کہ اس کا ایک ایک حرف سینہ میں نقش ہوگیا۔

ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں
حرف محبت نہ ترکی نہ تازی

(تیس بڑے مسلمان: ۱۳۱)

حضرت نانوتویؒ اور دیانند کا مکالمہ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ روڑکی میں بیٹھے ہوئے تھے، گرمی کا موسم تھا، سخت ترین

گرم ہوا چل رہی تھی۔ چنڈت دیانند نے کہا، "دیکھو یہ ہوا مدینہ سے آ رہی ہے، کیسی گرم ہے، اگر کاشی جی سے آتی تو ٹھنڈی ہوتی۔"

مولانا نے فرمایا، "صحیح ہے، مدینہ طیبہ سے ہوا کو حکم ہوا کہ ہندوستان (دارالکفر) جا، وہ یہاں آئی، جل بھن گئی کہ کس کفرستان میں بھیج دیا۔ کاشی سے ہوا کو حکم ہوتا مدینہ طیبہ جانے کے لئے تو خوش ہوتی، ٹھنڈی ہو جاتی کہ جہنم سے نکل گئی۔" (ملفوظات فقیہ الامت قسط: ۵/۵۱)

ایک وعظ سے باپ بیٹا دونوں وہابی بن گئے

مولوی نظر محمد خان آنبہ کے رہنے والے تھے ان کے والد دیندار آدمی تھے مگر یہ سن کر کہ دیوبندی مولوی وہابی ہیں اس لئے ان حضرات کی صورت دیکھنے کو بھی گوارہ نہیں کرتے تھے ایک مرتبہ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی نانوتہ تشریف لائے جمعہ کا دن تھا آنبہ سے بھی چند آدمی نماز جمعہ کے لئے کانانوتہ چلے گئے نظر محمد خان اس وقت چھوٹے تھے مگر سمجھدار تھے اس لئے باپ سے کہا کہ میں نانوتہ جاؤں گا سنا ہے کئی مولوی آئے ہوئے ہیں باپ نے منع کیا کہ وہ تو وہابی ہیں اور وہابیوں کی صحبت سے بچنا چاہیے اس نے کہا وہابی تو ہیں مگر میں نے کبھی وہابی دیکھے نہیں جی چاہتا ہے کہ دیکھو وہابی کیسی صورت کے ہوتے ہیں؟ باپ نے صاحبزادے کو غیروں کے ساتھ بھیجنا پسند نہ کیا آخر خود ساتھ ہو گئے کہ میں نے بھی کبھی نہیں دیکھے چلو دیکھ لیں غرض جس وقت جامع مسجد میں قدم رکھا تو سب سے پہلے حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی پر نظر پڑی مولانا غسل فرما کر باہر کٹہرے میں بال سکھا رہے تھے اور تو حسین تھے ہی اس پر طرہ انوار تجلیات کا اس لئے متحیر ہو کر دیر تک دیکھتے رہے کہ وہابیوں کی صورت تو شیعہ سے بھی زیادہ مسخ ہونی چاہیے اور یہ تو سراپا نور کے ٹکڑے ہیں وہاں سے چلے تو حضرت امام ربانی کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں اندر ہی اندر دلوں پر کچھ اثر پڑا اور محبت پیدا ہو گئی نماز جمعہ کے بعد اعلان ہوا کہ مولانا قاسم صاحب کا وعظ ہو گا حضرت نانوتوی نے امام ربانی کی ادب کی وجہ سے انکار فرمایا لیکن امام ربانی کے اصرار پر وعظ شروع کیا۔ مولوی نظر محمد خان خود کہتے ہیں کہ ہمارے کانوں میں یہ بات ڈالی گئی تھی کہ دیوبندی گروہ رسول ﷺ کا منکر اور بے ادب وہابی

گروہ ہے حضرت مولانا نانوتوی کی کرامت تھی کہ وعظ شروع کیا تو جناب رسول پاک ﷺ کے مناقب ہی بیان فرمائے "خوش بیانی تو مولانا کی ظاہر ہی ہے مگر اس وعظ میں وہ نکات بیان فرمائے کہ بیچارے مولود پڑھنے والوں نے خواب میں بھی نہ سنے ہوں گے دل تھا کہ پھول کی طرح کھلا جارہا تھا یہاں تک کہ میں نے والد صاحب سے کہا جناب اگر وہابی ایسے ہی ہوتے ہیں تو میں تو وہابی بن گیا" والد صاحب نے جواب دیا ہاں بھئی ہم بڑی غلطی میں پڑے رہے اگر یہ لوگ وہابی ہیں تو میں بھی پکا وہابی ہوں' ان کا ساتھ مجھ سے نہیں چھوڑا جاتا خلاصہ یہ کہ آئے تھے معترض بن کر تماشہ دیکھنے اور اٹھے ہیں غلام خادم اور معتقد بن کر اس کے بعد اخلاص و للہیت کے جو ثمرات پیدا ہوئے وہ دن بدن بڑھتے اور پھلتے پھولتے ہی رہے۔

(تذکرۃ الرشید ۲/ ۱۳۸)

حضرت نانوتوی کی شجاعت

حضرت نانوتوی (میدان شاملی ہیں) ننگی تلوار ہاتھ میں لیے معرکہ کارزار میں سرگرم تھے کافی دیر تک مقابلہ آرائی کے بعد ایک طرف سکون حاصل کرنے کے لئے ہٹ گئے اور تنہا رہ گئے تو دشمن فوج کے ایک جسیم وتجیم فوجی ان کو اکیلا دیکھ کر تلوار ہاتھ میں لئے آگے بڑھا' جسامت اور تن و توش کے اعتبار سے حضرت نانوتوی اور اس فوجی میں اتنا ہی فرق تھا کہ اس کے جسم سے چار آدمی حضرت کے جسم کے بنائے جاسکتے تھے اس نے سامنے آکر بڑے رعب سے کہا تم نے بہت سر ابھارا ہے اچھا اب اس کا مزہ چکھو اس نے اپنی تلوار بلند کی اور للکار کر کہا اب وار کو سنبھال یہ تیری موت کا پیغام ہے' وہ تلوار کا وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ حضرت نانوتوی نے کڑک کر اس کو ڈانٹتے ہوئے کہا تمیں کیا بنا رہا ہے اپنے پیچھے دیکھ یعنی تیری موت تو تیرے پیچھے کھڑی ہے اس نے سمجھا کہ کوئی باغی پیچھے سے میرے اوپر حملہ کرنا چاہتا ہے غیر اختیاری طور پر اس نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا حضرت نانوتوی اسی کے منتظر تھے وہ جونہی مڑا آپ نے بجلی کی طرح تیزی سے اچھل کر اس پر وار کیا اور وار اتنی قوت سے کیا کہ تلوار دائیں مونڈھے کو کاٹ کر گزرتی ہوئی بائیں جیب پر آ کر رکی حضرت نانوتوی نے گویا اس کو چیر کر دو حصوں میں بانٹ دیا۔ (سوانح میاں جی نور محمد جھانوی ۹۵)

شاملی پر مجاہدین کا قبضہ

حضرت نانوتوی اور ان کے رفقاء انگریزی فوج پر غالب آ گئے اور تحصیل پر قبضہ کرلیا عمارت کو توڑ پھوڑ کر کھنڈر بنا دیا گڑھی میں رہنے والی انگریزوں کی فوج کی مدد کے لئے باہر سے کوئی کمک نہیں آئی مجاہدین فتح کا پرچم لہراتے ہوئے واپس ہو گئے لیکن یہ جنگ ایک محاذ کی جنگ تو نہیں تھی پورے ملک میں لڑائی جاری تھی دارالحکومت دہلی میں گھمسان کا رن پڑا تھا جب انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کرلیا تب اطراف وجوانب کے باغیوں کی سرکوبی کی مہم بڑے پیمانے پر شروع کردی انگریزوں کی فہرست میں تھانہ بھون بھی تھا دہلی پر قبضہ کے بعد انگریز فوج فارغ ہو چکی تھی اس لئے ایک ایک افسر بڑی فوج لے کر بغاوت کے علاقوں میں باغیوں کا وجود مٹانے کے لئے چل پڑا ایک فوج تھانہ بھون بھی آئی قاضی عنایت علی کو اس کی خبر مل چکی تھی انہوں نے تھانہ بھون کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ وہاں سے نجیب آباد روہیلوں کے علاقہ میں چلے گئے پھر اس طرح گم ہوئے کہ حکومت یہ پتہ نہ چلا سکی کہ زمین نگل گئی یا آسمان نے اچک لیا ساری زندگی روپوشی میں بسر کردی فوج جب ان کو نہ پکڑ سکی تو اپنا غصہ ان کے محل پر اتارا توپ لگا کر اسے کھنڈر میں تبدیل کردیا اور پورے تھانہ بھون کو ویرانہ بنا دیا اور مجاہدین کی قیادت کرنے والوں حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا محمد منیر نانوتوی ہر ایک کی گرفتاری کے لئے وارنٹ جاری ہوئے سوائے حضرت گنگوہی کے اور کوئی گرفتار نہیں ہوا۔ (سوانح میاں جی نور محمد جھنجھانوی ۱۴۰)

گرفتاری کے لئے پولیس کے چھاپے

روپوشی کے ایام میں جب آپ دیوبند محلہ دیوان میں تھے کہ مخبر نے پولیس کو خبر کردی اتفاق سے پولیس کے محاصرے سے چند منٹ پہلے گھر سے نکل کر چھتہ کی مسجد میں جا چکے تھے پولیس نے گھر میں تلاشی لی کونہ کونہ چھان مارا مگر حضرت نانوتوی تو وہاں سے جا چکے تھے پولیس واپس چلی گئی مخبر نے دوبارہ اطلاع دی کہ حضرت نانوتوی چھتہ مسجد میں دیکھے گئے ہیں پولیس کا افسر کچھ سپاہیوں کو لے کر چھتہ مسجد پہنچا افسر نے پولیس کو دروازہ پر تعینات کر دیا اور خود مسجد کے

اندر چلا گیا اس وقت حضرت نانوتوی مسجد میں ٹہل رہے تھے دیکھا کہ پولیس افسر آ رہا ہے آپ
اطمینان سے چہل قدمی کرتے رہے افسر حضرت نانوتوی کو پہچانتا نہیں تھا اس لئے اس نے
آ کر حضرت نانوتوی سے پوچھا مولانا محمد قاسم یہاں ہیں؟ حضرت نانوتوی نے ایک قدم ہٹ
کر نہایت بے نیازی سے جواب دیا ابھی ابھی تو یہیں تھے ہوسکتا ہے ہوں آپ خود دیکھ لیجئے
پولیس نے پوری مسجد کھنگال ڈالی آخر ناکام ہو کر چلا گیا اور پولیس سے جو دروازہ پر کھڑی تھی کہا
کہ مخبر نے غلط خبر دی ملزم یہاں نہیں ہے۔ (سوانح میاں جی نور محمد جھنجھانوی ۱۶۱)

خوب جانتا ہوں اور پہچانتا ہوں

آپ کے برادر نسبتی شیخ نہال احمد رئیس دیوبند کے اپنے گاؤں پھلوالی میں قیام کے لئے
اصرار کیا اور کہا کہ دیوبند میں تو ہر دم خطرات ہیں یہ دور افتادہ گاؤں ہے یہاں سے مخبری کم سے
کم ہوسکتی ہے جب ان کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو آپ پھلوالی چلے گئے جو دیوبند سے نانوتہ
جانے والی سڑک پر واقع ہے چند دنوں بعد مخبر نے پھر پولیس کو اطلاع دی کہ ملزم موضع پھلوالی
میں ہے پولیس پھلوالی پہنچ گئی اور گاؤں کا محاصرہ کر لیا شیخ نہال احمد انتہائی حواس باختہ ہو گئے کہ
حضرت میرے ہی گھر سے گرفتار ہو گئے تو زندگی بھر کا داغ مجھ پر لگ جائے گا میں ہی اصرار کر
کے لایا اور میرے ہی گھر سے گرفتار ہوئی بدحواسی کے عالم میں حضرت نانوتوی سے صورت
حال بتائی حضرت نانوتوی نے فرمایا کہ تمہاری بدحواسی مجھے گرفتار کرادے گی تم اپنے کو مطمئن
رکھو چہرے بشرے سے قطعاً کسی پریشانی کا اظہار نہ کرو اور تم اندر رہو اپنا بچاؤ میں خود کر لوں گا
پولیس کپتان دروازے پر آ گیا حضرت نانوتوی خود باہر آ گئے اور پوچھا کیسے تشریف آوری
ہوئی؟ اس نے کہا کہ ہمارا ملزم اس مکان میں ہے ہم اس کی گرفتاری کے لئے آئے ہیں آپ
نے بڑی خندہ پیشانی سے فرمایا تو پھر آپ اندر تشریف لے آئیں ہمارے مکان کی تلاشی لے
لیں اگر آپ کا ملزم مل جائے تو ضرور گرفتار کر کے لے جائیں کپتان نے پوچھا آپ مولانا محمد
قاسم کو جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا خوب جانتا ہوں اور پہچانتا ہوں اس نے کہا ہم زنانہ مکان
کی تلاشی لینا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا شوق سے کپتان نے گھر کے کونے کونے کو چھان مارا
حضرت نانوتوی ساتھ ساتھ رہے ایک لمحہ کے لئے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا جس کمرے کو کہا

کھول دیا جس کمرے میں داخل ہونا چاہا اس کو آگے بڑھ کر کھولتے رہے جب پورے گھر کی تلاشی لے چکا تو مایوس ہوکر کہا کہ مخبر نے پھر غلط اطلاع دی اور پولیس کو لے کر واپس چلا گیا۔
(سوانح میاں جی نور محمد جھنجھانوی ۱۹۱)

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد

حاجی عابد حسین کی شبانہ روز کی جدوجہد سے چند دنوں میں تین سو روپے سے کچھ زائد رقم وصول ہوئی جس کی وجہ سے ہمدردیوں کا حوصلہ بڑھا اور فوراً حضرت نانوتوی مدرس بھیجنے اور مقررہ تاریخ پر تشریف آوری کی اطلاع میرٹھ بھیج دی گئی اس چھوٹے سے مدرسے کے لئے ابھی کسی جدید عمارت کی ضرورت نہیں تھی چھتہ مسجد جو دیوبند کی ایک قدیم مسجد اور اس کے چند کمرے کافی تھیں اسی مدرسے کے افتتاح کا فیصلہ کیا گیا قصبہ دیوبند کے علماء، صلحاء اور مشائخ اور نمایاں شخصیتیں مسجد میں جمع ہوگئیں۔ ملا محمود دیوبندی (جو میرٹھ میں پڑھاتے تھے) اور ایک شاگرد محمود حسن دیوبندی کو لے کر ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء بروز جمعرات دارالعلوم کا افتتاح کردیا گیا اس چھوٹے سے مکتب کا افتتاح درحقیقت اس عظیم منصوبے کا نقطہ آغاز تھا جو ہندوستان میں اسلام کے تحفظ و بقاء کے لئے حساس اور بیدار مغز علماء و مشائخ کے دلوں میں ایک مضبوط اور مستحکم قلعہ کی تعمیر کا تھا۔ (سوانح میاں جی نور محمد جھنجھانوی ۱۷۰)

شریعت کی پابندی

آپ کے والد شیخ اسد علی صدیقی نے اپنے باپ کی جائیداد شرعی طریقے سے تقسیم نہیں کی تھی یعنی تمام بھائی بہنوں کو ان کا شرعی حق پورا پورا ادا نہیں کیا تھا جب بھی مولانا نانوتوی گھر آتے تو باپ کے ہاں سے کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ تقاضہ کرتے تھے کہ جب تک آپ تمام حصہ داروں کو ان کا حق ادا نہیں کریں گے میں آپ کے گھر کا کھانا نہیں کھاؤں گا پہلے تو باپ ناراض ہوگیا لیکن آخرکار وہ آپ کی بات مان گیا اور ساری جدی وراثت شرعی طریقے کے مطابق تمام حصہ داروں میں تقسیم کردی اور سب کو ان کا حق ادا کردیا حضرت نانوتوی اتنی بڑی روحانیت کے مالک تھے جس کی نظیر آج کی دنیا میں محال ہے۔ (اکابر ۲۰۵)

حضرت نانوتوی اور پادری

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رڑکی تشریف لے گئے انگریز پادریوں سے مناظرہ تھا حضرت نانوتوی نے تقریر فرمائی جس میں حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا معجزہ ذکر فرمایا کہ اونٹنی پتھر سے نکلی اس پر پادری نے کہا آپ اپنی بھی تو بتلایئے وہ تو صالح علیہ السلام تھے۔ آپ کے پاس بھی کچھ ہے؟ حضرت نانوتوی نے جواب دیا معجزہ تو نبی کے پاس ہوتا ہے ہم تو نبی نہیں ہماری حیثیت ہی کیا ہے تاہم ہماری حیثیت کے مطابق ہمارے پاس بھی ہے کہو کیا چاہتے ہو؟ اس پر پادری نے کہا کہ اگر درخت سے آواز آئے اور یہ آپ کی تصدیق کرے تو مان لیں گے۔ آپ نے کہا درخت سے کیا آپ کے قلب سے آواز آئے گی تب بھی آپ ایمان نہیں لائیں گے پادری نے کہا اس بات کو سن کر تو بھنگی بھی ایمان لے آئیں گے۔ حضرت نے فرمایا ہاں یہ بھنگی چمار تو ایمان لے آئیں گے مگر تم نہیں ایمان لانے کے۔ پادری نے کہا کہ ہم جھک ماریں گے؟ حضرت نے فرمایا ہاں جھک ہی مارو گے پھر حضرت نے فرمایا اچھا خاموش ہو جایئے سب خاموش ہو گئے آواز آئی لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ مولانا نے مجمع سے فرمایا سنا بھائی تم نے اس آواز کو سارے مجمع نے کہا جی ہاں سنا مولانا نے پوچھا کہاں سے آواز آئی؟ تو سب خاموش رہے اس پر مولانا نے پھر پوچھا کون ہے کہاں سے بول رہا ہے؟ آواز آئی میں فلاں پادری کا قلب اس کے سینے کے اندر سے بول رہا ہوں' پوچھا میں کون ہوں؟ کہا مولانا محمد قاسم پوچھا میں کیا کہتا ہوں' کہا آپ کہتے ہیں لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ ۔ یہ سن کر بھی پادری مسلمان نہیں ہوئے دوسرے لوگ مسلمان ہو گئے۔

(ملفوظات فقیہ الامت قسط ۵/۵۰)

جہاد کے لئے شوریٰ کا اجلاس

جب تھانہ بھون کے قاضی امانت علی کو انگریزوں نے قتل کیا تو شاملی کے محاذ پر انگریزوں سے جہاد کرنے کے لئے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے احباب کی مشاورت طلب کی جن میں مولانا محمد قاسم نانوتوی' مولانا رشید احمد گنگوہی' مولانا محمد منیر نانوتوی' حافظ محمد ضامن

شہید، مولانا شیخ محمد احمد تھانوی اور قاضی عنایت علی وغیرہ شامل تھے۔ جہاد پر مشاورت کے دوران مولانا شیخ محمد احمد تھانوی نے اعتراض اٹھایا کہ اگر آپ کی جہاد پر تمام حجتیں مان لی جائیں تو سب سے بڑی شرط جہاد میں امام کا ہونا ہے امام کہاں ہے؟ مولانا محمد احمد تھانوی کے اعتراض پر مولانا محمد قاسم نانوتوی نے بڑے ادب سے پوچھا حضرت! کیا وجہ ہے کہ آپ، دشمنان دین وطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے؟ جواب میں مولانا شیخ محمد تھانوی نے کہا ہمارے پاس نہ تو اسلحہ ہے اور نہ ہی آلات جہاد ہیں' ہم بالکل بے سروسامانی میں کیا کر سکتے ہیں؟ اس پر مولانا نانوتوی نے برجستہ کہا اتنا بھی نہیں جتنا کہ غزوہ بدر میں تھا؟ اس پر مولانا شیخ محمد احمد خاموش ہو گئے مگر حافظ محمد ضامن نے کہا بس مولانا بات سمجھ میں آ گئی یہ کہ آپ نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو امام مقرر کیا اور مولانا محمد قاسم کو سپہ سالار مولانا رشید احمد گنگوہی کو قاضی اور مولانا محمد منیر نانوتوی اور حافظ محمد ضامن تھانوی محاصرے کے آفیسر قرار دیئے گئے۔

(نقش حیات ۲/۴۴)

مجاہدین کی فتح

حافظ ضامن شہید نے حملہ کر کے تحصیل کا دروازہ توڑ دیا۔ دروازہ کے قریب چھپر کی کٹیا تھی جو غالباً محافظ سپاہیوں کے سایہ کے لئے بنائی گئی تھی مولانا نانوتوی نے جلدی سے بڑھ کر اس چھپر کو اپنی جگہ سے اٹھا کر تحصیل کے دروازے سے ملا دیا اور اس کو آگ لگا دی آگ کا لگنا تھا کہ تحصیل کے پھاٹک کے کواڑ جل اٹھے بند دروازہ مجاہدین کے لئے وا ہو گیا یلغار کرتے ہوئے مجاہدین تحصیل کے اندر داخل ہو گئے اور دست بدست جنگ ہونے لگی اور پانسہ مجاہدین کے حق میں پلٹ گیا۔ (انگریز کے باغی مسلمان ۱۹۹)

شہید دوست کے آخری لمحات

جیسے ہی انگریز لشکر شکست کھا کر پیچھے ہٹے اور شامل تحصیل پر مجاہدین کا قبضہ ہو گیا تو حافظ ضامن صاحب محاذ پر مجاہدین کی دیکھ بھال کر رہے تھے اسی اثناء میں جب وہ تحصیل کی طرف اپنا رخ موڑے کھڑے محاذ کا جائزہ لے رہے تھے کہ دشمن کی ایک گولی ان کی ناف پر لگی

اور حافظ صاحب تڑپ کر زمین پر آ گرے اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ شہادت کے بعد مولانا محمد قاسم شہید کی نعش کندھے پر اٹھائے قریب کی مسجد میں آئے قرآن کی تلاوت شروع کر دی آخر شہید کی نعش تھانہ بھون لا کر اسے تو سودہ خاک کر دیا۔

(انگریز کے باغی مسلمان ۱۹۹)

پنڈت جی کا فرار اور حضرت کا وعظ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب اور مولانا حافظ عبدالعدل نے کئی روز سر بازار پنڈت جی (دیانند سرسوتی) کے اعتراضات کے جوابات دیئے اور پنڈت جی کے مذہب پر اعتراضات کئے اور پنڈت جی اور اس کے حواریوں کو غیرت دلائی کہ جواب دو مگر پنڈت جی اور ان کے شاگردوں اور معتقدوں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی اور ان کو کوئی ایسا سانپ سونگھ گیا کہ وہ چلنے سے ہی رہے آخر مولانا قاسم نانوتوی نے فرمایا اچھا پنڈت جی بمعہ اپنے شاگردوں اور معتقدوں کے میرا وعظ ہی سن لیں مگر پنڈت جی وعظ میں کیا آتے رڑکی سے بھی چل دیئے اور ایسے گئے کہ پتہ بھی نہ لگا کہ کدھر گئے۔ آخرش مولانا نے بہ نفس نفیس بر سر بازار تین روز تک وعظ فرمایا مسلمان ہندو عیسائی اور سب چھوٹے بڑے انگریز جو رڑکی میں تھے ان وعظوں میں شامل تھے ہر قسم کے لوگوں کا ہجوم تھا مولانا نے وہ وہ دلائل مذہب اسلام کے حق ہونے پر بیان فرمائے کہ سب حیران تھے اہل جلسہ پر سکتہ عالم تھا ہر شخص متاثر معلوم ہوتا تھا پنڈت جی کے اعتراضوں کے وہ دندان شکن جواب دیئے کہ مخالف بھی مان گئے۔

(بانی دارالعلوم دیوبند)

☆☆☆

فقیہ الامت امام ربانی

حضرت علامہ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ رشید احمد گنگوہی شاملی میں قائم کردہ اسلامی حکومت کے چیف جسٹس اور اسی محاذ پر انگریز گورنمنٹ سے ٹکر لینے والے عظیم مجاہد لاکھوں بندگان خدا کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے والے بے مثال مرشد

دارالعلوم دیوبند کے سرپرست

تاریخ پیدائش	تاریخ وفات
۱۸۲۸ء	۱۹۰۵ء

محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی

نماز کا شوق اور غیبی حفاظت

ساڑھے چھ سال کی عمر تھی کہ آپ سے ایک ایسی کرامت جس اور استقلال و توکل کا ظہور ہوا کہ جس سے آپ کے مقبول بارگاہ احدیت ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ آپ بچپن ہی سے نماز کے پابند تھے۔ جمعہ تو کیا عام نمازوں کا بھی خیال رکھتے۔ ایک دن شام کو ٹہلتے ٹہلتے قصبہ سے باہر نکل گئے۔ وہاں غروب آفتاب کا وقت ہو گیا تو احساس ہوا کہ مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ عباس کے پھولوں کی دو چھڑیاں ہاتھ میں لیے بسرعت پلٹے۔ پہلے گھر آئے اور والدہ کو چھڑیاں پکڑا ئیں کہ یہ رکھو میں نماز پڑھنے جاتا ہوں۔ جھپٹتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے تو جماعت کھڑی تھی۔ وضو کے لئے لوٹوں کی طرف بڑھے تو خالی تھے۔ دیر میں دیر اور ہوئی۔ گھبرا کر پانی کھینچنے کے لئے کنوئیں میں ڈول ڈالا۔ ڈول وزنی تھا، گھبراہٹ میں رسی پاؤں میں الجھ گئی تھی، ہاتھ پاؤں جماعت کے فوت ہونے کے خدشہ سے پھولے ہوئے تھے۔ ذرا سا جھٹکا لگا اور دھڑام سے کنوئیں میں گر گئے۔

نمازیوں کو نماز میں احساس ہوا کہ کوئی کنوئیں میں گر گیا۔ امام صاحب نے جلدی نماز پوری کرائی اور تمام نمازی جلد کنوئیں کی طرف لپکے۔ اب ہر ایک کنوئیں میں جھانکنے لگا۔ اندر سے آواز آتی ہے: "گھبراؤ نہیں میں بہت آرام سے بیٹھا ہوں۔"

قدرت حق تعالیٰ کی یہ ہوئی کہ ڈول الٹا پانی میں گرا۔ آپ جب گرے تو حواس مجتمع کر کے فوراً اس پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ جب آپ کو باہر نکالا گیا تو معلوم ہوا کہ پاؤں کی چھوٹی انگلی میں خفیف سی خراش آئی ہے اور بس۔ (بیس بڑے مسلمان: ۱۴۹)

شیخ کی محبت

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے روانہ ہونے کے بعد حضرت گنگوہی کو شیخ کی مفارقت کا بے پناہ صدمہ تھا۔ آپ کو اس صدمہ میں نیند نہیں آتی تھی۔ یہی خواہش تھی کہ کسی طرح ایک مرتبہ زیارت کر لوں۔ لیکن شیخ کی جائے قیام کا علم نہ تھا۔ بعد پتہ چلا کہ آپ

پھلا سے مکی ہیں۔ وہاں پہنچے، ملاقات ہوئی، زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت گنگوہیؒ نے بے حد اصرار کیا کہ مجھ کو بھی اپنے ہمراہ لے لیجئے مگر حضرت حاجی صاحبؒ راضی نہ ہوئے اور فرمایا:

"میاں رشید احمد! تم سے تو حق تعالیٰ نے بہتیرے کام لینے ہیں۔ گھبراؤ مت، ہندوستان سے نکلتے وقت تم سے ضرور ملوں گا۔"

اور حاجی صاحب نے ملاقات کا یہ وعدہ پورا فرمایا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۱۶۶)

الحمد للہ آرام سے ہوں

فوجی رام پور پہنچے اور مولانا گنگوہیؒ کو حکیم ضیاء الدین صاحب کے مکان سے گرفتار کر لیا۔ آپ کے چاروں طرف کافی پہرہ دار تعینات کر دیئے گئے اور بند بہلی میں آپ کو سوار کر کے سہارنپور روانہ کیا۔ بیل تیز رفتار تھے اور حکم یہی تھا کہ جلد سے جلد لے جاؤ۔ اس لئے کچی سڑک پر وہ خاک اڑتی تھی کہ راہ گیروں کی آنکھیں اندھی ہو جاتی تھی۔ مولوی ابوالنصر پریشان اور ان کے بوڑھے باپ مولوی عبدالغنی جنہوں نے مولانا کو پرورش کیا تھا، ننگے پاؤں پاپیادہ سواروں کی تیز رفتاری کا مقابلہ کرتے ہوئے بہلی کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ تن سے کچھ غذا پر نہیں تھا۔ عالم پریشانی میں ڈوبے ہوئے۔ غبار سے آنکھیں بند بہلی کے کانٹوں سے پاؤں زخمی، خدا جانے کہاں جا رہے تھے اور کس طرف قدم اٹھ رہا ہے۔ آخر ایک جگہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت مولانا سہارنپور پہنچتے ہی جیل خانے بھیج دیئے گئے اور جنگی پہرہ کی نگرانی لگا دی گئی۔

مولانا عبدالغنی کو جب ہوش آیا تو وہ پھر دوڑے۔ راستہ میں سہارنپور کے ایک صاحب نے بتایا کہ مولانا سہارنپور کے جیل خانہ میں ہیں۔ مولانا عبدالغنی خود بھوکے پیاسے تھے مگر ان کو حضرت کی بھوک کا زیادہ خیال تھا۔ چنانچہ انہوں نے نانوتہ کے کسی کی برادری معرفت حضرت کو کھانا پہنچایا۔ وہاں سے ٹھیکریوں پر کوئلہ سے لکھا ہوا یہ فقرہ ان کے پاس پہنچا کہ مجھ مت گھبراؤ، بحمد اللہ آرام میں ہوں۔ (بیس بڑے مسلمان: ۱۶۸)

حضرت گنگوہیؒ کی اہلیہ کی استقامت

حضرت مولاناؒ کی اہلیہ محترمہ جن کے والد ماجد مولوی محمد تقی صاحب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شہید ہو چکے تھے، انہوں نے جب حضرت کی گرفتاری کی خبر سنی تو خدا کا شکر ادا کیا کہ حق کی راہ میں باپ شہید ہوا اور خاوند جیل میں ہے۔ (تین بڑے مسلمان: ۱۹۸)

جیل کی سلاخوں کے پیچھے

حضرت مولانا گنگوہی تین چار یوم کال کوٹھڑی میں بند رہے اور پندرہ روز جیل خانہ میں رہے۔ تحقیقات اور پیشی پر پیشی ہوتی رہی۔ آخر عدالت سے حکم ہوا کہ واقعہ تھانہ بھون کا ہے اس لئے مقدمہ مظفر نگر منتقل کیا جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو سواروں کے پہرہ میں دیوبند کے راستہ سے دو پڑاؤ کر کے پاپیادہ مظفر نگر لائے گئے۔ اور مظفر نگر کے جیل خانہ کی حوالات میں بند کر دیئے گئے۔ دیوبند کے قریب سے جب مولانا گنگوہیؒ گزرے تو مولانا محمد قاسم صاحب مقررہ راستہ سے کچھ ہٹ کر بغرض ملاقات پہلے سے آ کھڑے ہوئے تھے، گو خود بھی ان کا وارنٹ تھا اور روپوشی زندگی گزار رہے تھے، بے تابی شوق نے اس وقت انہیں چھپنے نہیں دیا، دور سے سلام ہوئے، ایک دوسرے کو دیکھا اور مسکرائے۔ (تین بڑے مسلمان: ۱۹۸)

ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا

ایک مرتبہ ایک شخص تشریف لایا اور اس درجہ عقیدت کا اظہار کیا کہ کوئی اس پر شک نہیں کر سکتا تھا کہ یہ حضرت کا معتقد نہیں ہے۔ جس وقت حضرت کے سامنے آیا اور درخواست بیعت کی تو حضرت نے جھڑک دیا اور فرمایا، جاؤ میرے یہاں تمہارا کام نہیں ہے، میں ہرگز مرید نہیں کروں گا۔ یہ حضرت روئے اور حضرت کے متعلقین سے سفارش کرائی مگر جس نے بھی سفارش کی اس کو بھی یہی جواب ملا، میں کہہ چکا ہوں کہ میں مرید نہ کروں گا، اس کو کہہ دو یہاں نہ ٹھہرے، اگر نہ جائے تو نکال دو اور اسباب باہر پھینک دو۔

حضرت کی اس بے رخی پر لوگوں کو بھی افسوس ہوا۔ مگر سوائے تعمیل حکم کے کوئی چارہ نہ تھا۔ اس کا اسباب خانقاہ سے باہر کر دیا۔ اس پر بھی وہ حسن عقیدت کا اظہار نہ چھوڑتا تھا اور رو

رو کر کہتا کہ کچھ بھی ہو میں تو ضرور بیعت ہوں گا۔ حکیم محمد یوسف صاحب کو اس کی حالت دیکھ کر ترس آیا، اس کو اپنی بیٹھک میں ٹھہرا کر وعدہ کیا کہ میں حضرت سے سفارش کروں گا کہ تمہیں مرید فرمالیں۔ دوسرے دن حکیم صاحب حضرت کی خدمت میں گئے، کہنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ حضرت نے خود فرمایا کہ آنے والا کہاں ہے؟ تم نے اسے کیوں ٹھہرا رکھا ہے، کرایہ کا انتظام کر دو اور کہہ دو کہ چلتا بن۔

اب ان الفاظ کے بعد حکیم صاحب خاموش ہو کر چلے آئے۔ بیٹھک میں قدم رکھا تو دیکھا کہ مسافر کتاب کھولے کچھ لکھ رہا ہے۔ حکیم صاحب کے آتے ہی جلدی سے کتاب بند کر کے جزدان میں لپیٹ کر حمائل بنا کر گلے میں ڈال دی۔ اب حکیم صاحب مشتبہ ہو گئے۔ خیال پیدا ہوا کہ حمائل کو دیکھنا چاہئے، اس میں کیا ہے۔ حکیم صاحب نے ایک رات مسافر کو باتوں میں لگائے رکھا۔ کافی رات تک باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ نیند کے غلبہ سے عاجز آ گیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ سونا چاہتا ہے تو یہ کہہ کر چلے آئے کہ اچھا سو جائیے۔

مسافر لیٹا اور لیٹتے ہی گہری غفلت کی نیند سو گیا۔ اس وقت انہوں نے اس کی گردن سے حمائل نکالی، لیمپ کے سامنے لا کر کھولی تو کہیں انگریزی، کہیں فارسی اور کہیں اردو اور کہیں عربی لکھی ہوئی ہے۔ عجلت کے ساتھ ورق گردانی کی تو ایک صفحہ پر کسی انگریز حاکم کے نام چٹھی کی نقل پر نظر پڑی جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں نے گورنمنٹ کی خیر خواہی میں جان تو جان اپنے ایمان کی بھی پرواہ نہیں کی مگر افسوس میری قدر جیسی ہونی چاہئے تھی ویسی نہ ہوئی۔

اس عبارت کو دیکھ کر حکیم صاحب کانپ اٹھے اور کتاب بند کر کے اسی طرح مسافر کے گلے میں حمائل ڈال کر چلے گئے۔ علی الصبح کرایہ کا ٹٹو لیا اور اس کو رخصت کر دیا۔ حکیم صاحب حضرت کی خدمت میں آئے تو حضرت مسکرائے اور آہستہ سے فرمایا، "ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ اس کو روانہ کر دو تم ہی نہیں مانے۔" (شب جمعہ مسلمان، ۱۲۹)

طلبہ کے جوتے اٹھائے

ایک دفعہ درس حدیث میں بارش شروع ہوئی۔ طلبہ نے جلدی جلدی کتابیں اور تپائیاں (کتابیں رکھنے والے چھوٹے چھوٹے میز) اٹھائیں اور چل دیئے۔ اس کے بعد طلبہ نے

دیکھا کہ حضرت مولانا نے اپنے کندھے کی چادر میں طلبہ کی جوتیاں ڈالی ہوئی ہیں اور اٹھائے چلے آ رہے ہیں۔ طلبہ بہت نادم و حیرت زدہ ہوئے تو فرمایا کہ:

"اس میں کون سی بڑی بات ہے؟ تمہاری خدمت کرنا تو میری نجات کا باعث ہے۔ طلبائے دین کے لئے تو حدیث شریف کے الفاظ میں مچھلیاں سمندر میں، چیونٹیاں بلوں میں دعا کرتی ہیں اور فرشتے تمہارے قدموں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں اور تم تو مہمانان رسول اللہ ﷺ ہو کہ حدیث پڑھنے آئے ہو۔"

(بیس بڑے مسلمان: ۱۷۱)

طلبہ پیارے پیغمبر ﷺ کے مہمان ہیں

حضرت طلبہ کی مدارات اور عزت و تکریم میں ہمہ وقت کوشاں رہتے۔ اگر کسی کو کوئی غم یا فکر لاحق ہوتی تو صبر و تسلی کے کلمات سے تسکین بخشتے۔ جس طرح ان کے دل میں طلبہ دین کی عزت تھی، چاہتے تھے کہ دوسرے بھی ان کی اسی طرح عزت کریں۔ آپ کو یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ کوئی ان کو بنظر حقارت دیکھے۔

ایک طالب علم کا کھانا کسی جگہ لگایا ہوا تھا، اس کو دیکھا کہ کھانا کھلا ہوا بغیر کسی کپڑے وغیرہ کے لا رہا ہے۔ پوچھا، کہاں کھانا مقرر ہے؟ اس نے آپ کے کسی رشتہ دار کا نام لیا۔ فرمایا کہ اچھا اب وہاں سے کھانا نہ لانا، ہمارے گھر سے آیا کرے گا۔

ادھر اپنے رشتہ دار سے ناراضگی کے کلمات کہلا بھیجے کہ اس وجہ سے ان کو اس طرح کھانا دیتے ہو کہ یہ پردیسی ہیں، ان کو دروازہ کا فقیر سمجھا گیا، سو کیا مضائقہ ہے:

ملک خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست

تم اپنی روٹی اپنے پاس رکھو، خدا ان کا اور جگہ انتظام کر دے گا۔"

وہ صفت مآب عورت جن کے گھر سے کھانا آتا تھا، حاضر ہو کر معذرت خواہ ہوئی اور خطا معاف کرائی اور کہا، آئندہ دسترخوان میں کھانا ڈھک کر تعظیم کے ساتھ پیش کیا کروں گی۔ آپ نے منظور فرما لیا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۱۷۱)

بدعت اور ضلالت سے نفرت

اتباع سنت کا جذبہ جس قدر آپ کے قلب میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اسی قدر شدید جذبہ بدعت و گمراہی کے خلاف تھا۔ چنانچہ آپ کسی گمراہی یا خلاف شریعت کام کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکتے تھے۔

ایک دفعہ کرنال سے گنگوہ ایک بارات آئی جس میں رقاصہ بھی تھی۔ اس برات میں کچھ لوگ آپ سے ملنے والے تھے۔ آپ اس دن صبح اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد میں منہ ڈھانپ کر لیٹ گئے۔ واقف کار لوگ سلام کرنے کے لئے آئے۔ دیر تک آپ کے پاس بیٹھے رہے مگر آپ نے منہ نہ کھولا۔ بالآخر ایک صاحب بولے کہ حضرت ہم تو زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے۔

آپ نے منہ ڈھانپے غصے میں جواب دیا کہ میری زیارت میں کیا دھرا ہے؟

چنانچہ ایک بزرگ نے معاملہ سمجھ کر عرض کیا کہ حضرت ہم تو رنڈی کو ساتھ نہیں لائے۔ بیٹی والوں کی حرکت ہے۔

آپ نے بے ساختہ فرمایا کہ "میاں! بیٹی والے کسی کے خدا تو نہیں ہیں کہ ان کا کہنا مانا ہی جائے۔"

اس جملے سے بہت سے حاضرین کے دل بھر آئے۔ وہ لوگ جب چلے گئے تو آپ نے منہ کھولا اور اٹھ بیٹھے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۲۰۷)

اس میں تیسرے تم تھے

آپ کے جد امجد شاہ عبدالقدوسؒ کا عرس ہوتا تھا۔ آپ اس کو بند کرنے پر قادر نہ تھے۔ اول اول آپ کو صبر کرنا دشوار تھا۔ لہٰذا آپ ان دنوں رام پور چلے جاتے تھے۔ مگر جب آخر میں اس ایذاء قلبی کی برداشت آپ کو دے دی گئی تو آپ یہ زمانہ خانقاہ ہی میں گزارتے۔ اگر کوئی آپ کو معتقد ان دنوں آ جاتا تو آپ کو تکلیف ہوتی۔ آپ اکثر ناراض ہوتے اور ترک تکلم فرما دیتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحب حضرت گنگوہی کی زیارت سے بے تاب ہو کر گھر سے نکل پڑے۔ اتفاق سے عرس کا زمانہ تھا۔ اگرچہ آنے والے کو اس کا وہم بھی نہ تھا مگر حضرت گنگوہیؒ اپنے شہدائے سنت کے ہاتھوں مجبور تھے۔ آپ سے نہ ہو سکا کہ ان کی مزاج پرسی کریں یا محبت و مدارت سے پیش آئیں۔ آپ نے بجز سلام کا جواب دینے کے ان سے یہ بھی نہ پوچھا کہ روٹی کھائی یا نہیں اور کب آئے اور کیوں آئے۔

مولانا محمد صالح کو اسی حالت میں کئی دن گزر گئے۔ حضرت کا رخ پھرا ہوا دیکھنا جس طرح شاق گزر رہا تھا، اس کو انہی کے دل سے پوچھنا چاہئے تھا۔ حاضر خدمت ہوتے اور خاموش بیٹھ کر رنجیدہ و محزون واپس ہو جاتے۔ آخر اس حالت کی تاب نہ لا کر حاضر خدمت ہوئے اور رو کر عرض کیا کہ حضرت مجھ سے کیا قصور ہوا جس کی یہ سزا مل رہی ہے؟ میں تو اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اللہ واسطے معاف فرما دیجئے۔

اس وقت حضرت نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا کہ:

میرا قصور نہیں کیا جس کو میں معاف کر دوں۔ خدا کی خطا ہے، اس سے معافی چاہو۔

اس وقت مولانا سمجھے کہ عرس کے دنوں میں آنا ناگوار گزرا ہے۔ چنانچہ آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ خدا شاہد ہے کہ مجھے تو عرس وغیرہ کے ساتھ ابتداء ہی سے شوق نہیں ہے اور نہ مجھے اس کا علم تھا۔

حضرت امام ربانیؒ نے فرمایا:

اگرچہ تمہاری نیت عرس میں شرکت کی نہ تھی مگر جس راستہ میں دو آدمی عرس کے لئے آ رہے تھے، اسی میں تیسرے تم تھے۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

من کثر سواد قوم فھو منھم

"جو آدمی کسی قوم کی کثرت کا باعث ہوا وہ انہی میں سے ہے۔"

(بیس بڑے مسلمان: ۱۷۹)

بائیس برس کے بعد تکبیر اولیٰ فوت

دیوبند کا جلسہ دستار بندی تھا۔ اس میں ایک دن غالباً عصر کی نماز میں ایسا اتفاق پیش آیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نماز پڑھانے کو مصلے پر کھڑے ہوئے تو تکبیر اولیٰ کہی جا چکی اور امام نماز شروع کرا چکا تھا۔ سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا کہ جو وجود بڑے بڑے حوادث اور اعزاء کی اموات، تنگدستی و غربت میں بھی پریشان نہیں ہوا تھا، اس کا چہرہ اداس اور پریشانی کا مظہر تھا اور آپ رنج کے ساتھ یہ الفاظ فرما رہے تھے:

افسوس! بائیس برس کے بعد آج تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی۔

ہوا میں اڑنا، سمندر میں اپنے پاؤں پر چلنا یا اسی طرح کی دوسری خوارق عادت باتیں کم درجہ کی کرامات ہیں، اصل کرامت یہ استقامت و دوام ہے جو شاید کروڑوں میں سے ایک کو حاصل ہوتا ہے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۱۸۰)

شب بیداری و تہجد گزاری

تذکرۃ الرشید میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن کی زبانی حضرت گنگوہی کے انضباط اوقات درج ہوئے ہیں۔ ساری عمر تقریباً اس پر عمل کیا۔ کبھی اس میں تبدیلی یا تغیر نہیں ہوا۔ مولانا منیر نانوتوی ایک سفر حج میں ساتھ تھے۔ ایک روز آدھی رات کے بعد ان سے کہا کہ ایک دو ڈول سمندر سے پانی کے نکال دو، غسل کروں گا۔

نانوتوی صاحب نے کہا کہ ابھی تو بہت رات باقی ہے، صبح ہونے دیجئے۔ اگر ایک رات تہجد قضا بھی ہوگئی تو کوئی مضائقہ نہیں۔

مگر حضرت کو یہ منظور نہ ہوا۔ اور اسی وقت غسل فرما کر نماز تہجد ادا فرمائی اور حسب معمول فجر تک تلاوت قرآن و وظائف میں مشغول رہے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۱۸۱)

او مردود! تو اللہ ہے؟

ایک فقیر صوفی آپ سے بہت پیار و محبت رکھتا تھا۔ آپ بھی اس کو فقیر درویش سمجھ کر اس کا ادب و احترام کرتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد اس فقیر نے آپ سے کہا کہ جانتے ہو کہ یہ جو

ذکر "اللہ ہو" کرتا ہوں، کیا کہتا ہوں؟ یہ کہتا ہوں "اللہ ہوں"۔

یہ سن کر آپ نے فوراً طیش میں آ کر فرمایا، "او مردود! تو اللہ ہے؟"۔ سابقہ دوستی یا مروت کا ذرہ بھر لحاظ نہیں کیا۔ اس کے بعد پھر اس فقیر کی کبھی صورت نہیں دیکھی۔

(تیس بڑے مسلمان: ۱۸۱)

گنگوہ بھی دیکھتا چلوں

داروغہ اسد علی صاحب انسپکٹر پولیس پشاور کو شیخ کی تلاش تھی۔ انہوں نے رخصت لے کر ہندوستان کا کونا کونا چھان مارا۔ بیسیوں درویش حضرات سے ملے، اتفاق سے ان تک گئے مگر چونکہ کسی کو سنت کے اتباع میں کامل نہ دیکھا۔

رخصت ختم ہونے کو تھی۔ واپسی میں مظفر نگر ریل میں گنگوہ اور حضرت گنگوہیؒ کا تذکرہ سن کر گنگوہ چلے گئے کہ شاید یہیں مقصد حاصل ہو۔ دیکھوں کیا انداز ہے؟ گنگوہ پہنچے۔ ایک ہی دن میں ان کا غنچہ دل کھلا اور یاس امید سے بدل گئی۔ آپ کو داروغہ صاحب نے دیکھا کہ ہر ہر بات میں سنت کا کمال اتباع کرتے ہیں۔ چنانچہ بیعت کی درخواست کی جو منظور ہوئی۔

(تیس بڑے مسلمان: ۱۸۱)

سنت کی پابندی

مولانا علی رضا صاحب حضرت گنگوہیؒ کے پاس برسوں رہے اور حضرت کی شاگردی کی۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے اور کڑی نگاہوں سے حضرت گنگوہیؒ کے ایک ایک فعل کو دیکھتے کہ شیخ کی تلاش تھی اور شیخ کامل کو دیکھنا چاہتے تھے۔

فرماتے ہیں کہ برسوں میں ایک دفعہ بھی حضرت کا کوئی فعل خلاف سنت نہیں پایا بلکہ حضرت حتی المقدور مستحبات اور جانب اولیٰ (بہتر) کو بھی ترک نہ فرماتے تھے لیکن مباح سے آگے قطعاً نہ بڑھتے تھے۔ مباح کاموں ...... یعنی جائز کاموں ...... کو کر کے آپ کو روحانی خوشی نہ ہوتی تھی مگر سنن و مستحبات اور واجبات و فرائض پر عمل کر کے آپ کی طبیعت میں ایسا انشراح اور مزاج میں ایسی لطافت و بشاشت پیدا ہو جاتی تھی کہ ہر دیکھنے والا محسوس کر لیتا

تھا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۱۸۱)

حرمین اور اس کے متعلقات سے محبت

انسان کو جس کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے اس کے تمام متعلقات سے محبت ہو جاتی ہے۔ حضرت امام ربانیؒ کے دل میں حق تعالیٰ شانہ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت از حد راسخ تھی۔ اس لئے حرمین شریفین کے خس و خاشاک تک کو آپ محبوب سمجھتے اور سر آنکھوں پر رکھتے تھے۔ مدینہ کی کھجوروں کی گٹھلیاں پسوا کر رکھتے اور ان کو کبھی کبھی پھانکا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا:

لوگ زمزم کے ٹینوں اور گٹھلیوں کو یونہی پھینک دیتے ہیں، یہ نہیں خیال کرتے کہ ان چیزوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی ہوا لگی ہے۔

ایک مرتبہ کھجور کی گٹھلی پسی ہوئی حضرت نے مولانا عاشق الٰہی کو دی اور فرمایا کہ اس کو پھانک لو۔ اور ایک دفعہ مدینۃ الرسول کی مٹی عطا فرمائی کہ اس کو کھا لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! مٹی کھانا تو حرام ہے۔ آپ نے فرمایا: "میاں وہ مٹی اور ہوگی۔"

اگر کوئی مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ سے آپ کے لئے کوئی تبرک یا تحفہ لاتا تو آپ اس کو اس قدر خوشی سے قبول کرتے کہ ہدیہ دینے والے کا جی خوش ہو جاتا اور آپ فوراً ہی تمام حاضرین میں اس کو تقسیم فرما دیتے۔ اور اگر کوئی شخص کوئی چیز مانگ لیتا تو فوراً ہی عطا فرما دیتے اور خوش ہوتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے تسبیح مانگی۔ آپ کے پاس بیش قیمت خوبصورت تسبیح تھی۔ ان کے حوالے کی اور فرمایا: "پڑھتے رہنا، ایسا نہ ہو کہ ویسے ہی رکھی ہوئی ہے۔"

حضرت امام ربانیؒ کا جی چاہتا تھا کہ ہر شخص حرمین شریفین سے اور وہاں سے آئی ہوئی چیزوں سے اسی طرح محبت و پیار رکھے جس طرح خود ان کو تھا۔ ایک مرتبہ مولانا محمد اسماعیل کو موم بتی کا ذرا سا ٹکڑا عنایت فرما کر کہا کہ اس کو نگل جاؤ۔ اور ایک بار غلاف کعبہ کے ریشم کا ایک تار بانٹ کر دیا اور کہ اس کو کھا لو۔ (بیس بڑے مسلمان: ۱۸۳)

جناب آداب

شعار اسلام کی ترویج آپ کو حد درجہ مرغوب تھی۔ اگر کوئی خلاف سنت سلام کرتا تو آپ

غصہ کو ضبط نہ کر سکتے تھے۔ ایک دفعہ ایک صاحب آئے۔ آپ بیت الخلاء گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے سونٹا جو اٹھا رکھا تھا آپ کی چارپائی کے پاس رکھ کر بغیر مجمع کو سلام کئے بیٹھ گئے۔ اور جب حضرت آئے تو دور ہی سے انہوں نے پکارا "جناب آداب"۔ حضرت نے فوراً بے ساختہ جواب دیا۔ "کون ہے بے ادب ہیں جن کو شریعت کا ایک ادب بھی معلوم نہیں۔"

ایک مرتبہ ایک صاحب آئے اور بولے "حضرت سلامت"۔ آپ کے چہرہ پر غصہ کا اثر ظاہر ہوا اور فرمایا "مسلمانوں والا سلام چاہئے، یہ کون ہے حضرت سلامت والا۔" اس شخص نے عرض کیا کہ میں کچہری میں رہتا ہوں وہی عادت ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ "یہاں تو کوئی کچہری نہیں ہے بھائی میں تو فقیر آدمی ہوں۔"

وہ حضرات جو سنت کی محبت سے عاری اور محبت کے ثمرات سے ناواقف ہیں، وہ حضرت کے اس انداز کو بدخلقی پر محمول کریں گے۔ جس زمین قلب میں محبت رسول ﷺ کا بیج ہی نہیں پڑا، ان کو کوئی کیوں کر سمجھائے کہ یہ واقعات خالص اصلاحات قلب ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سنت مصطفویہ کے ساتھ عشق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ آپ کو عربی مہینے چھوڑ کر انگریزی مہینوں کا بلا ضرورت استعمال کرنا سخت گراں گزرتا تھا۔ ایک صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر تھے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ گوالیار کب جاؤ گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جولائی کی فلاں تاریخ کو۔ تو حضرت نے تاسف کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اور ماہ و تاریخ نہیں ہیں جو انگریزی مہینوں کا استعمال کیا جاوے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت کی تحریرات میں کہیں انگریزی یا ہندی مہینوں کا نام نہیں۔

(تین بڑے مسلمان: ۱۸۳)

بیٹے کو گھر سے نکال دیا

آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمود احمد بری صحبت کے اثر سے پہلوانی اور کسرت وغیرہ میں مبتلا ہو کر دینی تعلیم اور قید شرع سے کچھ باہر ہو چلے تھے۔ آپ نے یہ حالت دیکھ کر خدا اور رسول ﷺ کی محبت کو بیٹے کی محبت پر ترجیح دی اور بیٹے کو گھر سے نکال دیا اور کہلا بھیجا کہ محمود مجھے شکل نہ دکھلائے۔

آپ اس کے لئے دعا کرتے رہے۔ آپ کی دعا مستجاب ہوئی اور حق تعالیٰ کے فضل و توفیق نے صاحبزادہ کے دل پر دستک دی اور حالت صلاح کے قریب ہوئی تو آپ نے اسے بلا بھیجا اور فرمایا:

محمود! کیا ابھی تیرے سنبھلنے کا وقت نہیں آیا؟ خدا کے بندے! اس بدن کے فربہ کرنے میں کیا دھرا ہے۔ اس وقت کو یاد کر جب گور میں کیڑے مکوڑوں کی غذا بن جائے گا۔ سنبھل اور اپنی بدعادتیں چھوڑ۔

اس مختصر مگر جامع نصیحت کا بیٹے پر وہ اثر پڑا کہ گویا کایا پلٹ گئی اور وہ ذاکر و شاغل بن گئے۔ قرآن پاک حفظ کیا اور عالم ہوئے مگر عمر نے وفا نہ کی۔ یا تو حضرت نے بیٹے کو گھر سے نکال دیا تھا اور یا یہ حالت ہوئی کہ اس کی اصلاح کے بعد مفارقت موت سے آپ اس کی یاد میں تلملاتے۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا

آج کہتا ہوں، بارہ برس ہو گئے، جب سے محمود مرا ہے مجھے ہنسی نہیں آئی۔

اور یہ محبت محمود کی صورت سے نہ تھی بلکہ اس کی عمدہ سیرت سے تھی جو بعد توبہ کے اس نے بنائی تھی۔ اگر وہ زندہ رہتے تو بہت بڑے بزرگ ہوتے۔

غرضیکہ حضرت مولانا پیغمبر ﷺ کی اس حدیث کے مطابق کہ "مومن کامل نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک مال و اولاد اور جان سے زیادہ عزیز و محبوب نہ بن جاؤں" سچے اور کامل مومن تھے۔ آپ شریعت حقہ اور ملت بیضاء کی محبت میں ایسے فنا تھے کہ اپنے نفس کی باگ ڈور مکمل طور پر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ آپ کے جملہ اعضاء شریعت کی نمکین قید میں مقید ہو کر آپ کے اختیار و ارادہ سے باہر ہو گئے تھے۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن
پا بدست دگرے، دست بدست دگرے

(تین بڑے مسلمان: ۱۸۴)

لطافت طبع اور ادراک حواس

ایک دفعہ مولانا یحییٰ صاحب کے چھوٹے بھائی محمد الیاس (حضرت مولانا محمد الیاسؒ بانی تبلیغی جماعت) دس گیارہ برس کی عمر میں تھے۔ دبے پاؤں آئے اور پیچھے سے حضرت کی مجلس میں بیٹھ گئے۔ معاً حضرت نے گردن اٹھائی اور فرمایا "بچے کا سانس ہے۔" کسی نے عرض کیا کہ محمد الیاس آئے ہیں۔

ایک بار مغرب کی نماز کے بعد واپسی پر ایک لڑکے کے پاس سے گزرے تو فرمانے لگے "نمبردار کی سی بو آتی ہے۔" عرض کیا گیا کہ نمبردار کا لڑکا امام الحق کھڑا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی روایت ہے کہ بھائی عبدالرحمٰن چائے پکایا کرتے تھے اور بڑے شوق سے عمدہ چائے پکاتے اور حضرت کو بھی پیش کرتے۔ حضرت اکثر فرماتے کہ چائے میں کچے پانی کا ذائقہ ہے۔

عبدالرحمٰن صاحب ایک دن دل میں کہنے لگے کہ آج پانی اتنا پکاؤں گا کہ بھاپ بن کر اڑ جائے۔ بہرحال بہت دیر تک پانی پکا کر چائے پیش کی گئی تو فرمایا کہ کچے پانی کا ذائقہ تو اس میں بھی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت وہم ہے۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن صاحب نے جو دودھ گھر سے منگوا کر ملا لیا تھا، اس میں گھر والوں نے کچھ پانی ملا دیا تھا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) حضرت کے لئے چائے پکاتے مگر یہی بات حضرت فرماتے۔ بڑا غور کیا، بات سمجھ میں نہ آئی۔ بالآخر پتہ چلا کہ چائے کی پیالیاں ٹھنڈے پانی یا کچے پانی سے دھونے کے بعد خشک نہیں کی جاتیں۔ چنانچہ اس کے بعد اس کا اہتمام کر کے چائے پیش کی گئی تو فرمایا "آج کچے پانی کی بو نہیں ہے۔"

(بیس بڑے مسلمان ۱۸۹)

مولوی احمد رضا خان کے متعلق

مولوی احمد رضا خان بریلوی آپ کے سب سے بڑے مخالف تھے اور اگر ان کے فتاویٰ کو جمع کیا جائے جو حضرت امام ربانیؒ کے متعلق لکھے ہیں تو ایک رسالہ بن سکتا ہے اور ان کی تمام کوششوں کو شمار کیا جائے جو انہوں نے حضرت امام ربانیؒ کی تکفیر کے متعلق روا رکھیں تو دل

خون کے آنسو روتا ہے کہ کاش وہ اس مشغلے کی بجائے طیبانی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرنے پر صرف کرتے۔ ان صاحب نے حضرت گنگوہی کو اتنی ایذ ائیں پہنچیں کہ شاید انہوں نے کسی دوسرے کو نہ پہنچائی ہوں۔ مگر جو ہستی خلق پیغمبر کا نمونہ بن کر آئی ہو اور دنیا کو اسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی ترغیب و تشویق پر جس نے ساری عمر اپنے آپ کو لگا رکھا ہو، اس کی زبان سے بھلا کیوں اپنے مخالف کے لیے کوئی برا لفظ نکلتا۔ اس بارے میں حلف اٹھایا جا سکتا ہے کہ حضرت سے تا عمر کوئی ایسا لفظ نہیں سنا گیا کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ ان کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔

جس زمانہ میں مولوی احمد رضا صاحب کو مرض جذام ہوا اور خون میں فساد پیدا ہوا، بعض لوگوں کو مسرت ہوئی کہ سب و شتم کا ثمرہ دنیا میں ظاہر ہوا۔ مگر جس وقت کسی شخص نے حضرت سے عرض کیا کہ "بریلی مولوی کوڑھی ہو گئے۔" تو حضرت گھبرا اٹھے اور یہ الفاظ فرمائے:

> میاں! کسی کی مصیبت پر خوش نہ ہونا چاہئے۔ خدا جانے اپنی تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۱۹۳)

دوسرے کے پاس نہیں ہے

امام ربانی کے پاس مقام ابراہیم کا ایک ٹکڑا تھا۔ خدام کی خواہش پر صندوقچی سے نکالتے، پانی میں ڈال کر نکال لیتے اور پانی کو مجمع میں تقسیم کر دیتے۔ اس انمول تبرک سے آپ کو اس درجہ محبت تھی کہ کبھی کسی معتبر سے معتبر خادم کے حوالے بھی نہیں فرمایا۔ جس وقت مجمع کو زیارت کراتے، مسرت سے باغ باغ ہو جاتے۔ بمقتضائے واما بنعمۃ ربک فحدث آپ یہ الفاظ بار ہا فرماتے کہ مجھے حق تعالیٰ نے وہ شے عطا فرمائی ہے کہ دوسرے کے پاس نہیں ہے۔

آپ کے پاس بیت اللہ زادہ اللہ شرفہا کی مقدس چوکھٹ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی تھا۔ اس کی محبت وقدر دانی بھی اس درجہ کی تھی بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔

(بیس بڑے مسلمان۔ ۲۱۲)

جمع کر کے کیا کروں گا؟

ایک دفعہ امیر حبیب اللہ خان والئی افغانستان نے اپنے سفیر تجارت متعینہ پشاور کے

ہاتھ پانچ ہزار روپیہ آپ کی خدمت میں بھیجا۔ سفیر صاحب سہارن پور سے گنگوہ تک کچا راستہ دقت کے ساتھ طے کر کے پہنچے تو حضرت امام ربانیؒ نے نذر قبول نہیں فرمائی اور نہ سفیر سلطنت کو خانقاہ میں ٹھہرنے کی اجازت دی۔ ہاں فرمان پڑھوا کر سنا۔ اس میں لکھا تھا:

پنج ہزار روپیہ بندگان عالی میں پیش کرتا ہوں۔ آئندہ ہر سال اتنی رقم نثار آستانہ ہوتی رہے گی۔ اس کو قبول فرمائیں اور معاوضہ اس کا صرف دعا ہے۔

سفیر نے جب اگلے دن واپسی کا قصد کیا اور رخصتی سلام کو حاضر ہوئے تو درخواست کی کہ امیر کبھی یقین نہ کریں گے کہ میں گنگوہ پہنچا اور حضرت نے نذر واپس فرمائی۔ ان کو ضرور یہ خیال ہوگا کہ گھر بیٹھے بات بنادی۔ اس لئے میرے حاضر ہونے کی رسید عطا فرمادیں کہ بارگاہ سلطانی میں پیش کردوں، ورنہ نوکری کے ساتھ میری جان بھی جاتی رہے گی۔

چنانچہ آپ نے بزبان فارسی جواب تحریر کرا کر اس کے حوالہ کیا۔ اس کی مختصر عبارت یہ تھی کہ:

بحیثیت اسلام مجھے آپ سے تعلق ہے اور میرا دل ہمیشہ آپ کو دعا دیتا ہے۔ خصوصاً موجودہ حالت محبت اسلام اور قدر و منزلت کی خبریں سن کر بہت خوش ہوتا ہوں۔ حق تعالیٰ برکت عطا فرماوے گا۔ آپ کی نذر پہنچی مگر چونکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور حق تعالیٰ نے مجھے بہتیرا کچھ دے رکھا ہے، جمع کر کے کیا کروں گا؟ اس لئے واپس کرتا ہوں۔ کسی دوسرے مصرف خیر میں خرچ کر دیا جائے اور مجھے بہر حال دعا گو سمجھئے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۲۱۲)

لوگ خود بنا کر بھیج دیتے ہیں

ایک مرتبہ مولانا عبدالمومن حاضر خدمت تھے۔ ان کے دل میں وسوسہ گزرا کہ بزرگوں کے حالات میں تنگدستی اور زہد و فقر دیکھا ہے مگر حضرت کے جسم پر جو لباس ہے، گو مباح ہے مگر بیش قیمت ہے۔

حضرت اس وقت کسی اور سے باتیں کر رہے تھے۔ دفعتاً متوجہ ہو کر فرمایا کہ:

عرصہ ہوا مجھے کپڑے بنانے کا اتفاق نہیں ہوتا۔ لوگ خود بنا بنا کر بھیج دیتے ہیں

اور اصرار کرتے ہیں کہ تو ہی پہننا۔ ان کی خاطر سے پہنتا ہوں۔ چنانچہ اس وقت بدن پر جتنے کپڑے ہیں سب دوسروں کے مستعار ہیں۔ چند روز بعد اپنے اپنے کپڑے آکر لے جائیں گے۔ اور جب خود بنا تا تھا تو گاڑھے اور دھوتر ہی کے بنا تا تھا۔

یہ فرما کر پھر پہلے شخص کی باتوں میں مشغول ہو گئے۔

حاضرین کو یہ تقریر بے محل اور جملہ معترضہ معلوم ہوئی۔ مگر وہ مولانا جن کے خطرہ نفس کا جواب تھا، ان کی پیشانی پر ندامت سے پسینہ آ گیا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۲۱۴)

مہمان کا اکرام

ایک مرتبہ مولوی عبدالسمیع صاحب (حضرت کے کٹر مخالف اور غالی بدعتی) کسی تقریب میں گنگوہ آئے اور حضرت کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ تو آپ نہایت خلق سے ملے اور فرمایا کہ آج کسی وقت کا کھانا میرے یہاں کھائیے۔

حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ مولوی صاحب "انوار ساطعہ" حضرت کے خلاف لکھ چکے تھے اور ادھر سے بتصدیق حضرت اس کا جواب شائع ہو چکا تھا۔ فتنہ کے دبانے اور بدعات کی رد میں جناب رسول اللہ ﷺ نے جس امر کا مسلمانان کو مامور بنایا ہے، وہ آپ پورا فرما چکے تھے اور اب درجہ اکرام ضیف اور اکرام امیر قوم کا تھا، سو اس کو آپ نے پورا فرمایا۔

مولوی صاحب نے دعوت قبول کی اور حضرت کے مہمان بن کر کھانا کھایا۔ حضرت نے ایک مکتوب میں اس دعوت کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ میرا خیال تھا کہ بدعات کا زبانی تذکرہ ہوگا مگر مہمان نے اشارۃً بھی کوئی لفظ نہیں کہا۔ سو میزبان کو کیا لازم تھا کہ یہ ذکر نکال کر مناظرہ کرے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۲۱۵)

تلاوت قرآن میں محویت

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ظہر کے بعد حجرہ شریف میں آپ تلاوت قرآن کے اندر مشغول تھے کہ بندہ نادان وضعدار مولوی محمد یحییٰ صاحب اس طرح دبے پاؤں جا

بیٹھا کہ حضرت نے آہٹ بھی نہ سنی۔ مولوی یحییٰ صاحب کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئے اور میں تنہا بیٹھا رہ گیا۔ چند منٹ کے بعد حضرت کے لہجہ میں تغیر آنا شروع ہو گیا اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ آپ کا سارا جسم کانپنے لگا۔ بے اختیار آپ آٹھ آٹھ آنسو رونے لگے۔ آواز رک گئی۔ ہر چند آپ پڑھنا چاہتے مگر گریہ کا غلبہ حلق کو پکڑ پکڑ لیتا تھا۔ خدا شاہد ہے وکفی بہ شہیدا۔ جو حالت اس وقت حضرت پر طاری تھی شاید تند مزاج خونخوار شیر کے سامنے پڑ کر کسی کمزور و ناتواں ضعیف القلب شخص کی بھی یہ حالت نہ ہوتی ہوگی اور خشیت جو اس وقت آپ پر ہویدا تھا، غالباً کسی جبار و قہار باقدرت شہنشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر کسی خطاوار سے خطاوار مجرم غلام پر بھی ظاہر نہ ہوا ہوگا۔

آپ کی یہ حالت اتفاقیہ اور عمر بھر میں پہلی بار میری نظر پڑی تھی۔ میں اب تک بھی نہیں جانتا کہ کس بات سے آپ ڈرتے تھے اور کیوں کانپ رہے تھے۔ یہی قرآن مجید ہے جس کو اول سے آخر تک مسلمان پڑھتے ہیں۔ خدا جانے وہ کونسا مضمون اور کہاں ہے جس پر خوف یا خشیت پیدا ہوتا ہے۔

اس لئے دفعتاً یہ تغیر حال دیکھ کر میں تھرا اٹھا اور اس درجہ پریشان ہوا کہ اب تصور آتا ہے تب بھی گھبرا جاتا ہوں۔ دل میں خوفزدہ ہو کر کہنے لگا کہ یا اللہ آج کس مصیبت میں آ پھنسا۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ اگر بیٹھا رہوں، ممکن ہے کہ حضرت کو میرے بیٹھنے کا کشف یا کسی اور طرح علم ہو جائے، تب معتوب ہوا۔ اور اٹھوں تو پاؤں کی آہٹ سے اطلاع ہونا ضرور ہے۔ نہ میں آسمان پر تھا نہ زمین پر۔ ساکت و صامت بت بنا بیٹھا رہا۔ اور وحشت زدہ دل بجائے اس کے کہ اس حالت سے مستفید ہوتا کمال الحاح اور اخلاص کے ساتھ یوں دعا مانگتا رہا کہ یا اللہ مولوی محمد یحییٰ جلد آ جائیں۔

دعا حقیقت میں دل سے نکلی اور عین اضطرار و توحش میں واقع ہوئی تھی، اس لئے چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ جو ہر وقت آنے جانے کے مجاز تھے، آ گئے۔ ان کا حجرہ کی چوکھٹ پر قدم رکھنا تھا اور حضرت کا اس حالت کو ضبط کر کے سیدھا ہو کر بیٹھنا۔ خدا جانے یہ حالت عجیب دفعتاً پیدا کیونکر ہوئی اور اس طرح یک لخت ضبط کس طرح ہو گئی۔ بجز اس کے کہ بالا جماع اتنی

سمجھا کہ یہ بھی کوئی حالت محمودہ ہے جو خاص سنت نبویہ میں اولیاء اللہ پر طاری ہوتی ہے جو جوان کو بوڑھا اور قوی کو کمزور بنا دیتی ہے۔ اور کچھ نہ اس وقت سمجھا اور نہ اب سمجھ سکتا ہوں۔

(بیس بڑے مسلمان: ۲۱۹)

قرآن کا اثر

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی فرماتے ہیں کہ: ایک شب آپ نے تراویح شروع کیں۔ میں بھی جماعت میں شریک تھا۔ قرآن مجید پڑھتے پڑھتے آپ اس رکوع پر پہنچے جس میں خوف و خشیت دلایا گیا تھا۔ جماعت میں حالانکہ تصوف سے کم عربی جاننے والے تھے، تاہم سب پر خوف کا اثر پڑ رہا تھا۔ ہر کوئی بے قرار اور تھر تھر کانپ رہا تھا۔ دوسرے رکوع میں رحمت خداوندی کا ذکر تھا۔ اس کے شروع کرنے پر دفعتاً سب پر سرور طاری ہو گیا۔ ("تذکرۃ الرشید" کی مفصل سوانح کا خلاصہ) (بیس بڑے مسلمان: ۲۱۹)

ہاتھ جھٹک دیے

ایک دفعہ ایک نابینا شخص پا پیادہ میرٹھ سے گنگوہ پہنچا اور کہا کہ اللہ کا نام سیکھنے آیا ہوں۔ اہل خانقاہ اس کے عاشقانہ شوق سے بہت متاثر ہوئے اور خوب خاطر مدارات کی۔ حضرت مسجد میں تشریف لائے، اس نے مصافحہ کرنا چاہا تو آپ نے ہاتھ جھٹک دیئے اور بڑی لاپرواہی کے ساتھ اپنے سے علیحدہ کر دیا۔ ہر چند اس نے اپنی طلب کا سچا ہونا اور مدت دراز سے زیارت کا متمنی و آرزو مند ہونا ظاہر کیا مگر حضرت نے مطلق التفات نہ کیا۔

اہل خانقاہ کو تعجب ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ مگر کسی کو پوچھنے یا کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بعض مخلصین نے بالآخر سفارش کر ہی دی تو آپ کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور غصے سے فرمایا:

> جب تمہیں دخل نہیں تو اس کام میں بولا کیوں کرتے ہو۔ اس کے قلب کو تو دیکھو، دنیا بھری پڑی ہے۔

خیر وہ نابینا چلا گیا۔

دس بارہ روز کے بعد عرس تھا۔ کسی نے دیکھا کہ قوالی میں خوب خوب حال لاتے تھے۔ جس نے خانقاہ میں اس کا ذوق و شوق حضرت کے متعلق دیکھا تھا، پوچھا کہ میاں حضرت کے ساتھ شوق و ولولہ کہاں گیا؟ وہ نابینا صاحب تھے ریاست کو کہنے لگے: "بھیا! یہ تو یاروں کے دھندے ہیں۔ خیال تھا کہ تمہارے میاں صاحب پر سکہ جم جائے گا تو آؤ بھگت ہو گی، عرس تک دن نکال لوں گا۔ پھر عرس میں حال قال میں بھرم بندھے گا۔ باقی کیسا شوق اور کیسی تمنائے زیارت۔ ہم تو سیاح آدمی ہیں، یوں ہی گزارتے پھرتے ہیں۔"

نے خادم ہیچ کس نہ مخدوم کسے
گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

(بیس بڑے مسلمان: ۲۲۱)

ابھی چائے موجود تھی

مولوی شریف حسین مدراسی جو حضرت کے شاگرد تھے، حضرت کے دیوبند تشریف لانے پر ایک سماوار میں بڑی عمدہ چائے بنا کر بڑے شوق سے لائے۔ دیکھا تو بیٹھک اشخاص سے بھری ہوئی تھی۔ سوچتے رہے کہ کس کو دوں اور کس کو نہ دوں۔ آخر یہ سوچ کر کہ خاص خاص حضرات کو پلا دیتا ہوں، دہلیز پر بیٹھ گئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا: "مولوی شریف حسین! ایک طرف سے پلانا شروع کر دو۔" وہ پریشان تو ہوئے لیکن تعمیل ارشاد میں داہنے ہاتھ سے تقسیم کرنا شروع کر دی۔

تقریباً پچیس آدمی مجمع میں موجود تھے۔ سب نے چائے پی لی تو سماوار کھول کر دیکھا تو اس میں ابھی چائے موجود تھی اور یہ برتن صرف چھ پیالی کا تھا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۲۲۲)

آفتاب کے منہ پر سے ابر کھل گیا

حضرت کا معمول تھا کہ ہر روز بارہ بجے دوپہر کو حجرہ کی گھڑیاں دھوپ گھڑی سے ملاتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ متواتر کئی دن ابر محیط رہا اور دھوپ نہ نکلی۔ ایک دھوپ نکلی تو اس طرح کہ کبھی دھوپ کبھی بادل۔ حضرت بارہ بجے سے کچھ قبل گھر سے تشریف لائے اور مولوی علی رضا سے کہا کہ جب بارہ بجیں مجھے خبر کرنا اور خود قریب ہی ایک جگہ لیٹ گئے۔

جب آئے تو دھوپ تھی لیکن جس وقت سایہ خط کے قریب (بارہ کے خط کے قریب) پہنچنے لگا تو دفعتاً ایک بہت بڑا بادل سورج پر چھا گیا۔ گھبرا کر عرض کیا گیا کہ حضرت دھوپ چھپ گئی۔ آپ اٹھ کر دھوپ گھڑی کے پاس آ گئے۔ آپ کا آنا تھا کہ بادل درمیان سے پھٹ گیا۔ آپ نے گھڑی ملائی اور حجرہ میں تشریف لے گئے۔

یا تو ایسا تھا کہ ابھی دس بارہ منٹ آفتاب نہ نکلے گا یا آپ کے آتے ہی آفتاب کے منہ پر سے ابر کھل گیا اور ایسا ہو گیا جیسے کوئی برقع سے منہ کو نکال دے یا جھروکے سے جھانکنے لگے۔

(بیس بڑے مسلمان: ۲۲۴)

جا جا پہاڑ پر چڑھ جا

مولوی عبدالسبحان صاحب انسپکٹر پولیس گوالیار کے ایک تحصیلدار دوست برخاست کر دیئے گئے۔ خاصی کوشش کی کہ دوبارہ تقرری ہو مگر ناکامی ہوئی۔ بالآخر دعا کے لئے گنگوہ پہنچے۔ حضرت نے فرمایا:

تمہارے وطن کے قریب جو میدان ہے، وہاں ایک مجذوب رہتے ہیں، ان سے ہمارا سلام کہہ دینا۔

تحصیلدار صاحب سمجھے کہ ٹال دیا۔ دل برداشتہ ہو کر واپس ہو گئے اور فقیر کے پاس بھی نہ گئے۔ کچھ دنوں بعد اتفاقیہ ادھر سے گذر ہوا تو فقیر مجذوب بیٹھا ہوا تھا۔ دور ہی سے ان کو دیکھ کر فقیر نے کہنا شروع کیا:

مولوی صاحب نے بھیجا ہے۔ جا جا، پہاڑ پر چڑھ جا۔

یہ سن کر انہوں نے حضرت کا سلام تو پہنچا دیا مگر رنجیدہ و مغموم یہ سوچتے ہوئے مکان کو واپس ہوئے کہ مولانا نے یوں ٹالا اور انہوں نے اس طرح ٹالا، کام کچھ بھی نہ ہوا۔ اسی پیچ و تاب میں تحصیلدار صاحب مکان پر پہنچے تو حکم آیا ہوا تھا کہ تم بحال کئے گئے اور نینی تال کا تبادلہ ہوا۔

(بیس بڑے مسلمان: ۲۲۴)

تم گنگوہ ہی جاؤ

مولوی عبدالسبحان کے ایک دوست مولوی قاسم صاحب کمشنر بندوبست ریاست

کرالیا۔ ریاست کی جانب سے تین لاکھ روپیہ کا مطالبہ ہوا۔ ان کے بھائی مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی خدمت میں گنج مرادآباد پہنچے۔ انہوں نے وطن دریافت کیا۔ عرض کیا گیا کہ دیوبند۔ مولانا نے تعجب کے ساتھ فرمایا کہ گنگوہ حضرت مولانا کی خدمت میں کیوں نہ گئے؟ اتنا لمبا سفر کیوں اختیار کیا؟

انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے عقیدت لائی ہے۔

مولانا نے فرمایا:

تم گنگوہ ہی جاؤ۔ تمہاری مشکل کشائی حضرت گنگوہی کی دعا پر موقوف ہے۔

تمام روئے زمین کے اولیاء بھی اگر دعا کریں گے تو نفع نہ ہوگا۔

چنانچہ واپس ہوئے اور بوسیلہ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب نے سفارش کی تو حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا:

میرا کوئی قصور نہیں کیا۔ یہ صاحب مدرسہ عربی دیوبند کے مخالف ہیں جو اللہ کا ہے۔ سو قصوروار بھی اللہ پاک کے ہوئے، حق تعالیٰ سے توبہ کریں۔ بندہ دعا کرے گا۔

چنانچہ ادھر انہوں نے توبہ کی، ادھر مطالبہ سے کمشنر صاحب کی برأت ہوگئی۔

(بیس بڑے مسلمان: ۲۲۲)

دو رکعت پڑھو

ایک مرتبہ دو اجنبی شخص آئے۔ سلام ومصافحہ کے بعد بیعت کی تمنا ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا "دو رکعت پڑھو۔" حضرت کے اس ارشاد پر تھوڑی دیر تو دونوں صاحب گردن جھکائے بیٹھے رہے پھر چپکے سے اٹھ کر چلے گئے۔

جب دروازہ سے باہر ہولئے تو حضرت نے فرمایا کہ دونوں شیعہ تھے میرا امتحان لینے آئے تھے۔ حاضرین میں سے بعض آدمی اس کی تحقیق کو ان کے پیچھے گئے اور معلوم کیا تو واقعی رافضی تھے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۲۲۳)

ورنہ گمراہی کا احتمال ہے

مرزا غلام احمد قادیانی جس زمانے میں براہین لکھ رہا تھا اور ان کا اخبارات میں چرچا ہو رہا تھا، اس وقت تک ان کو حضرت امام ربانیؒ سے عقیدت تھی۔ اس طرف جانے والوں کو پوچھا کرتے تھے کہ حضرت مولانا اچھی طرح ہیں؟ اور دہلی سے گنگوہ کتنے فاصلے پر ہے؟ راستہ کیسا ہے؟ وغیرہ۔

اسی زمانہ میں حضرت نے ایک دفعہ یوں فرمایا تھا:

کام تو یہ شخص اچھا کر رہا ہے مگر پیر کی ضرورت ہے ورنہ گمراہی کا احتمال ہے۔

اس کے بعد ہی مجددیت، مہدویت و مسیحیت کے خیالات ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔

(بیس بڑے مسلمان: ۲۲۳)

اچھا! جلدی کیا ہے؟

افسر الاطباء حکیم احمد سعید امروہویؒ بیعت ہونا چاہتے تھے مگر کسی جگہ نظر نہ ٹکی۔ اسی خیال سے گنگوہ حاضر ہوئے۔ حضرت کے کمال اتباع سنت کو دیکھ کر عقیدت پیدا ہوئی۔ مگر پھر یہ خیال ہوا کہ جب تک ادھر ہی سے قلب کو نہ کھینچا جائے گا، بیعت نہ کروں گا۔

کئی دن کے قیام میں معمولات پسندیدہ اور اخلاق حمیدہ دیکھ کر ارادہ کر ہی لیا۔ بعض خدام کے واسطے سے درخواست کی۔ حضرت نے صاف انکار فرما دیا کہ:

نہیں بیعت نہیں کروں گا۔ بڑے لوگوں کو مرید بنا کر جان کو آفت میں ڈالنا ہے۔ کوئی سفارش کراتا ہے۔ کوئی الزام لگاتا ہے۔ غرض ٹھیک نہیں ہے۔

حکیم صاحب بڑے افسردہ ہوئے کہ مجھ میں یہ قابلیت نہیں کہ مرجع خلائق اور کامل راہبر کی دست بوسی نصیب ہو۔ اب اسی افسوس میں کئی دن گزر گئے۔ آخر ایک دن حضرت کو حجرہ میں تنہا دیکھ کر اندر چلے گئے اور عرض کیا کہ حضرت مجھے محرومی کی امید نہ تھی۔ گو میں نا قابل ہوں مگر حضرت تو سب قابل ہیں۔

حضرت نے ان کو فرمایا:

اچھا! جلدی کیا ہے؟ ابھی اپنے قلب کا اطمینان تو کر لو۔

حکیم صاحب اپنے وسوسے پر بہت نادم ہوئے اور معذرت کی۔ آپ نے فرمایا:

نہیں نہیں، بیعت سے متعلق انسان کو ہر طرح قلب مطمئن کر ہی لینا چاہئے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست

بالفعل تم واپس جاؤ اور اپنا کام شروع کرو۔ حق تعالیٰ برکت عنایت فرمائے گا۔

اس کے بعد حکیم صاحب کے دل پر سکون طاری ہونا شروع ہو گیا، بے چینی دور ہو گئی اور وہ تعلق قائم ہو گیا جو مرید کو اپنے شیخ سے ہوتا ہے۔ وطن سے حیدر آباد گئے تو دنیاوی برکات بھی حاصل ہوئیں۔ افسر الاطباء کا خطاب ملا اور بڑے بڑے ڈاکٹروں کے مقابلے کے باوجود اعزاز دن بدن بڑھتا رہا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۲۲۳)

شیخ عبدالقادر گیلانیؒ کے حکم سے بیعت

حضرت منشی رحمت علی صاحب جالندھری خلیفہ راشد حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ حضرت گنگوہیؒ کے بیعت ہوئے تھے۔ ان کو جب شیخ کی تلاش ہوئی تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خواب میں زیارت ہوئی اور انہوں نے فرمایا کہ گنگوہ جاؤ اور مولوی رشید احمد سے بیعت کرو۔ چنانچہ حضرت منشی صاحب حضرت کے بیعت ہوئے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۲۲۴)

خواب میں مرشد کی اطلاع

اسی طرح حضرت حافظ محمد صالح صاحب (نکودری جالندھری) کو جب مرشد کی تلاش ہوئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میں اس بزرگ سے بیعت لوں گا جس کی مجھے خواب میں زیارت ہو۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ کی زیارت ہوئی۔ پھرتے پھراتے گنگوہ پہنچے اور جاتے ہی پہچان لیا۔ غالباً ادھر بھی اطلاع ہو چکی تھی۔ درخواست بیعت پر فوراً بیعت کر لیا۔

اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں۔ اول تو متوسلین بھی حضرت کی صحبت کیمیا اثر سے اس کو معمولی بات سمجھتے تھے۔ نہ کسی کو یاد رکھنے کی طرف توجہ ہوئی نہ محفوظ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ پھر بھی تذکرۃ الرشید میں حضرت مولانا عاشق الٰہی نے تقریباً اس سائز کے تیس صفحات میں ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے یہاں چند واقعات کا ذکر کیا ہے ورنہ:

ایں شرح بے نہایت کز حسن یار گفتند
حد نیست کز ہزاراں کاندر عبارت آمد

(تین بڑے مسلمان: ۲۴۴)

جس کا استحقاق ہے وہی ہوگا

فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے صاحبزادے مولوی علاؤالدین صاحب میرے ساتھ پڑھتے ہیں اور میرے ساتھ ہی دستار بندی ہوئی ہے۔ اگر زندہ ہوتے تو مولانا کے جانشین ہوتے۔ امتحان میں ان کے نمبر مجھ سے کم تھے۔ لوگ یہ چاہتے تھے کہ چونکہ یہ مولانا کے صاحبزادے ہیں اس لئے دستار بندی میں مجھ سے ان کی (یعنی مولوی علاؤالدین کی) تقدیم ہو جائے۔ اس پر حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا، جس کا استحقاق ہے وہی ہوگا۔

حضرت گنگوہیؒ کا مدینہ کی کھجوروں کی گٹھلیوں کا ناشتہ

دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف کے ختم کے موقع پر ایک مرتبہ حضرت مدنی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ حضور ﷺ کے مزار اقدس کی خاک پاک سرمہ میں ملا کر آنکھوں میں لگایا کرتے تھے اور مدینہ منورہ کی کھجوروں کی گٹھلیوں کو ہاون دستہ میں کٹوا کر رکھ لیا کرتے تھے جس کو ناشتہ میں تناول فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ یہ وہ حضرات ہیں جن کو بریلوی کافر کہتے ہیں۔ (مولانا اصلح الحسینی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں: ۹۰)

ایک سبق کا حرج ناقابل تلافی نقصان ہے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیل میں تھے۔ وہاں ایک شخص کو قرآن شریف شروع کرا دیا تھا۔ قرآن ابھی کچھ باقی رہ گیا تھا۔ جیل سے رہائی کا مولانا کو پروانہ مل گیا اور جیل والوں نے کہہ دیا کہ آپ جا سکتے ہیں۔ اس پڑھنے والے نے کہا کہ آپ اگر چلے جائیں گے تو میرے قرآن کا کیا ہوگا؟ تو فرمایا نہیں میں ٹھہروں گا۔ چنانچہ اس کا قرآن شریف پورا کرایا، اس کے

بعد جیل سے تشریف لے گئے۔ (ملفوظات فقیہ الامت: قسط ۲/۳۵)

مولانا گنگوہی کے خادم چائے

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ حضرت گنگوہی کو تہجد کے وقت چائے پلایا کرتے تھے، دوسرے خدام اپنی اپنی بات حضرت سے کہتے مگر مولانا کچھ نہ کہتے۔ ایک روز حضرت نے خود ہی فرمایا کہ مولوی صاحب! تم اپنی کوئی بات نہیں کہتے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں تو الحمدللہ خدمت کا موقع میسر ہے، جی چاہتا ہے کہ وہاں (جنت میں) بھی یہ موقع مل جائے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ ضرور ان شاء اللہ۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط: ۲/۹۰)

کواڑ بجنے کی آواز تو مجھے بھی آئی تھی

حضرت گنگوہیؒ کے یہاں معمولات کیلئے اوقات مقرر تھے۔ جس وقت میں جو معمول ہوتا اس کو ضرور پورا فرماتے۔ کوئی بڑے سے بڑا مہمان بھی ہوا اور معمول کا وقت ہوگیا تو بغیر کچھ کہے سنے اس میں مشغول ہوگئے۔ ایک مرتبہ زلزلہ آگیا، صاحبزادہ محترم حکیم مسعود احمد صاحبؒ دیکھنے کے لئے حاضر ہوئے، دروازہ کھولا تو حضرت نے معلوم کیا کہ کیسے آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ زلزلہ آیا تھا، اس لئے دیکھنے حاضر ہوا ہوں، کہیں کوئی نقصان تو نہیں ہوگیا۔ حضرت کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ فرمایا کہ کواڑ بجنے کی آواز تو مجھے بھی آئی تھی، یہ کہہ کر فوراً اشراق میں مشغول ہوگئے۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط: ۳/۷۲)

اس صفحہ پر نیچے کی جانب دیکھو

حضرت گنگوہیؒ نے مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ (والد ماجد حضرت شیخ) سے فرمایا کہ فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو۔ مولانا نے عرض کیا کہ وہ مسئلہ شامی میں تو نہیں۔ فرمایا شامی لاؤ۔ شامی لائی گئی، اس وقت حضرت آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے۔ اسکے باوجود شامی کے دو تہائی اوراق دائیں طرف اور ایک تہائی بائیں طرف کر کے فرمایا کہ اس صفحہ پر نیچے کی طرف دیکھو۔ دیکھا تو وہ مسئلہ اسی حصہ میں موجود تھا۔ اسکے بعد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا۔ (مشفق ارواح ثلاثہ ص۲۹۲) (ملفوظات فقیہ الامت قسط ۳/۹۱)

بیٹھ کر نماز پڑھنے سے احتراز

آپ کی احتیاط کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے امراض میں کیسا ہی شدید مرض کیوں نہ ہوا کبھی بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔ مرض الموت میں جب تک اس قدر حالت رہی کہ دو آدمیوں کے سہارے سے کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے، اس وقت تک اسی طرح پڑھی کہ دو تین آدمیوں نے بمشکل اٹھایا اور دونوں جانبوں سے کمر میں ہاتھ ڈال کر لے کر کھڑے ہو گئے اور قیام و رکوع و سجود انہیں کے سہارے سے نماز ادا کی۔ ہر چند خدام نے عرض کیا کہ حضرت بیٹھ کر نماز ادا کر لیجئے مگر نہ کچھ جواب دیا نہ قبول فرمایا۔ ایک روز مولوی محمد یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر اس وقت بھی جائز نہیں تو پھر وہ کونسا وقت اور کونسی حالت ہو گی جس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قادر بقدرۃ الغیر تو قادر ہوتا ہے اور جب میرے دوست ایسے ہیں کہ مجھ کو اٹھا کر نماز پڑھا دیتے ہیں تو میں کیونکر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہوں۔ آخر جب نوبت ضعف اس قدر پہنچ گئی کہ دوسرے کے سہارے بھی کھڑے ہونے کی قدرت نہ رہی تو اس وقت چند وقت کی نمازیں آپ نے بیٹھ کر پڑھیں۔ گویا بتلا دیا کہ اتباع شرع اس کو کہتے ہیں، تقویٰ اس کا نام ہے، احتیاط احوط اسی طرح ہوتا ہے۔

(تذکرۃ الرشید ص ۶۴ ج ۲) (آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریا: ۱۸۹)

شیخ کامل

ایک شخص ذاکر شاغل حضرت کی خدمت میں رہتے تھے، ان کا کھانا قصبہ میں ایک شخص کے یہاں مقرر تھا وہیں مسجد میں نماز پڑھانے جایا کرتے تھے، شیطان تو ہر مسلمان کے ساتھ لگا ہوا ہے، اتفاق سے ان کو کسی عورت سے تعلق ہو گیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ ملاقات کا وقت مقرر ہو گیا، شیطانی حرکت کسی پر ظاہر کرنے کے قابل نہ تھی اس لئے کسی کو خبر نہ ہوئی کہ چلتے چلاتے کام میں شیطان نے کس رخنہ اندازی کا انداز اختیار کیا۔ وعدہ کی شب میں عشاء کے بعد حضرت کے پاؤں دبا کر جب سمجھے کہ حضرت سو گئے، وہاں سے کھسکے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے، خانقاہ سے باہر ہوئے جس وقت باہر قدم نکالا تو مطلع بالکل صاف تھا، دو چار قدم چلے

تھے کہ آسمان پر سیاہ بدلی نظر آئی، جوں جوں یہ آگے بڑھتے رہے ووں ووں بادل بڑھتا اور اوپر چڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ جس وقت اس مکان کی دیوار کے نیچے پہنچے جہاں عورت حسب وعدہ کھڑی ہوئی تھی۔ تو اس سے قبل کہ بات کریں دفعتاً بادل اس زور سے گرجا کہ دونوں گھبرا گئے۔ ادھر بھاگی کہ گھر والے جاگیں گے اور مجھے نہ پائیں گے تو کیا گل کھلے گا۔ ادھر یہ سراسیمہ دوڑے کہ حضرت کی چارپائی باہر بچھی ہوئی ہے، میں ہی قریب سوتا ہوں، حضرت آواز دیں گے اور میں نہ ہوں گا تو کیا نتیجہ ہوگا۔

غرض بے نیل و مرام دوڑے ہانپتے خانقاہ پہنچے۔ جس وقت اندر قدم رکھا، مطلع بالکل صاف ہو گیا تھا، آہستہ آہستہ حضرت کی طرف جھانک کر دیکھا تو حضرت امام ربانی چارپائی کی دونوں پٹیوں پر ہتھیلیاں ٹیکے گردن جھکائے اس طرح بیٹھے ہیں جیسے توجہ دینے کی حالت میں شیخ مستغرق ہو کر بیٹھتا ہے۔ یہ چپکے ہی چپکے دبے پاؤں چل کر اپنی چارپائی تک پہنچے جو حضرت کی چارپائی سے کچھ ہی فاصلہ پر کواڑ کے نیچے بچھی ہوئی تھی، جس وقت وہاں پہنچ گئے، حضرت نے گردن اوپر اٹھائی اور لیٹ رہے۔ صبح ہوئی تو اشارتاً حضرت نے نصیحت فرمائی اور امتحان کے موقع پر نفس کے قابو میں رکھنے کے فضائل بیان کئے۔ یہ چند کلمات سن کر ندامت کا قلب پر اتنا غلبہ ہوا کہ جس حد تک معصیت ہوئی تھی۔ اس کو یاد کر کے رویا کرتے اور گڑگڑا کر توبہ کیا کرتے تھے۔ چند ماہ میں حق تعالیٰ نے نسبت معتبرہ سے نوازا اور مجاز طریقت ہو کر اپنے وطن سے واپس ہوئے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۱۴۸ ج ۲) (آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریا: ۳۰۳)

اثر انگیز بیان

۱۳۰۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں چوتھا جلسہ دستار بندی ہوا جو اس کی تاریخ میں نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ حضرت گنگوہیؒ اس میں تشریف لائے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت مولانا یحییٰ کاندھلوی سمیت گیارہ حضرات کی دستار بندی ہوئی۔ اس جلسہ کے موقع پر دیوبند میں اتنا بڑا اجتماع ہوا کہ اس سے قبل شاید ہی کبھی ہوا ہو۔ حضرت گنگوہی نے دستار بندی کی۔ خوشا وہ خوش نصیب حضرات کہ جن کی دستار بندی حضرت گنگوہی نے فرمائی۔ جلسے کے اگلے دن جمعہ تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب اور مولانا یعقوب نانوتوی نے عرض کیا کہ حضرت

آپ کا وعظ سننے کو بہت دل چاہتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ آپ کا جی چاہتا ہے تو جو کچھ مجھے آتا ہے، کہہ دوں گا۔

اگلے دن جامع مسجد میں وعظ فرمایا۔ اس وعظ کی کیفیت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے الفاظ میں پڑھئے کہ جو روایتی قسم کے مہتمم نہ تھے، تکلف و تصنع سے بے نیاز، سادگی و خلوص کے پیکر اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے جانشین۔ یقین نہیں آتا کہ انہوں نے روداد تقریر میں ذرا بھی مبالغہ کیا ہوگا۔

سالانہ روئیداد مدرسہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

وعظ کیا، گویا سامعین کو مے محبت الٰہی کے خم کے خم پلا دیئے، در و دیوار مست تھے اور عجیب کیفیت ظاہر تھی کہ کہیں دیکھی نہ سنی۔ اللہ اللہ، اس کے خاص بندوں کے سیدھے سیدھے الفاظ اور سادہ بیان اور ڈھیلی ڈھیلی زبان میں کیا کیا تاثیرات ہیں۔ اخلاص کے بیان میں کسی تقریب سے ایک دفعہ بآواز بلند اللہ کہا۔ معلوم نہیں کہ کس دل اور کیسے سوز و گداز سے اللہ کا نام لیا کہ تمام مجلس وعظ لوٹ گئی اور آہ و زاری کی آواز سے مسجد گونج اٹھی۔ ہر شخص اپنے حال میں مبتلا تھا۔ اس وقت بعض اشخاص نے مولوی صاحب کو دیکھا کہ کمال وقار سے منبر پر خاموش بیٹھے ہیں اور اہل مجلس کی طرف متوجہ ہیں۔ یقین ہوتا ہے کہ اگر مولوی صاحب ایسے متوجہ نہ ہوتے تو اہل جلسہ کو دیر تک افاقہ نہ ہوتا۔ مگر اللہ رے حوصلہ کہ خود ویسے ہی مشتغل رہے۔

سینہ میں قلزم کو لے قطرہ کا قطرہ ہی رہا

(تیس بڑے مسلمان: ۱۷۵)

ایک آیت پر روتے روتے رات گزار دی

مولوی ممتاز علی انبہٹوی فرماتے ہیں کہ جب بلوچستان میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کی وفات کی خبر پہنچی تو اتفاق سے مولانا ابوالخیر صاحب۔ جو کہیں مقیم تھے دو باران کا پیغام میرے پاس پہنچا کہ مجھ سے ملو مجھے فرصت نہ ملی آخر میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ مولانا بے اختیار رو رہے

ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی رونا اور زیادہ ہوا یہاں تک کہ چیخیں نکلنے لگیں سارے مجمع پر اس کیفیت کا یہ اثر تھا کہ قریب تھا کہ دھاڑیں مارتے مارتے سب لوگ بے ہوش ہو جائیں۔ اسی حالت میں مولانا ابوالخیر نے فرمایا آہ مولوی ممتاز علی ہندوستان سے بڑا شخص اٹھ گیا ہے افسوس مخلوق نے قدر نہ جانی کہ مولانا کیا چیز تھے؟ میں نے معتبر ذرائع سے سنا ہے کہ حضرت مولانا (گنگوہی) قدس سرہ نے ایک آیت پر روتے روتے تمام رات گزار دی تھی آیت یہ تھی یوم تبلی السرائر فماله من قوة ولا ناصر (الطارق)۔ (تذکرۃ الرشید ۲/۱۹۳)

حضرت گنگوہی کی زیارت کا شوق

ایک کلکٹر کو حضرت گنگوہی کی زیارت کا شوق ہوا کہ دیکھیں وہ کیسے آدمی ہیں جنہوں نے شاملی کے میدان میں انگریزوں سے جنگ کی ہے اس لئے زیارت کے ارادے سے گنگوہ کی طرف چلا جب حضرت کو اس کا علم ہوا کہ وہ آ رہا ہے تو حجرہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا وہ آیا اور کچھ دیر بیٹھا حضرت نے دروازہ نہیں کھولا اس کی ہمت نہ ہوئی کہ دروازہ کھلوائے بالآخر واپس چلا گیا تب آپ باہر تشریف لائے پھر کسی موقع پر گنگوہ آیا تو حضرت کے بعض خدام نے عرض کیا کہ کلکٹر سے ملاقات کر لیں پوچھا کیوں؟ عرض کیا گیا کہ اس میں دارالعلوم کا تحفظ ہے اس لئے کہ دارالعلوم کی شکایتیں پہنچی تھیں کہ وہاں سرکار سے بغاوت سکھائی جاتی ہے اس پر آپ پالکی میں سوار ہو کر اس کے بنگلے کے سامنے تشریف لے گئے علماء پالکی کو اٹھانے والے تھے جب پالکی وہاں رکھی گئی تو وہ خود بنگلہ سے باہر آیا حضرت پالکی سے نکلے اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور کہا کہ ہم کو کچھ نصیحت کرو حضرت نے فرمایا مخلوق پر رحم کرو۔ انصاف کرو۔ بس دو لفظ فرمائے اور چہرہ اٹھا کر کلکٹر کی طرف نہیں دیکھا اس کے بعد پالکی میں سوار ہو کر واپس تشریف لے گئے کلکٹر نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا ہمارا دل اندر سے کانپتا تھا بتایا گیا کہ یہی وہ شخص ہے جس نے شاملی کے میدان میں جہاد کر کے انگریز کو شکست دی تھی۔

(ملفوظات فقیہ الامت قسط ۴/ ۶۳)

ایک نواب کی تربیت

حضرت گنگوہیؒ کے ہاں ایک نواب مہمان ہوئے مولانا مکی صاحب منتظم تھے۔ انہوں نے نواب صاحب کا قیام خانقاہ سے الگ دوسرے مکان میں تجویز کیا حضرت کا حال یہ تھا کہ معمولی بوریئے پر بیٹھے دری پر بیٹھے بیش قیمت قالین پر بیٹھے نہ چٹائی پر بیٹھنے سے عار نہ بیش قیمت قالین پر بیٹھنے سے استکبار اتفاق اس وقت حضرت کے نیچے تین قالین بچھے ہوئے تھے مولانا نے ایک قالین وہاں سے اٹھوا کر نواب صاحب کے لئے اس مکان میں بھجوا دیا جہاں ان کا قیام تجویز ہوا تھا جب حضرت تشریف لائے اور بیٹھنا چاہا چونکہ اس وقت بینائی جاتی رہی تھی اس لئے ہاتھ سے ٹٹول کر دریافت فرمایا کہ ایک قالین کہاں ہے؟ خطاب عام تھا کسی نے جواب نہ دیا تو خطاب خاص فرمایا مولوی صاحب وہ قالین کہاں ہے؟ مولوی صاحب نے جواب دیا نواب صاحب کے لئے بھجوا دیا ہے اس پر فرمایا اچھا تو اب صاحب قالین پر بیٹھنے کے لئے آئے ہیں ان کے ہاں کچھ کمی تھی کیا قالین کی (نواب صاحب کی آدھی نوابی تو یہاں جھڑ گئی) پھر جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرت شیخ الہند بھی وہاں موجود تھے وہاں سے کھسکنے لگے کہ اب نواب صاحب کھالیں گے ہم لوگ بعد میں کھالیں گے حضرت نے تاڑ لیا اور فرمایا مولوی محمود کہاں چلے؟ اگر نواب صاحب کو غریب طالب علموں کے ساتھ کھانا پسند نہ ہو تو اپنا کھانا الگ کھالیں ہمارا تمہارا تو مرنے جینے کا ساتھ ہے تم کو نہیں چھوڑ سکتے (آدھی نوابی نواب صاحب کی یہاں جھڑ گئی اور خوب سمجھ میں آ گیا) کہ طالب علموں کی حضرت کے یہاں کیا قدر و قیمت ہے اور ہم نوابوں کی کیا گویا طالب علموں اور نوابوں میں فرق سمجھ میں آ گیا۔

(ملفوظات فقیہ الامت قسط ۴/۲۴)

بے ادبی کی سزا

جس زمانے میں حضرت گنگوہیؒ نے کوے کی حلت کا فتویٰ دیا تو جگہ جگہ شور ہوا پورب کے علاقہ میں کوئی بزرگ صاحب نسبت تھے جن کا قلب روشن تھا ان کو جب یہ خبر ملی کہ مولانا گنگوہی نے یہ فتویٰ دیا ہے تو کہا آج کوا حلال ہوا ہے کل کو چیل بھی حلال ہو جائے گی یہ فقرہ

کہتے ہی ان کے قلب میں تاریکی آ گئی روشنی ختم ہو گئی بہت پریشان ہوئے خوب ضربیں لگاتے ہیں مگر کچھ نہیں ہوتا ایک اور صاحب نسبت بزرگ کے پاس گئے ان سے اپنا حال بیان کیا تو انہوں نے مراقبہ کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ کسی اونچی شخصیت کی شان میں تم نے گستاخی کی ہے عرض کیا کچھ نہیں کیا انہوں نے کہا سوچو یاد کرو سوچ کر کہا ہاں مولانا گنگوہی کے فتوے کے بارہ میں تو ایسا کہا تھا انہوں نے کہا بس یہی بات ہے اب اس کا حل یہ ہے کہ یہاں سے گنگوہ پیدل جاؤ اور مولانا سے معافی مانگو اس پر وہ گنگوہ کی نیت سے چلے سہارنپور پہنچے وہاں رات کو ایک مسجد میں قیام کیا تو خواب میں دیکھا کہ حضرت گنگوہی فرماتے ہیں میں نے معاف کیا اب جو بیدار ہوئے تو قلب روشن تھا تاریکی ختم تھی جیسے پہلے تھا ویسے ہی ہو چکا تھا۔ چونکہ مقصود حاصل ہو چکا تھا اس لئے گنگوہ کے قریب جا کر بھی وہیں سے واپس ہو گئے یہ نہ سوچا کہ ملاقات کرتا جاؤں۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط ۲۹/۵)

☆☆☆

شہید ملت

حضرت حافظ

محمد ضامن تھانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے دست راست

میدان شاملی کے لیلائے شہادت کے تاجدار

پیدائش	شہادت
۱۴۳۲ء	۱۸۹۷ء

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اگر حقہ پینا ہے

حافظ محمد ضامن صاحب میاں نور محمد جھنجھانویؒ کے خلیفہ تھے اور سلوک ومعرفت میں بہت اونچے مگر کسی کو بیعت نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی بیعت ہونے کے لئے آتا تو فرماتے:

بھائی! اگر بیعت ہونا ہے تو حاجی (امداد اللہ مہاجر مکیؒ) صاحب کے پاس جاؤ، وہ خانقاہ میں اندر بیٹھے ہیں، اور اگر کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہے تو مولانا شیخ محمد محدث کے پاس جا کر پوچھو اور اگر حقہ پینا ہے تو میرے پاس بیٹھ جاؤ۔

(تیس بڑے مسلمان: ۱۵۶)

شہادت کا کشف

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شاملی کے جہاد میں حصہ لیا۔ آپ کو اپنی شہادت کا کشف ہو چکا تھا۔ چنانچہ آٹھ دس روز پہلے اپنے ایک مرید کو خط لکھا (فارسی میں) کہ:

لازم کو بعد مطالعہ اس خط کے اپنے تئیں یہاں پہنچاؤ، ایسا نہ ہو کہ توقف میں حسرت ملاقات کی دل میں رہ جائے، عاقل کو اشارہ کافی ہے باقی حال وقت بیان کیا جائے گا۔ (تیس بڑے مسلمان: ۱۵۷)

شوق شہادت

میدان شہادت میں جانے سے پہلے آپ نے خوب زیب وزینت کی، غسل کر کے نیا لباس زیب تن کیا جو کئی دن تیار کر رکھا تھا۔ نعلین اگرچہ بوسیدہ تھی مگر وہ بھی نئی پہنیں، خوشبو ملی، سرمہ لگایا، دستار پیچدار، سپاہیانہ وضع، شمشیر لے کر شربت دیدار کی تمنا میں علم جوانمردی اٹھا کر مردانہ وار اور مشتاقانہ برسر معرکہ جان بحق تسلیم فرمائی۔ شہادت کے سال اکثر فرمایا کرتے تھے، دیکھو! حوریں پیالے لئے ہوئے مکانوں کی منڈیروں پر کھڑی ہیں، جس کا جی چاہے لے۔ (تیس بڑے مسلمان: ۱۵۶ و ۱۵۷)

زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو؟

ایک صاحب کشف حضرت حافظ صاحبؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے۔ بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں، بڑے دل لگی باز ہیں۔ جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ فاتحہ کسی مردہ پر پڑھیو، یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے، یہ کیا بات ہے؟ پھر لوگوں نے بتلایا کہ یہ شہید ہیں۔ (ارواح ثلاثہ ۱۹۹)

ہم کو تو بگاڑنا ہی آتا ہے

ایک نوجوان حضرت حافظ ضامن صاحبؒ کی خدمت میں آنے لگا تھا۔ حضرت کی برکت سے اس کی کچھ حالت بدلنے لگی۔ اس کے باپ نے حافظ صاحب سے شکایت کی کہ جب سے لڑکا آپ کے پاس آنے لگا ہے، بگڑ گیا ہے۔ حافظ صاحب نے جوش میں فرمایا کہ ہم کو تو بگاڑنا ہی آتا ہے، ہمیں بھی کسی نے بگاڑ ہی ہے۔ ہم کسی کو بلاتے تھوڑا ہی ہیں، جس کو سنورنا ہو تو ہمارے پاس نہ آوے، ہمیں تو بگاڑنا ہی آتا ہے۔ (ارواح ثلاثہ ۱۹۵)

میرے پاس رہنا

معرکہ جنگ جاری ہے۔ اسی گھمسان کے میدان میں حضرت حافظ ضامن شہید نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو پاس بلایا اور فرمایا کہ میاں رشید! میرا دم نکلے تو میرے پاس ضرور رہو۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ حافظ ضامن صاحب دھم سے زمین پر گر پڑے۔ معلوم ہوا کہ گولی کاری لگی اور خون کا فوارہ بہنا شروع ہو گیا۔ حافظ صاحب زخمی ہو کر گرے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے لپک کر نعش کو کندھے پر اٹھایا اور قریب کی مسجد میں لائے اور حضرت کا سر اپنے زانو پر رکھ کر تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو گئے۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہاں تک کہ حافظ ضامن صاحب کا آپ کے زانو پر انتقال ہو گیا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۱۱۹)

حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانویؒ سے بیعت

جب حضرت حاجی صاحب بشارت غیبی پا کر حضرت میانجیو صاحبؒ سے مرید ہو گئے تو

انہوں نے مرید ہونے کا واقعہ آپ سے بیان کیا۔ حضرت میاں جی کا ذکر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی زبانی سن کر نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ صاحبؒ جیسا شوخ طبع بھی حضرت کا نادیدہ عاشق زار پرستار بن گیا اور حضرت سے ملاقات کرنے کا جوش اور ولولہ ان کے دل میں پیدا ہوا۔ حاجی صاحب سے ان کی جائے قیام معلوم کی۔ حاجی صاحب نے استفسار پر بیان کیا کہ وہ لوہاری کی جامع مسجد میں بچوں کو قرآن پڑھاتے ہیں اور ان کا اصل وطن جھنجھانہ ہے اور جھنجھانہ کا پتہ یہ ہے۔ پیرزادگان کے محلہ میں مسجد چشتی صاحب کے متصل رہتے ہیں، مسجد کے پاس دھوبی رہتے ہیں، ان سے معلوم کر لینا۔

آپ لوہاری تشریف لے گئے۔ معلوم ہوا کہ حضرت میانجیو صاحب جھنجھانہ گئے ہوئے ہیں۔ حافظ صاحب نے جھنجھانہ کا رخ کیا۔ جب جھنجھانہ میں دھوبیوں کے گھروں کے قریب پہنچے تو حضرت میانجیو صاحب مسجد کے سامنے ایک مزار کے قریب جو چشتی صاحب کے نام سے مشہور ہے، تشریف فرما تھے۔ حافظ صاحب نے کہا، ارے دھوبی میانجیو کا مکان کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا، میں کپڑوں کے دھونے والا نہیں، دل کا دھونے والا دھوبی ہوں۔ حضرت حافظ صاحب سمجھ گئے کہ یہی حضرت میانجیو ہیں۔ فوراً قدم بوس ہو گئے۔ اس کے بعد آپ کا معمول بن گیا کہ اگر ہفتہ میں دو تین یوم تھانہ بھون قیام فرماتے تو تین چار روز آپ کے پاس۔ حضرت صاحب نے آپ کو مریدی کا شرف بخشا۔ بعد ازاں خصوصی توجہ سے حافظ صاحب کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور کیا سے کیا بن گئے۔ (سوانح میانجیو نور محمد جھنجھانوی: ۵۰)

تربیت شیخ کے نتائج

حضرت میانجیو صاحبؒ علوی جھنجھانوی کے زمانہ طالب علمی کے ایک دوست دہلی میں رہتے تھے۔ یہ دونوں حضرات سال بھر میں ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ یعنی کبھی میانجیو صاحبؒ ان سے ملنے جاتے تھے کبھی وہ خود میانجیو صاحبؒ سے ملنے آتے تھے۔ ایک بار حضرت ان سے ملنے کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ حافظ ضامن صاحبؒ بھی تھے۔ ملاقات کے بعد ان دوست صاحب نے حضرت سے دریافت کیا کہ اس سال کتنے تیار کیے ہیں؟ حضرت میانجیو صاحبؒ نے حافظ صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں تو یہی

ایک ہیں۔ انہوں نے کہا، جا میرے یار! مدرسہ میں بھی تعلیم میں پھسڈی تھا اور اب بھی ہے، دیکھ یہاں تو اس سال بیس تیار کیے ہیں۔

حضرت حافظ صاحب کو اپنے مرشد کے متعلق یہ توہین آمیز الفاظ ناگوار گزرے اور جامع مسجد کے حوض پر وضو کرنے کو بیٹھ گئے۔ ابھی دایاں پیر دھو رہے تھے کہ حضرت کے ان دوست کو گھبراہٹ محسوس ہوئی تو حضرت میاں جی صاحبؒ نے حضرت حافظ صاحب کو بلایا۔ حافظ صاحب امتثال حکم کے طور پر وضو نا تمام چھوڑ کر بایاں پاؤں بغیر دھوئے ہوئے حاضر ہوئے اور ان حضرت سے فرمایا کہ آپ کے بیسوں تو کورے رہ گئے کیونکہ حافظ صاحب نے ان بیسوں کی نسبت سلب کرلی تھی۔

اس کے بعد حضرت میاں جی صاحبؒ نے تسلی اور اطمینان کے لئے اپنے دوست سے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں ہم اپنے باؤلے کو خود سمجھالیں گے۔ (سوانح میاں جی نور محمد جھنجھانوی: 51)

ابتدائے سلوک

جب بھی حضرت میاں جیؒ نے ذکر و اشغال تلقین فرمائے آپ نے اسی ہمت اور استقامت کے ساتھ انجام کو پہنچائے، سوائے اور اشغال کے چند روز میں حبس دم کی یہ مشق حاصل کرلی تھی کہ ایک دم میں ذکر نفی و اثبات بعد شرائط پانچ سو تک پہنچا کر چھوڑ دیا، زیادہ حاجت نہ ہوئی ورنہ خدا جانے کہاں تک کثرت فرماتے اور کوئی سال تک صرف آدھ پاؤ کے بقدر کھانا نوش جان فرمایا کرتے اور ربط قلب شیخ کے ساتھ اس قدر پیدا کیا تھا کہ بالکل محو اور فنا فی الشیخ ہو گئے تھے۔ پندرہ شعبان (شب برات) سے آخر رمضان شریف تک ڈیڑھ مہینے تمام شب مشغول رہتے تھے، شب کو لیٹنا سونا بالکل موقوف کر دیئے، چند روز بعد میں کمال جذب کے ساتھ میدان سلوک طے فرمایا اور اس قدر کمال توحید اور وسعت حال حاصل ہوئی کہ خارج از بیان ہے۔ اس وقت میں تمام درویش اہل حال فن تصوف میں آپ کو پیشوا سمجھتے اور عام و خاص حال و مقام میں حیران تھے۔ (سوانح میاں جی نور محمد جھنجھانوی: 140)

نعش مبارک سے عطر، خس اور گلاب کی خوشبو

حکیم ضیاء الدین رامپوری فرماتے ہیں کہ جس وقت نعش مبارک لیئے آئے، جسم شریف سے عطر خس اور گلاب کی خوشبو آتی تھی۔ اس ناکارہ (مولف) کا دماغ اس خوشبو سے مشرف و معطر اور جناب حافظ جی صاحب (یعنی حافظ محمد یوسف) بن حافظ ضامن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ (سوانح میاں جیو نور محمد جھنجھانوی ۱۴۳)

ایک شخص کو ڈانٹنا

ایک شخص حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں تین دوپہر کے وقت آتا تھا جس کی وجہ سے حضرت کی نیند خراب ہوئی تھی مگر حضرت اپنی شرافت اور خوش خلقی کی وجہ سے اس کو کچھ نہ فرماتے ایک روز حضرت حافظ صاحب کو اس کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا آپ نے اس کو سختی سے ڈانٹا اور فرمایا یہ بیچارے درویش لوگ رات کو جاگتے ہیں تجھے کچھ تو ان کا لحاظ کرنا چاہیے۔ (پاک و ہند کے نامور علماء و مشائخ ۴۷)

حضرت حاجی صاحب کو تنبیہ

ایک دفعہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے بہت سے مہمان آ گئے اور کھانا کم تھا حضرت نے اپنا رومال گھر بھیج دیا کہ اس سے ڈھانپ دو کھانے میں اسکی برکت ہوئی کہ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا مگر پھر بھی کھانا بچ گیا حضرت حافظ صاحب کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ کا رومال سلامت چاہیے اب قحط کیوں پڑے گا حضرت شرمندہ ہوئے اور فرمایا کہ واقعی خطاء ہو گئی توبہ کرتا ہوں پھر ایسا نہ ہوگا۔ (پاک و ہند کے نامور علماء و مشائخ ۵۱)

اپنے شیخ سے محبت و عقیدت

حافظ صاحب کو اپنے پیر و مرشد حضرت میاں نور محمد جھنجھانوی سے انتہائی عقیدت و محبت تھی آپ اپنے مرشد کے ہمراہ ان کا جوتا بغل میں لے کر اور توبرہ (وہ تھیلا جس میں گھوڑے کو

دانہ کھلایا جاتا ہے) گردن میں ڈال کر گھمایا نہ جاتے تھے اور ان کے صاحبزادے کی سسرال بھی وہیں تھی لوگوں نے عرض کیا کہ اس حالت میں وہاں جانا مناسب نہیں کہیں وہ لوگ آپ کو حقیر سمجھ کر رشتہ نہ توڑ دیں حضرت حافظ صاحب نے فرمایا رشتہ کی ایسی تیسی میں اس طرح جانے میں اپنی سعادت ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ (ارواح ثلاثہ ۱۹۹)

لکڑہارے کی دعوت

حضرت امیر شاہ خان صاحب فرماتے ہیں حضرت حافظ ضامن شہید سپاہی منش اور نہایت خوش مزاج آدمی تھے مجھ سے کمال الفت کرتے تھے ایک مرتبہ جب وہ گنگوہ میں تشریف فرما تھے تو ایک شخص نے ان کی دعوت کی اور وہ لکڑہارا تھا آپ نے اس کی دعوت قبول فرمائی کچھ دیر حافظ محمد ابراہیم صاحب ڈپٹی کلکٹر مال کے والد نے بھی قبول ضیافت کی التجاء کی چنانچہ وہ بھی قبول کر لی۔ ایک شخص نے عرض کیا حضرت وہ پہلا شخص ناراض ہوگا تو حضرت حافظ صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ ہم اس کا منہ توڑ دیں گے اور کہا کہ وہ لائے گا کیا پانچ چھ روٹیاں اور پیالہ بھر دال تو یہ اتنے آدمیوں کو کافی نہ ہوگا ہم اس کا لایا ہوا بھی رکھ لیں گے اور دوسرے کا لایا ہوا بھی اور پھر کھائیں گے چنانچہ وہ لکڑہارا آیا اور پانچ چھ روٹیاں جو کی لایا اور ایک لوٹے میں سیر بھر کے قریب دودھ حافظ صاحب نے اس کو لے کر رکھ لیا اور لکڑ ہارے کو رخصت کیا جب دوسرا شخص بھی کھانا لے کر آیا تو آپ نے پہلا کھانا بھی نکلوایا اور سب نے مل کر کھایا۔

(ارواح ثلاثہ ۲۰۰)

مچھلی کا شکار

حافظ صاحب کو مچھلی کے شکار کا بہت شوق تھا ایک بار ندی پر شکار کھیل رہے تھے کہ کسی نے کہا حضرت ہمیں (یعنی ہمیں بھی دے دیجئے) آپ نے فرمایا کہ اب کے ماروں تیری۔

(ارواح ثلاثہ ۲۰۱)

شوق اور طلب

حضرت حافظ شروع میں جب اپنے پیر و مرشد حضرت میاں جی نور محمد صاحب کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت درخواست کی تو حضرت میاں جی نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا حضرت کا مقصود امتحان تھا یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ حافظ صاحب میں کتنی طلب اور خواہش ہے اور حافظ صاحب نے بھی حضرت کی خدمت میں جانا بند نہ کیا بلکہ برابر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور خاموشی سے مجلس میں جا کر بیٹھتے رہے۔ جب اس طرح دو تین مہینے گزر گئے تو ایک روز حضرت میاں جی نے حافظ صاحب سے پوچھا کہ بھائی اب بھی تمہارا وہی خیال ہے یعنی بیعت ہو جانا چاہتے ہو تو انہوں نے عرض کیا حضرت! میں تو برابر اسی خیال سے آ رہا ہوں مگر خلاف ادب ہونے کی وجہ سے اصرار نہیں کرتا اس پر حضرت میاں جی بہت خوش ہوئے اور فرط مسرت میں فرمایا کہ وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ کر آ ؤ پھر حضرت نے حافظ صاحب کو باقاعدہ بیعت فرما لیا۔ (ارواح ثلاثہ ۲۰۰)

جانوروں کی بولیاں سمجھنا

حضرت حافظ محمد ضامن کو اللہ تعالیٰ نے ایسے مقامات عطا فرمائے تھے کہ آپ جانوروں کی بولیاں سمجھنے لگے تھے آپ کو قمریوں کا شوق تھا ایک روز کھانا کھانے کے بعد ایک روٹی قمریوں کو کھانا کھلانے کے لئے لائے جس وقت قمریوں پنجرے کے قریب پہنچے تو ایک قمری نے صدائے حق بلند کی اس کو سن کر آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اس وقت ایک شخص آ گئے اپنی کیفیت و حالت کو چھپانے کیلئے آپ فوراً سنبھل گئے اور کھڑے ہو کر فرمایا دیکھو اکثر آدمی راہ میں بھی پانی گرا دیتے ہیں کہ لوگ رپٹ کر گر جاتے ہیں۔ (تذکرہ حافظ محمد ضامن شہید ۳۵)

رعب و جلال

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے ایک واقعہ سنایا کہ ایک شخص حاجی ولی محمد صاحب کے مرید تھے اور ذکر و اشغال کیا کرتے تھے اتفاق سے کسی بد دین نے ان کو کچھ جادو کے منتر سکھا دیئے جن کو وہ پڑھنے لگے تھوڑے دنوں کے بعد ان کو شیطانی عجائبات نظر آنے لگے مبتدی تھے ان پر برے اثرات کو نہ سمجھ سکے قرآن شریف کی تلاوت چھوڑ دی ذکر و اشغال سے منہ موڑ لیا مگر ابھی کچھ ایمان باقی تھا کی گھڑی آ گئی ایک دن میں ذکر جہر کر رہا تھا وہ صاحب بھی

اتفاقاً ذکر جہر میں شامل ہو گئے ذکر کے وقت حاجی امداد اللہ صاحب بھی تشریف لے آتے اور اختتام تک تشریف فرما رہے شیطانی کدورت اس کے قلب و دماغ سے زائل ہو گئی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے اس سے کہا کہ غنیمت جانو یہ بزرگوں کی عنایت میں جا بتلا ہوئی ہے اب منتروں کو نہ پڑھنا لیکن اس نے ان کی بات پر عمل نہیں کیا ایک روز بدقسمتی سے یہ سوچا کر دیکھوں ان خبیث منتروں کا پھر اثر ہوتا ہے یا نہیں یہ سوچ کر پھر وہ منتر پڑھنے لگے برے اثرات ظاہر ہوئے بدحالی چھا گئی حیران و پریشان پھرنے لگا تھانہ بھون پہنچا حضرت حافظ محمد ضامن صاحب کے ہاں حاضری دی ان سے ملاقات کی ان کے سامنے بیٹھا اور خیال کیا کہ ان منتروں کا اثر پھر ہوتا ہے یا نہیں غرض حافظ صاحب کی طرف متوجہ ہو کر پڑھنا شروع کیا ایک دفعہ اس کو حافظ صاحب نے باتوں میں اڑا دیا دوسری دفعہ تو جلالی چشتیہ نے جوش مارا نظر غضب سے دیکھا اور لفظ ' ہوں ' منہ سے نکالا تو اس کو ہوش نہ رہا ' بے اختیار گر پڑا اور تھوڑی دیر بعد اٹھ کر جنگل کی طرف چلا گیا۔ (مونس مہجوراں ۳۴)

شیر بھاگ گیا

کلیر شریف سے پانچ کوس کے فاصلہ پر شاہ منصور صاحب کا مزار ہے جہاں پہلے جنگل تھا ایک مرتبہ حافظ صاحب کے ساتھ مولا بخش اس مزار پر زیارت کے لئے تشریف لے گئے احاطہ میں پہنچے فاتحہ کے بعد حافظ صاحب مزار کے مقابل مراقب ہوئے ایک طرف مولا بخش بیٹھ گئے اچانک ایک شیر مزار کے دروازہ پر پہنچ گیا مولا بخش خوفزدہ ہو گئے آپ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو کہا میرے پاس آ جاؤ ان شاء اللہ کوئی ضرر نہیں پہنچے گا ' یہ فرما کر آپ پھر مراقب ہو گئے مولا بخش آپ کے قریب ہی بیٹھ گئے وہ شیر بھی حضرت حافظ صاحب کے قریب آ کر دیر تک سر جھکائے سامنے کھڑا رہا جس وقت حضرت حافظ صاحب نے شیر کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو شیر فوراً وہاں سے نکل گیا اس کے بعد مولا بخش صاحب کو اطمینان کلی ہوا اور یہ دونوں چھ روز تک وہاں رہے جب بھوک لگتی درختوں کے وہ پتے جو ہوا سے از خود گر کر زمین پر آ پڑتے تھے ان کو حافظ صاحب اور مولا بخش تناول فرماتے جو ان کے بے حد لذیذ دار اور شیریں معلوم ہوتے تھے۔ (مونس مہجوراں ۳۹)

صحبت کا اثر

اللہ دیا قوال گانے بجانے کا پیشہ کرتے تھے اپنے ہمعصروں میں استاد مانے جاتے تھے حضرت حافظ صاحب سے عقیدت ہوگئی بیعت کی درخواست کی لیکن آپ نے اس کی بعض عادات ذمیمہ کی وجہ سے بیعت نہیں کیا۔ باطنی طور سے اصلاح فرماتے رہے چند سال اسی میں گزر گئے آخر ایک دفعہ ہولی کے دنوں میں راجہ قصبہ ردہڑ کی محفل گرم ہوئی ارباب نشاط اس میں شریک ہوئے اللہ دیا کا شمار راجہ کے گروہ میں تھا وہ بھی اس محفل میں موجود تھا جب شیطانی رنگ رلیاں شباب پر تھیں شراب نوشی کی ابتداء ہوئی رفتہ رفتہ سب مست ہوگئے اور جام شراب اللہ دیا کے قریب پہنچ گیا وہ بہت پریشان ہوئے کراتے تھے ان کو حافظ صاحب کا خیال آگیا خیال آتے ہی ان کا دل شیر ہوگیا انہوں نے فوراً شراب پینے سے انکار کیا راجہ غصے میں پیچ وتاب کھانے لگے حافظ صاحب کا خیال ایسا بندھا کہ اہل محفل حقیر جچنے لگے اور آپ محفل سے اٹھ کر چلے آئے کسی کو کچھ بولنے کی جرأت نہیں ہوئی اس کے بعد اللہ دیا صاحب حافظ صاحب کے پاس پہنچے ان کے دل کو بڑی تسلی ہوئی انہوں نے گانے بجانے سے توبہ کی حافظ صاحب نے ان کو بیعت کرلیا۔ اللہ دیا نے بڑی تنگدستی میں زندگی گزاری اس کے باوجود گانے بجانے کا خیال نہ کیا۔ (مونس مہجوراں ۳۲)

عجب کا علاج

میاں اللہ دیا کہتے ہیں کہ ایک دن ایک صاحب حافظ صاحب کی خدمت میں آئے اور مجھے قوال جان کر بہ نظر حقارت کلام کرنے لگے حضرت حافظ صاحب نے فرمایا یہ میراثی تم سے بہتر ہے شرافت اسلام تمام دنیا فانی سے افضل ہوتی ہے اس پر وہ صاحب معذرت کرنے لگے میرے دل میں عجب خیال آیا اس حالت عجب میں کچھ وقت گزرا اس کے بعد چند آدمی جمع تھے ایک صاحب نے میری تعظیم فرمائی اس وقت جی اور پھولا حضرت حافظ صاحب نے کشف باطنی سے دریافت کیا کہ اسکو عجب نے جلا کر رکھا ہے فرمایا اللہ دیا لوہاری کا ڈرم ہے اس ارشاد کے بعد وہ عجب میرے سے نکل گیا توبہ کی اور استغفار پڑھی۔ (تذکرہ حافظ محمد ضامن شہید ۱۲۵)

گانے کی ایک آواز پر بے ہوشی

ایک دفعہ حافظ صاحب مغرب کے بعد کئی آدمیوں کے ساتھ مظفر نگر کے بازار تشریف لے جاتے تھے ایک گھر میں سے گانے کی آواز آئی "ہری ہری چوڑیاں گوری بھیاں" یہ آواز سنتے ہی بے اختیار سرد آہ وسینہ پر درد سے کھینچ لی اور بے ہوش ہو گئے قریب تھا کہ گر جائیں ایک ہمراہی نے سنبھال لیا اس کے بعد ایک نعرہ جگر سوز سینہ بے کینہ سے کھینچ کر ارشاد فرمایا کہ مجھ کو کہاں لے چلے آخر ساتھ والے جوں توں فرودگاہ میں لے آئے بہت دیر کے بعد ہوش میں آکر اٹھ کر بیٹھے۔ (تذکرہ حافظ محمد ضامن شہید ۱۳۵)

ایک مجذوب کے پاس جانا۔

شہر جنوب میں ایک مجذوب باہیبت دجلال قلعہ میں رہتے تھے اور کسی کو پاس نہیں آنے دیتے تھے اور اگر کوئی پاس آجاتا تو بے سوچے جو کچھ ہاتھ میں آجاتا کھینچ مارتے حافظ صاحب ایام سیاحت ملک پنجاب شہر جنوب میں تشریف فرما ہوئے اور ان مجذوب صاحب کی خدمت میں جانے کا ارادہ فرمایا۔ لوگوں نے منع کیا کہ وہ مارتے ہیں آپ نے فرمایا اگر ماریں گے تو چلا آؤں گا آخر مجذوب صاحب کی خدمت میں جا کر سلام کر کے بیٹھ گئے۔ مجذوب صاحب نے حقہ اور تمباکو عنایت کیا حضرت حافظ صاحب حقہ بھر کر پیا پھر مجذوب کو دیا تھوڑی دیر وہاں تشریف فرما ہوئے پھر سلام کر کے تشریف لے آئے دیکھنے والوں پر بڑا تعجب کرتے ہوئے کہا کہ یہ شخص کوئی بڑا کامل شخص ہے جس کی مجذوب صاحب نے اس قدر تعظیم فرمائی ورنہ کسی کو پاس بھی نہ آنے دیتے تھے۔ (تذکرہ حافظ محمد ضامن شہید ۱۳۶)

خطرہ کیا شے ہے

ایک دفعہ حکیم رحیم اللہ کاندھلوی نے حضرت حافظ صاحب سے عرض کیا کہ حافظ صاحب سنا ہے اگر درویش کسی پر توجہ فرمائے تو دل ہر خطرہ غیر کو ٹھہرنے نہ دے مگر مجھے اس بات کا یقین نہیں آتا اس کے اصرار پر حافظ صاحب نے فرمایا اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں کہ پہاڑ کو جگہ سے ہلا دیتے ہیں خطرہ کیا شے ہے حکیم صاحب نے فرمایا بغیر دیکھے اعتبار نہیں

آتا حافظ صاحب نے فرمایا آپ کیا کہتے ہیں اولیاء اللہ کی بڑی شان ہے یہ بات تو بندہ بھی کر سکتا ہے حکیم صاحب نے زیادہ حافظ صاحب نے حکیم صاحب کو ایک مکان میں علیحدہ لے جا کر سامنے بٹھا دیا اور تھوڑی دیر میں اٹھ کھڑے ہوئے حکیم صاحب حیران تھے اور یہ کہتے تھے میں نے ایسا زبردست عالی تصرف شیخ نہیں دیکھا ہر چند بہت بڑے بڑے خلجان اور تردد کے مقدمات ہر وقت میرے دل میں نقش کا بھرتے کھینچ کھینچ کر دل میں لاتا تھا مگر جیسے دریا میں خس وخاشاک بہہ جاتے ہیں اس طرح کوئی خطرہ دل میں نہ ٹھہرتا تھا۔ خدا معلوم کیا شئے قلب کو خالی کر دیتی تھی حکیم صاحب یوں کہا کرتے تھے اگرچہ میں مرید سید احمد صاحب کا تھا مگر طالب حافظ محمد ضامن کا ہوں۔ (تذکرہ حافظ محمد ضامن شہید ۱۴۳)

دنیا کی حقیقت

ایک دفعہ حضرت حافظ صاحب تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ایک مردہ جانور پڑا ہوا تھا اور دو کتے اس کے گرد تھے جو ایک دوسرے کو کھانے نہیں دیتے تھے باہم غرا رہے تھے دیکھتے ہی ایک سرد آہ بھر کر فرمایا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے دنیاداروں کی کیا مثال ظاہر کر رکھی ہے کہ دنیا مردار پڑی ہے اور دنیا دار کتے لڑتے ہیں۔ سبحان اللہ اللہ کے بندے ہر بات سے کیا مطلب اور عبرت لے لیتے ہیں۔ (تذکرہ حافظ محمد حافظ ضامن صاحب شیخ: ۱۴۵)

ہم کر دیں گے

میاں اللہ دیا صاحب کہتے ہیں میں ایک روز بعد نماز عشاء سوتے وقت حضرت پیر و مرشد کے پاؤں دبا کر ویسے ہی اٹھ کر چلا آیا اور باہر آ کر خیال آیا کہ چراغ جلتا رہا اور کواڑ بند نہیں ہوئے حجرے کی طرف چلا کہ دونوں کام کر آؤں حافظ صاحب نے فرمایا کیوں آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ دروازہ بند کرنے اور چراغ بجھانے آیا ہوں فرمایا جا ہم کر دیں گے۔ مجھے اپنے بھول جانے کی شرم سے اس جگہ تامل ہوا جب کھڑا رہ گیا تھوڑی دیر میں کیا دیکھتا ہوں کہ خود بخود چراغ گل اور حجرہ بند ہو گیا اور حضرت اسی طرح چارپائی پر لیٹے رہے ہاتھ بھی نہیں ہلایا۔ قدرت کا یہ تماشہ دیکھ کر آہستہ دبے پاؤں واپس چلا آیا۔ (تذکرہ حافظ محمد ضامن شہید ۱۴۳)

جامع المعقول والمنقول

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

صدر مدرس دارالعلوم دیوبند

وفات	پیدائش
۱۳۰۲ھ	۱۲۴۹ھ

جو صبح ازل میں گونجی تھی فطرت کی وہی آواز ہیں ہم
پروردۂ خوشبو غنچے ہیں گلشن کے لئے اعجاز ہیں ہم

جہاں تمہارا قدم جائے گا اس جگہ کو آباد کریں گے

امیر شاہ خان صاحب فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں ملکہ کی تاجپوشی کا جلسہ ہوا، اس زمانہ میں مولوی محمد یعقوب صاحب دہلی میں تھے اور اکثر غائب رہتے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ حضرت آپ کہاں غائب رہتے ہیں۔ فرمایا، مجھے حکم ہوا ہے کہ دہلی میں جس جس جگہ تمہارا قدم جائے گا، ہم اس جگہ کو آباد کر دیں گے، میں اس لئے اکثر شہر اور حوالی شہر میں گشت کیا کرتا ہوں تا کہ ویران مقامات آباد ہو جائیں۔

خان صاحب نے فرمایا کہ اس جلسہ میں مولوی عبدالحق صاحبؒ مولف تفسیر حقانی اور مولوی فخر الحسن گنگوہی صاحبؒ بھی موجود تھے۔ اور مولوی عبدالحق صاحب نے اس، تمام کے آباد ہونے کی کیفیت مولوی ناظر حسن صاحب سے بیان کی اور کہا کہ جس جگہ اس زمانہ میں دربار ہوا تھا اور جہاں جہاں مولوی محمد یعقوب صاحبؒ پھرے تھے، وہ جگہ اکثر آباد ہو گئی ہے۔

(ارواح ثلاثہ ۲۹۳)

ہمارے مجذوب

امیر شاہ خان صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا محمد یعقوب صاحب قدس اللہ سرہ چھتہ کی مسجد میں انار کے نیچے بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے اور میں پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ آپ مجھ سے باتیں کر رہے تھے۔ حکیم عبدالسلام ملیح آبادی ابن جناب مفتی حسین احمد صاحب مفتی صاحب حدیث میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد اور اچھے شاگردوں میں تھے۔ اور شاہ غلام علی صاحب سے مستفیض تھے۔ حاجی محمد عابد صاحب سے گفتگو کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ ایک میرے دوست لکھنؤ کے باشندے نصف مجذوب مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے تھے۔

جب میرا مکہ جانے کا اتفاق ہوا تو واپسی کے وقت انہوں نے شد و مد سے یہ فرمایا کہ تم یہیں رہو، ہندوستان مت جاؤ۔ اس واسطے کہ وہاں انقلاب ہو رہا ہے جو غدر سابق سے بڑھ کر ہوگا۔

یہ سن کر جناب مولوی محمد یعقوب صاحب نے چونک کر اور پیچھے مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ وہ کون ہیں اور ان کو ہندوستان سے کیا تعلق ہے؟ ہندوستان ہمارا ہے یا ان کا؟ یہاں کچھ نہیں ہوگا۔ رات کو ان کی دن کو ان کی رات کر ان کی دن کر ان کی (یہ فقرہ کئی بار فرمایا) بوریا لپٹ جائے گا، جہاز و پھر جائے گی، کسی قسم کا غدر نہیں ہوگا۔

اس پر حاجی محمد عابد صاحب نے حکیم عبدالسلام سے کہا کہ سن لو یہ ہمارے مجذوب ہیں۔ (ارواح ثلاثہ ۲۹۵)

جنہیں دیکھ کر خدا یاد آ ئے

امیر شاہ خان صاحب فرماتے ہیں کہ حاجی منیر خان صاحب خانپوری (یہ صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب برادر خورد جناب مولوی محمد اسحٰق صاحب ملقب بہ چھوٹے میاں صاحب سے بیعت تھے)۔ اور فیض محمد خان صاحب نواب دتاولی اور میاں جی محمدی صاحب (یہ میرے استاد اور سید صاحب سے بیعت تھے اور اورنگ آباد کے رہنے والے تھے) اور نواب قطب الدین خان صاحب اور میاں رحیم داد صاحب خورجوی اور مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی یہ لوگ میں نے ایسے دیکھے جن کی ولایت کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ ان کے چہروں ہی سے دیکھنے والوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ حضرات اولیاء اللہ ہیں۔

اس پر میں ایک بات سناتا ہوں۔ مراد آباد کی شاہی مسجد میں ایک صاحب امام تھے۔ مجھ سے ان کی بہت ملاقات تھی، وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ قرآن کریم بہت اچھا پڑھتے تھے۔ حج بھی بہت کئے تھے، مگر ہمارے بزرگوں کے ساتھ ان کو عقیدت نہ تھی بلکہ کچھ سوء عقیدت تھے۔ ایک روز کسی پنجابی صاحب کے یہاں مولوی محمد یعقوب صاحب قدس سرہ کی دعوت تھی۔ دعوت میں میں بھی شریک تھا اور وہ امام صاحب بھی۔ اور ہم لوگ دروازے کے قریب بیٹھے تھے۔ جب کھانے سے فراغت ہو چکی تو ہم دونوں باہر آ کر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں مولانا محمد یعقوب صاحب کسی سے باتیں کرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے نکلے۔ امام صاحب نے جو مولانا کی صورت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا کہ مجھے ان حضرات سے ناحق بداعتقادی تھی۔ ان کی نورانی صورت خدا کے خاص بندوں کے سوا

دوسروں کی نہیں ہو سکتی۔ اور ان پر اس وقت ایک حالت طاری ہوئی جس سے وہ بے تاب ہو گئے۔ اور ہائے ہائے کہتے ہوئے انھوں نے مولانا کے قدم پکڑ لئے اور بہت روئے۔

(ارواح ثلاثہ ۲۹۶)

مولویت کے نام پر دھبہ نہیں لگائیں گے

مولوی محمد یعقوب صاحب جب مراد آباد تشریف لاتے تو میں اور حافظ عطاء اللہ چھتاری سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ نواب محمود علی خان کی بہت آرزو تھی کہ ایک مرتبہ مولوی محمد یعقوب صاحب چھتاری تشریف لائیں۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ جو مولوی نواب صاحب کے یہاں جاتا ہے نواب صاحب اس کو سو روپے دیتے ہیں، ہمیں خود بلاتے ہیں، اس لئے شاید دو سو روپے دے دیں۔ سو دو سو روپے ہمارے کس کام کے، ہم وہاں جا کر مولویت کے نام پر دھبہ نہ لگا دیں گے۔ (منقول از امیر الروایات) (ارواح ثلاثہ ۲۹۷)

بگاڑنے کا ولی ہوں

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مزاحاً فرماتے تھے کہ ولی ہونے میں تو میرے شک نہیں مگر بگاڑنے کا ولی ہوں سنوارنے کا نہیں۔ (ارواح ثلاثہ ۱۹۸)

بلا امتحان نمبر

مولانا محمد یعقوب صاحب ماہانہ امتحان نہ لیتے تھے۔ جب مہینہ ختم ہوتا تو پرچہ امتحان کا منگا کر بلا امتحان ہی سب کے نمبر لکھ دیتے تھے۔ ایک طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت بلا امتحان ہی نمبر لکھ دیتے ہیں۔ فرمایا کہ مجھے سب کی لیاقت معلوم ہے۔ مالک اپنے بچھڑے کے دانت خوب جانتا ہے۔ اور اگر کہو تو سب کا امتحان بھی لے لوں۔ مگر یاد رکھو کہ اس سے کم ہی نمبر آئیں گے۔ مولانا کا رعب بہت تھا، سب طالبعلم چپ ہی ہو گئے۔ (ارواح ثلاثہ ۲۹۹)

جنگلوں میں نکل جائیں گے

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے سبق پڑھانے کے اندر آنسو کثرت سے جاری ہو جاتے

تھے۔ ایک دفعہ ہم نے چاہا کہ مولانا سے مثنوی شروع کریں تو مہتمم صاحب نے فرمایا کہ انہیں مدرسہ میں بیٹھنے دو گے یا نہیں۔ اگر مثنوی پڑھانے لگے تو جنگلوں میں نکل جائیں گے، آگ بھڑک اٹھے گی۔ (ارواح ثلاثہ ۳۰۰)

حالت بدل گئی

ایک مرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحب چھتہ کی مسجد میں وضو فرما رہے تھے کہ ایک طرف سے کسی غمزدہ عورت کے رونے کی آواز آئی۔ بس وہیں وضو کرتے کرتے اس غمزدہ گریہ سے مولانا کی حالت بدل گئی۔

حق بندگی

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے صاحبزادے علاؤ الدین کا انتقال خاص بقر عید کے روز ہوا ہے۔ نماز سے پہلے ان کی بہت غیر حالت تھی۔ جب نماز کا وقت آیا تو مولانا یہ کہہ کر کہ اللہ کے سپرد، اللہ خاتمہ بالخیر کرے.... نماز میں پہنچ گئے۔ نماز میں دیر نہ کی۔ حالانکہ مولانا کی وجاہت ایسی تھی کہ اگر کتنی ہی دیر فرماتے تب بھی لوگوں کو گراں نہ ہوتا مگر ایسا نہیں کیا، وقت پر پہنچے۔ (ارواح ثلاثہ ۳۰۱)

رضا بالقضا

جس زمانہ میں دیوبند میں وبا پھیلی ہے تو اس زمانہ میں مولوی محمد یعقوب صاحبؒ کے گھرانے کے چودہ آدمی مرے تھے۔ مگر مولانا بہت ہی متحمل رہے۔ ذرا تزلزل اپنے اندر نہیں آنے دیا البتہ ایک دفعہ تو وضو کرتے ہوئے میں نے یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا تھا کہ آپ ایک خاص شان سے اس کو پڑھ رہے تھے:

غیر تسلیم و رضا کو چارۂ
در کف شیر نر خونخوارۂ

(ارواح ثلاثہ ۳۰۱)

اب تو یونہی ہوگا

جس زمانہ میں دیوبند میں ہیضہ پھیلا ہے تو اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد یعقوبؒ نے ایک پیشین گوئی کی تھی اور لوگوں سے فرمایا تھا کہ یہاں ایک وبا آنے والی ہے۔ اگر ہر چیز میں سے صدقات کئے جائیں تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ بلا ٹل جاوے۔ بعض اہل دیوبند نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ میں کچھ ضرورت ہوگئی ہے۔

اس کی خبر کسی نے مولانا کو کردی، اس پر بہت غصہ آیا اور فرمایا کہ یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیوبند، یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیوبند (اس جملہ کو چند بار تکرار فرمایا)۔ اس وقت حاجی محمد عابد صاحب حجرے کے اندر بیٹھے ہوئے اس کلمہ کو سن رہے تھے۔ وہ گھبرا کر باہر نکلے اور کہنے لگے کہ حضرت کیا فرمارہے ہو۔ مولانا نے دریافت فرمایا کہ کیا کہا ہے؟ حاجی محمد عابد صاحب نے وہی جملہ سنا دیا کہ یوں فرمارہے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ اب تو یوں ہی ہوگا۔

اس کے بعد اس کثرت سے وبا پھیلی کہ بیس بیس پچیس پچیس جنازوں کی نماز ایک دفعہ ہوتی تھی۔ بس دیوبند خالی ہی ہوگیا۔ جب یہ وبا ختم ہوگئی تو آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میں تو سمجھا کہ میرا بھی وقت آگیا، کیا ابھی دیر ہے؟ بس اس کے بعد وطن نانوتہ پہنچے اور وہیں جا کر جلاب کے مرض ہو کر واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (ارواح ثلاثہ ۳۰۱)

موت کے بعد کی کرامت

فرمایا کہ مولوی معین الدین صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت (جو بعد وفات واقع ہوئی) بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ بخار کی بہت کثرت ہوئی۔ سو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے جا کر باندھ لیتا اسے آرام ہو جاتا۔ بس اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر پر مٹی ڈلواؤں تب ہی ختم۔ کئی مرتبہ ڈال چکا، پریشان ہو کر ایک دفعہ مولانا کی قبر پہ جا کر کہا (یہ صاحبزادے بہت تیز مزاج تھے) آپ کی تو کرامت ہوگئی اور ہماری مصیبت ہوگئی۔

یاد رکھو، اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے، ایسے ہی پڑے رہیو۔ لوگ جوتا پہنے تمہارے اوپر ایسے ہی چلیں گے۔

بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا۔ جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی ویسے ہی یہ شہرت ہوگئی کہ اب آرام نہیں ہوتا۔ پھر لوگوں نے مٹی لے جانا بند کر دیا۔ (ارواح ثلاثہ ۳۰۲)

اوپر ایک بزرگ ہیں، ان کے پاس لے جاؤ

میرٹھ میں مطبع مجتبائی میں ایک مقام پر مولانا محمد یعقوب اور مولانا محمد قاسمؒ ایک ہی جگہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ مگر مولانا نانوتویؒ تو نیچے کے درجہ میں تھے اور مولانا محمد یعقوبؒ اوپر کے درجے میں تھے۔ ایک رنڈی اپنی چھوکری کو جو سیانی تھی اور بیمار تھی ہمراہ لائی اور مولانا محمد قاسمؒ سے (چونکہ مولانا محمد قاسم بہت مشہور تھے اور مولانا یعقوب اس قدر مشہور نہ تھے، کسی نے ان ہی کا پتہ دیا) عرض کیا کہ یہ میری چھوکری ہے اور مدت سے بیمار چلی جا رہی ہے، میری اوقات بسر اسی پر ہے، آپ اسے تعویذ یا دعا کر دیجئے۔ (مولانا محمد قاسمؒ نے یوں چاہا کہ نہ تو میری وضع میں فرق آئے نہ اس کی دل شکنی ہو) اس سے فرمایا کہ اوپر ایک بزرگ ہیں تم ان کے پاس لے جاؤ۔

یہ اوپر پہنچی تو مولانا یعقوبؒ نے پوچھا کیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ یہ میری لڑکی ہے، اس کو مرض ہے اور میری کمائی اسی پر ہے، آپ دعا یا تعویذ کر دیجئے۔ مولانا محمد یعقوبؒ نے حسب معمول دعا کی یا تعویذ دیا اور اسے رخصت کر کے نیچے تشریف لائے اور پوچھا کہ اسے کس نے بھیجا ہے؟ مولانا محمد قاسم صاحبؒ خاموش ہو گئے۔ فرمانے لگے کہ بڑے متقی نکلے، اپنے تقویٰ کی اس قدر حفاظت اور میرے پاس خلوت میں بازاری عورت کو بھیج دیا۔ اپنے نفس پر کس کو اعتماد ہے۔

خدا کے فضل سے اس چھوکری کو آرام ہو گیا تو وہ مٹھائی لائی اور سیدھی اوپر مولانا کے پاس پہنچی اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ حضرت آپ کی دعا سے میری لڑکی کو صحت ہو گئی، یہ مٹھائی شکریہ میں لائی ہوں۔ مولانا نے فرمایا، رکھ دو۔ چنانچہ وہ رکھ کر چلی گئی۔ مولانا نیچے تشریف لائے اور فرمایا کہ حرام کی کمائی ہے، اس کا کھانا حرام ہے، مساکین کا حق ہے، اغنیاء کا حق نہیں ہے، جس کا دل چاہے لے لے۔ (ارواح ثلاثہ ۳۰۴)

حضرت گنگوہیؒ نے آپ کے پاؤں جھاڑ دیئے

ایک مرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ گنگوہ تشریف لائے، مغرب کی جماعت کھڑی تھی اور غالباً مولانا گنگوہیؒ امامت کے لئے مصلے پر پہنچ گئے تھے۔ مولانا محمد یعقوبؒ کو دیکھ کر مولانا پیچھے تشریف لے آئے اور ان کو امام بنایا۔ مولانا محمد یعقوبؒ چونکہ سفر سے آرہے تھے، پاؤں پر گرد تھی، مولانا گنگوہیؒ نے رومال لے کر آپ کے پاؤں جھاڑنا شروع کئے اور آپ تسبیح پڑھتے رہے، ذرا جنبش تک نہ دکھائی۔

(از تحریرات بعض ثقات، منقول از اشرف التنبیہ) (ارواح ثلاثہ ۳۰۲)

جہاں جاؤ گے وہاں تم ہی تم ہو گے تمہارا ہی غلبہ ہوگا

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں چودہ طالب علم دورہ حدیث میں تھے دستار بندی کی تجویز ہوئی یہ دارالعلوم کا دوسرا جلسہ تھا ہمیں بھی پگڑی باندھنے کا ارادہ کیا گیا تو ان چودہ طالب علموں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جلسہ کو رکوانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ ہم امیوں کو پگڑی بندھوائی جائے گی اور ہم اہل نہیں جس سے مدرسہ کی بدنامی ہوگی غرض ان چودہ طالب علموں نے مولانا تھانوی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا کہ جا کر حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی سے جلسہ رکوانے کی درخواست پیش کریں۔ حضرت مولانا یعقوب نانوتوی دارالعلوم کے اول صدر مدرس تھے حضرت تھانوی جب ان کی خدمت میں پہنچے تو مولانا یعقوب صاحب مطالعہ فرما رہے تھے چاروں طرف کتابیں پڑی ہوئی تھیں اور حضرت بڑے گہرے مطالعے میں مصروف تھے۔ نگاہ اٹھائی ان کا رعب اتنا تھا کہ ہر ایک برداشت نہیں کر سکتا تھا' پوچھا خیر تو ہے کیسے آنا ہوا؟ حضرت تھانوی نے کہا کہ میں نے درخواست پیش کی کہ دیو بند میں جلسہ دستار بندی ہو رہا ہے اگر یہ حکم ہو تو تعمیل سے انکار نہیں اور اگر کہنے کا موقع ہو تو ہماری درخواست ہے کہ ہم اس کے اہل نہیں نالائق ہیں اور پورا مدرسہ اور ہمارے اکابر اساتذہ بدنام ہو جائیں گے جلسہ روک دیا جائے اور ہماری نالائقیوں سے پردہ نہ ہٹایا جائے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عیوب پر پردہ ڈالا جائے یہ سن کر مولانا یعقوب نانوتوی کو جوش آیا اور فرمایا یہ

تمہاری نالائقی کا احساس تمہاری سعادت مندی کی علامت ہے جب آدمی میں اپنی نالائقی کا احساس آ جائے تو یہ اس کے کمال وفضیلت اور سعادت مندی کی دلیل ہے اور ہم جو یہ جلسہ کریں گے تو وہاں اعلان کریں گے کہ فیما بیننا و بین اللہ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ لوگ ہمارے نزدیک اہل ہیں قابل ہیں اور جس کی مرضی ہو ان کا کسی فن میں بھی امتحان لے لے حضرت تھانوی نے فرمایا کہ ہم لوگ اور بھی ڈر گئے کہ آئے تھے جلسہ رکوانے کے لئے اور یہاں امتحان دینے کا الگ کہا گیا۔ بہرحال ہم وہاں سے چلے گئے جاتے وقت مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے ایک جملہ فرمایا کہ دنیا گدھوں سے بھری پڑی ہے جہاں بھی تم جاؤ گے وہاں تم ہی تم ہو گے تمہارا ہی غلبہ ہوگا حضرت تھانوی نے فرمایا ہم نے تجربہ کیا جہاں گئے ہم ہی ہم نظر آئے جہاں گئے غالب ہی غالب رہے چونکہ حق ہی کو غلبہ ہے۔

(خطبات حکیم الاسلام ۲/۳۵۱)

مثالی تقویٰ

تحصیل عالم کے بعد آپ اجمیر میں ملازم ہو کر تشریف لے گئے۔ اجمیر کے پرنسپل نے آپ کی ذکاوت وذہانت دیکھ کر گورنمنٹ میں سفارش کی اور ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ منظور کرایا لیکن آپ نے اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر آپ ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر بمشاہرہ ڈیڑھ سو روپے مقرر ہو گئے تھے کچھ عرصہ کے بعد ۱۸۵۷ء کا قصہ پیش آیا آپ اپنے گھر رہے ہنگامہ ختم ہونے کے بعد چھ ماہ کی تنخواہ آپ کو گورنمنٹ سے بھیجی گئی لیکن آپ نے اس کو لینے سے انکار کر دیا کہ میں نے ان دنوں میں کچھ کام ہی نہیں کیا تنخواہ کیوں لوں چنانچہ نو سو روپے واپس کر دیئے یہ مولانا کا انتہائی تقویٰ تھا ورنہ اس کے جواز میں کیا کلام تھا (پاک و ہند کے نامور علماء ومشائخ ۶۱)

تواضع

دیوبند کے تین کوس موضع امبیا کے ایک شخص نے طلباء کے ساتھ آپ کی بھی آموں کی دعوت کی مگر سواری نہیں لایا۔ آپ پیدل تشریف لے گئے جب چلنے لگے تو اس نے بہت سے

آم گھر لے جانے کے لئے دیئے مگر پہنچانے کے لئے کوئی شخص ہمراہ نہ تھا' مولانا نے اپنے حصے کے آم اپنے کپڑے میں باندھ لئے اور بغل میں لے کر چلا دیئے ایک طرف کی بغل تھک گئی تو دوسری طرف لے لیا بار بار کروٹیں بدلتے ہوئے دیوبند پہنچے تو ہاتھ زیادہ تھک گئے تھے مولانا نے اس گٹھری کو سر پر رکھ دیا اور فرمایا بھائی یہ ترکیب پہلے سے سمجھ میں نہیں آئی اس وقت حالت یہ تھی کہ مولانا کو دونوں طرف سے بازار میں سلام ہو رہا تھا اور مولانا جواب دیتے جاتے تھے اس حالت میں مولانا کو ذرا بھی تغیر نہ تھا سبحان اللہ کیا تواضع ہے نفس ان حضرات میں تھا ہی نہیں۔ (پاک و ہند کے نامور علماء و مشائخ ۶۳)

کمال احتیاط

مولانا نے تسخیر و حب کا عمل بھی محض اس لئے سیکھ لیا تھا کہ مولانا کو ہر چیز کے جاننے کا شوق تھا عمل کرنے کے واسطے نہیں سیکھا تھا لیکن جب آپ کو عامل نے اس کی یہ خطرناک تاثیر بتلائی کہ ایک بار امیرزادی پر اس عمل کا امتحان کیا گیا تھا تو اس عمل سے وہ میرے پاس آ گئی تھی یہ سن کر مولانا گھبرا گئے فرمایا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ نفس کا کیا اعتبار ہے نہ معلوم کس وقت وہ بدل جائے اس لئے اس عمل کو میں نے ذہن سے بھلانے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ اب اس کا ایک لفظ بھی یاد نہیں۔ (پاک و ہند کے نامور علماء و مشائخ ۶۶)

مقام ناز

مولانا کو ایک دفعہ کسی حالت میں رقم کی ضرورت تھی' حق تعالیٰ سے دعا کی تو روپیہ مل گیا پھر خواب میں جنت کا محل دیکھا حاضرین سے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے انہوں نے مولانا کا نام بتایا مگر دیکھتے ہیں کہ اس کا کنگرا ٹوٹا ہوا ہے مولانا کے دریافت کرنے پر جواب ملا انہوں نے دنیا میں مانگ لیا ہے۔ خواب سے بیدار ہو کر حق تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اگر جنت کے کنگرے ہمیں یہاں ملنے لگیں تو ہم سارا محل ہی کھا جائیں گے آپ کے یہاں کیا کمی ہے یہاں الگ دیجئے وہاں الگ دیجئے مولانا مقام ناز میں تھے اس لئے حق تعالیٰ سے ایسی باتیں کر لیا کرتے تھے (پاک و ہند کے نامور علماء و مشائخ ۶۶)

حضرت مولانا مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں میدان شاملی میں انگریز سے ٹکر لینے والے مجاہد

مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے بانی و شیخ الحدیث

وفات	پیدائش
۱۸۸۵ء	۱۸۲۳ء

ہر موج یہاں ایک دریا ہے اک ملت ہے ہر فرد یہاں
گونجا ہے ابد تک گونجے گا آوازۂ اہل درد یہاں

مولانا مظہر نانوتوی کا خواب اور بیعت

والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ نے (جو حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ دونوں سے عمر میں بڑے تھے) خواب دیکھا کہ ایک تخت ہے جس کے صدر پر حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی تشریف رکھتے ہیں۔ مولانا نے یہ خواب ایک عریضہ میں لکھ کر جس میں بیعت کی درخواست بھی تھی، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ حضرت نے جواب میں خوب تعبیر یہ تحریر فرمائی کہ دونوں میں سے کسی سے بیعت کر لو۔ چنانچہ مولانا محمد مظہر صاحبؒ حضرت نانوتوی کے پاس خط لے کر آئے کہ مجھے بیعت کر لیں۔ انہوں نے گھبرا کر فرمایا کہ آپ ہی مجھے بیعت فرمالیں۔ فرمایا کہ یہ خط ہے اور یہ حکم ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں آپ کو صحیح مشورہ دیتا ہوں کہ گنگوہ تشریف لے جائیں، وہاں گئے۔ اول تو حضرت گنگوہیؒ نے بھی تامل فرمایا مگر پھر بیعت فرمالیا۔ (منقول از روایات الطیب)

(ارواح ثلاثہ ۳۰۴)

للّٰہیت

مدرسہ کے اوقات میں جب کوئی مولانا قدس سرہ العزیز کا عزیز ذاتی ملاقات کے لئے آتا تو اس سے باتیں شروع کرتے وقت گھڑی دیکھ لیتے اور واپسی پر گھڑی دیکھ کر حضرت کی کتاب میں ایک پرچہ رکھا رہتا تھا، اس پر تاریخوں اور منٹوں کا اندراج فرمالیتے اور ماہ کے ختم پر ان کو جمع فرما کر کہ اگر نصف یوم سے کم ہوتا تو آدھے روز کی رخصت اور اگر نصف یوم سے زائد ہوتا ایک روز کی رخصت مدرسہ میں لکھوا دیتے۔ البتہ اگر کوئی فتویٰ وغیرہ پوچھنے آتا تھا تو اس کا اندراج نہیں فرماتے تھے۔ (آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ: ۱۸۷)

حضرت مولانا مظہر نانوتوی کی عادت شریفہ تھی کہ اپنے اوپر کے ہونٹ کو چباتے رہتے تھے ایک شخص نے اس کا سبب دریافت کیا تو بتلایا نہیں اس نے اصرار کیا تو فرمایا جس وقت انگریزوں سے شاملی میں لڑائی ہوئی اور مسلمانوں پر حملہ ہوا اندھیرے میں کچھ ساتھی جان بلب

ہو گئے اور میں نے بھی گھٹنے میں گولی کھائی (جس وجہ سے آپ کے پیر میں لنگ تھا) میں نے اس حالت میں حوروں کو دیکھا ان کے ہاتھوں میں گلاس ہیں اور مخصوص قسم کا شربت ان میں بھرا ہوا ہے جس کو وہ میرے ان ساتھیوں کو پلا رہی ہیں جو جاں بلب ہو چکے تھے اور ان کے بچنے کی کوئی توقع نہیں تھی اسی دوران ایک حور نے میری طرف بھی رخ کیا اور میرے منہ سے گلاس لگایا ہی تھا کہ دوسری حور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور کہا کہ یہ ان میں سے نہیں جن کا انتقال ابھی ہوگا۔ اس وقت کچھ معمولی سا شربت میرے اوپر کے ہونٹ پر لگ گیا تھا جس کا ذائقہ اب تک موجود ہے اور اسی وجہ سے یہ میری عادت ہے۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط ۹۴/۱)

عجیب کرامت

مولانا موصوف جب میدان جنگ سے ہٹے اور انگریزوں نے تعاقب کیا تو آپ پناہ لینے کے لئے ایک شخص کے کوٹھے میں جو جنگل میں بنا ہوا تھا داخل ہو گئے اتفاق سے وہاں پانی نہ تھا جس کی وجہ سے بڑی پریشانی ہوئی آپ نے ایک گھڑا جو اوپر سے ٹوٹا ہوا تھا پرنالے کے نیچے رکھ دیا فوراً بارش شروع ہوگئی اور گھڑا بھر گیا پھر ضرورت ہوئی تو پھر گھڑا رکھ دیا اور بارش ہوئی یہاں تک کہ گھڑا بھر ہو گیا کئی بار ایسا ہی ہوا۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط ۹۴/۱)

آپ کی گری ہوئی اشرفی کسی کو نظر نہ آئی

مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی فرماتے ہیں مولانا موصوف ایک مرتبہ بغرض تدریس محلہ (جائے قیام) سے (جو مدرسہ سے فاصلہ پر تھا) مدرسہ مظاہر العلوم تشریف لا رہے تھے راستہ میں آپ کی ایک اشرفی گر گئی شام کو جب واپس ہوئے تو راستہ میں پڑی ہوئی تھی اٹھا لی فوراً ایک شخص اپنے مکان کے اوپر سے اتر کر نیچے آیا اور آپ سے پوچھا کیا ہے؟ آپ نے بتلا دیا کہ میری اشرفی تھی جو صبح گر گئی تھی کہنے لگا میں صبح سے ہی اوپر سے اس کو دیکھ رہا ہوں لیکن جب نیچے آتا ہوں تو نظر ہی نہیں آتی تھی اور دیگر راہگیروں کو بھی نظر نہ آئی اس پر ارشاد فرمایا کہ جب تیری تھی ہی نہیں تو تجھے نظر کیسے آتی۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط ۹۵/۱)

اپنے فخر الدین کو بیٹے کے پاس نوکری کے لئے نہیں بھیجا

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں مولانا فخر الدین گنگوہی صاحب نے (جو مولانا مظہر نانوتوی کے شاگرد تھے) کبھی ملازمت نہیں کی ایک مرتبہ مطبع نولکشور لکھنؤ سے تصحیح کتب حدیث کے لئے مولانا مظہر نانوتوی کے پاس اطلاع آئی کہ کسی کو اسی روپے (چاندی) ماہوار پر بھیج دیجئے تو مولانا مظہر صاحب نے یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ میں اپنے فخر الدین کو بنئے کے پاس نوکری کے لئے نہیں بھیجتا ایک مرتبہ (مولانا فخر الدین) کو کچھ احباب منصوری لے گئے اور خود طے کر لیا کہ مولانا کو ماہانہ پچیس یا تیس روپے دے دیا کریں گے مولانا سے اس کا ذکر بھی نہیں کیا رات کو خواب میں مولانا نے مولانا مظہر صاحب کو دیکھا کہ انگلی دانتوں میں دبائے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ کیا فخر الدین میں نے اس لئے پڑھایا تھا کہ یوں نوکریاں کرتا پھرے صبح ہوتے ہی وہاں سے واپس ہونے لگے احباب نے ٹھہرنے پر اصرار کیا فرمایا نا بھائی ٹھہرنے کا حکم ہی نہیں۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط ۱/۱۱۲)

جہاد شاملی کے بعد

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شریک ہوئے بڑی جرات وہمت سے جہاد شاملی میں حصہ لیا۔ پیر میں گولی لگنے کی وجہ سے زخمی ہوئے جس کا نشان علاج کے بعد بھی باقی رہا تحریک ختم ہوئی تو کسی آنے والی تحریک کے لئے عرصہ تک اپنے آپ کو محفوظ رکھا اور روپوشی کی زندگی بسر کی جب پکڑ دھکڑ کا سلسلہ ختم ہو گیا تو دار العلوم دیوبند کے قیام کے چھ ماہ بعد رجب ۱۲۸۳ھ کو دار العلوم کے طرز پر سہارنپور میں عظیم الشان مدرسہ مظاہر العلوم کی بنیاد رکھی۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/۳۰۲)

☆☆☆

حضرت مولانا

شاہ حاجی عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ

ہندوستان کی عظیم یونیورسٹی

دار العلوم دیوبند

کے

مہتمم اول

وفات ۱۳۳۱ھ

عابد کے یقیں سے روشن ہے سادات کا سچا صاف عمل
آنکھوں نے کہا دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل

طالب علم سے معافی

حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ اہتمام میں ایک طالب علم کسی انتظام میں آپ سے خفا ہو گئے اور مقابلہ میں برا بھلا کہا۔ حضرت حاجی صاحب خاموش ہو گئے۔ دوسرے وقت ڈ منٹی والی مسجد میں جہاں وہ طالب علم رہتا تھا، خود تشریف لے گئے اور ان طالب علم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھے اور فرمایا کہ مولانا مجھے معاف کر دیجئے، آپ نائب رسول ہیں، آپ کا ناراض رکھنا مجھے گوارا نہیں ہے۔

مہتمم اور ایک ادنیٰ طالب علم کے سامنے ان کا یہ حال! اب تو امید نہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں روز بروز تغیر ہوتا جاتا ہے۔ سچ ہے:

حریفاں بادہا خوردند و رفتند
تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند

(ارواح ثلاثہ ۳۳۹)

حضرت حاجی صاحب کی کرامت

میں نے دیوبند کے ایک انگریزی خواں سے سنا ہے کہ ایک شخص کا مقدمہ ڈپٹی ظہیر عالم کے یہاں تھا۔ یہ سہارنپور میں ڈپٹی تھے۔ وہ شخص حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حاجی صاحب مجھے تعویذ دے دو۔ میرا مقدمہ ڈپٹی ظہیر عالم کے یہاں ہے۔ حاجی صاحب نے اس کو تعویذ دے دیا کہ اس کو پگڑی میں رکھ لینا۔ جب یہ عدالت میں اجلاس پر پہنچا، ڈپٹی صاحب نے کچھ سوال کیا کہ ٹھہر جائیں، دیوبند والے حاجی کا تعویذ لایا ہوں وہ لے آؤں۔ پھر پوچھا۔ ڈپٹی صاحب اس پر ہنسے کیونکہ وہ عملیات کے معتقد نہ تھے۔

جب وہ تعویذ لے آیا تو اس نے ڈپٹی صاحب سے کہا کہ اب پوچھو، کیا پوچھتے ہو اور دیکھو حاجی صاحب کا یہ تعویذ رکھا ہے (پگڑی دکھا دی)۔ ڈپٹی صاحب نے وہ مقدمہ قصداً بگاڑا لیکن جب فیصلہ لکھ کر پڑھنے بیٹھے ہیں تو وہ موافق تھا۔ پھر وہ ڈپٹی صاحب حضرت حاجی

صاحب کی خدمت میں معذرت کیلئے حاضر ہوئے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ عمل کا یہ اثر ہوا ہے۔ بعض اوقات جب معمول پر اس کا اثر ہوتا ہے تو دماغ صحیح نہیں رہتا۔ جب دماغ درست نہیں رہتا تو کام بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ (ارواح ثلاثہ ۳۳۹)

دوپٹہ واپس آ گیا

میرے ایک عزیز دیوبند کے رہنے والے کہتے تھے کہ میری پھوپھی جب شروع میں دلہن ہونے کے زمانے میں اپنے میکہ آئی تو انہوں نے اپنا دوپٹہ الگنی پر ڈال دیا، اسے کوئی لے گئی۔ عورتیں اس زمانہ میں بوجہ عقیدت کے ایسی بے فکر تھیں، بولیں کہ کچھ ڈر نہیں ہے، حاجی محمد عابد صاحب سے کہلا بھیجو کہیں آ جائے گا۔ چنانچہ حاجی صاحب سے کہلا بھیجا، انہوں نے ایک تعویذ دے کر فرمایا کہ الگنی ہی پر آ جاوے گا، چنانچہ دوپٹہ وہیں آ گیا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ایسا سنا ہے کوئی جن وغیرہ تابع تھے۔ (منقول از اشرف التنبیہ) (ارواح ثلاثہ ۳۴۰)

اتباع سنت

تاریخ دارالعلوم میں ہے کہ ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ مریدین میں حاجی محمد انور دیوبندی نے نفس کشی کے طور پر کھانا پینا قطعاً ترک کر دیا ہے۔ آپ نے تاکیدا ان کو لکھا کہ:

یہ امر سنت کے خلاف ہے، بطریق مسنون کھانا پینا ضرور چاہئے، خواہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ (تاریخ دارالعلوم ۲/۳۳۲)

معمولات شب و روز

تاریخ دارالعلوم میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے معمولات اس طرح تحریر ہیں کہ حضرت حاجی صاحب کا ساٹھ برس تک چھتہ کی مسجد میں قیام رہا۔ مشہور ہے کہ تیس سال تک آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ نماز تہجد کا ایسا التزام تھا کہ ساٹھ سال تک قضاء کی نوبت نہیں آئی۔ صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے، رشد وہدایت اور تذکیر وتزکیۂ قلوب کے علاوہ آپ کو فن عملیات میں زبردست ملکہ حاصل تھا۔ لوگ دور دور سے تعویذات وعملیات کے لئے حاضر ہوتے اور دامن امید کو ہر مراد سے بھر کر لوٹتے تھے۔ مختلف کاموں سے کثرت کے باوجود

ضبط اوقات کا بے حد التزام تھا اور ہر کام ٹھیک اپنے وقت پر انجام پاتا تھا۔ آخر شب میں بیدار ہوتے، نماز تہجد اور اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر فجر کی نماز چھتے کی مسجد میں ادا فرماتے، نماز کے بعد تلاوت فرما کر حجرے سے باہر تشریف لاتے، بیعت کے خواہشمندوں کو بیعت کرتے، تعویذات کے طالبین کو تعویذ دیتے۔ دوپہر تک یہ سلسلہ جاری رہتا، بعد مغرب ختم خواجگان کا معمول تھا۔ عشاء کے بعد اول وقت سو جاتے تھے۔ تعویذات کے ضرورت مند بعض اوقات حد سے زیادہ پریشان کرتے مگر اخلاق و تواضع کا یہ عالم تھا کہ کبھی ترش رو ہوتے نہیں دیکھا گیا۔ اتباع سنت کا غایت اہتمام تھا، ان کا مقولہ ہے کہ بے عمل درویش ایسا ہے جیسے سپاہی بے ہتھیار۔ درویش کو چاہئے کہ اپنے آپ کو چھپانے کے لئے عامل ظاہر کرے۔

وہ طریقہ چشتیہ صابریہ کے بزرگ اور زہد و ریاضت کا مجسمہ تھے۔

(تاریخ دارالعلوم ص ۲۲۲ ج ۲ و تاریخ دیوبند ص ۲۷۸)

نظم و ضبط

اوقات و معمولات کے ضبط و نظم کا بڑا اہتمام رکھتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی فرمایا کرتے تھے کہ جاننے والا ہر وقت یہ بتا سکتا ہے کہ اس وقت حاجی صاحب فلاں کام میں مشغول ہوں گے۔ اگر کوئی جا کر دیکھے تو اسی کام میں ان کو مشغول پائے گا۔ (تاریخ دارالعلوم ۲/۲۲۳)

آپ کے فرمانے سے معاف کیا

ایک رسالدار مع اپنی اہلیہ کے خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی کہ میری زوجہ بارہ برس سے بیمار ہے، صدہا طرح علاج کئے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کوئی آسیب بتاتا ہے اور کوئی کچھ بیماری۔ بارہ برس سے صورت حمل بھی اس طرح سے نمایاں ہے کہ گویا چار ماہ کی امید ہے، دائی بھی کہتی ہے کہ ضرور حمل ہے۔ آپ اس کا علاج کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھہرو ان شاء اللہ شب کو بعد مغرب ان کا بندوبست کیا جاوے گا۔

○ بعد مغرب آپ نے ایک نقش حاضر ہونے جنات کا روشن کیا اور اس عورت کے روبرو

رکھوا دیا۔ نقش کا روشن کرنا تھا کہ آندھی اس زور سے آئی کہ سب گھبرا گئے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام مکان گر جائیں گے اور چھپر ٹوٹے جاتے ہیں مگر نقش روشن رہا۔

تھوڑی دیر بعد اس عورت (کے جن) نے بڑی قہر آمیز آواز سے کہا کہ مجھ کو کیوں طلب کیا ہے تم مجھ کو نہیں جانتے کہ میں جنوں کا امیر ہوں اور میرے ساتھ بہت بڑا لشکر ہے، میں ابھی جو چاہوں کر ڈالوں۔

حاجی صاحب نے بمتانت فرمایا کہ یہ سب درست ہے۔ آپ کو اس واسطے بلایا ہے کہ آپ اس عورت کو کیوں ستاتے ہیں؟ جو کچھ اس سے قصور ہوا ہو معاف کر دو۔ جواب دیا ہرگز نہیں، آپ انصاف نہیں کرتے کہ اس عورت نے میرے اوپر کس قدر ظلم کیا ہے کہ میرے بارہ برس کے لڑکے کو اس نے مار ڈالا ہے۔

حاجی صاحب نے فرمایا کیونکر؟ کہا کہ میرا لڑکا اکثر بلی کی صورت میں سیر کرتا ہوا پھرا کرتا تھا۔ ایک روز اس کے گھر چلا گیا، اس کا طوطا اس کو دیکھ کر پھڑکا۔ اس عورت نے اس کو مار ڈالا۔ اس روز سے مجھ کو اس پر غصہ ہے مگر مسلمان جان کر زیادہ تکلیف نہیں دی۔

حاجی صاحب نے کہا کہ آپ اس کا قصور معاف کر دیں۔

کہا ہرگز نہیں۔ اور پھر غصہ ہو کر کہا کہ حاجی صاحب آپ مجھ کو رخصت کیجئے۔ میں جماعت سے محروم رہ جاؤں گا۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں بھی نماز کو جاؤں گا، آپ مسلمان ہیں اور یہ بھی مسلمان ہے، آپ اس کا قصور معاف ہی کر دیں، بشر سے غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ کہا اچھا، آپ کے فرمانے سے معاف کیا۔

نقش گل کر دیا اور آپ نماز کو چلے گئے۔ بعد نماز یہ قصہ اس عورت سے دریافت کیا۔ تو اس نے کہا کہ واقعی یہی بات ہے، علی الصباح وہ عورت تندرست ہو کر اپنے مکان پر واپس گئی اور بعد چھ ماہ کے اس کے لڑکا پیدا ہوا تو وہ شیرینی لے کر دیوبند آئی اور حاجی صاحب سے ہر دو مرد و زن بیعت ہوئے۔ ایسے قصے بہت سے ہیں۔ (تذکرۃ العابدین ص ۸۱ ج ۱)

فقیر تو مسجد میں ہی ٹھہرا کرتا ہے

اجمیر شریف ہی میں حکیم محمد حسن و مولوی امیر الدین صاحب نواب جو تہ گڑھ کی طرف

سے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ نواب صاحب آپ کے تشریف لانے جونہ گڑھ کے متمنی ہیں، حضور وہاں تشریف لے چلیں، آپ نے انکار کردیا۔ مگر بہت عرض معروض پر آپ نے فرمایا کہ اس طرح پر چلتا ہوں کہ جہاں میری طبیعت چاہے وہاں ٹھہروں اور جب چاہوں چلا آؤں اور تعظیم وتکریم کچھ نہ ہو۔

ہر دو صاحب نے وعدہ کیا اور نواب صاحب کو تار دے دیا گیا کہ اس وعدہ پر آنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ نواب رسول بخش نے بھی جواب تار میں وعدہ کیا۔ اس وقت آپ جونہ گڑھ تشریف لے گئے اور ایک مسجد میں جا کر ٹھہر گئے۔ جب نواب صاحب کو خبر ہوئی تو انہوں نے عرض کر کے بھیجا کہ آپ کے واسطے ایک ایسا مکان تجویز پہلے سے کر دیا ہے کہ جس میں سب طرح کا آرام ہے اور سامنے اس کے مسجد بھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فقیر تو مسجد ہی میں ٹھہرا کرتا ہے۔ مگر جب سب نے عرض کیا تو آپ مکان میں چلے گئے۔ نواب صاحب ملنے کے لئے آئے۔ علاوہ اور عرض معروض کے یہ بھی کہا کہ تین سو روپے میں روز خدمت عالی میں بھیجا کروں گا۔ حضور فقراء کو تقسیم کر دیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ نواب صاحب نے عرض کیا کہ حضور اس میں میری بدنامی ہے کہ نواب کا پیر آیا اور کچھ تقسیم نہ کیا۔ چنانچہ وہ تین سو روپے یومیہ بھیجتے تھے اور فقراء کو تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ اور ہر وقت ایک ہجوم بہت بڑا آدمیوں کا رہتا تھا۔ اور نواب صاحب ہمیشہ سلام کے واسطے حاضر ہوتے تھے۔ بعد آٹھ روز کے آپ نے فرمایا کہ فقیر اب جاوے گا۔ نواب صاحب نے قریب بیس ہزار روپے کے سامان پیش کرنے کے واسطے کیا۔ حضرت حاجی صاحب کو یہ بات معلوم ہوگئی۔ آپ نے مولوی امیر الدین سے فرمایا کہ فقیر اس واسطے نہیں آیا تھا۔ تم صاحبان کی خوشی کر دی گئی اب ایسا ہرگز نہ کیا جاوے۔ انہوں نے جا کر نواب صاحب سے کہا۔ نواب صاحب خاموش ہوگئے کیونکہ بذریعہ تار نواب صاحب وعدہ کر چکے تھے۔ آٹھویں روز آپ دیوبند کی طرف روانہ ہوئے۔ نواب صاحب نے مولوی امیر الدین کو آپ کے ہمراہ کیا کہ دیوبند پہنچا آویں۔

(تذکرۃ العابدین ص ۸۰، ص ۸۱)

قافلہ غرق ہو گیا

ایک مرتبہ ۱۳۳۰ھ میں جو آپ ساتویں حج کو گئے تھے، منشی علی احمد بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ جب ہم حج کر چکے تو ہم کو معلوم ہوا کہ حضرت حاجی صاحب مدینہ منورہ کچھ دیر سے جاویں گے تو ہم چند اشخاص کا یہ خیال ہوا کہ کھاری شیخ کو جو قافلہ جاتا ہے اس میں ہم بھی چلیں اور پختہ ارادہ کر لیا۔ ہم سب حضرت کی خدمت میں اجازت کے واسطے گئے۔ حضرت نے ارادہ مذکورہ سن کر سر نگوں کیا اور کچھ دیر کے بعد حضرت نے فرمایا کہ تمہارا جانا مناسب نہیں بلکہ جو رفیق تمہارا اس قافلہ میں جانے کا ارادہ کرے اس کو بھی روک دو۔ یہ سن کر ہم سب نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا کہ کوئی مصلحت ہے۔

پھر کئی روز کے بعد حضرت حاجی صاحب مع قافلہ کے مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔ میری طبیعت راستہ میں خراب ہو گئی، جس سے دخون آنے لگا۔ رابغ میں پہنچ کر حضرت نے مچھلی پکوائی، جب کھانا آیا فرمایا کھاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ میری طبیعت اچھی نہیں۔ فرمایا، کھاؤ انشاء اللہ نفع ہوگا۔ چنانچہ میں نے کھایا اور میری سب تکلیف رفع ہو گئی۔ اور اسی روز یہ بھی فرمایا کہ جس قافلہ میں تم جاتے تھے وہ رو میں بہہ گیا۔ یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ دوسرے روز راستہ میں مدینہ منورہ کے واپس شدہ قافلہ سے معلوم ہوا کہ وہ قافلہ کھاری شیخ میں بوجہ رو آنے کے غرق ہو گیا۔

(تذکرۃ العابدین ص ۸۳ ج ۱)

سندھی میں باتیں

ایک دفعہ ایک سندھی بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ دوران ملاقات حاجی صاحب کے جذب کی سی کیفیت ہوئی۔ آپ ان سے سندھی میں باتیں کرنے لگے، حالانکہ آپ سندھی بالکل نہیں جانتے تھے۔ (تذکرہ ص ۹۷)

حلم و عفو

آپ اکثر یہ فرماتے تھے کہ جو مجھ کو صبح سے شام تک برا کہتا ہے، میں اس کو رات کو معاف کر دیتا ہوں اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ فقیر وہ ہے جو برا کہنے والے کو بھی برا نہ کہے اور

کوئی بدنی یا قلبی یا عملی تکلیف نہ پہنچائے، اس کی رضا پر راضی رہے۔ البتہ اس وقت آپ کو بہت غصہ آتا تھا جب آپ سے کوئی کہہ دیتا کہ فلاں نے جائز کو ناجائز اور حرام کو حلال اور حق کو ناحق کہا ہے، اس وقت تو جو سامنے آتا تھا، بگڑ جاتے تھے مگر پھر کچھ دیر بعد غصہ رفع ہو جاتا تھا۔
(تذکرۃ العابدین ص ۸۲)

۲۸ سال بعد تکبیر تحریمہ فوت ہوگئی

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری کا بیان ہے کہ ایک روز آپ کو بہت زیادہ رنجیدہ دیکھا گیا۔ کبیدگی اور افسردگی کی یہ حالت تھی کہ کسی نوجوان عزیز کی مرگ ناگہانی کا شبہ ہوتا تھا۔ جب دریافت کیا گیا تو بہت زیادہ اصرار کے بعد معلوم ہوا کہ اٹھائیس سال بعد آج جماعت میں کی تکبیر تحریمہ فوت ہوگئی۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی: ۵/۵۸)

اہتمام سے پہلے

آپ دور اہتمام سے پیشتر باہر جنگل میں رہا کرتے تھے۔ جب آپ کو مہتمم بنانے کا خیال ہوا تو کچھ آدمی آپ کو لینے کے لئے گئے۔ آپ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب نے حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کو ایک رفیق کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا۔ حضرت حجۃ الاسلام کا پیغام سن کر آپ فوراً تشریف لے آئے۔
(علماء ہند کا شاندار ماضی: ۵/۶۷)

اتباع سنت کی تاکید

ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ مریدین میں حاجی محمد انور دیوبندی نے نفس کشی کے طور پر کھانا پینا قطعاً ترک کر دیا ہے آپ نے تاکیداً ان کو لکھا کہ یہ امر سنت کے خلاف ہے بطریق مسنون کھانا پینا ضرور چاہئے خواہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ (تذکرۃ العابدین: ۶۷)

دارالعلوم دیوبند کے لئے سب سے پہلا چندہ

حاجی فضل حق صاحب لکھتے ہیں کہ ایک دن بوقت اشراق حضرت حاجی سید محمد عابد نے

سفید رومال کی جھولی بنائی اور اس میں تین روپیہ اپنے پاس سے ڈال کر چھتہ کی مسجد سے تن تنہا مولوی مہتاب علی مرحوم کے پاس تشریف لائے مولوی صاحب نے کمال کشادہ پیشانی سے چھ روپے عنایت کیے اور دعا کی۔ بارہ روپے مولوی فضل الرحمٰن نے اور چھ روپے اس مسکین (حاجی فضل حق) نے دیئے وہاں سے اٹھ کر مولوی ذوالفقار علی کے پاس آئے مولوی صاحب ماشاء اللہ علم دوست ہیں فوراً بارہ روپے دیئے اور حسن اتفاق سے اس وقت سید ذوالفقار علی ثانی دیوبندی وہاں موجود تھے ان کی طرف سے بھی بارہ روپے عنایت ہوئے وہاں سے اٹھ کر یہ درویش بادشاہ صفت محلہ ابوالبرکات پہنچے دو سو روپے جمع ہو گئے اور شام تک تین سو روپے پھر رفتہ رفتہ چرچا ہوا اور جو پھل پھول اس کو لگے وہ ظاہر ہیں یہ قصہ بروز جمعہ دوم ماہ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ میں ہوا۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۲۳)

دینداروں کی عزت

مولانا فتح محمد صاحب فرماتے ہیں ایک دفعہ طالب علمی کے زمانہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا کیونکہ وہ اس وقت مدرسہ کے مہتمم تھے اس وقت ایک ڈپٹی صاحب بھی حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں آئے ہوئے تھے اس وقت حضرت حاجی صاحب اپنی جگہ سے اٹھ چکے تھے اس لئے ان سے کھڑے کھڑے کچھ معمولی گفتگو کر کے ان کو رخصت کر دیا پھر میں آیا تو لوٹ کر اپنی جگہ بیٹھنے لگے میں نے عرض کیا کہ اس کی حاجت نہیں میں ویسے ہی عرض کرلوں گا فرمایا تم نے اپنے آپ کو ڈپٹی پر قیاس کرتے ہو کہاں وہ دیندار اور کہاں تم نائب رسول۔

(ارواح ثلاثہ: ۲۳۸)

☆☆☆

حضرت مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ

ولی کامل

ہندوستان کی عظیم یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کے مہتمم دوم

وفات ۱۳۰۸ھ

جنت البقیع مدینہ منورہ میں مدفون ہیں

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستان میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

مولانا شاہ رفیع الدین کی قدر ومنزلت

حضرت والد مرحومؒ نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ فرماتے تھے کہ مولانا رفیع الدین صاحبؒ باطنی مدارج میں مولانا رشید احمد صاحبؒ سے کم نہیں ہیں، بلکہ برابر ہیں۔ فرق صرف علم کا ہے کہ وہاں ہے یہاں نہیں۔ (ارواح ثلاثہ ۳۰۵)

حضرت نانوتوی کے ساتھ کھانے کی لذت وکیفیت

حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے کبھی حضرت نانوتویؒ کے خلاف نہیں کیا۔ ایک دن چھتہ کی مسجد میں حاضر ہوا، حضرت احاطہ مسجد میں ہولے بیٹھے ہوئے تناول فرما رہے تھے۔ فرمایا کہ آیئے مولانا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میرا تو روزہ ہے۔ تھوڑی دیر تامل کر کے پھر یہی فرمایا کہ آیئے مولانا۔ میں فوراً بلا تامل کھانے بیٹھ گیا، حالانکہ عصر کی نماز ہو چکی تھی اور افطار کا وقت قریب تھا۔ حضرت نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس سے زائد آپ کو ثواب عطا فرمائے گا جتنا کہ روزہ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ مجھے اس افطار کے بعد کچھ ایسی کیفیات ولذات محسوس ہوئیں کہ میں نے کبھی صوم میں نہیں دیکھی تھیں۔

(قاری محمد طیب صاحب) (ارواح ثلاثہ ۳۰۵)

علم ان کا ہے عمل میرا ہے

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دار العلوم دیوبند مرحوم نے فرمایا کہ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ ایسی مناسبت تھی کہ جو کچھ مولانا کے قلب پر وارد ہوتا تھا، اسی کا خیال مجھے گزرتا تھا۔ اور حضرت قبلہ والد مرحوم نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ دیوبند کا اہتمام کبھی خود نہیں فرمایا کہ اہتمام کے لئے مجھے طلب فرمایا۔ اور میں وہی کرتا جو انہیں مکشوف ہوتا ہے۔ علم ان کا ہے عمل میرا ہے۔ ان کے منشائے علمی وکشفی میں سمجھ کر فوراً عمل درآمد کرتا ہوں۔ (ارواح ثلاثہ ۲۳۱)

ایک فرشتہ

مولوی نظام الدین صاحب مغربی حیدرآبادی مرحوم نے جو مولانا رفیع الدین صاحب سے بیعت تھے، اور صالحین میں سے تھے۔ احقر سے فرمایا جبکہ احقر حیدرآباد گیا ہوا تھا کہ مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ میں پچیس برس حضرت مولانا نانوتویؒ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور کبھی بلا وضو نہیں گیا۔ میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا ہے وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا، جو انسانوں میں ظاہر ہو گیا۔ (ارواح ثلاثہ ۲۳۱)

طالب علم سے ملاقات

حضرت حاجی رفیع الدین صاحب قدس سرہ العزیز دارالعلوم دیوبند کے مہتمم نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے ایک مدرسہ قائم فرمایا ہے، اس مدرسہ میں ایک طالب علم سے شاہ رفیع الدین صاحب کی ملاقات ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد جب دارالعلوم دیوبند قائم ہو چکا اور حضرت حاجی رفیع الدین صاحب مہتمم بنائے گئے تو آپ نے ایک روز طالب علم کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ وہی طالب علم ہیں جن کو میں نے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مدرسہ میں دیکھا تھا۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی: ۵/۹۳)

گائے دارالعلوم کو دے دی

دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحب قدس سرہ اگرچہ ضابطے کے عالم نہ تھے لیکن حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلویؒ کے خلیفہ اور اس درجے کے بزرگ تھے کہ حضرت نانوتویؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا کہ:

> مولانا رفیع الدین صاحب اور حضرت مولانا گنگوہیؒ میں سوائے اس کے کوئی فرق نہیں کہ مولانا گنگوہیؒ عالم ہیں اور وہ عالم نہیں، ورنہ نسبت باطنی کے لحاظ سے دونوں ایک درجہ کے ہیں۔

ان کا ایک واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک گائے پال رکھی تھی جس کی دیکھ بھال ایک خادم کے سپرد تھی۔ ایک روز اتفاقاً وہ خادم کسی وجہ سے گائے کو مدرسے کے صحن میں باندھ کر کسی کام کو چلا گیا۔

دیوبند کے باشندے کوئی صاحب ادھر آنکلے، مولانا کی گائے کو مدرسے کے صحن میں دیکھا تو مولانا سے شکایت کی کہ کیا مدرسہ کا صحن آپ کی گائے پالنے کیلئے ہے؟ مولانا نے ان سے کوئی عذر بیان کرنے کی بجائے یہ گائے دارالعلوم ہی کو دے دی اور قصہ ختم کر دیا۔ حالانکہ مولانا کا عذر بالکل واضح اور ظاہر تھا مگر یہ حضرات اپنے نفس کی طرف سے مدافعت کا پہلو اختیار ہی نہ کرتے تھے۔ (اکابر دیوبند کیا تھے ۱۰۶)

حکیمانہ سرزنش

ایک مرتبہ انہوں نے محسوس کیا کہ بعض حضرات مدرسین دارالعلوم کے مقررہ وقت سے کچھ دیر میں آتے ہیں تو آپ نے حاکمانہ محاسبہ کی بجائے یہ معمول بنا لیا کہ روزانہ دارالعلوم کا وقت شروع ہونے پر دارالعلوم کے دروازے کے قریب ایک چارپائی ڈال کر اس پر بیٹھ جاتے اور جب کوئی استاد آتے تو سلام ومصافحہ اور دریافت خیریت پر اکتفاء فرماتے، زبان سے کچھ نہ کہتے کہ آپ دیر سے کیوں آئے۔ اس حکیمانہ سرزنش نے تمام مدرسین کو وقت کا پابند بنا دیا۔ البتہ صرف ایک مدرس اس کے بعد کچھ دیر سے آتے تھے۔ ایک روز جب وہ وقت مقررہ کے کافی بعد مدرسہ میں داخل ہوئے تو سلام اور دریافت خیریت کے بعد انہیں پاس بٹھا کر فرمایا:

"مولانا! میں جانتا ہوں کہ آپ کے مشاغل بہت ہیں، ان کی وجہ سے دارالعلوم پہنچنے میں دیر ہو جاتی ہے۔ ماشاء اللہ آپ کا وقت بڑا قیمتی ہے اور میں ایک بے کار آدمی ہوں، خالی پڑا رہتا ہوں، آپ ایسا کریں اپنے گھریلو کام مجھے بتلا دیا کریں، میں خود جا کر ان کو انجام دے دیا کروں گا تاکہ آپ کا وقت تعلیم کے لئے فارغ ہو جائے۔" اس حکیمانہ طرز خطاب کا اثر ہونا تھا، وہ ہوا اور وہ مدرس آئندہ ہمیشہ کے لئے وقت کے پابند ہو گئے۔ (اکابر دیوبند کیا تھے ۱۱۱)

آنحضرت ﷺ کا بتایا ہوا نقشہ

۱۸۷۵ء میں جب نودرہ کی عمارت کی (جو موجودہ عمارتوں میں سب سے پہلی عمارت ہے) کی بنیاد شروع ہوگئی تو آپ نے خواب میں دیکھا کہ نبی پاک ﷺ مجوزہ مقام پر تشریف رکھتے ہیں اور ان سے خطاب فرما رہے ہیں کہ یہ احاطہ تو بہت مختصر ہے یہ فرما کر خود عصائے

مبارک سے احاطہ و عمارت کا نقشہ کھینچ کر بتلایا کہ ان نشانات پر تعمیر کیا جائے اور مولانا نے صبح اٹھ کر دیکھا تو نشانات موجود تھے چنانچہ انہی نشانات پر بنیاد رکھوا کر تعمیر شروع کرائی گئی۔
(تاریخ دارالعلوم دیوبند ۲/۲۲۹)

یہ مدرسہ کا طالب علم نہیں ہے

حضرت مولانا رفیع الدین کے اہتمام کے زمانہ میں دارالعلوم میں پچاس ساٹھ طالب علم تھے جو بیس پچیس طلبہ مطبخ سے کھانا کھا لیتے تھے یہ کل کائنات تھی حضرت مولانا دارالعلوم کے احاطہ مولسری میں کھڑے تھے ایک طالب علم شوربہ کا پیالا لایا اور غصے سے مولانا کے سامنے پٹخ دیا اور کہا کہ یہ سالن ہے یا پانی ہے؟ یہ کھانا مطبخ سے کھلاتے ہو بے ادبی کے الفاظ بھی استعمال کئے کہ یہ ہے آپ کا اہتمام؟ مولانا نے تین مرتبہ سر سے پاؤں تک اس طالب علم کو دیکھا اور فرمایا یہ مدرسہ کا طالب علم نہیں ہے لوگوں نے کہا مدرسہ کا طالب علم ہے یہاں مقیم ہے مطبخ سے کھانا کھاتا ہے۔ فرمایا کچھ بھی ہو مدرسہ کا طالب علم نہیں طلبہ چپ رہے دو تین دن بعد کے بعد تحقیق سے معلوم ہوا کہ واقعی مدرسہ کا طالب علم نہیں تھا اس نام سے دھوکا دے کر مدرسہ سے کھانا لینے کے لئے داخل ہوا تھا۔ اہل مدرسہ نے آپ سے پوچھا کہ حضرت آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ مدرسہ کا طالب علم نہیں فرمایا جب مدرسہ کا اہتمام میرے سپرد ہوا پریشانی ہوئی کہ کس طرح یہ کام سنبھالوں گا اس عالم میں رات کو خواب میں دیکھا خواب میں مولسری کے کنوئیں کو دیکھا کہ کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے اور نبی پاک ﷺ اس کی من (منڈیر) پر بیٹھ کر دودھ تقسیم فرما رہے ہیں کسی کو لوٹا بھر کر دے رہے ہیں کسی کو بالٹی میں مل رہا ہے اور کوئی پیالہ بھر رہا ہے اور جس کے ساتھ برتن نہیں تو وہ چلو میں ہی لے کے چلا گیا اپنے اپنے ظرف کے مطابق لوگ دودھ بھر کے لے جا رہے ہیں ہزاروں کی تعداد ہے آنکھ کھل گئی تو میں نے مراقبہ کیا تعبیر کے لئے منکشف ہوا کہ یہ کنواں صورت مثالی ہے علم کی اور نبی پاک ﷺ کی صورت مثالی ہیں قاسم العلوم کی جو علم کو تقسیم کر رہے ہیں اور یہ لے جانے والے طلبہ ہیں جو بقدر ظرف لیتے جا رہے ہیں اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا نے فرمایا کہ جب شوال کا داخلہ ہوتا ہے تو میں فوراً طلبہ کو پہچان لیتا ہوں کہ یہ طلباء کہ اس مجمع میں موجود

تھا اب جب یہ طالب علم آیا تو میں نے اوپر سے نیچے دیکھ اس پر نگاہ ڈالی معلوم ہوا کہ یہ اس مجمع میں نہیں تھا۔ (خطبات حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب ۳۵۰/۶)

الہامی اہتمام

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں کہ دارالعلوم کے سب سے پہلے مہتمم حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تارک الدنیا اور نہایت قوی النسبت بزرگ تھے نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ کتاب پڑھ سکتے تھے مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ نے انہیں بلایا اور اہتمام پیش کیا آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا میں نہ تو لکھنا جانتا ہوں اور نہ پڑھنا مجھے مہتمم بنا کر کیا کیجئے گا؟ حضرت نے فرمایا نہیں منجانب اللہ یہی مقدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی اہتمام قبول کریں چنانچہ آپ نے قبول فرمالیا۔ (خطبات حکیم الاسلام ۳۴۹/۶)

امام مہدی کے لئے تحفہ

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے کنجی بردار شیبی کو بلا کر فرمایا شیبی: وہ وقت تجھے یاد ہے کہ (ہجرت مدینہ سے قبل) میں نے لجاجت سے التجا کی تھی کہ دو رکعت پڑھنے کی اجازت دے دے تو نے ڈانٹ دیا تھا اب تیرا کیا حشر ہونا چاہئے۔ اس پر شیبی نے ایک جملہ کہا کہ اخ کریم و ابن اخ کریم ایک کریم بھائی اور کریم پیغمبر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے شیبی یہ کعبہ کی کنجی تیرے حوالے کرتا ہوں قیامت تک تیرے ہی خاندان میں رہے گی کوئی دوسرا اسے حاصل نہیں کر سکے گا۔ اس واقعہ کے بعد عرب میں بیسیوں نئے انقلاب آئے حکومتیں بدلیں لیکن شیبی کا خاندان بدستور قائم ہے اور کعبہ کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں بلکہ مکہ کے آدھے بازاروں پر آج شیبی کا قبضہ ہے اس کی دولت کی کوئی انتہا نہیں اللہ والے بھی عجیب ہیں یہ ہر بات سے اپنی آخرت کا فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مہتمم مولانا شاہ رفیع الدین جو نقشبندیہ سلسلے کے اکابر میں سے تھے ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ آئے وہیں ان کی وفات ہوئی اور وہیں دفن ہوئے انہیں یہ حدیث معلوم تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیبی کو بیت اللہ کی کنجیاں سپرد کی ہیں۔ یہ ان کا ایمان تھا اور اللہ کے سچے رسول کا قول

تھا تو مولانا رفیع الدین کو عجیب ترکیب سوجھی، واقعی ان بزرگوں کو داد دینی چاہیے کہ کہاں ذہن پہنچا حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا دیان تھا کہ شیخی کا خاندان قیامت تک ضرور رہے گا اور جب حضرت مہدی کا ظہور ہوگا جب بھی یہ کلید بردار ہوگا جب وہ بیت اللہ کی دیوار سے ٹیک لگاتے ہوں گے اور مسلمانوں سے بیعت کریں گے تو بیت اللہ کے دروازے کی کنجیاں شیخی ہی کے خاندان کے پاس ہوں گی اور وہ اس وقت بھی موجود ہوگا یہ چند تبرکات ملا کر مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی نے ایک حمائل شریف اور ایک تلوار یہ دونوں لیں اور امام مہدی کے نام خط لکھا کہ فقیر رفیع الدین دیوبندی مکہ معظمہ میں حاضر ہے اور آپ اپنے زمانہ میں جہاد کی تربیت کر رہے ہیں مجاہدین آپ کے ساتھ ہیں جن کو وہ اجر ملے گا جو غزوۂ بدر کے مجاہدین کو ملا تھا رفیع الدین کی طرف سے یہ حمائل تو آپ کی ذات کے لئے ہدیہ ہے اور یہ تلوار کسی مجاہد کو دے دیجئے کہ وہ میری طرف سے جہاد میں شریک ہو جائے اور مجھے وہ اجر مل جائے جو غزوۂ بدر کے مجاہدین کو ملا تھا۔ یہ خط لکھ کر تلوار اور حمائل شیخی کے سپرد کی جو ان کے زمانہ میں شیخی تھا اور کہا کہ اگر تمہارا انتقال ہو جائے تو جو تمہارا قائم مقام ہو اسے وصیت کر دینا اور اس سے یہ کہہ دینا کہ جب اس کا انتقال ہو تو وہ اپنی اولاد کو وصیت کرے کہ رفیع الدین کی یہ تلوار اور حمائل شریف اس زمانہ میں جو شیخی ہو وہ میری طرف سے امام مہدی کو یہ دونوں ہدیے پیش کر دے حمائل شریف ان کی ذات کے لئے تحفہ ہے اور تلوار امانت ہے کہ وہ کسی مجاہد کو میری طرف سے دے دیں تاکہ جب وہ جہاد میں شریک ہو تو میری بھی شرکت ہو جائے اور اس اجر میں میں بھی حصہ پالوں۔ (خطبات حکیم الاسلام)

☆☆☆

شیخ الہند حضرت مولانا

محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

تحریک ریشمی رومال، تحریک خلافت، تحریک ترک موالات کے قائد

زندان مالٹا کے اسیر

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث

تحریک آزادی کے عظیم مجاہد

متحدہ ہندوستان کے قائد اعظم

پیدائش	وفات
۱۸۵۱ء	۱۹۲۰ء

آج سے ہندوستان میں جتنی آزادی کی لہر
اس میں پنہاں عزم محمود الحسن کی روح ہے
خون سے اپنے ولی اللہ نے سینچا جسے
ہر گل ایثار نو میں اس چمن کی روح ہے

غریبوں سے چندہ کرو

حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ سے ایک مدرسہ کے مہتمم نے عرض کیا کہ حضرت ضرورت ہوتی ہے مدارس میں چندہ کی اور چندہ مانگنے میں ذلت ہے تو کیا صورت کی جاوے۔ فرمایا کہ غریبوں سے مانگو کچھ ذلت نہیں، وہ جو کچھ بھی دیں گے نہایت خلوص اور تواضع سے دیں گے اور اس میں برکت بھی ہوگی۔ جامع اور مالدار اول تو بے چارے خود محتاج ہوتے ہیں پانچ سو کی آمدنی ہے اور چھ سو کا خرچ ہے۔ یہ تو رحم کے قابل ہیں (اور اگر کچھ دے بھی دیا تو محصل کو ذلیل اور خود کو بڑا سمجھ کر دیں گے۔ اس میں بے شک ذلت ہے۔ جامع)

(ارواح ثلاثہ ۳۵۶)

ہندو کی مہمان نوازی

مولوی محمود صاحب رامپوری کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے۔ میں حضرت مولانا دیوبندی کے یہاں مہمان ہوا اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھا پی کر میرے پاس آگیا کہ میں بھی یہاں ہی سوؤں گا۔ اس کو ایک چارپائی دے دی گئی، جب سب سو گئے رات کو میں نے دیکھا کہ مولانا مہمان خانہ میں سے تشریف لائے۔ میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا رہا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو میں امداد دے دوں گا ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کر کے کیوں پریشان کروں۔ میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کی طرف بڑھے اور اس کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانا شروع کئے۔ وہ خراٹے لے کر سوتا رہا۔ مولوی صاحب اٹھے اور یہ کہا کہ حضرت آپ تکلیف نہ کریں، میں دبا دوں گا۔ مولانا نے فرمایا کہ تم جا کر سو رہو، یہ میرا مہمان ہے، میں اس کی خدمت انجام دوں گا۔ مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولانا اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولانا میں تواضع و مہمان نوازی کی خاص شان تھی۔ (ارواح ثلاثہ ۳۵۶)

کھانا کھلا رخصت کیا

دیوبند کے بڑے جلسے کے زمانے میں ایک شخص نے مدرسہ میں گھوڑا دیا تھا۔ مولانا نے اس کو ایک مقام پر بھیج دیا کہ اس کو فروخت کر دیں۔ اس مقام سے ایک شخص گھوڑے کے متعلق ایک خط لایا تھا۔ اس زمانہ میں جلسے کا اہتمام ہو رہا تھا۔ مہتمم صاحب نے خط کا جواب دے کر اس کو رخصت کر دیا۔ مولانا دیوبندی نے مہتمم صاحب سے پوچھا کہ اس گھوڑے لانے والے کو کھانا بھی کھلایا تھا؟ مہتمم صاحب نے کہا کہ حضرت کھانا تو ہجوم اشغال میں نہیں کھلایا، پیسے دے دیئے ہیں، کچھ لے کر کھا لے گا۔ فرمایا، کافی نہیں۔ غریب آدمی پیسے نہیں خرچ کرتا، گھر کو باندھ کر لے جاتا ہے۔ اور لوگوں سے پوچھا کہ وہ شخص کس راستے سے گیا ہے۔ پتہ لگا کہ فلاں سڑک کو گیا ہے۔ مولانا ادھر ہی تشریف لے گئے اور اس کو واپس کر کے کھانا کھلا کر پھر رخصت کیا۔ (ارواح ثلاثہ ۳۵۶)

اہل بدعت کی بے عقلی

مولانا محمود حسن دیوبندیؒ بعض بدعتیوں کی حس اور عقل کے متعلق فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اپنے بچپن کے زمانے میں جبکہ اچھی طرح پیشاب کے بعد ڈھیلا لینا بھی نہ جانتا تھا کہ کسی کے ہمراہ پیران کلیر کے میلہ میں گیا۔ اتفاق سے جو غسل کا وقت تھا اس وقت میں خاص مزار شریف کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ سقہ آیا، اس نے ایک دم مشک چھوڑ دی اور اس کی مشک چھٹنے کے ساتھ ہی آدمیوں کا ریلا اندر آ گیا۔ میں چونکہ بچہ تھا، ہجوم کی وجہ سے اس پانی میں گر گیا اور تمام کپڑے شرابور ہو گئے۔ جب میں باہر نکلا تو لوگوں نے میرے تمام کپڑے اتار کر مجھے ننگا کر دیا اور اس کا پانی نچوڑ کر تبرک سمجھ کر پی گئے اور پائجامے کا پانی بھی پی گئے جو یقیناً ناپاک تھا۔ (ارواح ثلاثہ ۳۵۷)

اَشَدُّ کے معنی

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ دیوبندی مراد آباد کے جلسے میں تشریف لے گئے، لوگوں نے وعظ کے لئے اصرار کیا۔ مولانا نے عذر کیا کہ مجھے عادت نہیں ہے مگر لوگوں

نے نہ مانا۔ آخر مولانا کھڑے ہوئے اور حدیث فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔ وہاں ایک مشہور عالم تھے، وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آوے تو اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔ بس مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہیں مانا۔ خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہو گئی یعنی آپ کی شہادت۔ پھر حضرت مولانا نے ان بزرگ سے بطرز استفادہ پوچھا کہ غلطی کیا ہے تا کہ آئندہ بچوں۔ انہوں نے فرمایا کہ اشد کا ترجمہ اثقل نہیں آتا بلکہ اضر کا آتا ہے۔ مولانا نے فی الفور فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے یاتینی مثل صلصلة الجرس وهو اشد علی کیا یہاں بھی اضر کے معنی ہیں؟ وہ دم بخود رہ گئے۔ (ارواح ثلاثہ ۳۵۸)

اخلاص

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا دیو بندیؒ کو میں نے جلسۂ دستار بندی میں مدرسہ جامع العلوم کانپور بلایا، آپ تشریف لے گئے، میں نے وعظ کے لئے عرض کیا۔ فرمایا کہ میرے وعظ سے لوگ خوش نہ ہوں گے اور اس سے میرا تو کچھ نہیں جائے گا تمہاری ہی اہانت ہوگی کہ ان کے استاد ایسے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس سے تو ہمارا فخر ہوگا کہ ان کے استاد ایسے ہیں۔ فرمایا، ہاں اس طرح فخر ہوگا کہ لوگ کہیں گے کہ یہ (حضرت مرشدی مدظلہم) استاد سے بھی بڑھ گئے۔ غرضیکہ بڑی دقت کے بعد منظور فرمایا۔ مولانا کا علم اور علماء کا مجمع خوب طبیعت کھل ہوئی تھی۔ مضامین عالیہ ہو رہے تھے کہ اتنے میں مولوی لطف اللہ علی گڑھی تشریف لے آئے، ان کے دیکھتے ہی مولانا یکدم بیٹھ گئے۔ مولوی فخر الحسن صاحب نے دوسرے وقت عرض کیا کہ وعظ کیوں بند کر دیا تھا۔ فرمایا کہ اس وقت مجھ کو خیال ہوا کہ اب وقت ہے مضامین کا۔ یہ بھی دیکھیں گے کہ علم کیا چیز ہے، تو اس طرح سے وعظ میں خلوص نہ رہا اس لئے قطع کر دیا۔ (ارواح ثلاثہ ۳۵۸)

مجھے دیو بند طلب کیا گیا

(خان عبدالغفار خان) بادشاہ خان نے حضرت شیخ الہند اور ان کی تحریک کے ساتھ اپنی

وابستگی کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جنگ آزادی کے سلسلے میں حضرت شیخ الہند کو دیوبند میں مقیم افغانی طلباء کے ذریعہ میری سرگرمیوں کا علم ہوا۔ چنانچہ انہوں نے مجھے دیوبند طلب فرمایا اور میرے ساتھ تفصیلی گفتگو کی، پھر مجھے اپنی تحریک میں شامل کر لیا۔ اس لئے کہ ہم دونوں کا مقصد ایک ہی تھا یعنی انگریزوں کو نکالنا۔ (مولانا عزیز الرحمن حیدری اکوڑہ خٹک) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۳۹)

حضرت شیخ الہند کا دستخط سے انکار

شریف حسین کے ایماء پر ایک فتویٰ تیار کیا گیا جس میں ترکی حکومت کو ملحد اور شریف حسین کو خلیفۃ المسلمین کہا گیا تھا۔ اس پر بہت سے علماء عرب سے دستخط کرائے گئے۔ مگر حکومت برطانیہ کے ایجنٹوں نے ان دستخطوں کو دیکھ کر کہا کہ ان علماء کے دستخطوں سے ہمیں کیا فائدہ۔ ان کو دنیا میں کون جانتا ہے۔ ہمیں تو ہندوستان کے شیخ الہند اور شیخ الحرم کے دستخط اور مہر چاہئے، وہ ہمارے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ شریف حسین نے نقیب العلماء کی معرفت حضرت شیخ الہند کے پاس تحریر بھیجی۔ حضرت مدنی نے اس تحریر کو پڑھ کر فرمایا کہ اس تحریر کا عنوان بتا رہا ہے کہ خطاب علماء مکہ، خطیب مکہ اور مدرسین مکہ سے ہے۔ ہم لوگ علماء مکہ میں سے نہیں ہیں، اس لئے اس تحریر پر ہمارا کچھ لکھنا مناسب نہیں ہے۔ نقیب العلماء اس تحریر کو لے کر واپس ہو گئے مگر مکہ میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ حضرت شیخ الہند نے اس تحریر پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر مکہ کے اہل تعلق نے تشویش کا اظہار کیا تو حضرت شیخ الہند نے اور ان کے رفقاء نے فرمایا کہ اگر ہم کو دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا گیا تو پھر ہم صاف لکھیں گے کہ ترکی خلیفۃ المسلمین ہے اور شریف مکہ ملحد اور باغی ہے۔ اس پر بعض مخلصین نے پریشانی کا اظہار کیا تو حضرت شیخ الہند نے سختی کے ساتھ فرمایا کہ ایک طرف جان عزیز ہے دوسری طرف دیانت، اگر اس وقت ہم بزدل ہو گئے تو دیانت کی خیر نہیں۔ (تذکرہ شیخ مدنی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۲۰۷)

حضرت شیخ الہندؒ کے دوسرے رفقاء

غدار شریف حسین نے حضرت مولانا عزیز گل صاحب اور حکیم نصرت حسین صاحب کو بھی گرفتار کر لیا اور حضرت شیخ الہندؒ کے بارے میں تفتیش شروع کر دی۔ ان حضرات نے لاعلمی کا اظہار کیا، معلم پکڑا گیا (حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا وحید احمد ان ہی معلم کی نگرانی میں محفوظ مقام پر تھے)۔ ان سے پوچھا گیا، انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ پورے مکہ میں پولیس اور سی آئی ڈی نے حضرت شیخ الہندؒ کو تلاش کیا مگر کہیں پتہ نہ چلا تو غدار شریف حسین نے حکم دے دیا کہ حضرت کے رفقاء اور معلم سے معلوم کرو۔ اگر یہ لوگ نہ بتائیں تو معلم کو ننگا کر کے کوڑے لگائے جائیں اور معلمی سے برخواست کر دیا جائے اور شیخ الہندؒ کے رفقاء کو میرے سامنے گولی مار دی جائے۔ (مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۲۰۸)

حضرت گواہ رہنا، کلمہ پڑھکر جان دے رہا ہوں

حضرت مولانا عزیز گل صاحب اس واقعہ کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ مالٹا کی جیل میں کچھ ترکی سپاہی بھی قید تھے۔ ان میں آپس کی بات پر لڑائی ہوگئی جس کی بناء پر ایک سپاہی کی موت واقع ہوگئی۔ مارنے والے کو پھانسی کا حکم ہوگیا۔ جیل کے دستور کے مطابق افسران نے پھانسی پانے والے ملزم سے دریافت کیا کہ تمہاری آخری کوئی ایسی تمنا جس کو ہم پوری کر سکتے ہوں تو بتاؤ۔ اس نے کہا کہ میری آخری تمنا یہ ہے کہ مجھے شیخ الہندؒ سے ملا دیا جائے۔ افسران جیل حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ترکی سپاہی کی ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت نے منظور فرما لیا اور ترکی سپاہیوں کے کیمپ میں تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ سپاہی بہت ہشاش بشاش بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے، وہ سب حضرت کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا، مجھے کیوں یاد کیا گیا ہے؟ ان میں سے ایک سپاہی آگے بڑھا اور اس نے کہا کہ میں نے حضور کو تکلیف دی ہے، معاف فرمائیں۔ تکلیف دینے کی وجہ یہ ہے کہ مجھے کل پھانسی دی جائے گی، میری خواہش ہے کہ میں پھانسی کے تختہ پر کھڑا ہوں اور حضور میرے سامنے ہوں۔ حضرت نے بادل نخواستہ اس کو منظور فرمالیا۔

اگلے دن سپاہی بلانے کے لئے آیا حضرت تشریف لے گئے۔ ترکی سپاہی پولیس کے ساتھ خوشی خوشی پھانسی کے تختہ تک آیا پھر پھانسی کے تختہ پر کھڑا ہو گیا۔ پھندہ ڈالنے سے پہلے زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھ کر حضرت شیخ الہندؒ سے مخاطب ہو کر بولا، حضرت! قیامت کے دن گواہ رہنا کہ میں مسلمان ہوں بلکہ پڑھ کر جان دے رہا ہوں۔

حضرت حسب وعدہ اخیر تک پھانسی گھر میں موجود رہے۔ (حضرت مولانا عزیز گل)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۲۱۹)

مالٹا جیل میں گوشت سے پرہیز

حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کی جماعت نے شرعی وجہ نہ ہونے کی وجہ سے جیل میں گوشت کا استعمال نہیں فرمایا۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا کہ میرے اور شیخ الہندؒ کے نزدیک یہ گوشت حرام ہے، ہم میں سے کوئی نہیں کھائے گا۔ ہم تمام مسلمانوں کو تو نہیں روک سکتے مگر مشورہ ضرور دیں گے کہ کوئی مسلمان اس کو نہ کھائے۔ (تذکرہ شیخ مدنی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۲۱۹)

جیل میں حکیم صاحب کی لاش کو جلانے پر اصرار

اپنے رفیق کی بے بسی کی موت پر حضرت شیخ الہندؒ اور تمام رفقاء بے حد رنجیدہ تھے اور کفن دفن کی فکر میں تھے کہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں نے لاش کو جلانے کا حکم دیا ہے۔ رفقاء ڈاکٹروں اور افسروں سے ملے، سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ چونکہ یہ متعدی مرض تھا، اس لئے ان کو فوراً جلایا جائے گا۔ حضرت شیخ الہندؒ خود ان افسران کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ جلانا ہمارے مذہب کے خلاف ہے، ہم ان کو غسل دیں گے، کفن پہنائیں گے، نماز پڑھیں گے اور دفن کریں گے۔

ڈاکٹروں نے کہا کہ یہ مرض متعدی تھا اس لئے ان کو غسل نہیں دیا جا سکتا۔ اگر غسل دیا گیا اور پانی پھیلا تو تمام جیل میں بیماری پھیل جائے گی۔ حضرت شیخ الہندؒ کو جلال آ گیا اور فرمایا کہ تم ان کو ہرگز نہیں جلا سکتے، ہم ضرور ان کی نماز پڑھ کر دفن کریں گے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا جلال دیکھ کر تمام افسران منہ تکتے رہ گئے۔ کافی دیر کی خاموشی کے بعد ایک افسر نے نہایت نرم لہجہ میں کہا کہ آپ ان کو دفن کر سکتے ہیں مگر غسل، کفن اور نماز کا ارادہ نہ فرمائیں۔ مگر حضرت شیخ الہندؒ نے اسی تیز لہجہ میں فرمایا کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہم غسل کفن نماز سب کچھ کریں گے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے غصہ کو دیکھ کر پھر افسران نے مزید نرم بات کی اور کہا کہ آپ ہماری صرف ایک بات مان لیں، غسل نہ دیں، کفن پہنا کر نماز پڑھ کر دفن کر دیں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ان کی یہ بات مان لی اور غسل کی جگہ تیمم کرانے کا حکم دے دیا۔

(تذکرہ شیخ مدنی) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۲۲۲)

حکیم صاحب کی نماز جنازہ اور تدفین

۵۵ قیدیوں کے ہمراہ اپنے فدائی اور مخلص رفیق کی نماز جنازہ حضرت شیخ الہندؒ نے خود پڑھائی اور وطن سے ہزاروں میل دور وطن کی آزادی کی خاطر جیل کی سختیاں برداشت کرنے والے مجاہد کے جسد خاکی کو سلطان عبدالعزیز کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا۔ حضرت شیخ الہندؒ اور تمام رفقاء حکیم صاحب مرحوم کی وفات سے بے حد متاثر تھے۔ (تذکرہ شیخ مدنی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۲۲۳)

اس مرد خدا پر چل نہیں سکتا فسوں میرا!

یوپی کے گورنر سر جیمس امپسٹن نے اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند محمود الحسن صاحب دیوبندی (المتوفی ۱۳۳۹ھ) کے بارے میں ایک موقعہ پر کہا تھا کہ:

"اگر اس شخص کو جلا کر خاک بھی کر دیا جائے تو وہ بھی اس کوچہ سے نہیں اڑے گی جس میں کوئی انگریز ہو گا۔"

نیز یہ بھی ان کا ہی مقولہ ہے کہ:

"اگر اس شخص کی بوٹی بوٹی کر دی جائے تو ہر بوٹی سے انگریزوں کے خلاف عداوت ٹپکے گی۔ (حاشیہ سوانح قاسمی جلد دوم ص ۸۳ مصنفہ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ)

غالباً ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا گیا ہے کہ:

وہی مومن ہے جس کو باطل دیکھ کر پکار اٹھے
کہ اس مرد خدا پر چل نہیں سکتا فسوں میرا

(بیس بڑے مسلمان: ۱۴۲)

سی آئی ڈی کی تفتیش سے بچ کر نکل جانا

بمبئی میں سی آئی ڈی کو اور حضرت شیخ الہند کے مخلصین کو خیال تھا کہ اسی جہاز میں حضرت شیخ الہند تشریف لائیں گے۔ اس لئے انگریزی پولیس سی آئی ڈی اور اہل شہر کا بہت بڑا مجمع جہاز پر پہنچ گیا تھا۔ اسی مجمع میں سے ایک صاحب نے جو حضرت شیخ الہند کے مخلصین میں سے تھے۔ مولانا ہادی حسن صاحب سے کہا کہ اگر کوئی چیز محفوظ رکھنی ہو تو مجھ کو فوراً جواب دے دیجئے، میں اس کو نکال دوں گا اور جہاں پہنچانا ہو، اس کا پتہ دے دیجئے، وہاں پہنچا دوں گا۔

مولانا ہادی صاحب اگرچہ پہلے سے ان سے واقف نہیں تھے مگر ان کے مخصوص انداز سے ان کے اخلاص و صداقت کا یقین ہو گیا اور صندوق ان کے حوالے کر دیا۔ یہ صاحب عام مسافروں کے سامان کے ساتھ یہ صندوق بھی قلیوں سے اٹھوا کر لے گئے اور فوراً اسٹیشن لے جا کر بذریعہ پارسل چلتا کر دیا۔

پولیس اور سی آئی ڈی حضرت شیخ الہند کو ڈھونڈنے میں مشغول تھی۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ حضرت شیخ الہند نہیں ہیں، البتہ ان کے ساتھ کے کچھ لوگ ہیں تو پولیس نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور مولانا ہادی حسن صاحب کو حراست میں لے لیا اور نہایت سخت تلاشی لی۔ حتیٰ کہ ہاتھ کی چھڑی بھی توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دی مگر بحمد اللہ کوئی مشتبہ چیز نہیں نکلی۔

پھر ان سب کو پولیس کی حراست میں نینی تال پہنچا دیا گیا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے پوچھ گچھ ہوئی تو فرمایا کہ میں فلاں جہاز سے فلاں تاریخ کو گیا تھا۔ مولانا محمود حسن صاحب کا ساتھ نہ جاتے میں تھا نہ آتے میں۔ البتہ عام حاجیوں کی طرح حج و زیارت میں میری شرکت بھی رہی۔ میں ان کی پارٹی میں نہیں ہوں۔

ایک ہفتہ یا عشرہ حضرت مولانا موصوف کو رکھ کر چھوڑ دیا گیا۔ البتہ مولانا ہادی حسن

صاحب کو روک لیا گیا۔ ان سے بہت زیادہ پوچھ گچھ ہوئی، ڈرایا دھمکایا گیا، سختی بھی کی گئی اور لالچ بھی دیا گیا مگر یہ نہایت مستقل رہے، کسی راز کی خبر نہیں دی۔ جب ہر قسم کی سختی اور طمع دینے پر بھی کوئی بات معلوم نہیں ہوئی تو ایک ڈیڑھ دن بعد آپ کو بھی رہا کر دیا گیا۔

(تین بڑے مسلمان: ۲۶۳)

تلاشی اور حضرت شیخ الہندؒ قدس اللہ العزیز کی کرامت

تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد ایک صاحب کے بیان سے سی آئی ڈی نے پتہ چلا لیا کہ وہ کاغذات ایک صندوق میں مولانا ہادی حسن صاحب کے یہاں ہیں۔ فوراً مولانا کے مکان پر پولیس کی دوڑ پہنچی اور مکان کا محاصرہ کر لیا۔ ایک عجیب و غریب اتفاق تھا کہ مولانا محمد نبی صاحب اس وقت ان تحریروں کو نکالے ہوئے نقل کر رہے تھے۔ سپاہیوں کی دوڑ دیکھ کر جلدی میں ان کاغذات کو توڑ مروڑ کر صدری کی جیب میں رکھ لیا اور صدری مردانہ مکان میں ایک کھونٹی پر لٹکا دی۔

تلاشی دس بجے شروع ہوئی اور نہایت سختی کے ساتھ چار بجے تک جاری رہی۔ عورتوں کو ایک کمرہ میں الگ بند کر دیا تھا۔ ہر شخص کی تلاشی لے کر مردانہ مکان سے بھی نکال دیا گیا۔ صرف ایک نمبردار صاحب پولیس کے ساتھ رہے تھے۔ ہر ایک چیز کی تلاشی لی گئی۔ کھیل کھلونوں اور عورتوں بچوں کی ڈبیوں تک کو کھول کھول کر دیکھا گیا، کپڑوں کے صندوق کی کم بختی آئی۔ اس کا ایک ایک تختہ توڑ کر ریزہ ریزہ کیا گیا مگر جس چیز کی تلاش تھی وہ دستیاب نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ صندوق وہ صندوق ہی نہ تھا۔ اور عجیب اتفاق یا حضرت شیخ الہندؒ کی کرامت یہ تھی کہ اس صدری پر کسی کی نظر نہ گئی جو مردانہ مکان میں سب کے سامنے کھونٹی پر ٹنگی ہوئی تھی اور جس میں وہ خزانہ تھا جس کی جستجو میں پولیس سرگرداں تھی۔ چھ گھنٹہ کی سرگرم تفتیش اور تلاشی کے بعد پولیس کو ناکام واپس ہونا پڑا۔

موضع رحیمی ضلع مظفر نگر میں ہے۔ یہاں جناب حاجی نور الحسن صاحب رہتے تھے جن کے متعلق حضرت شیخ الہندؒ قدس اللہ العزیز نے یہ طے فرما دیا تھا کہ وہ ان تحریروں کے فوٹو لے کر اور اس کی کاپیاں کرا کر فلاں فلاں مرکز میں بھیجیں گے۔ پولیس حاجی صاحب کے یہاں بھی

پہنچی مگر ناکام واپس ہوئی۔ (بیس بڑے مسلمان: ۲۶۳)

حاجی احمد مرزا فوٹوگرافر دہلی کے یہاں تلاشی اور ناکامی

سراغ رساں نے پولیس کو صحیح بتایا تھا کہ حاجی احمد مرزا صاحب کے یہاں تحریروں کے فوٹو لیے جائیں گے۔ چنانچہ پولیس نے حاجی صاحب کی دکان پر چھاپہ مارا۔ مگر اب تک وہ تحریریں حاجی صاحب کے یہاں نہیں پہنچی تھیں۔ حاجی نورالحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی وقت ان کو لے جارہے تھے۔ جب حاجی صاحب فوٹوگرافر صاحب کی دوکان کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ پولیس دوکان کا محاصرہ کئے ہوئے ہے۔ حاجی صاحب ان تحریروں کو جیب میں ڈالے ہوئے الٹے پاؤں واپس ہو گئے۔

دوسرے وقت حاجی نورالحسن صاحب مرزا صاحب کی دوکان پر پہنچے۔ مرزا صاحب کی ثابت قدمی اور پختگی ملاحظہ کیجئے کہ پولیس ایک دفعہ چھاپہ مار چکی ہے، خدشہ اور خطرہ موجود ہے۔ مگر ہر خطرہ سے بے نیاز ہو کر حاجی صاحب نے فوٹو لیے۔ عین اس وقت کہ پلیٹیں پانی میں پڑی ہوئی تھیں اور پانی کا طشت میز کے نیچے رکھا ہوا تھا، پولیس پہنچ گئی۔ ساری دکان چھان ماری، ہر ایک البم ٹٹولا مگر اس طشت پر کسی کی نظر نہ گئی۔

اس کو حضرت شیخ الہندؒ کی کرامت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ بہرحال پولیس یہاں سے بھی ناکام واپس ہوئی۔ (بیس بڑے مسلمان: ۲۶۳)

بمبئی پہنچنے اور خلافت کمیٹی کے استقبال کرنے کی کیفیت

بمبئی پہنچنے پر سب سے پہلے سی آئی ڈی کا افسر انگریز مع دو تین ہندوستانی افسروں کے آیا اور حضرت شیخ الہندؒ سے کہا کہ میں تنہائی میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ حضرت اس کے ساتھ کمرہ میں چلے گئے۔ اس نے کہا، ”مولوی رحیم بخش صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں، آپ بغیر ان کو ملے ہرگز جہاز سے نہ اتریں۔“ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

ہمیں جہاز پر ہی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اب ہم بالکل آزاد ہیں۔ ہم نے مولوی رحیم بخش صاحب کا بہت انتظار کیا۔ جب وہ پہنچے تو میں اور مولانا عزیز گل صاحب اسباب لے کر کنارہ

پر چلے گئے۔ بعد کو مولوی رحیم بخش صاحب آئے۔ حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ آپ کے لئے اسپیشل ڈبہ ریل میں ریزرو کرادوں گا۔ آپ ابھی اتریں اور ریل پر چلیں۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ انتظار کریں، حسین احمد اور مولوی عزیز گل کنارے پر چلے گئے ہیں، وہ آجائیں تو روانگی ہو سکے گی۔

چونکہ ہمارے کنارہ پر پہنچتے پر زور کی بارش ہوگئی اور دریا میں طوفان آ گیا۔ جہاز دریا میں کنارہ سے دور لنگر انداز ہوا تھا۔ اس لئے اس روز کوئی ہوڑی حضرت شیخ الہندؒ کو جہاز سے لانے کے لئے نہ مل سکی۔ اگلے روز بائیس رمضان کو حضرت اتر سکے۔ مولوی رحیم بخش گورنمنٹ کے بھیجے ہوئے آئے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ تحریک خلافت میں شریک نہ ہوں اور بالا بالا ریل پر سوار ہو کر دیوبند چلے جائیں، سیاسیات سے بالکل کنارہ کش ہو جائیں۔ اسی لئے وہ اگلے دن اتارنے کے لئے اسٹیج پر پہنچے۔

مگر جب لانچ کنارہ پر پہنچی تو مولانا شوکت علی مرحوم اور ہزاروں اشخاص ممبران خلافت کمیٹی نے زوردار استقبال کیا۔ نعرہ ہائے تکبیر سے فضا گونج اٹھی اور حضرت کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور کار میں سوار کر کے اپنی قیامگاہ پر جس کو پہلے سے تجویز کر چکے تھے، لے گئے۔ مولوی رحیم بخش صاحب ہجوم کی شدت کی وجہ سے حضرت کے پاس بھی نہیں پہنچ سکے۔

چونکہ خلافت کی تحریک اور اس کے جملہ کارکن حضرت کے مذاق، آزادی ہند اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے ہمنوا تھے، اس لئے بالطبع ان سے مل گئے اور مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۴۷)

حضرت شیخ الہندؒ کی عام مقبولیت

ایک وہ زمانہ تھا کہ نہ صرف احباب بلکہ تلامذہ، مریدین اور عزیز و اقارب کو یقین تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کو پھانسی دی جا چکی۔ ورنہ کم از کم حبس دوام اور عبور دریائے شور کی سزا پا ئیں گے۔ اس لئے مریدوں اور شاگردوں تک نے نہ صرف تعلق ارادت اور شاگردی سے انکار کر دیا تھا، بلکہ تعارف سے بھی منکر ہو گئے تھے۔ خاص خاص لوگ نہ صرف مکان پر آتے ہوئے گھبراتے تھے بلکہ اس محلہ اور کوچہ میں بھی نہیں گزرتے تھے جہاں حضرت کا

دولت خانہ تھا۔ اور حضرت کے تحقیر و ملامت کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ بعض مدعیان
اخلاص تو جان و عزت کے خطرہ سے انگریزوں کے سی آئی ڈی اور مخبر بن گئے تھے۔

اب یہ زمانہ بھی سامنے آ گیا کہ ہندوستان اور بیرون ہند جہاں بھی حضرت شیخ پہنچے،
لوگ سروں پر بٹھاتے۔ ہر اسٹیشن پر عقیدت مند مخلصین کا ہجوم پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑتا تھا۔
حضرت شیخ الہندؒ تک پہنچنا اور آپ سے مصافحہ کرنا جوئے شیر لانے سے کم دشوار نہ تھا۔ دہلی،
غازی آباد، میرٹھ، میرٹھ چھاؤنی، مظفر نگر، دیوبند وغیرہ میں یہ حالت تھی کہ باہر لے جانے یا
عوام کی زیارت کرانے کے لئے لوگوں کو سروں پر اٹھانا پڑا۔ لوگ اس مقبولیت کو دیکھتے تھے اور
انگشت بدنداں تھے کہ کیا سے کیا ہو گیا۔

**ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء يعز من يشاء و يذل من يشاء انه على كل
شيء قدير۔** (بیس بڑے مسلمان: ۲۷۵)

غدار شریف حسین کا انجام

جب شریف حسین نے دنیاوی لالچ میں آ کر انگریزوں کا ساتھ دیا اور اسلامی ترکی
حکومت کو جو کہ اس کی اور اس کے آباؤ اجداد اور اولاد و خاندان کی ولی نعمت بھی تھی، کفران نعمت
کر کے برباد کر دیا تو حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا تھا:

بابدل　یار　شد　شریف　حسین
خاندان　شرافتش　گم　شد

چنانچہ تھوڑے ہی زمانے کے بعد شرافت کا عہدہ اور امتیاز تمام مکہ معظمہ اور حجاز بلکہ عرب سے مٹا
دیا گیا۔ شریف حسین کو اس کے آقاؤں نے ہی نظر بند کر کے جزیرہ سائپرس (قبرص) پہنچا دیا
اور وہ اسی طرح وہاں بے چارگی کی حالت میں مر گیا۔ آخرت کی خبر خدا جانے۔

اس کے لڑکوں شریف عبداللہ کو شرق اردن کی بے برگ و بے گیاہ وادی کا ایک چھوٹا سا
ٹکڑا اور شریف فیصل کو ناسور پڑا ہوا (عراق) کا برباد شدہ اور غیر آباد صوبہ دے دیا۔ اور پھر جو
اس کے قتل وغیرہ کے واقعات پیش آئے ان کے بیان کی کوئی ضرورت نہیں۔ شریف کے ساتھ
غدر کرنے والے سوریا اور فلسطین کے عرب باشندوں کا جو حشر فرانس اور اسرائیل (یہودیوں)

کے ہاتھ سے کرایا گیا، وہ تاریخ کے سیاہ اوراق اور عربوں کے زخمی اور گہرے گھاؤ والے دلوں سے پوچھئے۔ جن پر یورپ کی تیراندازی آج تک ختم ہونے میں نہیں آتی اور آئے دن قیامت پر قیامت ٹوٹتی رہتی ہے۔

ان ربک لبالمرصاد

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافات عمل غافل مشو

(بیس بڑے مسلمان: ۲۸۱)

شیخ الہند کا خطاب اور قدوم مبارک کی برکات

حضرت کی تشریف آوری اور خلافت کمیٹی کی شرکت اور تائید اور آزادی ملک کی تڑپ اور اس راستے میں جان بازی اور استقلال و اخلاص۔ . . یہ ایسے امور تھے کہ قلوب کو مسخر نہ کریں۔ چنانچہ عام مسلمانوں کے قلوب آپ کی طرف نہایت اخلاص کے ساتھ جھک گئے اور عموماً لوگوں میں انتہائی محبت اور قبولیت جاگزیں ہوگئی۔ چنانچہ خلافت کمیٹی کے زعماء نے آپ کے لئے شیخ الہند کا لقب تجویز کیا جو کہ ہر طرف اور ہر جماعت میں مقبول ہوگیا اور بمنزلہ جزء بھی بن گیا اور باوجودیکہ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تقریر کے عادی نہ تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں مقبولیت نے خلقت میں ایسی قبولیت پیدا کردی کہ لوگ عموماً آپ پر پروانہ وار فدا ہونے لگے۔ اور یہ تحریک خلافت اور آزادی بڑی طاقت کے ساتھ مسلمانوں کے دل اور دماغ پر چھا گئی۔ (بیس بڑے مسلمان: ۲۸۳)

استاد کا ادب و احترام

مفتی محمود حسن صاحب نے بروایت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ایک واقعہ سنایا کہ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سفر حجاز کے لئے تشریف لے جارہے تھے اور وہاں سے گرفتار ہو کر مالٹا گئے، اس وقت کی بات ہے کہ ہمارے مکان پر تشریف لائے، دادی صاحبہ (اہلیہ محترمہ حضرت مولانا نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہا کی خدمت میں عرض کیا کہ ای

جی! میں نے آپ کی کوئی خدمت نہیں کی بہت شرمندہ ہوں، اب سفر میں جا رہا ہوں، ذرا اپنا جوتا دیجئے۔ انہوں نے پس پردہ سے جوتا آگے بڑھا دیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو لے کر اپنے سر پر رکھا اور روتے رہے کہ میری کوتاہیوں کو معاف فرما دیجئے۔

(آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ: ۲۵۸)

کمر پر ہڈیوں کے سوا کچھ نہ تھا

جب شیخ الہندؒ کی میت کو غسل دینے کے لئے تختے پر لٹایا گیا تو دیکھنے والے یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ کمر پر ہڈیوں کے سوا کچھ نام کو نہیں تھا۔ اس کے متعلق آپ کے رفیق جیل اور شاگرد مولانا حسین احمد مدنیؒ سے دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مالٹا کے شب و روز میں شیخ الہندؒ کو ایک تہہ خانہ میں لے جا کر اوندھے منہ لٹایا جاتا اور ان کی کمر پر گرم سلاخیں دھری جاتیں اور آزادیٔ ہند کے موقف کو تبدیل کرنے پر اصرار کیا جاتا تھا۔ مگر استاد محترم ہر دم ایسا جواب دیتے کہ ظلم کرنے والے بھی اشکبار ہو جاتے۔ چنانچہ انہوں نے تمام حیلوں کے بعد آپ کو ثابت قدم پایا تو اس فعل سے رک گئے۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ کا بیان ہے کہ مجھے شیخ الہندؒ نے قسم دے کر زندگی میں یہ بات افشا نہ کرنے کو کہا تھا۔ (یورپ کے سنگین جرم: ۵۳)

شوق جہاد

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں حضرت شیخ الہند قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے جو جذبۂ جہاد عطا فرمایا تھا اس کے بارے حضرت والد صاحب (مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ) نے بارہا یہ واقعہ آبدیدہ ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں سنایا کہ ایک مرتبہ مرض وفات میں حضرت کو خدام میں سے کسی نے آپ کو مغموم دیکھا وہ یہ سمجھے کہ زندگی سے مایوسی کی بنا پر پریشان ہیں، چنانچہ انہوں نے کچھ تسلی کے الفاظ کہنے شروع کئے اس پر حضرت نے فرمایا اس مرنے کا کیا غم؟ غم تو اس بات کا ہے کہ بستر پر مر رہا ہوں ورنہ تمنا تو یہ تھی کہ کسی میدان جہاد میں مارا جاتا سر کہیں ہوتا اور ہاتھ پاؤں کہیں ہوتے (اکابر دیوبند کیا تھے: ۱۹)

للّٰہیت کا بے مثال واقعہ

مولانا محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی جب کانپور میں مدرس تھے انہوں نے مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر اپنے استاد حضرت شیخ الہند کو بھی مدعو کیا کانپور میں بعض اہل علم معقولات کی مہارت میں معروف تھے اور کچھ بدعات کی طرف مائل تھے ادھر علماء دیوبند کی توجہ چونکہ خالص دینی علوم کی طرف رہتی تھی اس لئے یہ حضرات یوں سمجھتے تھے کہ علماء دیوبند کو معقولات میں کوئی درک نہیں حضرت تھانوی اس وقت جوان تھے اور ان کے دل میں حضرت شیخ الہند کو مدعو کرنے کا ایک داعیہ یہ بھی تھا کہ یہاں حضرت کی تقریر ہوگی کانپور کے علماء کو پتہ چلے گا کہ علماء دیوبند کا علمی مقام کیا ہے؟ اور وہ منقولات و معقولات دونوں میں کیسی کامل دستگاہ رکھتے ہیں چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہند کی تقریر شروع ہوئی۔ حسن اتفاق سے تقریر کے دوران کوئی معقول مسئلہ زیر بحث آ گیا اس وقت تک وہ علماء جن کو حضرت تھانوی حضرت شیخ الہند کی تقریر سنانا چاہتے تھے جلسہ میں نہیں آئے تھے جب حضرت کی تقریر شباب پر پہنچی اور معقولی مسئلہ کا انتہائی فاضلانہ بیان ہونے لگا تو وہ علماء تشریف لائے جن کا حضرت تھانوی کو انتظار تھا حضرت تھانوی اس موقع پر بہت مسرور ہوئے کہ اب ان حضرات کو حضرت شیخ الہند کے علمی مقام کا اندازہ ہوگا لیکن ہوا یہ کہ جونہی حضرت شیخ الہند نے ان علماء کو دیکھا تقریر کو مختصر کر کے فوراً ختم کر دیا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی موجود تھے انہوں نے یہ دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ حضرت اب تو تقریر کا اصل وقت آیا تھا آپ بیٹھ کیوں گئے؟ شیخ الہند نے جواب دیا ہاں! دراصل یہی خیال مجھے بھی آ گیا تھا' مطلب یہی تھا کہ اب تک تو تقریر نیک نیتی سے خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو رہی تھی لیکن یہ خیال آنے کے بعد اپنا علم جتانے کے لئے ہوتی اس لئے اسے روک دیا۔ (اکابر دیوبند کیا تھے ص ۲۰)

تواضع کی انتہا

مدرسہ معینیہ اجمیر کے معروف عالم حضرت مولانا معین الدین صاحب معقولات کے

مسلمہ عالم تھے۔انہوں نے شیخ الہند کی شہرت سن رکھی تھی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا تو ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند کے مکان پر پہنچ گئے گرمی کا موسم تھا وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو صرف بنیان اور تہبند پہنے ہوئے تھے۔مولانا معین الدین صاحب نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ مجھے حضرت مولانا محمود حسن صاحب سے ملنا ہے وہ صاحب بڑے تپاک سے مولانا اجمیری کو اندر لے گئے آرام سے بٹھایا اور کہا کہ ابھی ملاقات ہو جاتی ہے‘ مولانا اجمیری منتظر رہے اتنے میں وہ شربت لے آئے اور مولانا کو پلایا اس کے بعد مولانا اجمیری نے کہا کہ حضرت مولانا محمود حسن کو اطلاع دیجئے‘ ان صاحب نے کہا آپ بے فکر رہیں اور آرام سے تشریف رکھیں تھوڑی دیر بعد وہ صاحب کھانا لے آئے اور کھانے پر اصرار کیا‘ مولانا اجمیری نے کہا کہ میں مولانا محمود حسن صاحب سے ملنے آیا ہوں آپ انہیں اطلاع کر دیجئے ان صاحب نے فرمایا انہیں اطلاع ہوگئی ہے آپ کھانا تناول فرمائیں‘ ابھی ملاقات ہو جاتی ہے۔مولانا اجمیری نے کھانا کھالیا تو ان صاحب نے انہیں پنکھا جھلنا شروع کر دیا جب کچھ دیر گزر گئی تو مولانا اجمیری برہم ہو گئے اور فرمایا آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں میں مولانا سے ملنے آیا تھا اور اتنی دیر ہو چکی ہے ابھی تک آپ نے ان سے ملاقات نہیں کرائی اس پر وہ صاحب بولے کہ دراصل بات یہ ہے کہ یہاں مولانا تو کوئی نہیں البتہ محمود خاکسار ہی کا نام ہے‘ مولانا معین الدین یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے اور پتہ چل گیا کہ حضرت شیخ الہند کیا چیز ہیں۔

(اکابر دیوبند کیا تھے:۴۲)

ہندوستان کے محدث مولانا محمود حسن یہی ہیں

حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب حضرت شیخ الہند کے سفر حج کے موقع پر بمبئی کا واقعہ لکھتے ہیں کہ بمبئی کے قیام کے دوسرے روز جمعہ واقع ہوا تو حضرت مولانا جامع مسجد میں نماز کے لئے تشریف لے گئے کوکنی قوم کے خطیب صاحب جو شافعی المذہب اور نہایت دیندار بزرگ تھے نماز کے بعد مصافحہ کے لئے بڑھے اور لوگوں سے کہا کہ ہندوستان کے محدث مولانا محمود حسن صاحب یہی ہیں پھر کیا تھا مصافحہ اور دست بوسی کے ہجوم سے حضرت کو نکلنا دشوار ہوگیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت کی شہرت صرف نظر بندی سے ہوئی ہے وہ اپنی غلطی کا یہاں

سے اندازہ کرلیں۔ (حیات شیخ الہند ۴۲)

جمعیت الانصار کا پہلا اجلاس

جمعیت الانصار کا سب سے پہلے اجلاس ۱۵۔۱۶۔۱۷ اپریل ۱۹۱۱ء کو مراد آباد کی سرزمین پر ہوا طاعون کی شدت کے باعث کلکٹر صاحب مراد آباد نے ان تاریخوں میں جلسہ کی ممانعت کردی تھی منتظمین جلسہ نے کلکٹر صاحب سے کہا کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ علماء کی تشریف آوری سے طاعون جاتا رہے گا اظہار عقیدت انداز کچھ ایسا تھا کہ کلکٹر بھی متاثر ہوا اس نے اجازت دے دی اور قادر مطلق نے فضل و کرم سے اس عقیدہ کی تصدیق کردی چنانچہ اس جلسہ کے آغاز کے ساتھ ہی طاعون ختم ہوگیا مولانا محمد میاں فرماتے ہیں کہ شیخ الہند نور اللہ مرقدہ نے جمعیت الانصار کے قیام سے قبل حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوری حضرت مولانا امروہوی حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو جمع کر کے زمانہ کی موجودہ ضرورتیں ان کے سامنے پیش کیں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے تو ضعف قلب کا عذر کر کے معذرت کرلی اور باقی سب حضرات نے موافقت فرمائی۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی ۱۳۰/۵)

فکر عالم

حضرت مولانا حسین احمد مدنی فرماتے ہیں بلقان کے خونخوار اور طرابلس کے سنگین واقعات نے مولانا (حضرت شیخ الہند) کے دل و دماغ پر نہایت عجیب مگر بے چین کن اثر ڈالا چنانچہ اس وقت حسب طریقہ استاذ اکبر مولانا محمد قاسم نانوتوی (بزمانہ جنگ روس) مولانا شیخ الہند نے امداد کی پوری جان توڑ کوشش فرمائی فتوے چھپوائے مدرسہ (دارالعلوم دیوبند) کو بند کردیا طلبہ کے وفود بھجوائے خود بھی ایک وفد کے ساتھ نکلے چندے کئے اور ہر طرح سے مدد کی ترغیب دے کر ایک اچھی مقدار بھجوائی مگر اس پر بھی چین نہ پڑا کیونکہ جنگ بلقان کے نتیجہ نے دوربینوں کو بالکل غیر مطمئن کردیا تھا اور بتا دیا تھا کہ یورپ کے سفید عفریت اسلام کے ٹمٹماتے چراغ کو گل کردینے کی فکر میں ہے۔ الحاصل مولانا نے تھوڑی مدت میں بہت کچھ کامیابی حاصل کرلی اور کام کرنے والوں کے لئے شاہراہ عمل قائم کردی اصحاب دل اور اہل درد خوشی

خوشی مولانا کے ہمراز ہو گئے اور علاوہ اس کے اور بھی بہت سے کام ہو گئے۔

(علماء ہند کا شاندار ماضی ۵/۲۳ ا سفرنامہ شیخ الہند)

سوال و جواب

حضرت شیخ الہند کو گرفتار کرنے کے بعد بہت سے سوالات ہوئے حضرت نے بے التفاتی اور لاپرواہی سے اس کے جواب دیئے جس سے حضرت شیخ الہند کی ذہانت ذکاوت حاضر جوابی کے اندازہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ انقلابی عالم کس طرح اپنے دشمن کو بے وقوف بنا سکتا ہے۔

سوال: آپ کو شریف نے کیوں گرفتار کیا؟

جواب: اس کے محضر پر دستخط نہ کرنے کی بنا پر۔

سوال: آپ نے اس پر دستخط کیوں نہ کیے؟

جواب: خلاف شریعت تھا۔

سوال: آپ کے سامنے مولوی عبدالحق حقانی کا فتوی ہندوستان میں پیش کیا گیا۔

جواب: ہاں۔

سوال: پھر آپ نے کیا کیا؟

جواب: رد کر دیا۔

سوال: کیوں؟

جواب: خلاف شرع تھا۔

سوال: آپ مولوی عبدالحق کو جانتے ہیں؟

جواب: ہاں۔

سوال: کہاں سے؟

جواب: انہوں نے دیوبند میں عرصہ دراز تک مجھ سے پڑھا ہے۔

سوال: ریشمی خط کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: مجھے کچھ علم نہیں نہ میں نے دیکھا ہے۔

سوال: وہ لکھتا ہے کہ آپ اس کی سیاسی سازش میں خلاف برطانیہ شریک ہیں اور آپ فوجی کمانڈار ہیں۔

جواب: اگر وہ لکھتا ہے تو اپنے لکھنے کا وہ خود ذمہ دار ہوگا بھلا میں اور فوجی کمانداری میری جسمانی حالت ملاحظہ فرمایئے اور پھر عمر کا اندازہ کیجئے میں نے تمام عمر درس میں گزاری مجھے فنون حربیہ اور فوج کی کمان سے کیا نسبت؟

سوال: مولوی عبیداللہ صاحب نے دیوبند میں جمعیۃ الانصار کیوں قائم کی تھی؟

جواب: مدرسہ کے مفاد میں۔

سوال: پھر کیوں علیحدہ کیا گیا؟

جواب: آپس کے اختلاف کی وجہ سے۔

سوال: کیا اس کا مقصد اس جمعیۃ سے کوئی سیاسی امر نہیں تھا۔

جواب: نہیں۔

سوال: غالب نامہ کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: غالب نامہ کیسا۔

سوال: غالب پاشا۔ گورنر حجاز کا خط جس کو محمد میاں لے کر گئے ہیں اور آپ نے غالب پاشا سے اس کو حاصل کیا تھا ہے۔

جواب: مولوی محمد میاں کو میں جانتا ہوں وہ میرا رفیق سفر تھا۔ مدینہ منورہ سے وہ مجھ سے جدا ہوا ہے وہاں سے لوٹنے کے بعد ان کو جدہ اور مدینہ میں تقریباً ایک ماہ ٹھہرنا پڑا تھا غالب پاشا کا خط کہاں ہیں؟ جس کو آپ میری طرف منسوب کرتے ہیں۔

سوال کنندہ: محمد میاں صاحب کے پاس۔

حضرت شیخ: مولوی محمد میاں کہاں ہیں۔

سوال کنندہ: وہ بھاگ کر حدود افغانستان میں چلا گیا ہے۔

حضرت شیخ: پھر آپ کو خط کا پتہ کیوں کر چلا؟

سوال کنندہ: لوگوں نے دیکھا۔

حضرت شیخ: آپ ہی فرمائیں غالب پاشا گورنر حجاز اور میں ایک معمولی آدمی میرا وہاں تک کہاں گزر ہو سکتا ہے۔ پھر میں ناواقف شخص نہ زبان ترکی جانوں نہ پہلے سے ترکی حکام سے کوئی رابطہ ضبط حج سے چند دن پہلے مکہ معظمہ پہنچا تو اپنے امور دینیہ میں مشغول ہو گیا غالب پاشا اگرچہ حجاز کا گورنر تھا مگر طائف میں رہتا تھا میری وہاں تک رسائی نہ حج سے پہلے ہو سکتی تھی نہ بعد از حج۔ یہ بالکل غیر معقول بات ہے کسی نے یونہی اڑائی۔

سوال: آپ نے انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات کی۔

جواب: بے شک۔

سوال۔ کیونکر؟

جواب: وہ مدینہ میں ایک دن کے لئے آئے ہوئے تھے تو جمع کے وقت انہوں نے مسجد نبوی میں علماء کا مجمع کیا مجھے بھی مولوی حسین احمد صاحب اور وہاں کے مفتی اس مجمع میں لے گئے اور اختتام مجمع پر انہوں نے دونوں وزیروں سے مصافحہ کیا۔

سوال آپ نے اس مجمع میں کوئی تقریر کی۔

جواب: نہیں۔

سوال مولانا خلیل احمد صاحب نے تقریر کی؟

جواب: نہیں۔

سوال: مولانا حسین احمد صاحب نے کی؟

جواب: ہاں۔

سوال: پھر کچھ انور پاشا نے آپ کو دیا؟

جواب۔ ہاں اتنا ہوا کہ مولوی حسین احمد صاحب کے مکان پر ایک شخص پانچ پانچ پونڈ لے کر انور پاشا کی طرف سے آئے تھے۔

سوال: پھر آپ نے کیا کیا؟

جواب: مولوی حسین احمد صاحب کو دے دیئے تھے۔

سوال: ان کاغذات میں لکھا ہے کہ آپ سلطان ترکی، ایران اور افغانستان میں اتحاد کرانا چاہتے ہیں اور پھر ایک اجتماعی حملہ ہندوستان پر کرا کر ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں۔

جواب: میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ کو بھی حکومت کرتے کرتے اتنے دن گزر چکے ہیں کیا آپ گمان کر سکتے ہیں کہ میرے جیسے گمنام شخص کی آواز بادشاہوں تک پہنچ سکتی ہے اور کیا سالہا سال کی ان کی عداوتیں میرے جیسے شخص زائل کر سکتا ہے اور پھر اگر زائل بھی ہو جائیں تو کیا ان میں ایسی طاقت ہے کہ وہ اپنے ملک کی ضرورتوں سے زائد بچا کر ہندوستان کی حدود پر فوجیں پہنچا دیں اور اگر پہنچا بھی دیں تو آیا ان میں آپ سے جنگ کی طاقت ہوگی؟

سوال کنندہ: فرماتے تو آپ سچ ہیں مگر ان کاغذات میں ایسا ہی لکھا ہے۔

سوال: شریف کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: وہ باغی ہے۔

سوال: حافظ احمد صاحب کو آپ جانتے ہیں۔

جواب: خوب وہ میرے استاد زادے ہیں اور بہت سچے اور مخلص دوست ہیں میری تمام عمر ان کے ساتھ گزری ہے۔

اس قسم کے اور بھی سوالات کئے جن کے جوابات اسی نوعیت کے تھے اس کے بعد حضرت حضرت شیخ الہند کو رفقاء سے الگ اندرون جیل خانہ تنگ وتاریک کال کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی ۵/۱۴۸)

اب کہاں فائدہ ہوا

ایک روز حضرت سے ایک افسر کی طرف سے ایک انگریز ترجمان نے (جو ہندوستان میں رہ چکا تھا اور اردو دانی میں مشہور تھا) کہا کہ افسر آپ کے قائد ہونے کا مقام پوچھتا ہے حضرت کچھ نہ سمجھے پھر اس نے یہی کہا حضرت حیران تھے کہ کیا کہتا ہے سوال نہ سمجھنے کا عذر کیا مترجم بھی عدم قدرت کی وجہ سے لاچار ہوا مگر بار بار عبارت کو بدل کر تا خ یہ کہا کہ افسر کہتا ہے

کر لیتی آپ کہاں فائدہ ہوا؟ حضرت نے اختیار تبسم فرما کر کہا کہ میں بریلی میں پیدا ہوا۔
(حیات شیخ الہند ۱۰۳)

مالٹا سے رہائی اور واپسی پر استقبال

حضرت شیخ الہند مالٹا سے رہا ہو کر ہندوستان پہنچے تو ہندوستان کے تمام علماء اور لیڈر صاحبان بمبئی کی بندرگاہ پر موجود تھے جن میں مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت کے دونوں بھائی مولانا حکیم محمد حسن صاحب اور مولوی محمد محسن صاحب قاسم المبتدئین مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری حاجی احمد مرزا صاحب' مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب جدید تعلیم یافتہ معزز لوگوں میں حضرت کے سب سے بڑے شیدائی و خادم ڈاکٹر مختار احمد انصاری' مولانا عبدالباری فرنگی محلی' مولانا محمد علی جوہر' مولانا شوکت علی اور مسٹر گاندھی جی بھی استقبال کرنے والوں میں موجود تھے گورنمنٹ کی جانب سے مولانا رحیم بخش صاحب پریذیڈنٹ کونسل آف بہاولپور بھی استقبال کرنے والوں میں تھے۔ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ ۸ جون ۱۹۲۰ء دن ایک بجے ہندوستان کے عظیم قائد نے ملک وملت کے لئے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد بمبئی کے ساحل پر قدم رکھ کر سرزمین ہندوستان کو قدوم میمنت لزوم سے معزز فرمایا۔

اے تماشا دیکھنے والو خدا کی شان کا
بھیس میں درویش کے فرماں رواں آیا ہے

(حیات شیخ الہند ۱۵۳)

مسلم یونیورسٹی کی صدارت

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلباء نے بائیکاٹ کیا اور اس کے مقابلہ میں ایک دوسری یونیورسٹی (مسلم نیشنل یونیورسٹی) قائم کرنی چاہی حضرت شیخ الہند کو صدارت کے لئے منتخب کیا حضرت شیخ الہند کی بیماری اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ کروٹ بدلنے میں بھی دشواری ہوتی تھی خدام نے اس حالت میں سفر اور پھر صدارت کو بہت زیادہ خطرناک تصور کیا اور اصرار کے

ساتھ حضرت شیخ کو منظوری صدارت سے منع کرنا چاہا لیکن حضرت شیخ کا جواب یہ تھا کہ اگر میری صدارت سے انگریز کو تکلیف ہوگی تو میں اس جلسہ میں ضرور شریک ہوں گا چنانچہ پالکی میں لٹا کر حضرت شیخ کو دیو بند کے اسٹیشن پر لے جایا گیا دارالعلوم دیو بند کے طلباء نے پالکی کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ کو علی گڑھ میں یہ اجلاس ہوا حضرت شیخ کا خطبہ صدارت مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھ کر سنایا۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی ۵/۱۹۳)

ایک گمشدہ متاع پانے کا امیدوار ہوں

حضرت شیخ الہند نے اس خطبہ صدارت میں فرمایا میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت و نقاہت کی حالت میں آپ کی اس دعوت پر اس لئے لبیک کہا کہ میں اپنی ایک گمشدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر الٰہی کی روشنی جھلک رہی ہے لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا جلد اٹھو اور اس امت مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ تو ان کے دلوں پر خوف و ہراس طاری ہو جاتا ہے خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا اور ان کے سامان حرب و ضرب کا۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی ۵/۱۹۴)

دیو بند اور علی گڑھ کا رشتہ

حضرت شیخ الہند نے اسی خطبہ میں فرمایا اے نونہالان وطن جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار جس میں میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں دیو بند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی ۵/۱۹۴)

جمعیت علماء ہند سے دلچسپی

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب فرماتے ہیں جمعیت العلماء کے اجلاس سے حضرت کو ایسی خاص دلچسپی معلوم ہوتی تھی جیسے دنیادار لوگوں کو اپنی اولاد و اقارب کی تقریبات شادی کے سامان و سرانجام سے ہوا کرتی ہے خطبہ صدارت خود لکھنے کی طاقت نہ تھی خاص

شاگردوں نے لکھا انتہائی درجہ کے معزز اور ثقہ حضرات شاہد ہیں کہ ان کے سامنے حضرت نے ایک ایک حرف توجہ سے سنا بعض الفاظ اور جملوں کے زیادہ اور کم کرنے کی فرمائش کی جمعیت العلماء کا صرف نام تھا مقاصد علماء کا مقصود اعظم حضرت کی زیارت تھی اور طبعاً شرکت جلسہ جو حضرات اس موقع پر حاضر ہوتے حضرت ان سے نہایت بشاشت اور بہت ہی فرحت کے ساتھ ملتے بعض سے فرماتے کہ آپ کا تو انتظار ہی تھا بعض سے کہا بھائی بہت انتظار دکھا کر آئے۔ حضرت کے بعض شاگرد جن کی مقبولیت و شہرت کی وجہ سے جمعیۃ العلماء کو خاص تقویت کی امید تھی جب بالکل یکسوئی اور بے تعلقی کے ساتھ شرکت سے علیحدہ اور مجتنب رہے تو آپ کو نہایت حسرت ہوئی اور غایت افسوس کے ساتھ اپنے ایک ہمنام آلہ آبادی کی زبان سے گویا یہ فرمایا۔

کسی کا میری بزم غم سے اے محمود یوں اٹھ کر
قیامت ہے شریک محفل اغیار ہو جانا

۹ ربیع الاول کو جلسہ ختم ہوا اور گیارہ ربیع الاول کو مخصوص خدام علماء با اطمینان حضرت سے رخصت ہو کر اپنے مقامات کو واپس ہوئے یہ کس کو معلوم تھا کہ یہ اسلام کا قائد اعظم اور دنیا کا بہترین شیخ اب دنیا میں صرف ایک ہفتے کا مہمان ہے اور اس کا یہ دیدار آخری دیدار ہے۔
(حیات شیخ الہند ۱۵۸)

توکل و استغنا

بعض لوگ کئی کئی نوٹ پیش کرتے تھے تو حضرت کھول کر بھی نہیں دیکھتے تھے کہ کتنے روپیہ کے نوٹ ہیں اسی طرح کبھی تکیہ کے نیچے رکھ دیتے کبھی پکار کر مولوی عزیز گل صاحب کے سپرد کر دیتے دینی ضروریات و مصارف میں حضرت یہ خیال نہیں فرماتے تھے کہ ذاتی روپیہ خرچ ہو رہا ہے یا اسی مد کا وصول شدہ وغیرہ بلکہ جس طرح ہو سکتا تھا اور جہاں سے ممکن ہوتا جمع کر کے دینی ضروریات کو پورا فرماتے کوئی اس کے خلاف گفتگو یا اشارہ کرتا تو پیشانی پر بل پڑ جاتے۔
(حیات شیخ الہند ۲۱۲)

عبادت و بندگی اور خدمت خلق

ایک مرتبہ کھانے اور سونے کی قلت اور طویل قیام سے رمضان المبارک میں بہت زیادہ ضعیف ہوگئے اور پاؤں کا ورم بہت زیادہ ہوگیا مگر قلبی شوق چین نہ لینے دیتا تھا بہت زیادہ قرآن پاک سننے کے لئے مستعد تھے آخر لاچار ہوکر مکان میں سے عورتوں نے مولوی حافظ کفایت اللہ صاحب سے کہلا بھیجا کہ آج کسی بہانے سے قلیل مقدار پر بس کردینا مولوی صاحب نے تھوڑا سا پڑھ کر اپنی طبیعت کی خرابی کا عذر کیا حضرت کو دوسروں کی راحت کا بہت خیال رہتا تھا خوشی سے منظور کرلیا اندر مولوی صاحب لیٹ گئے باہر مولانا مگر تھوڑی دیر کے بعد دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص آہستہ آہستہ پاؤں دبا رہا ہے انہوں نے ہوشیار ہوکر جب دیکھا کہ خود حضرت مولانا ہیں تو ان کی حیرت اور ندامت کا کچھ ٹھکانہ نہ رہا وہ اٹھ کھڑے ہوئے خود حضرت فرمانے لگے نہیں بھائی کیا حرج ہے تمہاری طبیعت اچھی نہیں ذرا راحت آجائے گی۔

(حیات شیخ الہند ۲۴۳)

یہ اچھی ہوجائے گی۔

مولانا عبدالسمیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند کی اہلیہ اور صاحبزادی دونوں ہیضہ میں مبتلا ہوئیں سخت تکلیف تھی وباء کا زمانہ تھا بہت کم مریض جانبر ہوتے تھے حضرت کو خبر ہوئی تو بلا طلب مکان پر تشریف لے گئے مولوی صاحب نے حالت بیان کی اور بچی کو گود میں لے کر سامنے کیا آپ نے اس کے سر پر دست مبارک رکھ کر فرمایا کہ اجی یہ تو اچھی ہوجائے گی مولوی صاحب کی مدرسی کے شغل میں یہاں بھی قید احترازی کا ہیضہ ہوا اور گھبرا کر عرض کیا کہ حضرت اس کی والدہ، آپ نے اطمینان بخش لہجے میں فرمایا وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ اچھی ہوجائے گی مولوی صاحب نے کس قدر پانی دم کرالیا اور حضرت نے ذرا سا اس میں نوش کرکے اس کو متبرک کردیا اور واپس ہوگئے لڑکی کا مرض بڑھ کر مایوسی کی حالت ہوگئی اور سب نے خیال کیا کہ اب احتیاط و پرہیز سے کیا فائدہ پیاس شدید ہے ٹھنڈے پانی کے لئے کیوں ترسایا جائے وہی متبرک پانی خوب پلادیا کچھ عرصہ کے بعد لڑکی کو افاقہ شروع ہوا اور شام تک حالت سنبھل

گئی پھر کیا تھا وہی پانی کا نسخہ ان کی والدہ پر جاری کیا گیا اور اللہ کے فضل سے ان کو بھی صحت مل گئی۔ یہی اہلیہ مرحومہ دوسری مرتبہ بیمار ہوئیں کئی روز کی پریشانی کے بعد مولوی صاحب کو اسی بابرکت علاج کا خیال آیا تقدیر خداوندی دیکھئے کہ مکان پر حاضر ہوتے ہیں تو حضرت موجود نہیں مدرسہ میں تلاش کیا مسجد میں تلاش کرتے ہیں تو ملتے ہی نہیں اسی روز حضرت مہتمم صاحب کے مکان پر مجمع کی دعوت ہوئی مولوی صاحب نے غنیمت سمجھا اور نہایت اہتمام سے حضرت کے سامنے بقیہ شوربا مریضہ کے لئے لے کر اپنے مکان کی طرف چلے راستے میں خلاف عادت ایسے گرے کہ پیالہ ٹوٹ کر شوربا گر گیا اور راستہ کے پانی میں مل گیا مولوی صاحب اسی وقت سمجھے کہ بس قسمت ہی میں نہیں مایوس ہو کر چلے گئے اور مریضہ کی وفات ہو گئی۔

(حیات شیخ الہند ۲۵۴)

سفر آخرت

۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء بروز ہفتہ سات بجے کے قریب بہت تغیر ہو گیا اور حضرت دنیا سے بالکل غافل ہو گئے تنفس طویل اور غیر طبعی ہو گیا اور انقطاع عن الدنیا و توجہ الی الرفیق الاعلیٰ کا گمان غالب ہو گیا چارپائی کے گرد حاضرین خاموش اور آہستگی سے ذکر اللہ میں مشغول تھے اسی حالت میں حضرت نے اس غیر فانی اور واجب الوجود ہستی کو یاد کیا جس کے نام پر آپ نے اپنے آپ کو مٹا دیا تھا یعنی بلند آواز سے تین مرتبہ اللہ اللہ اللہ فرمایا مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے سورہ یاسین شروع کی مگر وہ جوش گریہ اور ادب کی وجہ سے بلند آواز سے نہیں پڑھ سکتے تھے اس پر مولانا حافظ محمد الیاس صاحب دہلوی نے پڑھنا شروع کیا سورہ قریب الختم ہوئی تو حضرت نے خود بخود حرکت کر کے پاؤں سیدھا اور درست کر لیے اور ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر سیدھی کر لیں اور آنکھ بھیچ جب مولانا صاحب سورۃ کے آخر میں پہنچے تو حضرت نے ذرا آنکھ کھول اور تصدیق قلبی کی تائید کے لئے زبان کو حرکت دی اور خاص الیہ ترجعون کی آواز پر قبلہ رخ ہو کر ہمیشہ کے لئے آنکھ بند کر لی آسانی و سہولت کے ساتھ سانس منقطع ہو گیا اور روح مقدس روح و ریحان و جنت نعیم کی بہار دیکھنے کے لئے تمام اہل اسلام کو یتیم و بے کس چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئی اور رفیق اعلیٰ سے جا کر مل گئی انا للہ

وانا الیہ راجعون۔ (حیات شیخ الہند ۱۸۸)

دارالعلوم دیوبند کے قیام کا مقصد

مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ ایک دن کچھ ایسا ہوا کہ مولانا حبیب الرحمان عثمانی نائب مہتمم نے فقیر کو یاد فرمایا اور کہا کہ تم حضرت شیخ الہند سے مل کر دریافت کرو کہ واقعی سیاسیات میں حضرت والا کا صحیح مسلک کیا ہے؟ میں خود حیران ہوں کہ اتنے اہم مسئلے کے متعلق مولانا حبیب الرحمان صاحب نے مجھ جیسے کمپرس آدمی کا انتخاب کیوں کیا؟ لیکن اب کیا کیجئے کہ واقعہ یونہی پیش آیا شائد ظہر کی نماز کے بعد کا واقعہ ہے مسجد کے احاطہ میں ایک کمرہ تھا جسے اس زمانہ میں دارالتصنیف کا نام دیا گیا تھا اس کمرے میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی کے آخر مشغلہ یعنی ترجمہ قرآن مجید کا کام کچھ دیر کیا کرتے تھے فقیر تو اس احاطہ کا باشندہ ہی تھا نماز کے بعد حضرت اپنی تصنیف و ترجمہ کے اسی کمرے میں تشریف لے گئے تنہا تھے موقع پر فقیر بھی پیچھے سے حاضر ہو کر عرض رسا ہوا کہ کچھ عرض کرتا ہے جیسا کہ قاعدہ تھا خندہ جبینی سے فرمایا آؤ کیا کہنا چاہتے ہو بیٹھ گیا اور جو پیغام میرے سپرد کیا گیا تھا اسے پہنچا دیا سنتے رہے اپنی بات جب ختم کر چکا تو دیکھا کہ حضرت پر ایک خاص حال طاری ہے اور اپنے استاذ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم جن کو وہ حضرت الاستاذ کے لفظ سے یاد کرتے تھے انہی کا نام لے کر فرمایا حضرت الاستاذ نے اس مدرسہ کو کیا درس و تدریس تعلیم و تعلم کے لئے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ قائم کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تا کہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔ حضرت والا کی تقریر سے دل میں جو اثر اس وقت قائم ہوا تھا اسی اثر کے نتائج کی تعبیر اپنے الفاظ میں کر دی گئی ہے آخر میں ارشاد ہوا تعلیم و تعلم میں تدریس جن کا مقصد اور نصب العین ہے میں ان کی راہ میں مزاحم نہیں ہوں لیکن خود اپنے لئے تو اسی راہ کا میں نے انتخاب کیا ہے جس کے لئے دارالعلوم کا یہ نظام میرے نزدیک حضرت الاستاذ نے قائم کیا تھا اس کے بعد دو راہیں مختلف ہو گئیں ایک راہ تعلیم و تعلم دینی نشر و اشاعت کی تھی اور دوسری راہ وہی تھی جسے بالآخر حضرت شیخ الہند نے اختیار فرمایا اور اسی

منسلک کے ساتھ اپنے مالک سے جا ملے خیال آتا ہے کہ حضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ فرائض العبدیہ جس حد تک بن پڑا ادا کرتا رہا اب آخری کام رہ گیا ہے جسے اپنی حد تک تو میں کر گزروں گا۔ اور اسی کو وہ کر گزرے خاکسار نے جو کچھ سنا تھا وہی ان لوگوں تک پہنچا دیا جنہوں نے اپنا پیغام دے کر بھیجا تھا۔ (احاطہ دارالعلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن ۱۷۰)

کیفیت درس

مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں جس وقت تراجم ابواب کی بحث شیخ الہند کے حلقے میں چھڑ جاتی تو حضرت والا پر بھی خاص حال طاری ہو جاتا تھا اور سننے والے بھی محو حیرت بن جاتے تھے وجد کی سی کیفیت میں معلوم ہوتا تھا کہ سارا مجمع ڈوب گیا ہے کان علی رؤوسھم الطیر کا منظر قائم ہو جاتا تھا خود بھی وہ کھل جاتے تھے اور سننے والے بھی کھل جاتے تھے نئے معارف جدید حقائق جو نہ کبھی سنے گئے اور نہ پڑھے گئے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے پردے ہٹ رہے ہیں دل کی گرہیں وا ہوتی چلی جاتی ہیں۔

(احاطہ دارالعلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن: ۱۵۶)

ایک انگریز سے مکالمہ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی مالٹا میں نظر بند تھے کہ گورنر یوپی مسٹر مسٹن کے سیکرٹری مسٹر برن انگلستان جاتے ہوئے مالٹا میں رکے اور ہندوستانی اسیروں سے ملاقات کی۔ حضرت شیخ الہند سے ملاقات میں من جملہ اور باتوں کے ایک بات اس نے ہندوستان کی نسبت دریافت کی اور اس قسم کے سوالات و جوابات ہوئے:

برن: ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟

حضرت شیخ الہند: علماء نے اس میں آپس میں اختلاف کیا ہے۔

برن: آپ کی رائے کیا ہے؟

حضرت شیخ الہند: میرے نزدیک دونوں صحیح کہتے ہیں۔

برن: (تعجب سے) یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

حضرت شیخ الہند: دارالحرب دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور حقیقت میں یہ دونوں اس کے درجات ہیں جن کے احکام جدا جدا ہیں ایک معنی کی حیثیت سے اس کو دارالحرب کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کے اعتبار سے نہیں کہہ سکتے۔

بدان: اس کی کچھ تفصیل؟

حضرت شیخ الہند: دارالحرب اس ملک کو کہتے ہیں جس میں کافروں کی حکومت ہو اور وہ اس قدر باقتدار ہوں کہ جو حکم چاہیں جاری کریں۔

بدان: یہ بات تو ہندوستان میں موجود ہے۔

حضرت شیخ الہند: ہاں اس لئے ہندوستان ضرور دارالحرب ہے۔

بدان: دوسرے معنی کیا ہیں؟

حضرت شیخ الہند: جس ملک میں اعلانیہ طور پر شعائر اسلام اور احکام اسلامیہ کے ادا کرنے کی ممانعت کی جاتی ہو یہ وہ دارالحرب ہے کہ جہاں سے ہجرت واجب ہو جاتی ہے (اگر استطاعت اصلاح نہ ہو)

بدان: یہ بات تو ہندوستان میں نہیں۔

حضرت شیخ الہند: جس نے دارالحرب کہنے سے احتراز کیا ہے غالباً اس نے اسی کا خیال کیا ہے۔

بدان چپکا ہو گیا اور لکھ لیا۔ (سفرنامہ شیخ الہند۔ خطابات شیخ الہند مع مکاتیب و فتوی: ۴۰)

☆☆☆

حضرت مولانا

خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

باطل کے خلاف سیف بے نیام

مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے شیخ الحدیث

دارالعلوم دیوبند کے سرپرست

پیدائش ۱۲۶۹ھ — وفات ۱۳۴۶ھ

جنت البقیع مدینہ منورہ میں مدفون ہیں

ہزار خوف ہوں لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

مہمانانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر

حضرت طلبہ کے حق میں تعلیمی امور میں بہت سخت تھے اور امتحان میں کسی ادنیٰ رعایت کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ اسی طرح طلبہ کی عملی واخلاقی حالت پر بھی سخت نظر ڈالا کرتے تھے اور کیسا ہی کسی عزیز یا دوست کا بچہ ہو، جب اس کی بدوضعی یا آزادی کو محقق فرما لیتے تو بلا تامل مدرسہ سے خارج کر دیتے اور جب تک وہی بچہ اپنی حالت پر نادم ہو کر سچی توبہ نہ کرے اس کے ولی وارث کی کوئی سفارش نہ سنتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے ایک قریبی رشتہ دار کو اتنی بات پر کہ انہوں نے حضرت کی قرابت کے ناز پر اپنے استاد کا ادب واحترام ملحوظ نہ رکھا تھا، فوراً مدرسہ کی کتابیں واپس کرنے کا حکم دے دیا اور جب تک خود استاد نے حضرت سے سفارش نہ کی، اس وقت تک واپس کردہ کتابیں ان کو دوبارہ نہ دی گئیں۔

لیکن اس کے ساتھ ہی دفتر و مطبخ وغیرہ کے ملازمین کی طلبہ پر کوئی داب یا سختی حضرت کو گوارا نہ تھی اور ایسے مواقع پر حضرت ہمیشہ طلبہ کا پہلو لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں حاضر تھا کہ ایک طالب علم کی آپ کے پاس محرر مطبخ کے متعلق شکایت آئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ طلبہ کو کھانا تقسیم کر رہے تھے۔ اس طالب علم کو جلی ہوئی روٹی ملی جس کے لینے سے اس نے انکار کیا اور محرر مطبخ نے سختی سے جواب دیا کہ اب نخرے بہک گئے کہ جلی اور موٹی سوجھنے لگی، لینا ہو تو لو ورنہ جاؤ، مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو اپنے حصے میں لگا لوں یا جو روٹی جلے اس کا تاوان دیا کروں۔ حضرت یہ خبر سنتے ہی مطبخ میں آئے اور غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ میں ساتھ تھا اور دیکھ رہا تھا کہ حضرت کے بدن اور آواز دونوں میں رعشہ ہے۔ محرر مطبخ سے آپ نے واقعہ پوچھا اور جب انہوں نے خود ہی اس سے واقعہ پر صحیح صحیح بیان کر دیا کہ طلبہ کا نظام قائم رکھنے کے لئے محرر کی طرف داری کی جائے تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ منشی جی سنو! مدرسہ انہی پردیسی بے وطن مسکین طلبہ کے دم سے قائم ہے اور تم اور میں دونوں انہی کے طفیل میں روٹیاں کھا رہے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو نہ مطبخ کی ضرورت نہ تمہاری حاجت۔ مدرسین بھی فارغ

اور مدرسہ بھی خالی۔ یہ مسکین سہی محتاج سہی مگر مجھے اور تمہیں دونوں کو روٹیاں دے رہے ہیں۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمہیں ترش کلام کرنے کا کیا حق تھا اور تم کون تھے، یہ کھانے والے کر خنے بھک گئے ہیں، ان کا باپ بنا ہوا ابھی زندہ بیٹھا ہوں۔ تم کو مطبخ سے جزو تنخواہ بنا کر دو خوراک ملتی ہے۔ آخر یہ وجہ تھی کہ جلی ہوئی روٹی تم اپنی خوراک میں نہ لگا سکے اور مہمان رسول کو مجبور کیا کہ یا تو یہی جلی ہوئی روٹی کھائے ورنہ فاقہ کرے۔ اب تو اپنی خوراک اس کے حوالہ کر دو اور آئندہ کے لئے خوب کان کھول لو کہ کسی طالب علم کے ساتھ کچھ بھی تیز یا ترش برتاؤ کیا تو کان پکڑ کر مطبخ سے نکال دوں گا۔ ہاں کسی طالبعلم کی کوئی غلطی ہو تو مجھ سے کہو، میں تحقیق کے بعد جو سزا مناسب سمجھوں گا دوں گا مگر دوسرے کو نہ دیکھ سکوں گا کہ وہ انہیں ترچھی نظر سے دیکھے۔ چونکہ پہلی غلطی ہے اس لئے اس وقت تنبیہ پر اکتفا کرتا ہوں کہ آئندہ اس کا پورا لحاظ رکھا جائے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۳۶۵)

کیا کتاب سے بھی مارتے ہیں

اسی طرح مدرسین کے احترام کا آپ کو خاص اہتمام تھا اور ان کے ساتھ وہ لطف و شفقت کا برتاؤ فرمایا کرتے جو ان کے لئے شایان شان تھا باوجودیکہ تمام مدرسین آپ کے شاگرد اور معتقد خادم تھے مگر جب کوئی آتا تو آپ اس کو پاس بٹھا لیتے اور ان کی بری بھلی سب توجہ سے سنتے تھے۔ مسکراتے اور کوئی شکایت لاتا تو اس کی کافی تحقیق فرما کر ان کو تسلی دیا کرتے تھے۔ طالب علم اور استاد کے مابین کوئی قصہ ہوتا جس میں غلطی استاد کی ہوتی تو اس وقت بڑی ضیق پیش آتی اور بڑی حسن تدبیر سے دونوں پہلو سنبھالا کرتے تھے۔ مولوی ظفر احمد صاحب کے مزاج میں غصہ تھا، ایک مرتبہ طالب علم کے بے تکے سوالات پر ان کو پڑھاتے ہوئے غصہ آیا تو کتاب کہ فلسفہ کی تھی، طالب علم کے منہ پر ماری۔ حضرت کے قریب ہی ان کی درسگاہ تھی۔ اور حضرت نے سب دیکھ اور سن لیا تھا۔ اس وقت گرفت کرنے میں طالب علم کی جرأت بڑھنے کا خدشہ تھا اور حضرت کو اس کا خاص اہتمام رہتا تھا کہ طلباء کے قلوب میں استاد کی عظمت قائم اور باقی رہے، اس لئے ایسا کر دیا گویا سنا ہی نہیں۔

بعد عصر جب مولوی ظفر احمد صاحب مجلس میں آکر بیٹھے تو حضرت نے فرمایا، مولوی ظفر

کیا کتاب سے بھی مارا کرتے ہیں؟ کتاب تو اس کے لئے موزوں نہیں ہوئی۔ پھر کتاب بھی مدرسہ کی جو کہ وقف ہے اور جس کی حفاظت ضروری۔ مولوی صاحب نے غلطی کا اعتراف اور آئندہ کے لئے احتیاط کا عہد کیا تو آپ مسرور ہوئے اور محبت بھرے لہجہ میں فرمایا، بھائی! آج کل طلبہ کو مارنے کا زمانہ نہیں ہے کیونکہ زمانہ فساد کا ہے۔ قلوب میں تکبر بھرا ہوا ہے، بعض نادان مقابلہ سے پیش آنے لگتے ہیں۔ اس سے تو بہت ہی احتیاط کرو اور اگر زیادہ بک بک لگادے، اس کو مہتمم سے اطلاع کر کے درس سے اٹھادو۔ بس اس سے زیادہ سزا کی ضرورت نہیں۔ (ارواح ثلاثہ ۳۶۷)

تمہارے جوابات سے ہم بہت خوش ہوئے

امتحان اپنے مدرسے کا ہو یا دوسرے مدرسہ کا، حضرت سخت لیا کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی نمبر اچھے دیتے تھے۔ ۱۳۲۷ھ میں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں دینیات سے فارغ شدہ طلباء کے امتحان دلائے جانے کی تجویز ہوئی کہ تمام علوم میں امتحان لیا جائے اور بجائے تقریری کے تحریری امتحان ہو جس کے لئے سوالات بیرونی علماء سے منگائے جائیں۔ چنانچہ ادب و بلاغت اور صرف ونحو کا امتحان حضرت نے علوم عربیت کے اہم سوالات تحریر فرما کر مدرسین بھیج دیئے۔ مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی بھی شریک امتحان تھے اور جب امتحان سے فارغ ہو کر وطن آئے تو حضرت کی زیارت کا شوق ہوا کہ اس سے قبل کبھی زیارت نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ جب بھائی کے ساتھ دیوبند جانے لگی تو بھائی سے اپنی خواہش ظاہر کی کہ راستہ میں سہارنپور حضرت کی زیارت کرنے چلیں کہ ادب و بلاغت میں ہمارے ممتحن تھے، شاید کچھ نتیجہ امتحان کا بھی پتہ چل جائے۔ بھائی نے کہا کہ بس زیارت کرنا چاہو تو کرلو باقی امتحان کا نتیجہ امتحان کا پتہ مولانا نہیں دیں گے کہ یہ قاعدہ کے خلاف بات ہے۔

چونکہ مولانا ظفر احمد صاحب کے قلب میں حضرت کی عظمت بیٹھ گئی اور ایک میلان و کشش پیدا ہو گئی تھی اس لئے مدرسہ میں آئے اور حضرت کی زیارت کی۔ مولوی ظفر احمد صاحب کا بیان ہے کہ حضرت کی طبیعت مبارک میں شفقت تو قدرت نے ایسی کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہ اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔ زیارت کے ساتھ ہی جس چیز کو میں نے دیکھا وہ حضرت

کا تبسم کے ساتھ خندہ پیشانی سے شفقت و عنایت فرمایا اور تھوڑی ہی دیر میں قبل از یں کہ میں نتیجہ امتحان کے متعلق کچھ عرض کرتا خود ہی یہ فرمایا تھا کہ میاں ظفر تمہارے جوابات سے ہم بہت خوش ہوئے تم نے سب سوالات کے جوابات اچھے لکھے اور بالخصوص عربی کی اردو اور اردو کی عربی سب سے اچھی بنائی اس لئے ہم نے نمبر بھی تم کو اچھے دیئے اور یہ فرما کر حجرہ میں تشریف لے گئے اور جوابات کا پلندہ نکال کر باہر تشریف لائے۔ اس میں سے میرے جوابات کا پرچہ نکالا اور میرے سامنے ڈال دیا کہ دیکھو تمہارے نمبر سب سے زیادہ ہیں (یعنی سو نمبر میں صرف ایک یا دو کم تھے) اور کسی کے نمبر اس قدر نہیں ہیں۔ سب تم سے کم ہیں۔ اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ شاید حضرت کو کشف ہو گیا کہ میں نتیجہ امتحان کے متعلق خیال لے کر آیا ہوں۔ اس کے بعد پھر مجھے اپنے ساتھ دولت کدہ پر لے گئے اور چولہے پر چائے تیار تھی، اپنے ہاتھ سے پیالی میں نکال کر مجھے عطا فرمائی۔ (ارواح ثلاثہ ص ۳۶۷)

میزبان کی راحت کا خیال

ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری سہارن پور سے میرٹھ تشریف لائے اور یہ سوچا کہ آج رات میں مولانا عاشق الٰہی صاحب کو کیوں تکلیف دیں، مسجد ہی میں لیٹ گئے۔ صبح تہجد میں اٹھ کر ڈول کنویں میں چھوڑا، ادھر مولانا عاشق الٰہی صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت تشریف لائے ہیں اور مسجد میں قیام فرما ہیں اور کنویں میں ڈول چھوڑا ہے۔ اچانک آنکھ کھل گئی تو ڈول کے چھوڑنے کی آواز آ رہی تھی۔ گھبرا کے آئے تو دیکھا کہ حضرت پانی کھینچ رہے ہیں۔ فوراً آئے اور عرض کیا کہ حضرت مجھ کو کیوں نہ جگا لیا؟ تو فرمایا کہ کیا ضرورت تھی جگانے کی؟ یہاں آرام سے لیٹ گیا۔ (ملفوظات فقیہ الامت: قسط ۴/ ۱۰۷)

انوار حرم کا مشاہدہ بالعین الظاہر تھا یا بالقلب

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ نے ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جب وہ کعبۃ اللہ میں تشریف لے جاتے اور کعبۃ اللہ پر نظر جمائے رہتے تو ایک بزرگ نے فرمایا کہ یہ کون بزرگ ہیں، جب یہ بزرگ حرم شریف میں

آتے ہیں تو حرم شریف انوار سے بھر جاتا ہے۔ تو کسی نے جواب دیا کہ یہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے خلیفہ ہیں۔ تو ان بزرگ نے فرمایا کہ تب ہی تو لوگ حضرت گنگوہیؒ کو قطب الارشاد کہتے ہیں۔ (ملفوظات فقیہ الامت: قسط ۸/۶۴)

حضرت سہارنپوریؒ کا تقویٰ

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی فرماتے ہیں کہ ایک صاحب بیان کرتے تھے کہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے پاس گیا۔ جب تک ٹھہرنا تھا ٹھہرا۔ جب میں واپس ہونے لگا تو میں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور مصافحہ کرتے ہوئے حضرت سے کہا کہ حضرت ذرا سی ایک بات پر آپ سے ایک منٹ کا مشورہ بھی کرنا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت سہارنپوریؒ بخاری شریف کا سبق پڑھانے کے لئے بیٹھ چکے تھے۔ جب میری یہ بات حضرت نے سنی تو فوراً چٹائی پر سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور باہر آ گئے۔ پھر فرمایا کہ کہو کیا مشورہ کرنا ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت ذرا سی بات تو تھی، وہیں بیٹھے بیٹھے پوچھ لیتے، اٹھ کر باہر تشریف لانے کی کیا ضرورت تھی؟ تو فرمایا کہ یہ دری مدرسے نے ہمیں سبق پڑھانے کے لئے دی ہے، دوستوں سے مشورہ کے لئے نہیں دی۔ (ملفوظات فقیہ الامت: قسط ۸/۶۵)

آج گھر میں فاقہ ہے

مفتی محمود صاحب نے بروایت مولوی لطیف الرحمٰن مرحوم کاندھلوی بیان کیا کہ میں (مولوی لطیف الرحمٰن) ایک مرتبہ پیالہ لے کر حضرت اقدس سہارنپوری کے دولت کدہ پر گیا۔ حضرت کے منتظم کار حاجی مقبول احمد صاحب آئے، میں نے ان سے کہا کہ مطبخ کی دال کھائی نہیں جاتی تھوڑا سا سالن دیجئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آج تو سالن ہے نہیں۔ میں نے کہا کہ حضرت کے سالن میں سے دے دو۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت کا سالن بھی نہیں، آج گھر میں فاقہ ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ اچھا میں بازار سے حضرت کے لئے کچھ لے آؤں۔ انہوں نے فوراً میرے پیر پکڑ لئے کہ اللہ کے واسطے ایسا نہ کرنا ورنہ میری آفت آ جائے گی کہ گھر کا راز کیوں ظاہر کیا۔

لیکن گھر سے باہر جب حضرت تشریف لاتے تو بڑے اعلیٰ لباس میں کہ کسی کو ادنیٰ شبہ بھی نہ ہو کہ گھر میں فاقہ ہے۔ ایک شاہانہ انداز میں تشریف لاتے تھے۔ یہ عمدہ اور اعلیٰ لباس تو غیرت الٰہی کی وجہ سے تھا کہ صورت حال سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ ان کے پاس ہے نہیں، صورت سوال نہ بن جائے اور حق تعالیٰ کا شکوہ و شکایت نہ ہو۔ اور گھر کا فاقہ یہ غایت تحمل اور اتباع سنت ہے۔ (آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ: ۱۸۰)

مدرسہ کی چیزوں کے استعمال سے پرہیز

حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ جب تک سبق پڑھاتے رہتے تو مدرسہ کی قالین پر تشریف فرما رہتے تھے لیکن جب سبق کے بعد اپنے اعزہ میں ذی وجاہت شخص سے بات شروع کی تو قالین سے نیچے اتر گئے اور فرمایا کہ مدرسہ نے یہ قالین ہمیں سبق پڑھانے کے لئے دیا ہے، ذاتی استعمال کے لئے نہیں۔ اس میں یہ بھی لکھا جا چکا کہ مدرسہ میں حضرت کی چارپائیاں مستقل علیحدہ رہتی تھیں۔ مدرسہ کی چارپائی یا بستر پر میں نے آرام فرماتے یا بیٹھتے نہیں دیکھا۔ یہ بھی گزر چکا کہ مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں مدرسہ کے جملہ اکابر حتیٰ کہ جو صاحب مطبخ میں مہمانوں کی دیگیں پکواتے تھے، وہ بھی دیگ کا نمک خود نہیں چکھتے تھے بلکہ کسی مہمان یا طالب علم سے چکھواتے تھے۔ جملہ اکابر مدرسین منتظمین جو شب و روز مدرسہ کے کام میں ہمہ وقت مشغول رہتے لیکن مدرسہ کا کھانا تو درکنار مدرسہ کی چائے یا پان بھی یہ حضرات استعمال نہیں کرتے تھے۔ (آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ: ۱۸۸)

کئی روز سے فاقہ

مفتی محمود صاحب نے ایک واقعہ بروایت مولوی منفعت علی صاحب وکیل بیان کیا کہ سخت ترین گرمی اور لو کا زمانہ تھا۔ رمضان مبارک کا مہینہ تھا۔ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ کی طبیعت ناساز چل رہی تھی، پیچش کی شدید تکلیف تھی۔ حضرت نے کئی روز تک دوا سے افطار پر قناعت کی، کوئی غذا نہیں کھائی۔ جمعہ کا دن آیا، مولوی عبداللہ جان وکیل بھی مدرسہ جمعہ پڑھنے کے لئے آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ چہرہ نہایت پژمردہ ہے اور ضعف و

نقاہت کے آثار نمایاں ہیں۔ وہ تو یہ حالت دیکھ کر ستون کے پیچھے ہو کر رونے لگے۔ مولانا حافظ عبداللطیف صاحب (ناظم مدرسہ مظاہر علوم) نے عرض کیا کہ حضرت کا کئی روز سے فاقہ ہے، تکلیف زیادہ ہے، روزہ قضا فرما دیجئے۔ آخر فقہاء نے رخصت لکھی ہی ہے اور مولوی عبداللہ جان تو رو رہے ہیں۔ حضرت قدس سرہ کا چہرہ فوراً متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ حافظ صاحب! کیسی بات کہتے ہیں؟ ارے روزہ! اور پھر رمضان کا روزہ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہیں کہ مولوی عبداللہ جان جیسا کوہ وقار انسان بھی متاثر ہو جائے۔

(آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریا: ۱۹۰)

اتباع شریعت

آپ کسی تقریب نکاح میں میرٹھ تشریف لائے۔ لڑکے والوں نے درخواست کی کہ تبرکاً دولہا کو کپڑے حضرت پہنا دیں۔ آپ وہاں تشریف لے گئے جہاں دولہا غسل کے بعد کپڑے پہننے کا منتظر کھڑا تھا۔ بندہ بھی (مولانا عاشق الٰہی صاحب) ساتھ تھا۔ کرتا پاجامہ تو آپ نے اٹھا کر دے دیا۔ اچکن کا نمبر آیا تو آپ نے کہا دیکھنا کیا ریشم کی ہے۔ میں نے غور سے دیکھ کر عرض کیا جی حضرت! ریشم ہی معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے اس کو رکھ دیا اور فرمایا کہ اس کا پہننا اور پہنانا حرام ہے۔ پھر ٹوپی دیکھی تو وہ بھی مغرق۔ اس پر حضرت نے تیز لہجہ میں فرمایا، یہ بھی حرام ہے۔ لڑکے والے کچھ محتاط نہ تھے۔ انہوں نے حضرت کے انکار کی پرواہ نہ کی، خود اٹھا کر دولہا کو پہنا دیا۔ حضرت کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا مگر تحمل فرمایا اور مجھ سے یہ کہہ کر کہ چلو، واپس ہو گئے۔

آپ قیام گاہ پر تشریف نہیں لائے بلکہ رنج و قلق کے ساتھ حاجی وجیہ الدین صاحب مرحوم کے مکان پر تشریف لے گئے۔ فرمایا، یہ کیا تعلق ہے؟ معصیت میں شریک کرنے کو بلاتے ہیں۔ اس نکاح میں شریک ہونے والے سب گنہگار ہوں گے جہاں دولہا حرام لباس پہنے بیٹھا ہو کہ کوئی عاقل ہو کر اس پر راضی۔

یہ سن کر سب میں ہلچل مچ گئی کہ برادری کا قصہ تھا اور حضرت کے ساتھ کئی لوگوں کو تعلق تھا۔ نہ حضرت کو چھوڑ سکتے، نہ برادری کو۔ روٹھے ہوئے گئے کہ کسی طرح دولہا کے کپڑے

بدلوادیں مگر بہتیرے تھے جن کو نہ حضرت سے تعلق تھا نہ اتباع شریعت کا اہتمام۔ اس لئے وہ تبدیلی لباس کو نحوست اور بدشگونی سمجھتے اور کہتے تھے کہ جو دولہن کے یہاں سے جوڑا آیا ہے، وہی پہننا ضروری ہے۔ مگر یہ دوڑ دھوپ کرنے والے سربرآوردہ اور مدبر تھے، آخر کامیاب ہوئے اور حاجی وجیہ الدین صاحب معربی کپڑے کی بیش قیمت اپنی اچکن نکال کر جلدی سے پہنچے کہ اس سے بہتر اچکن تو دولہا کو ہندوستان میں کہیں نصیب نہ ہوگا، وہ پہنا کر اور ٹوپی کی بجائے عمامہ بندھوا کر حضرت کے سامنے لے آئے کہ حضرت اب تو تشریف لے چلیں۔ اس وقت آپ اٹھے اور شریک عقد ہوئے۔ (آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ: ۲۰۶)

آفتاب غروب ہو گیا

حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ نے خواب دیکھا کہ آفتاب غروب ہو گیا اور دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔ حسب معمول تہجد کے وقت حضرت اٹھے اور نفلوں سے فارغ ہو کر متفکر بیٹھ گئے۔ اہلیہ نے پوچھا، آج عادت کے موافق آپ نفلوں کے بعد لیٹے کیوں نہیں اور طبیعت کچھ فکرمند معلوم ہوتی ہے، کیا بات ہے؟ آپ نے خواب کا اظہار کیا اور محزون لہجے میں فرمایا، اس کی تعبیر ایک تو یہ ہے کہ مولانا محمود حسن صاحب مالٹا میں محبوس ہیں، دوسرے مجھ کو یہ اندیشہ بھی ہے کہ کہیں شاہ عبدالرحیم صاحب کی حالت نازک نہ ہو، غرض صبح کو حضرت بہلوں روانہ ہو گئے۔ جہاں تبدیلی آب و ہوا کے لئے حضرت کا قیام تھا، بعد مغرب حضرت نے فرمایا آج عشاء کی نماز ذرا سویرے سے پڑھ لیجیو۔ چنانچہ یہ سمجھ کر کہ آرام کی خواہش ہو گی، نماز اول وقت میں پڑھ لی گئی اور آپ چار پائی پر لیٹ رہے اور حضرت (سہارنپوری) دوسرے کمرے میں جا لیٹے کہ دفعتاً آپ کو آخری کرب شروع ہوا اور حضرت اپنے کمرہ سے لپک کر پاس آئے۔ مولانا نے حضرت کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور آپ کا ہاتھ تھام کر اپنے سینہ پر رکھ لیا۔ حضرت نے پڑھنا شروع کیا اور رائے پور کا آفتاب اپنے محبوب کا ہاتھ چھاتی پر رکھے ہوئے چند منٹ کے اندر شب کے گیارہ بج کر انیس منٹ پر غروب ہو گیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ (آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ: ۲۶۴)

قوت باطنی

حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ کے تصرفات کے قصے بھی بہت سے مشہور ہیں لیکن آریہ سے مناظرہ کا واقعہ تو اتنا مشہور اور طبع شدہ ہے کہ ہر شخص کے علم میں ہے۔ مولانا میرٹھی تحریر فرماتے کہ حضرت اپنی قوت قلبیہ کے تصرف کو بہت کم کام میں لاتے اور خاص ضرورت کے وقت ہی صرف فرماتے۔ سہارنپور میں اہل اسلام اور آریہ کا مناظرہ ہوا جو موضع ٹوپڑی سے منتقل ہو کر سہارنپور آیا تھا۔ حضرت شریک جلسہ تھے اور مسلمانوں کی طرف سے فریقین کی تقریروں کو قلمبند کرنے کے لئے مولوی کفایت اللہ صاحب اور مولوی احمد اللہ صاحب تجویز ہوئے تھے۔ مگر مولوی احمد اللہ تھک گئے تو صرف مولوی کفایت اللہ صاحب نے اس خدمت کو انجام دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ مجلس مناظرہ میں آریوں کی طرف ایک جوان، خوبصورت گیروے کپڑے پہنے ہوئے سادھو تھا جو آرام کرسی پر لیٹا رہتا اور جب مسلمانوں کے مقرر تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوتے تو وہ گردن جھکا کر بیٹھ جاتا۔ مقررین اسلام کی تقریریں نہایت پراگندہ اور خراب ہو رہی تھیں۔ حتیٰ کہ مولانا عبدالحق حقانی سے دور و تسلسل کی تقریر بھی نہ ہو سکی، تو میں نے صدر جلسہ مرزا عزیز بیگ کو ایک پرچہ پر لکھ کر دیا کہ مسلمانوں کی طرف سے جب مناظر تقریر کرنے کو کھڑا ہوتا ہے تو یہ جوگی اثر ڈالتا ہے اور متوجہ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ لہٰذا مولانا خلیل احمد صاحب کو اس کی اطلاع دے دو۔ صدر جلسہ نے یہ پرچہ پڑھ کر حضرت کی طرف سرکا دیا اور حضرت نے پرچہ پڑھتے ہی گردن جھکائی کہ دونوں حق و باطل میں تصرف قلب کی جنگ ہونے لگی۔ دو منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ وہ سادھو بے قرار ہو کر کرسی سے اٹھا اور میدان جلسہ سے باہر چلا گیا۔

پھر کیا تھا، مسلمانوں کی وہ تقریریں ہوئیں گویا دریا کا بند کھل گیا اور حالانکہ اس مناظرہ میں بہت کچھ بے عنوانیاں ہوئیں۔ مگر نتیجہ یہ نکلا کہ گیارہ آدمی مشرف با سلام ہوئے اور اسی دن دوپہر کو کھانا کھانے میں حضرت نے فرمایا، اس کا تو مجھے یقین تھا اور ہے کہ اسلام غالب رہے گا، الحق یعلو ولا یعلیٰ۔ مگر حق تعالیٰ کی شان بے نیاز ہے، اس کا خوف ہر وقت اور ہر بشر کو ہے۔ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے سالانہ جلسہ سے فارغ ہو کر باہر کے مہمان رخصت

ہوئے۔ پنجاب جانے والی گاڑی پہلے آئی اور اس طرف کے مہمان گاڑی میں پہلے سوار ہوئے۔ گاڑی میں ایک سادھو بیٹھا تھا جو ہردوار سے آ رہا تھا۔ اسٹیشن پر اژدھام دیکھ کر اس نے دریافت کیا کہ یہ بھیڑ کیسی ہے؟ حضرت کے خادم نے جو اس گاڑی میں سوار ہوئے تھے۔ جواب دیا کہ یہاں سہارنپور میں ایک بزرگ شیخ ہیں سب لوگ مختلف اطراف ان کی زیارت کو آئے تھے اور اب اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو رہے ہیں۔ وہ حضرت کے حالات پوچھنے لگا اور پھر خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ خادم کہتے تھے کہ کچھ دیر کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ قلب پر ایک غیر مانوس اثر اور دباؤ پڑ رہا ہے جس کا ظاہری سبب کچھ معلوم نہیں ہوتا اور دل اندر سے گھبراتا اور اڑا ان ہوا جاتا ہے۔ حیران تھا کہ دن ہے رات نہیں، مجمع ہے تنہائی نہیں، ریل کا ڈبہ کھچا کھچ بھرا ہوا ہے، جنگل یا بیابان نہیں ہے، پھر یہ وحشت اور پریشانی کیوں ہے کہ جیسے جان نکلی جاتی ہے اور زبان گنگ اور سن ہوئی جاتی ہے۔

اسی پریشانی میں تھا کہ دفعتاً حضرت کی شبیہ نظر آئی اور اس کا عکس دل پر پڑنا شروع ہوا اور اشارہ ہوا کہ پڑھو حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ چنانچہ زبان گنگ تھی مگر دل نے اس کا ورد شروع کیا اور گھبراہٹ اور اضطراب کے بادل چھٹنا شروع ہو گئے۔ چند منٹ میں وہ کیفیت جاتی رہی اور قلب کو سکون نصیب ہوا۔ کان میں آواز آئی، سادھو کہتا ہے تمہارے گرو واقعی بڑے کامل اور بہت زور والے ہیں۔ اس وقت میں سمجھا کہ یہ اثر ڈال رہا تھا، اس لئے میں نے کہا، بس تم میں اتنی ہی ہمت تھی، ذرا کچھ کر کے دکھایا ہوتا۔ وہ جھینپا ہو گیا اور منہ موڑ کر بیٹھ گیا کہ پھر بات تک نہ کی۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۳۱۰) (آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ: ۳۱۰)

کھانے میں برکت

سالانہ جلسہ میں ایک مرتبہ دیہاتی مہمان امید سے زیادہ آ گئے کہ کھانا تیار شدہ نصف کو بھی بمشکل کافی ہوتا۔ کارکنان مدرسہ گھبرا گئے کہ نہ تیار کرانے کا وقت ہے کیونکہ جلسہ سے ایک بجے فراغ ہوا تھا، حافظ عبداللطیف صاحب نے یہ حالت حضرت سے عرض کی اور یہ بھی کہا کہ باورچی بھی تھک گئے، ان میں پکانے کی ہمت بالکل نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کھانے کو چاروں طرف سے ڈھانک دو، میں آتا ہوں۔

چنانچہ حضرت نے تشریف لا کر کچھ پڑھا اور کھانے پر دم کر کے دعا برکت فرمائی اور حکم دیا کہ کپڑا دیگ کے منہ سے نہ ہٹایا جائے اور نیچے سے کھانا نکال کر کھلانا شروع کر دیا جائے۔ الحمد للہ کہ سب مہمان فارغ ہو گئے اور کھانا بچ رہا۔

(تذکرۃ الرشید ص ۳۷۴) (آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ: ۳۱۳)

☆☆☆

شیخ العرب والعجم

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

جانشین شیخ الہند، اسیر مالٹا

تحریک آزادی ہند کے سپہ سالار

لاکھوں مسلمانوں کے مرشد

انگریز کے ظلم و استبداد کو للکارنے والے نڈر مجاہد

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث

پیدائش	وفات
۱۸۷۹ء	۱۹۵۷ء

زندگی نقش ہے جس کی مشعل دور اوّلین

رات مصروف عبادت، دن ہے مصروف جہاد

سر سے پا تک پیکر افسانہ اسلاف ہے

اہل حق کرتے ہیں اس کی زندگی پہ اعتماد

لا یضل ربی ولا ینسیٰ

۱۹۴۵ء کا ذکر ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے ساتھ مشرقی پنجاب کے ایک ریلوے اسٹیشن پر ایک مخالف مجمع نے جس کا اختلاف سیاسی نوعیت کا تھا، حضرت پر سنگباری شروع کر دی۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے حضرت شیخ کو آڑ میں لے لیا اور خود کو مجمع کے سامنے پیش کر دیا۔ اور اب مولانا پر بلا تامل پتھر برسنے لگے حتیٰ کہ ایک پتھر نازک جگہ پر آ کر لگا۔ مولانا حفظ الرحمٰن فرماتے تھے کہ میں یہ تہیہ کر چکا تھا کہ جب تک حفظ الرحمٰن کے بدن میں جان موجود ہے، حضرت شیخ پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔

اس سنگ باری کے سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی ہے جو مجھ سے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ پاکستان میں ایک مقام پر ایک شخص ان کو ملا اور بے اختیار رونے لگا۔ دریافت کرنے پر اس نے یہ داستان سنائی کہ وہ مشرقی پنجاب کا رہنے والا ہے اور جس مجمع نے حضرت شیخ پر سنگباری کی تھی، بدبختی سے یہ بھی اس میں موجود تھا۔ اس نے بتلایا کہ اس مظاہرے کے موقعہ پر تشفی غیظ کے لئے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ برہنہ ہو کر حضرت شیخ کے سامنے ناچنے لگا۔

واقعہ رفت گزشت ہو گیا۔ لیکن ''لا یضل ربی ولا ینسیٰ'' کچھ عرصہ بعد جب پنجاب میں ہولناک فسادات ہوئے تو سکھوں نے اس کے ساتھ یہ طریقہ برتا کہ اس کو ستون سے باندھ دیا گیا اور گھر کی بہو بیٹیوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ برہنہ ہو کر اس کے اور مجمع کے سامنے ناچیں۔ اس نے کہا اس وقت میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ آج کا یہ ناچ اس برہنہ ناچ کا قدرتی انتقام ہے جو حضرت مدنیؒ کی اہانت کی غرض سے میں نے کیا تھا۔ (مفتی جمیل الرحمٰن نائب مفتی دارالعلوم دیوبند) (بیس بڑے مسلمان: ۵۱۳)

میں نے حضور ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت مدنیؒ آخری حج سے

تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ سٹیشن پر شرف زیارت کے لیے گئے۔ حضرت کے متوسلین میں سے ایک صاحبزادہ محمد عارف ضلع جھنگ دیوبند تک ساتھ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی تھے جن کو ضرورت فراغت لاحق ہوئی۔ وہ رفع حاجت کے لیے گئے اور الٹے پاؤں بادل نخواستہ واپس ہوئے۔

حضرت مدنیؒ سمجھ گئے۔ فوراً چند سگریٹ کی ڈبیاں ادھر ادھر سے اکٹھی کیں اور لوٹا لے کر پاخانہ میں گئے اور اچھی طرح صاف کر دیا اور ہندو دوست سے کہا کہ جائیے پاخانہ تو بالکل صاف ہے۔ نوجوان نے کہا کہ مولانا میں نے دیکھا ہے پاخانہ بالکل بھرا ہوا ہے۔ قصہ مختصر وہ اٹھا اور جا کر دیکھا تو پاخانہ بالکل صاف تھا۔ بہت متاثر ہوا اور بھرپور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا کہ یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے باہر ہے۔

راقم الحروف کو یہ بات بھی پہنچی ہے کہ اسی واقعہ کو دیکھنے پر یا اس طرح کے کسی دوسرے موقعہ پر اسی ڈبہ میں خواجہ نظام الدین تونسوی مرحوم نے اس ڈبہ میں ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ کھدر پوش کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ حسین احمد مدنیؒ ہیں۔ تو خواجہ صاحب مرحوم بے اختیار ہو کر حضرت مدنی کے پاؤں سے لپٹ گئے اور رونے لگے۔ حضرت نے جلد پاؤں چھڑائے اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو خواجہ صاحب نے کہا کہ سیاسی اختلافات کی وجہ سے میں نے آپ کے خلاف فتوے دیئے اور برا بھلا کہا۔ اگر آج آپ کے اس اعلیٰ کردار کو دیکھ کر تائب نہ ہوتا تو شاید سیدھا جہنم میں جاتا۔

حضرت نے فرمایا:

میرے بھائی! میں نے تو حضور ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے۔ اور وہ سنت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ایک یہودی مہمان نے بستر پر پاخانہ کر دیا تھا۔ صبح اٹھ کر جلدی چلا گیا۔ جب اپنی بھولی ہوئی تلوار لینے واپس آیا تو دیکھا کہ حضور ﷺ بنفس نفیس اپنے دست مبارک سے بستر کو دھو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔

(بیس بڑے مسلمان: ۵۱۵)

ساری رات عبا اوڑھ کر گزار دی

استاد العرب والعجم کا معمول تھا کہ عشاء کے بعد سے بارہ بجے تک حدیث کی سب سے بڑی مہتم بالشان کتاب بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔ مولانا فیض اللہ، حضرت مرحوم لالٹین دکھانے پر مامور تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک رات حضرت نصف شب کو سردی کے موسم میں مہمان خانہ میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ ایک خستہ حال بوسیدہ کپڑے میں ملبوس چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ان سے پوچھو کہ کیوں بیٹھے ہیں؟ اور پھر خود ہی جا کر پوچھا تو اس مہمان نے جواب دیا کہ کسی صاحب نے مجھے دستر خوان سے اٹھا دیا اور میرے پاس لحاف بھی نہیں ہے۔

حضرت پر بڑا اثر ہوا۔ بار بار ان کا نام پوچھا مگر پتہ نہ چلا۔ فوراً اندر تشریف لے گئے او رکھانا لے کر خود باہر تشریف لائے اور جب تک اس مہمان نے کھانا نہیں کھایا، آپ باہر ہی بیٹھے رہے۔ سارے مہمان اور اہل خانہ سو چکے تھے۔ حضرت اندر گئے اور اپنا بستر اٹھا لائے اور اس کو بچھا دیا۔ اور خود ساری رات عبا اوڑھ کر گزار دی۔

مولانا فیض اللہ، جو حضرتؒ کے شاگرد ہیں، کا بیان ہے کہ میں نے بہت اصرار کیا اور چاہا کہ اپنا بستر لے آؤں اور حضرت آرام فرمائیں۔ مگر اس پیکر سنت نے گوارا نہ کیا۔

(تین بڑے مسلمان: ۵۱۹)

لاش نہیں ملے گی

واقعہ کے راوی جالندھر کے ایک نوجوان مولوی محمد اکرام قریشی ہیں جو حمید نظامی مرحوم (مدیر نوائے وقت) کے جگری دوست مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن میں ان کے دست و بازو، اسلامیہ کالج کے فارغ التحصیل اور لیگ کے آغاز سے آج تک حامی چلے آتے ہیں۔ وہ مولانا مدنیؒ اور ان کے مدرسہ فکر کے کبھی ہم خیال نہیں رہے۔ بلکہ ان نوجوانوں میں سے تھے جنہیں مسلم لیگ کا ہراول دستہ کہا جاتا تھا اور جن کا کام لیگ سے اختلاف رکھنے والے عناصر کی ہر لحاظ سے مدافعت و مزاحمت تھا۔ بلکہ نوجوانوں کا یہ طائفہ احرار اور جمعیۃ کے جلسوں پر یلغار کیا کرتا

تھا۔

اس واقعہ کے راوی بھی محمد اکرام قریشی ہیں جنہیں لاہور کے احباب ڈاکٹر بھی کہتے ہیں اور آج کل بیڈن روڈ لاہور میں رہ رہے ہیں۔ ان کی روایت کے مطابق اس واقعہ کے کئی راوی اب بھی بقید حیات ہیں اور یہ واقعہ انہوں نے کافی ہاؤس میں بارہا بیان کیا ہے۔

"ابھی پاکستان نہیں بنا تھا اور ۱۹۴۶ء کے انتخابات کا زمانہ تھا۔ مولانا حسین احمد مدنی پنجاب یا سرحد کے سفر سے واپس جا رہے تھے۔ جالندھر کے سٹیشن پر یہی نوجوان مسٹر شمس الحق کی ہمراہی میں اپنے رہنماؤں کے استقبال کے لئے گئے ہوئے تھے۔ راہنما کسی وجہ سے نہ پہنچ سکے۔ شمس الحق کی نظریں مولانا مدنی پر پڑ گئیں۔ وہ اپنے ساتھ کے نوجوانوں کو لے کر ان کے ڈبہ پر چڑھ گیا۔ نعرے لگائے، سب وشتم کیا، حتیٰ کہ ان کی داڑھی کو پکڑ کر کھینچا۔ ایک بیان کے مطابق رخسار پر طمانچہ مارا۔ مولانا صبر کی تصویر تھے، آہ تک نہ کی۔

اس کارنامہ کے بعد شمس الحق یا ان کے کسی ساتھی نے یہ واقعہ مولانا عقافی (جانشین گرامی علامہ کے جگری دوست) سے بیان کیا، جو جالندھر مسلم لیگ کے نائب صدر اور تحریک پاکستان کے مقامی طور پر معاون و رہنما تھے۔ انہوں نے سنتے ہی کانپ کر پوچھا، "کیا یہ صحیح ہے؟" جب تصدیق کی گئی تو ان پر ایک رعشہ سا طاری ہو گیا۔ اکرام قریشی کہتے ہیں، "وہ کانپ رہے تھے۔ انہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا، "اگر یہ سچ ہے تو جس نے حضرت مدنی کی داڑھی پر ہاتھ ڈالا ہے، اس کی لاش نہیں ملے گی، اس کو زمین جگہ نہیں دے گی۔"

عقافی کانپ رہے تھے اور ان کا چہرہ متغیر تھا۔ ان کے دیدے پرنم تھے۔

آپ جانتے ہیں یہ شمس الحق کون تھا۔ یہ وہی نوجوان ہے جو لائل پور میں قتل وخون کا شکار ہو گیا۔ جس کی نعش کا نہ پتہ چلا۔ اس واقعہ کو تقریباً گیارہ سال ہو چکے ہیں، کفن ملا نہ قبر۔ روایتوں پر روایتیں آتی رہیں۔ خود لیگ کے زعماء میر بلب رہے۔ کسی نے کہا بھٹہ میں زندہ جلا

دیا گیا، کسی نے کہا کہ لاش کے ٹکڑے کر کے دریا برد کر دیئے گئے۔ کسی نے کہا قیمہ کر کے جانوروں کو کھلا دیا گیا۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ پولیس نے انعام بھی رکھا۔ سب کچھ کیا مگر شمس الحق کا سراغ نہ ملا۔

یک حرف کاشکے کہ بصد جا نوشتہ ایم

(شورش کاشمیری ہفت روزہ چٹان ۱۴ مارچ ۶۳ء) (بیس بڑے مسلمان: ۵۲۳)

میں سب کو معاف کر چکا ہوں

بنگال کے سفر میں حضرتؒ کے ساتھ ایک جگہ لوگ سخت گستاخی سے پیش آئے۔ اخبارات میں اس کا چرچا ہوا تو چودھری مقبول الرحمٰن خان سیوہاروی نے ان لوگوں کی ہجو میں ایک نظم لکھی جس میں ان کے لئے کچھ بددعائیں بھی تھیں۔ اس نظم میں انہوں نے مجھ سے مشورہ کیا۔ غرض اس کو صاف کر کے میں نے اشاعت کے لئے ایک مشہور اخبار "مدینہ بجنور" میں بھیج دیا۔ جب وہ شائع نہیں ہوئی تو میں نے مولوی مجید حسن کو بطور شکایت خط لکھا۔ تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ جب وہ نظم یہاں پہنچی تو حضرتؒ دفتر ہی میں تشریف فرما تھے۔ ہم نے سنائی تو فرمایا کہ اس کو شائع نہ کیا جائے، اس لئے ہم اس کو اخبار میں شائع نہیں کر سکتے۔

اگلے مہینے میں حضرت سیوہارہ تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے ہماری نظم کو شائع ہونے سے روک دیا؟ فرمایا، بھائی! میرے ساتھ جس نے جو کچھ کیا ہے یا آئندہ کرے گا، میں سب کو معاف کر چکا ہوں، آپ میری وجہ سے کسی کو برا بھلا نہ کہیں اور نہ بددعا دیں۔ (مولانا قاضی ظہور الحسن سیوہاروی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۴۸)

سخت کلامی پر مسکرانا

حضرت سیوہارہ تشریف فرما تھے۔ باہر کا کوئی شخص آیا اور اس نے کچھ باتیں کیں اور آخر میں سخت کلامی پر اتر آیا۔ حضرت سنتے رہے اور مسکراتے رہے۔ بالآخر وہ شخص بہت شرمندہ ہوا

اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگا۔ (مولانا قاضی ظہور الحسن سیوہارہ)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۳۰)

بیمار کا پیر اور کمر دبانا

میں نہ مولانا کا مرید ہوں، نہ شاگرد اور نہ پیر بھائی۔ مجھ کو ان کے مجاہدانہ کارناموں کی وجہ سے محبت ہوگئی تھی۔ ایک مرتبہ لکھنؤ سے آرہا تھا۔ میری طبیعت بہت خراب تھی۔ چادر اوڑھ کر سیٹ پر لیٹ گیا۔ بخار تھا، اعضاء شکنی تھی، اس لئے کبھی کبھی کراہ بھی نکل جاتی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ کون سا اسٹیشن آیا، کون مسافر اترا اور کون سوار ہوا۔ البتہ یہ محسوس ہوا کہ کوئی صاحب میرے پیر اور کمر دبا رہے ہیں۔ مجھے بہت ہی راحت معلوم ہوئی، میں لیٹا رہا۔ تھوڑی دیر میں مجھے پیاس لگی۔ میں نے کہا، بھائی مجھ کو تھوڑا سا پانی پلاؤ۔ انہوں نے اپنی صراحی سے گلاس میں پانی انڈیل کر کہا، لیجئے۔ اب جو میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضرت مولانا ہیں۔ مجھے بہت ندامت ہوئی۔ معذرت کی مگر حضرت نے مجھ کو اس درجہ مجبور کیا کہ میں پھر لیٹ گیا اور وہ رامپور تک میرے پیر دباتے رہے۔ پھر میں اٹھ گیا۔ (قاضی ظہور الحسن سیوہارہ)

در و دیوار سے اسم ذات کے انوار

میرے والد چودھری مختار احمد صاحب کے انتقال کے وقت حضرت سیوہارہ تشریف لے آئے۔ عصر کے بعد والد صاحب کی درخواست پر حضرتؒ نے قلب پر توجہ دی۔ جس سے والد صاحب کا قلب جاری ہوگیا اور در و دیوار سے اسم ذات کے انوار ظاہر ہونے لگے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔ ایک صاحب نے والد صاحب کو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرما رہے ہیں، ''میاں! مولانا حسین احمد صاحب کے صدقے میں اللہ تعالیٰ نے چودھری مختار احمد کو بخش دیا۔'' (حاجی حبیب الرحمن سیوہارہ)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۳۴)

بغض فی اللہ میں تکدری کی مثال

حضرت ایک مرتبہ تقسیم ہند سے پہلے ملتان تشریف لے گئے۔ میں نے دعوت کر دی۔

گھر والوں نے زمین پر فرش کر کے حضرت کے بیٹھنے کے لئے ایک گدا بچھا دیا اور اس پر ایک دوتہی بچھادی، دوتہی چوخانی تھی مگر اس طرح کے نشانات تھے جس سے صلیب کی شکل بن جاتی تھی۔ حضرت تشریف لائے اور جیسے ہی دوتہی پر نظر پڑی، بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا کہ اس میں جگہ جگہ صلیب کے نشان ہیں، میں اس پر نہیں بیٹھوں گا۔ ہم نے فوراً دوتہی ہٹائی اور کپڑا اچھا دیا۔ اس پر حضرت تشریف فرما ہوئے۔ یہ تھی بغض فی اللہ میں نکتہ رسی کی ایک مثال۔ جس طرح انگریزوں سے نفرت تھی، ایسے ہیں ان کی ساری چیزوں سے نفرت تھی۔ (مولانا خدا بخش ملتانی) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۳۶)

میں کھدر استعمال کرتا ہوں

ایک مرتبہ میں نے حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے دیسی کپڑے کا بہت عمدہ رومال بنوایا اور اس کو بہت خوبصورت چھپوایا اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر رکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کرنا چاہا۔ دیکھ کر فرمایا، کیا ہے؟ میں نے کہا، حضرت رومال ہے، پیش کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا، اس کا سوت انگریزی مشین کا کتا ہوا ہے، میں ایسی چیزیں استعمال نہیں کرتا، میں کھدر استعمال کرتا ہوں۔ جس کے دونوں سوت ہاتھ کے کتے ہوئے ہوں۔

ہم نے دیسی کے معنی یہ سمجھ رکھے تھے کہ دیس کا بنا ہوا ہو، حضرت کی تصریح کے بعد دیسی کا مفہوم سمجھ میں آیا۔ وہ رومال حضرت نے قبول نہیں فرمایا۔ (مولانا خدا بخش ملتانی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۳۷)

سخت علالت کے باوجود فریضہ جہاد چھوڑنا گوارہ نہ فرمایا

۱۹۳۲ء میں تحریک آزادی چل رہی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے آپ ڈکٹیٹر بنائے گئے۔ ہر ڈکٹیٹر دہلی پہنچ کر سول نافرمانی کرتا اور گرفتار ہو جاتا۔ حضرت کی طبیعت اس زمانہ میں سخت علیل چل رہی تھی۔ ٹانگوں میں زخم تھا، چند قدم چلنا پھرنا دشوار تھا۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کو جب علم ہوا تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ آپ اس حالت میں تشریف نہ لے جائیں۔ لیکن حضرت نے گوارا نہ فرمایا اور اسی حالت میں دیوبند سے دہلی کے لئے روانہ

ہوئے۔ پولیس گرفتاری کے لئے سہارنپور سے آرہی تھی لیکن دیوبند سٹیشن پر ہجوم کی وجہ سے گرفتاری کی جرأت نہ ہوئی۔ دیوبند سے اگلے سٹیشن رو ہانہ پر وارنٹ گرفتاری پیش کیا جو انگریزی میں تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں انگریزی نہیں جانتا۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے کہا، آپ اپنا قلم دیجئے، میں اس کا اردو ترجمہ کر دیتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا، کیا خوب! خود اپنے ذبح کرنے کے لئے اپنا ہتھیار آپ کو دوں۔ وہ خاموش ہو کر واپس چلا گیا۔ گاڑی چھوٹ گئی۔ مظفر نگر سٹیشن پر وہ ترجمہ کر کے لایا اور حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ اس میں تحریر تھا کہ حکومت سہارنپور کی طرف سے آپ کو نوٹس دیا جاتا ہے کہ آپ آگے نہ جائیں ورنہ آپ اپنے آپ کو گرفتار سمجھیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ نوٹس سہارنپور حکومت کی طرف سے ہے، اب میں سہارنپور کی حدود سے باہر آچکا ہوں، اس لئے یہ نوٹس قابل تعمیل نہیں۔

یہ جواب سن کر وہ تمام افسران نہایت حیران رہ گئے۔ بعد میں مجسٹریٹ نے کہا کہ میں آپ کو اپنے خصوصی اختیار کی بنا پر نوٹس دوں گا۔ چنانچہ اس نے مظفر نگر اسٹیشن پر تحریری نوٹس دیا، پھر گرفتاری عمل میں آئی۔ اس وقت حضرت کے لئے چند قدم چلنا بھی دشوار تھا۔ اسی جگہ کچھ دیر کے لئے کرسی رکھ دی گئی۔ حضرت اس پر تشریف فرما ہو گئے۔ لیکن اس حالت کے باوجود فریضۂ جہاد کو چھوڑنا گوارا نہ فرمایا۔

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۴۳)

کھانے میں غیر معمولی برکت

مولانا عبدالسمیع صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند نے دوران تدریس یہ واقعہ بیان فرمایا کہ میں نے ایک دن حضرت کی دعوت کی۔ اس دن مہمان تھوڑے تھے۔ میں نے اس کے مطابق انتظام کیا۔ لیکن جب کھانے کا وقت ہوا تو مہمان بہت زیادہ آگئے۔ حضرت تمام مہمانوں کو لے کر میرے مکان پر تشریف لے آئے۔ مہمانوں کی کثرت دیکھ کر میں بہت پریشان ہوا۔ حضرت نے محسوس فرما لیا۔ مجھے علیحدہ لے گئے۔ میں نے تمام صورتحال سامنے رکھ دی اور عرض کیا کہ حضرت تھوڑی دیر تشریف رکھیں، میں مزید کھانے کا انتظام کر لوں۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں، یہی کھانا انشاء اللہ کافی ہو جائے گا۔

چنانچہ آپ کے ارشاد کے بموجب تمام روٹیاں اور سالن آپ کے پاس لا کر رکھ دیا گیا۔ روٹیوں پر ایک کپڑا ڈھک دیا گیا۔ حضرتؒ اپنے ہاتھ سے کھانا نکال نکال کر سب کو دیتے رہے۔ سب کو وہی کھانا کافی ہو گیا۔ گھر والوں نے بھی کھایا اور کچھ بچ بھی رہا۔

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۴۷)

ایک مخالف اخلاق کے گرویدہ

میرے ایک دوست نے سفر دیوبند کا حال اس طرح بیان کیا:

"میں دیوبند میں جانے سے پہلے کٹر قسم کا مسلم لیگی تھا۔ مولویوں کو بری اور حقیر نظروں سے دیکھتا۔ مولانا مدنیؒ کا بھی بہت مخالف تھا۔ جب میں اپنے کام سے فارغ ہوا تو سوچا کہ چلو یہاں آیا ہوں تو دارالعلوم بھی دیکھتا چلوں۔ پہنچا تو معلوم ہوا کہ مولانا مدنیؒ درس دے رہے ہیں، ابھی تھوڑی ہی دیر میں تشریف لائیں گے، آپ سے ضرور ملاقات فرمائیں گے، تشریف رکھیں۔

درس سے فارغ ہو کر مولانا مدنیؒ تشریف لائے، ملاقات ہوئی۔ سب سے پہلے پوچھا کہ آپ کا سامان کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ فلاں جگہ۔ فرمایا نہیں، آپ ہمارے مہمان ہیں، میں سامان منگواتا ہوں۔ میں یہ سن کر چکر میں پڑ گیا کہ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ میں جن کی مخالفت کرتا رہتا ہوں ان کا مجھ اجنبی کے ساتھ یہ اخلاق ہے۔ میں دل ہی دل میں بہت شرمندہ ہوا اور حضرت مولانا کو جلد سامان لانے کا یقین دلا کر رخصت ہوا۔

شب کو اسی کشمکش و پیچ میں رہا کہ حضرت کے پاس سے کھانا کھا کر جاؤں یا بغیر کھائے۔ کافی دیر ہو گئی۔ بالآخر بغیر کھائے چل دیا۔ پہنچا تو دیکھا کہ حضرت مع مہمانوں کے میرا انتظار فرما رہے ہیں۔ میں نے دیکھ کر دل میں عہد کیا کہ ایسوں کی غلامی میرے لئے باعث فخر ہے۔ ان کو برا کہنے والے دراصل اندھیروں میں ہیں۔ نہ جانے کتنی دیر سے میرا انتظار ہو رہا تھا۔ ایک معمولی شخص کا انتظار، ایک اجنبی شخص کا انتظار۔ میں اندر ہی اندر حیرت زدہ تھا کہ آج تک کن خرافات میں مبتلا تھا۔ الغرض سب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھایا جن کی تعداد تقریباً چالیس تھی۔ (راوی سید ساجد حسین شمس سیوہاروی) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۵۰)

بریلی کے دل خراش منظر کا مختصر سا خاکہ

ماہ دسمبر ۱۹۴۵ء کا پر آشوب دور تھا، مسلم لیگ کی تحریک کانگریس کے مقابلہ میں اپنے شباب پر تھی۔ آپ کانگریس کی حمایت میں بریلی تشریف لائے۔ موتی پارک میں جلسہ کا انتظام کیا گیا۔ مغرب کے بعد حضرت تشریف لے گئے تو جلسہ گاہ پر ہو چکی تھی۔ معززین شہر ساتھ تھے۔ خادم بھی ہمرکاب تھا۔ جلسہ گاہ کے باہر لیگ کے ہم خیال لوگوں کا ایک زبردست ہجوم تھا جو مخالفانہ نعرے لگا رہے تھے اور وہ یہ چاہتے تھے کہ جلسہ نہ ہو۔ مگر اس مرد مجاہد نے کسی کی کوئی پرواہ نہ کی۔ جلسہ کی کارروائی تلاوت کلام پاک سے شروع ہوئی۔ حضرت نے آیت کریمہ وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون تلاوت فرمائی جو موقع اور محل کے مطابق تھی۔ اس کا ترجمہ فرما کر تقریر شروع فرما دی۔ مخالفین انتہائی بداخلاقیوں پر اتر آئے۔ کولتار کے خالی ڈرم اور ٹین کے کنستر پوری قوت سے بجانے لگے۔ سڑک پر پڑے کیلے کے ڈنٹھل وغیرہ حاضرین جلسہ پر پھینکنے لگے۔

جب ان حرکات کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تو ان ناعاقبت اندیشوں نے سنگباری شروع کر دی۔ پولیس کی پوری فورس موجود تھی لیکن چونکہ ضلعی افسر لیگی ذہنیت کا تھا، اس لئے پولیس کا عدم اور وجود دونوں برابر تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حاضرین جلسہ مضطرب ہونے لگے اور مجمع منتشر ہونے لگا۔ حضرت کے جانثاروں نے چاہا کہ حضرت کے اوپر کوئی سایہ کر لیں تا کہ آپ کا جسم مبارک محفوظ رہے مگر آپ نے ان لوگوں کو روک دیا اور فرمایا کہ حسین احمد کا سر آپ حضرات کے سروں سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ آپ اس سنگباری میں سینہ سپر ہو کر مجاہدانہ انداز میں تقریر فرماتے رہے۔ آخر کار مخالفین نے روشنی کے قمقموں کو پتھر کا نشانہ بنا کر ساری فضا کو تاریک کر دیا۔ مجبوراً جلسہ برخاست کرنا پڑا۔

حضرت الحمد للہ خیر و عافیت کے ساتھ قیام گاہ پر تشریف لے آئے اور واپسی سے قبل اپنی جانب سے ایک ہینڈ بل شائع فرمایا جو دعاؤں اور نصیحتوں سے پر تھا جس کا مضمون اس شعر پر ختم ہوتا تھا:

مراد ما نصیحت بود گفتیم
حوالت با خدا کردیم و رفتیم

(راوی حکیم عبدالرشید صاحب بریلی)۔(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۵۱)

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

جمعیۃ علمائے ہند کے انیسویں اجلاس عام منعقدہ سورت سے فارغ ہو کر حضرت قدس سرہٗ راندیر، بارڈولی وغیرہ ہوتے ہوئے براہ احمد آباد اجمیر تشریف لائے۔ میں اس وقت مدرسہ معینیہ عثمانیہ میں زیر تعلیم تھا۔

جامع مسجد شاہجہانی میں تقریر کا پروگرام تھا۔ تقریر کے بعد ایک شخص مصافحہ کے لئے آگے بڑھا۔ حضرت کی نگاہ اس کے چہرہ پر پڑی۔ نہایت غصہ کے عالم میں فرمایا کہ تم کو شرم نہیں آتی، تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے نفرت ہے، ڈاڑھی منڈھواتے ہو، مصافحے کے لئے آ گئے۔

حضرت کے الفاظ کا اس کے اوپر ایسا اثر پڑا کہ وہ بے اختیار رونے لگا اور کہنے لگا، توبہ توبہ اب کبھی داڑھی نہیں منڈھواؤں گا۔

حضرت اسی دن شام کو دہلی تشریف لے گئے۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ کچھ دن کے بعد ضرور دیکھنا چاہئے کہ داڑھی رکھتا ہے یا نہیں۔ چند ہفتے کے بعد میں نے دیکھا کہ اس شخص کے چہرے پر داڑھی موجود تھی۔ سچ ہے کہ "دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔"

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۵۳)

چالیس ہزار روپے

ایک مرتبہ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں جب کراچی جیل سے رہا ہو کر آیا تو بنگال کونسل کے ایک ممبر نے مجھ سے کہا کہ چالیس ہزار روپے نقد اور وعدہ کہ یونیورسٹی میں پانچ سو روپے ماہانہ کی پروفیسری آپ کے لئے ہے، اس کو منظور فرما لیں۔ میں نے کہا، کام کیا کرنا ہو گا؟ انہوں نے کہا، کچھ نہیں، صرف تحریکات میں خاموش رہیں۔ میں نے کہا، حضرت شیخ الہندؒ

جس راستے پر لگا گئے ہیں اس سے میں نہیں ہٹ سکتا۔

نوٹ: یہ ۱۹۳۲ء کی بات ہے اس وقت حضرت کی ملازمت کا کہیں کوئی سلسلہ نہیں تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد سلہٹ تشریف لے گئے تو وہاں مشاہرہ ڈیڑھ سو روپے تھا۔ (راوی: مولانا مقصود علی خان صاحب سنبھل) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۶۳)

جمعیۃ علمائے ہند کا لیٹر فارم

لیٹر فارم ایک عام چیز ہے۔ بارہا حضرت سے درخواست کی گئی کہ جمعیۃ علماء ہند کا لیٹر فارم استعمال فرمائیں۔ بحیثیت صدر آپ کو اس کا حق ہے اور یہ بات موزوں بھی ہے۔ مگر بہت ہی کم ایسا ہوا کہ جمعیۃ علماء کی ضرورت سے بھی آپ نے جمعیۃ علماء کا لیٹر فارم استعمال فرمایا ہو۔ ورنہ اپنے لیٹر پیڈ پر جو اعلیٰ قسم کے کاغذ کا علیحدہ تیار کرایا جاتا تھا۔ جس کا تمام صرفہ حضرت خود ادا فرماتے تھے۔ اسی پر خطوط تحریر فرماتے تھے۔ اس کا تو کوئی امکان ہی نہیں تھا کہ اپنی کوئی ذاتی تحریر دفتر جمعیۃ علماء کے کسی کاغذ پر تحریر فرمائی ہو۔ (مولانا محمد میاں دیوبندی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۷۰)

مجھ کو خلاف سنت نماز میں مزہ ہی نہیں آتا

ایک مرتبہ حکیم محمد یٰسین صاحب بجنوری ممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے فرمایا کہ حضرت آپ کے اوپر مرض کا غلبہ ہوتا جارہا ہے اور اس مرض میں آرام کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے، حرکت وغیرہ خاص طور پر اس کے لئے مضر ہوتی ہے۔ اول تو آپ باہر تشریف نہ لے جائیں اور اگر تشریف لے ہی جائیں تو پھر ذرا نماز ہلکی ادا فرمائیں۔ آپ کے یہاں وہی صحت وتندرستی والا دستور چل رہا ہے۔ مرض کی حالت میں اگر کچھ سنن ومستحبات وغیرہ چھوٹ جائیں تو کیا مضائقہ ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے مگر میں کیا کروں کہ مجھ کو خلاف سنت نماز میں مزہ ہی نہیں آتا۔

اس جواب کا حکیم صاحب کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ (رشید الدین حمیدی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۷۲)

پھول سیاہ ہو گئے

بمبئی کی جامع مسجد کے خطیب و امام مولانا شوکت علی صاحب حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے چمپا کے پھول لائے۔ ایک بوتل میں پانی بھر کر پھول اس میں ڈال دیئے گئے۔ اس طرح خوشنما بھی معلوم ہوتے ہیں اور ان کی عمر بھی چار ماہ ہوتی ہے۔ یعنی چار ماہ تک پژمردہ نہیں ہوتے۔ حضرت نے اس ہدیہ کو مسرت کے ساتھ قبول فرمایا اور حکم فرمایا کہ یہ بوتل کمرے میں میز پر رکھ دی جائے۔

چار ماہ کی بجائے تین سال اور تین ماہ گزر گئے مگر پھول اسی طرح تر و تازہ رہے۔ مگر افسوس کہ ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء میں حضرت کے انتقال کے حادثۂ جانکاہ کی تاب وہ بھی نہ لا سکے۔ دفعتاً ان کی تازگی پژمردگی میں بدل گئی۔ وہ سارے پھول سیاہ ہو گئے حتیٰ کہ پانی میں بھی سیاہی کا اثر آ گیا۔ (رشید الدین حمیدی) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۹۷)

ابر کا ٹکڑا سایہ فگن ہو گیا

حضرت مولانا سید حمید الدین صاحب قدس سرہٗ سابق شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ مجھ سے ریاست علی خان صاحب مرحوم ساکن موضع رسول پور تحصیل ٹانڈہ ضلع فیض آباد نے کہا کہ ایک مرتبہ میں اور میاں سید بشیر الدین صاحب حضرت مدنیؒ کے ساتھ حضرت کی سسرال قتال پور ضلع اعظم گڑھ جا رہے تھے۔ تینوں آدمی گھوڑے پر سوار تھے اور گرمی کی شدت سے پریشان تھے۔

میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت دھوپ کی شدت سے سخت پریشانی ہے۔ حضرت خاموش رہے۔ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور بڑھتے بڑھتے ہم لوگوں پر سایہ فگن ہو گیا۔ نہایت آرام سے ہم لوگ چلنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ دور سے پانی برستا ہوا آ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت دھوپ ہی اچھی تھی، اب تو بھیگتے ہوئے ہم لوگ سسرال پہنچیں گے۔

حضرت نے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ پانی سر پر آ گیا۔ مگر دیکھئے خدا کی قدرت

کہ ہر چہار طرف پانی پڑ رہا تھا، گھوڑے پانی میں چل رہے تھے لیکن ہم لوگوں پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پڑ رہا تھا۔

چونکہ اس واقعہ میں خان صاحب نے سید بشیر الدین صاحب کے ساتھ ہونے کا تذکرہ کیا تھا اسی لئے میں نے اس کے سلسلے میں ان سے معلومات کیں تو انہوں نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی۔ (مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۸۷)

کھاری کنواں شیریں ہو گیا

دیولہ ضلع بھروچ (گجرات) میں حضرت تشریف فرما تھے۔ وہاں کے لوگوں نے ایک کنوئیں کے کھاری ہونے کی شکایت کی۔ حضرت نے پانی پر دم کیا جس کو کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ وہ کنواں شیریں ہو گیا۔ (از مفتی جلیل الرحمن صاحب سیوہاروی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۹۴)

درد تھام کو نہ تھا

ماہ رمضان المبارک میں قیام بانس کنڈی کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب حلہٹ کے بھی یو پی والوں کے کمرے میں مقیم تھے۔ ان کے گھٹنے میں اتنی شدت کا درد تھا کہ وہ کمرے سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ دن رات درد کی شدت سے کراہتے تھے۔ ایک دن ظہر کی نماز پڑھ کر حضرت تشریف لائے، درد کے مقام کو پکڑوا کر دم کیا۔ درد اسی وقت کم ہو گیا۔ ایسا محسوس ہوا کہ درد نام کو نہ تھا۔ (از مفتی عزیز الرحمن بجنوری)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۹۳)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت

حضرت مدنیؒ سے آخری ملاقات گزشتہ سال ماہ جمادی الاولیٰ میں ہوئی۔ میں ایک عزیز کی تعزیت میں شیخوپور گیا ہوا تھا واپسی بڑوت کو ہوئی۔ کاندھلہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ آج بڑوت میں جلسہ ہے۔ حضرت مدنیؒ تشریف لائے تھے۔ اپنی بے خبری اور زیارت سے محرومی پر بہت افسوس ہوا۔ ابھی چند روز پہلے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں حضرت مدنیؒ کی شکل و صورت

میں زیارت کی تھی، اس لئے حضرت کی زیارت کا اشتیاق بہت زیادہ تھا۔

تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ حضرت کی واپسی کاندھلہ کو ہوگی اور شب میں قیام یہیں ہو گا۔ یہ سن کر طبیعت باغ باغ ہوگئی۔ چنانچہ حضرت مغرب کے بعد تشریف لے آئے۔ میں نے حضرت کے مزاج اور طبیعت سے واقفیت کے بعد فرط اشتیاق میں حضرت کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ حضرت نے ہاتھ اس طرح کھینچا کہ حضرت اور میں گرتے گرتے بچے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے معذرت چاہی تو ارشاد فرمایا "بہت سے خلاف شرع امور رائج ہو رہے ہیں، ان میں ایک خلاف سنت کام کا اضافہ کیوں کیا جائے۔"

میں نے اس واقعہ کو اس لئے نقل کیا تا کہ یہ اندازہ ہو جائے کہ حضرت مدنیؒ کا اصل جذبہ خلاف شرع اور خلاف سنت امور کے ساتھ جہاد تھا۔ حضرت چاہتے تھے کہ تمام خلاف شریعت اور خلاف سنت امور کو روئے زمین سے نیست و نابود کر دیں۔ (از مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۱۰۸)

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے میری ملاقات

• ہندوستان کے مشہور کمیونسٹ لیڈر ڈاکٹر محمد اشرف (مختصراً) ۱۹۳۶ء میں جب انڈیا کانگریس کمیٹی کا ممبر اور صوبہ متحدہ کانگریس کی مجلس عاملہ کا رکن منتخب ہوا تو مولانا حسین احمدؒ کو ایک ایک رفیق کار اور ساتھی کی حیثیت سے دیکھنے کا موقع ملا۔ مسلمانان ہند کی زندگی میں اس سے زیادہ صبر آزما دن کم آئے ہوں گے جب عملاً بے دین اور علانیہ بدعقیدہ قائدین اصغر و اعظم علمائے دین کے احتساب کے لئے متعین ہو گئے تھے اور مسلم لیگ کے دفتر سے اسلام کی سند تقسیم ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ وہ بزرگ جو برطانوی اقتدار ہٹانے کے لئے کانگریس میں شریک ہوئے تھے، اب مسلم لیگی رہنماؤں کی نگاہوں میں غدار اور مجرم قرار پائے۔ ہم جیسے نام نہاد مسلمانوں کو اس قسم کے طعن و تشنیع سے واسطہ ذرا کم پڑتا تھا (گو کانگریس کے رابطہ عوام کی حیثیت سے میرے اوپر بھی جناح صاحب کی سرکار سے فرد جرم قائم ہو چکی تھی) مگر حسین احمدؒ کا جگر دیکھئے کہ آئے دن ان ابوجہلوں کے ہاتھوں اذیتیں اٹھاتے تھے مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ اس آزمودہ کار مجاہد کے پائے ثبات میں لغزش آئے۔

مجھے حضرت مولانا کے ساتھ صوبوں کے ضمنی انتخابوں میں کام کرنے کا موقع ملا، جب مسلم لیگی حضرات کی نگاہ میں ایمان سے زیادہ ووٹ کی قیمت تھی اور ہمارے باہمی اختلافات، مباحث، مناظرہ، مجادلہ سے بڑھ کر کبھی کبھی مقاتلہ کی منزل تک پہنچ جاتے تھے۔ چنانچہ بسا اوقات مسلم لیگی مجاہدوں کے حلقوں میں حضرت مولانا کے قتل کے منصوبے بنائے گئے اور حافظ ابراہیم کے الیکشن میں کئی عزیز مسلم لیگیوں کے ہاتھوں زخمی ہو گئے مگر حسین احمدؒ کی زبان سے کبھی اف نہ نکلی۔ بلکہ ان کے حق میں ہدایت کے لئے خدا سے دعائیں مانگیں۔ مجھے آزمائش کی ان گھڑیوں میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا عزم و استقلال، صبر و سکون اور بے مثل تحمل ہمیشہ یاد رہے گا۔ میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اب تک ہم نے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا حال صرف کتابوں میں پڑھا تھا، اب بلالؓ و عمارؓ کے نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

حضرت مولاناؒ کے ساتھ رہنے کا اتفاق البتہ مجھے اب تک نصیب نہ ہوا تھا۔ ۱۹۴۲ء میں یہ خوش نصیبی بھی میسر ہو گئی۔

ہوا یہ کہ جب مسلم لیگ نے پاکستان کا نعرہ لگایا اور مسلمان عوام کا رجحان مسلم لیگ کی طرف ہو گیا تو کمیونسٹ پارٹی کو اس کے تاریخی پس منظر پر سوچنا پڑا اور مجھ کو اس کام پر مقرر کیا گیا کہ اس کے بارے میں ایک رپورٹ تیار کروں۔ میں اس مواد کی فراہمی کے سلسلے میں دیوبند بھی حاضر ہوا۔ بلکہ حضرت مولانا کی دعوت پر خود ان کے مہمان خانے میں فروکش ہو گیا۔ محراب و منبر کے جلوے تو میں نے اسے بہت پہلے دیکھے تھے، لیکن خلوت کے مطالعہ کا موقعہ اب ملا۔

جنگ عظیم کے بعد اشیاء کی گرانی مولانا کی قلیل آمدنی، بلیک مارکیٹ کا زور، مگر اس سے حضرت مولانا کی مہمان نوازی میں کیا فرق آ سکتا تھا۔ اور جب مجھ جیسے نسبتاً انجان اور بے دین کو مولانا نے باصرار اپنے مکان میں ٹھہرایا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ سیاست، رشتہ داری، دوستی اور درس و تدریس کے واسطے سے مہمانوں کا کیسا ہجوم ہوتا ہوگا۔ جب میں مولانا کی رہائش گاہ پر پہنچا تو اٹھارہ مہمانوں کا قافلہ پہلے سے موجود تھا۔ چنانچہ میں نے بھی مہمانوں کے بڑے کمرے میں بستر لگا دیا۔ دینداروں کے معمولات سے بچپن ہی یوں بھی گھبراتا ہوں۔ مگر پہلے دو

دن میرے اوپر واقعی بڑے سخت گزرے۔ نماز پنجگانہ تک تو خیر میں صبر کر لیتا۔ مگر مولانا کے یہاں تقریباً سب قائم اللیل تھے۔ کیفیت یہ کہ عشاء کی نماز کے بعد بمشکل گھنٹہ بھر سویا ہوں گا کہ کسی کونے سے تکبیر بالجہر بلند ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے آس پاس کوئی ذکر خفی میں منہمک ہے تو کوئی تسبیح اور وظیفہ میں۔ تھوڑی دیر میں یہ حضرات تہجد کے لئے اٹھ بیٹھے۔ پھر فجر سے پہلے اور بعد میں قرآن پاک کی تلاوت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

جب دوسری رات بھی اس کیفیت کی نذر ہوئی تو میں نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضور کے ساتھ رہنے میں میری عاقبت درست ہو یا نہ ہو مگر میری صحت کو خطرہ ضرور لاحق ہو چلا ہے۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور تیسرے دن سے مجھے ایک علیحدہ آرام دہ کمرہ مل گیا۔ یعنی میں اسی آزادی سے اپنے کمرے میں رہتا تھا جو مجھے اپنے گھر میں حاصل تھی۔ چنانچہ میں نے مواد کی فراہمی کا وہ کام جس کے لئے میں حاضر ہوا تھا، شروع کر دیا۔ اور اس سلسلہ میں مجھے دیوبند کی مجاہدانہ زندگی کے بہت سے نئے واقعات کا علم ہوا۔

دیوبند کے قیام کی غالباً چوتھی شام تھی کہ میں اپنے بستر پر دراز تھا۔ رات کے دس بج چکے تھے۔ گھومنے پھرنے کی وجہ سے کچھ تھکن زیادہ تھی۔ چنانچہ لیمپ گل کیا اور سونے لگا۔ دروازہ کھلا رہتا تھا۔ مجھے کچھ غنودگی سی تھی کہ میں نے ایک ہاتھ اپنے ٹخنے پر محسوس کیا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے کسی نے میرے پاؤں دبانا شروع کر دیئے۔ میں چوکنا ہو گیا۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا بنفس نفیس اس گنہگار کے پاؤں دبانے میں مصروف ہیں۔ میری بدحواسی، حیرانی اور شرمندگی کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ میں نے پاؤں جلد جلد سکوڑ لئے اور بڑے ادب اور لجاجت سے حضرت کو روکا تو اس پر حسرت سے فرمایا کہ آپ مجھے کیوں اس..... ثواب سے محروم کرتے ہیں۔ کیا میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ آپ جیسے مہمان کی خدمت کر سکوں۔

مجھ پر اس ارشاد کے بعد جو گذری میرے لئے اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ یہ تھا ان کے اخلاق کا ادنیٰ نمونہ۔ (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۴۳ تا ۱۴۷)

بزرگی اور اتباع شریعت میں ان کا کوئی ثانی نہیں

ستمبر ۱۹۲۳ء میں دہلی میں کانگریس کا خصوصی اجلاس ہو رہا تھا۔ حضرت قدس سرہ کراچی

جیل سے کچھ ہی عرصہ قبل رہا ہوئے تھے۔ چونکہ ساتھ ہی مرکزی خلافت کمیٹی کا بھی مخصوص جلسہ طلب کیا گیا تھا اس لئے کانگریس و خلافت کے چوٹی کے لیڈر بھی دہلی میں جمع تھے۔

حضرت سے پہلی بار قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ اخبارات سے مقدمہ کراچی اور جیل کے حالات کا علم پہلے ہو چکا تھا۔ اور غائبانہ عقیدت بھی پیدا ہو چکی تھی۔ اس لئے میں نے حلقہ ارادت میں داخل ہونے کی درخواست کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت کے لئے بیعت شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ نہایت انکساری سے معذرت فرمائی۔ حضرت تھانویؒ اور دیگر حضرات کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ لیکن میرا اصرار بڑھتا رہا۔ عاجز آ کر استخارہ کی ہدایت فرمائی۔ تین یوم بعد پھر حاضری دی تو صاف انکار فرما دیا۔

حضرت پیر مجدد صاحب سندھی شہید امیر کراچی بھی وہیں تشریف فرما تھے۔ مجھے پیر صاحب کے سپرد فرما کر موصوف سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ پیر صاحب کے تقریباً سولہ لاکھ مرید ین گورنمنٹ کی فہرست میں درج تھے۔

پیر صاحب زیادہ تر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ میری حاضری پر قرآن مجید بند کر کے فرمایا کہ میرے ہاتھ میں قرآن مجید ہے، میں حلف کہتا ہوں کہ جیل میں جو حالات میں نے مولانا مدنیؒ کے بچشم خود دیکھے ہیں ان کی بنا پر میری رائے یہ ہے کہ اس وقت روئے زمین پر بزرگی اور اتباع شریعت میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اس لئے آپ ہرگز حضرت کا دامن نہ چھوڑیں۔ اگر حضرت مولانا نہ ہوتے تو میں آپ کو بیعت کر لیتا۔ غرضیکہ پیر صاحب کی سعی و سفارش سے حضرت نے مجھ کو داخل سلسلہ فرما لیا۔ (حاجی احمد حسین لاہر پوری)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۱۴۲)

جامعہ ازہر میں شیخ الحدیث کی جگہ کے لئے پیش کش

ایک مرتبہ حکومت مصر کی جانب سے جامعہ ازہر میں شیخ الحدیث کی جگہ کے لئے مبلغ پندرہ سو روپے ماہوار، مکان اور موٹر بذمہ حکومت، نیز سال میں ایک بار ہندوستان کی آمد و رفت کے لئے کرایہ کے وعدہ پر حضرت کو دعوت دی گئی۔ اس زمانہ میں دارالعلوم میں ڈیڑھ سو روپے ماہوار ملتے تھے۔ مگر حضرت نے وہاں تشریف لے جانے سے صاف انکار

فرمادیا۔ (حاجی احمد حسین لاہرپوری)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۲۷)

میں کفن اپنے ساتھ لایا ہوں

مجھ سے مولانا ابو الوفاء صاحب شاہجہانپوری نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ شاہجہانپور میں حضرت کی ایک تقریر سے مخالفین بے حد مشتعل ہوگئے اور انھوں نے یہ چیلنج کردیا کہ اگر آئندہ ایسی تقریر کی گئی تو کفن اپنے ساتھ لائیں۔ اسی جلسہ میں حضرت نے یہ اعلان فرما دیا کہ دوسرے جمعہ کو اسی جگہ پر تقریر ہوگی۔

حضرت جب ٹرین سے اترے تو بغل میں ایک کپڑے کی گٹھڑی دبی ہوئی تھی۔ وہاں سے سیدھے جلسہ گاہ تشریف لے گئے۔ گٹھڑی کھول کر مجمع کو دکھادی کہ میں کفن اپنے ساتھ لایا ہوں۔ پھر سابقہ تقریر سے زیادہ زوردار تقریر فرمائی۔

اعلاء کلمۃ اللہ میں اس ہمت اور جرأت کا یہ اثر ہوا کہ مخالفین کی اکثریت بدعت سے تائب، معافی کی خواستگار اور داخل سلسلہ ہوئی۔ (حاجی احمد حسین لاہرپوری)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۲۸)

حضرت مدنیؒ نیچے تشریف لے آئے

میری اہلیہ کا اچانک دماغی توازن خراب ہوگیا۔ مقامی علاج سے کوئی فائدہ نہ ہوا تو زنانہ اسپتال سیتاپور لے گیا۔ وہاں بھی وہی کیفیت رہی اور علاج ناکام رہا۔ میں نے انتہائی پریشانی کے عالم میں حضرت کی خدمت میں تار بھیجا اور خود بھی دیوبند روانہ ہوگیا۔ اسی شب میں میری اہلیہ نے نوم و بیداری کی درمیانی حالت میں یہ دیکھا کہ دریا کے کنارے جارہی ہیں۔ وہاں ایک درخت کے نیچے ایک بزرگ تشریف فرما ہیں۔ ان کے دل میں معاً یہ خیال آیا کہ مالٹا میں ہوں اور یہ بزرگ شیخ الہندؒ ہیں۔ فوراً پاؤں پر گر پڑیں اور رو کر عرض کیا کہ میں مجنون ہوگئی ہوں، حضرت میری دستگیری فرمائیں۔ حضرت نے ان کا سر اوپر اٹھایا اور بڑی شفقت سے فرمایا کہ بیٹی! تو اس قدر پریشان کیوں ہے؟ میں نے تو تجھ کو حسین احمد کے سپرد کر

دیا ہے۔

اس کے بعد وہ منظر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اور ان کو احساس ہوا کہ وہ اسپتال میں پلنگ پر ہیں۔ پھر یکایک دیکھا کہ ہال کی چھت میں تڑاخے کے ساتھ شگاف ہو گیا ہے اور اس میں سے حضرت مدنیؒ نہایت وقار کے ساتھ نیچے تشریف لا رہے ہیں۔ آتے ہی فرمایا کہ احمد حسین کا تار آیا ہے۔ آخر تم نے کیا ہنگامہ مچا رکھا ہے۔ انہوں نے اپنا پورا واقعہ عرض کیا۔ نہایت شفقت و محبت سے فرمایا کہ اتنی وحشت اور پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد ان کے دونوں شانوں کے درمیان اپنا پاؤں رکھ کر دبایا اور چھت کے اسی شگاف سے واپس تشریف لے گئے۔

جب میں دیوبند پہنچا تو حالات سن کر حضرت نے بہت افسوس فرمایا اور قاری محمد اسحاق صاحب کے ہمراہ مجھ کو سید اصغر حسین صاحب کی خدمت میں تعویذ کے لئے بھیجا۔ (اس وقت تک حضرت تعویذ نہیں دیتے تھے)۔ دیوبند سے واپسی پر میں مریضہ کو مکان لے آیا۔ اور بلا کسی علاج و معالجہ کے چند دنوں میں بالکل تندرست ہو گئیں۔ تعویذات بھی استعمال کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ اس دن سے آج ان کی دماغی حالت نہایت اچھی ہے۔ (حاجی احمد حسین لاہر پوری) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۲۹)

بارش کے لئے دعا فرمائی

ایک مرتبہ جولائی میں حضرت لاہر پور تشریف لائے۔ بارش کے نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشانی تھی۔ میں نے مغرب کے قریب حضرت سے دعا کے لئے عرض کیا۔ حضرت نے دعا فرمائی۔ جلسہ کیلئے ہم لوگ فرش بچھانے جا رہے تھے کہ عشاء سے قبل ہی بارش شروع ہو گئی۔

(حاجی احمد حسین لاہر پوری) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۳۰)

دوران درس میں حضور ﷺ کی زیارت

مدینہ منورہ میں قبہ دکھن جانب سے قبہ خضراء پورب کے گوشہ میں واقع ہے۔ پچھم جانب باب الرحمۃ کے متصل دالان میں حضرت درس دے رہے تھے۔ قبہ خضراء کی جالیاں

سامنے تھیں۔ تلامذہ میں سے ایک صاحب کو حیات النبی ﷺ کے متعلق کافی شکوک و شبہات تھے۔ دوران درس میں ایک بار جو انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے نہ قبہ خضراء تھا اور نہ جالیاں، بلکہ حضور پاک ﷺ خود بنفس نفیس تشریف فرما تھے۔ انہوں نے دوسرے طلباء کو متوجہ کرنا چاہا تو حضرت نے اشارہ سے منع فرما دیا۔ اب جو دیکھتے ہیں تو اسی سابقہ حالت پر سب چیزیں ہیں۔ (حاجی احمد حسین لاہر پوری)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۱۳۰)

وعلیکم السلام یا ولدی

حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب انبہٹوی مفتی مالیر کوٹلہ نے دہلی میں مجھ سے ایک ملاقات میں فرمایا کہ ایک بار زیارت بیت اللہ سے فراغت کے بعد دربار رسالت میں حاضری ہوئی تو مدینہ طیبہ کے دوران قیام مشائخ وقت سے یہ تذکرہ سنا کہ امسال روضہ اقدس سے عجیب کرامات کا ظہور ہوا۔ ایک ہندی نوجوان نے جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھا تو اس کو "وعلیکم السلام یا ولدی" کے پیارے الفاظ سے جواب ملا۔

اس واقعہ کو سن کر قلب پر ایک خاص اثر ہوا۔ مزید خوشی کا سبب یہ بھی تھا کہ یہ سعادت ہندی نوجوان کو نصیب ہوئی۔ دل تڑپ اٹھا اور اس ہندی نوجوان کی جستجو شروع کر دی تاکہ اس محبوب بارگاہ رسالت کی زیارت سے مشرف ہو سکوں اور خود اس واقعہ کی تصدیق کر لوں۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ وہ ہندی نوجوان مولوی سید حبیب اللہ مہاجر مدنی کا فرزند ارجمند ہے۔ سید صاحب سے پہلے سے ایک گونہ تعارف و تعلق تھا۔ گھر پہنچا۔ ملاقات کی اور اپنے اس دوست کے سعادت مند سپوت کو ساتھ لے کر ایک گوشہ تنہائی میں چلا گیا۔ وہاں اس طلب اور جستجو کا راز بتلایا اور واقعہ کی تصدیق چاہی۔ ابتداء تو خاموشی اختیار کی لیکن اصرار کے بعد کہا کہ بے شک جو آپ نے سنا وہ صحیح ہے۔

یہ واقعہ بیان فرمانے کے بعد مولانا مرحوم نے کہا، سمجھے یہ ہندی نوجوان کون تھا؟ یہ تھے تمہارے استاد مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔ (از مولانا قاضی سجاد حسین صاحبؒ)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۱۳۲)

دارالعلوم دیو بند کے چمن میں کیکر کے درخت

حضرت قدس سرہٗ کی سنت کی شیدائیت اتنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ جن امور کو ادنیٰ تعلق بھی رسول اکرم ﷺ سے ہوا ان پر عمل کرتے تھے۔ دنیا کو حیرت ہوگی کہ دارالعلوم دیو بند کے چمن میں اور اپنے گھر کے باہر کے حصہ میں کیکر لگوائے۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ اس درخت سے کیا فائدہ، نہ اس میں پھول نہ پھل۔ نہ اس کی خوشنما وہ نہ زینت چمن، پھر کیوں لگوایا۔ تحقیق سے پتہ چلا کہ آنحضرت ﷺ نے کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کرامؓ سے بیعت لی تھی۔ جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ یہ درخت اسی کی یادگار ہے۔

(حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب دارالعلوم دیو بند)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۱۳۳)

پاکستان کے لئے اب آپ کا کیا خیال ہے؟

پاکستان بن جانے کے بعد ایک صاحب نے ایک مجلس میں سوال کیا کہ حضرت پاکستان کے لئے اب آپ کا کیا خیال ہے؟ تو حسب معمول سنجیدگی اور بشاشت کے ساتھ فرمایا کہ مسجد جب تک نہ بنے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن جب بن گئی تو وہ مسجد ہے۔ (مولانا افضال الحق اعظمی) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۱۳۶)

عطاء اللہ شاہ بخاری کی کیا مجال کہ تقریر کرے

میری طالب علمی کے دور میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری دارالعلوم دیو بند تشریف لائے۔ طلباء نے ان سے اصرار کیا کہ تقریر فرمادیں۔ مگر وہ تیار نہ ہوئے۔ پھر اصرار ہوا مگر پھر انہوں نے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ سب سے آخر میں دورہ پڑھنے والے پانچ آدمیوں کا ایک وفد آ گیا۔ شاہ صاحب حضرت مدنیؒ کی مسجد میں شمالی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ...نے سارا زور صرف کر دیا مگر وہ آمادہ نہ ہوئے۔ صرف اتنا فرمایا کہ حضرت شیخ جہاں ہیں وہاں عطاء اللہ شاہ بخاری کی مجال نہیں کہ تقریر کرے۔ اور یہ فرمایا کہ تم لوگ میرے ساتھ سہارنپور چلو، وہاں رات بھر تقریر سن لینا۔ چنانچہ اسی شب سہارنپور جا کر اس سحر البیان خطیب نے گھنٹوں

تقریر کی۔

اس وقت مرعوبیت اور عظمت کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ آج سمجھ میں آئی کہ ایک عاشق کی موجودگی میں محبوب کی تعریف ایک ایسا شخص کیا کر سکتا ہے جس نے اس سے کم محبت پائی تھی۔ (از مولانا افضال الحق صاحب اعظمی مختصراً)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۳۷)

آپ کے ساتھ رہا تو مسلمان ہو جاؤں گا

ایک روز ایک قیدی نے آکر مولانا صاحب سے فریاد کی کہ نماز پڑھتے وقت میرے پاس فلاں قیدی تھا اس نے میری انگوٹھی چرالی۔ اس وقت جیل کی انگوٹھی روپے کے برابر تھی۔ مولانا صاحب نے کہا، میں کیا کروں، میں بھی تو تمہاری طرح قیدی ہوں۔ لیکن جب اسے زیادہ رنجیدہ دیکھا تو اپنے پاس سے انگوٹھی دے کر رخصت کیا۔ اس کو دیکھ کر میں نے مولانا سے برجستہ عرض کیا کہ اب میں آپ کے ساتھ اس بیرک میں نہ رہوں گا۔ کیونکہ آپ کا اخلاق اتنا وسیع ہے کہ اگر میں تھوڑے دن آپ کے ساتھ رہا تو مسلمان ہو جاؤں گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم بہت دن سے مسلمان ہو تم کیا مسلمان ہو گے۔ (از سیتا رام جی شکل)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۴۱)

جہاں شیخ مدنیؒ کا قدم تھا وہاں اپنا سر پایا

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ نے فرمایا کہ بھائی حضرت شیخ مدنیؒ کا ذکر کیا پوچھتے ہو، پہلے تو ہم یوں ہی سمجھتے رہے مگر وقت کی نزاکتوں اور ہنگامہ آرائیوں میں جب ہم نے اس مرد مجاہد کو آنکھ اٹھا کر دیکھا تو جہاں شیخ مدنیؒ کے قدم تھے، وہاں اپنا سر پڑا دیکھا۔ (مفتی عبدالرحیم لاجپوری) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۵۴)

قابل فخر ہستی

اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مدنی آقا کے پیارے شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی آنکھ کے تارے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صاحب کے اوصاف کوئی

کیا لکھ سکتا ہے؟ کسی کی کیا ہمت اور مجال، پھر اگر کوئی جرأت کرے اور دن و رات ایک کرے، مدت دراز گزر جائے، دفاتر پر ہو جائیں مگر حسین احمد مدنیؒ کے اخلاق و عادات، عمل و عبادات اور مجاہدانہ خدمات پر پھر بھی روشنی نہیں ڈال سکتا۔ درحقیقت وہ قابل فخر ہستی ہے کہ جس کی اطاعت میں مسلمانان عالم کی دین اور دنیا کی بھلائی اور آزادی ہند کا راز مضمر ہے۔

(مفتی عبدالرحیم لاجپوری) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۱۵۵)

حضرت تھانویؒ میں شان مجددیت

ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت تھانویؒ کی مجددیت پر بحث کر رہے تھے۔ بعض لوگ مخالفت کر رہے تھے بعض لوگ موافقت۔ اسی دن رات میں ۱۲ بجے جب حضرتؒ درس بخاری سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو میں نے لوگوں کی بحث کا تذکرہ کیا اور پوچھا کہ حضرت تھانویؒ مجدد تھے؟ نہایت سنجیدگی سے فرمایا، بے شک وہ مجدد تھے، انہوں نے ایسے وقت میں دین کی خدمت کی جب کہ دین کو بہت احتیاج تھی۔ (مولانا فرید الوحیدی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۱۵۸)

حضرت شیخ الہندؒ کے بیت الخلاء کی صفائی

مولانا جلیل صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند نے ایک مرتبہ اپنا چشم دید واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں ایک دفعہ بہت زیادہ مہمان آگئے۔ بیت الخلاء صرف ایک ہی تھا جو دن بھر کی گندگی سے پر ہو جاتا تھا لیکن مجھے تعجب تھا کہ روزانہ بیت الخلاء صبح صادق سے پہلے ہی صاف ہو جاتا تھا اور پانی سے دھلا ہوا پایا جاتا تھا۔ مجھے اس کی جستجو تھی۔

چنانچہ ایک مرتبہ میں تمام رات اس راز کو معلوم کرنے کے لئے بیدار رہا۔ جب رات کے دو بجے تو حضرت شیخ الاسلامؒ ٹوکرا لے کر پاخانہ میں داخل ہوئے اور ٹوکرا بھر کر جنگل کا رخ کیا۔ فوراً ہی میں نے جا کر راستہ روک لیا تو فرمایا کہ دیکھئے کسی سے تذکرہ نہ کیجئے گا۔

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۱۶۳)

مالٹا میں حفظ قرآن

اسارت مالٹا کے زمانہ میں حضرت شیخ الہند کو تراویح میں قرآن سنانے کی غرض سے حضرت مدنیؒ نے قرآن پاک حفظ کیا۔ اس طرح پر کہ دن میں ایک پارہ یاد کرتے اور رات کو تراویح میں سنا دیا کرتے تھے۔ (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۲۵)

جوؤں والے مہمان کو اپنے برابر بٹھا کر کھانا کھلانا

ایک مرتبہ دیوبند میں حضرت کی خدمت میں ایک مہمان آیا جس کے کپڑوں میں بے انتہاء جوئیں تھیں اور بدبو بھی آتی تھی۔ مہمان خانے میں کوئی اس کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دیتا۔ لیکن حضرتؒ نے اس کو دسترخوان پر اپنے برابر بٹھا کر کھانا کھلایا۔ حضرت کے اوپر بہت سی جوئیں چڑھ گئیں جس کو آپؒ نے زنان خانے میں اندر تشریف لے جا کر صاف کروایا مگر اس مہمان کی دل شکنی کسی طرح سے گوارا نہ کی۔ (مولانا فرید الوحیدی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۲۵)

ہندوستان بھر کے ائمہ مساجد نے اس سنت کو بھلا دیا

جب کبھی جمعہ کے دن حضرت کو نماز فجر پڑھانے کا اتفاق ہوتا تو آپ سورہ الم سجدہ اور سورہ دہر تلاوت فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ ہندوستان بھر کے ائمہ مساجد نے اس سنت کو ترک ہی نہیں کیا بلکہ بھلا دیا ہے۔ اس وجہ سے پڑھتا ہوں کہ ائمہ مساجد توجہ کریں۔

رمضان شریف میں صلوٰۃ وتر میں سورہ اعلیٰ، سورہ کافرون اور سورہ اخلاص اکثر تلاوت فرماتے اور جمعہ کی نماز میں سورہ اعلیٰ اور سورہ غاشیہ کی تلاوت کا معمول تھا۔ (مولانا فرید الوحیدی) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۲۶)

مہر فاطمی پر نکاح پڑھانے کا معمول

مہر فاطمی پر نکاح پڑھانے پر سختی سے عمل فرماتے۔ اس نکاح کو پڑھانے سے انکار فرما دیا کرتے جس میں مہر فاطمی نہ ہوتا۔ ارشاد فرماتے کہ کیا آپ کی صاحبزادی رسول اللہ ﷺ کی

صاحبزادی سے زیادہ افضل ہے؟ (مولانا فرید الوحیدی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۱۶۹)

کراچی جیل میں مولانا محمد علی جوہر کی خدمت

کراچی جیل کا واقعہ ہے، مولانا محمد علی صاحب مرحوم کو پیشاب کا عارضہ تھا جس کی وجہ سے آپ نے پیشاب کا برتن اپنے کمرے ہی میں رکھوا لیا تھا۔ حضرت مدنیؒ روزانہ علی الصباح اس پیشاب کے برتن کو صاف کر کے اسی جگہ رکھ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا محمد علی صاحب کی آنکھ کھل گئی تو برتن کے صاف ہونے کا راز فاش ہو گیا کہ حضرت مدنیؒ مخدوم جہاں خادم بنے ہوئے ہیں۔ (مولانا محمد علی جوہر)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۱۶۸)

میرے والد کے نکاح کے گواہ زندہ ہیں

مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے صاحبزادے مولانا حبیب اللہ صاحب دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث شریف میں شریک تھے۔ کسی گستاخ نے ایک رقعہ بھیجا جس کا جواب حضرت نے دوسری نشست میں نہایت نرم لہجہ میں دیا۔ فرمایا کہ کسی دوست نے مجھ کو رقعہ لکھا ہے کہ تو اپنے باپ سے نہیں ہے۔ پوری مجلس میں ہیجان برپا ہو گیا۔ ہر طالب علم غیظ و غضب میں بھر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ خبردار کسی کو غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا حق ہے کہ میں اس کی تسلی کروں۔ فرمایا، میں ضلع فیض آباد قصبہ ٹانڈہ محلہ الہداد پور کا رہنے والا ہوں۔ اس وقت بھی میرے والد کے نکاح کے گواہ زندہ ہیں۔ تحقیق کر یا وہاں جا کر معلوم کیا جا سکتا ہے۔

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۱۷۰)

دریا کی مچھلیوں کی اللہ کے ذکر میں مشغولی

ایک مرتبہ حضرت نے کرتپور ضلع بجنور میں تالاب کے کنارے فضیلت ذکر پر تقریر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دریا کی مچھلیاں تک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتی ہیں۔ یہ فرمانا تھا کہ تالاب کی مچھلیاں تڑپ تڑپ کر کنارے پر آنے لگیں۔ اس منظر کو سینکڑوں آدمیوں

نے دیکھا۔ (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۷۸)

بارہ آدمیوں کا کھانا ڈیڑھ سو کے لئے کافی

جناب سید محمد شفیع صاحب تحویلدار دارالعلوم دیوبند، مولوی احمد اللہ صاحب کیرانوی کی روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت کیرانہ تشریف لے گئے۔ ہم لوگوں نے بارہ لوگوں کے کھانے کا انتظام کیا۔ مگر حضرت کی آمد کی خبر سن کر اتنے لوگ جمع ہو گئے کہ جس کا پہلے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ بہت پریشانی ہوئی کہ کیا کریں۔ حضرت سے عرض کیا گیا۔ حضرت نے برکت کی دعا فرمائی اور کھانے پر کپڑا ڈلوادیا۔ چنانچہ وہی کھانا تقریباً ڈیڑھ سو آدمیوں کو کافی ہو گیا، سبحان اللہ۔ (منشی محمد شفیع تحویلدار دارالعلوم دیوبند)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۷۹)

آپ حج کے لئے نہیں چلتے؟

• حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حج کے لئے تشریف لے جارہے تھے۔ میں بھی ملاقات کے لئے لکھنؤ سٹیشن پر حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا، آپ حج کے لئے نہیں چلتے؟ میں نے عرض کیا کہ دعا فرما دیجئے، اس وقت تو ایسا کوئی انتظام نہیں ہے کہ جس سے میں حج کا ارادہ کر سکوں۔

ابھی حضرت بمبئی ہی پہنچے تھے کہ اللہ نے ایسا انتظام کر دیا کہ جس سے میں سفر حج کا ارادہ کرسکوں۔ چنانچہ فوراً ہی میں انتظام کر کے روانہ ہو کر بمبئی حضرت سے جاملا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ (مولانا عبدالحلیم صدیقی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۸۳)

جنگل کے پتے کھا کر گزارہ کریں گے

مکان کی تعمیر میں اثاثہ ختم ہونے لگا اور فاقہ کے آثار قریب آنے لگے تو حضرت کے والد محترم نے اپنے تمام صاحبزادوں کو بلا کر فرمایا کہ میں تو ہجرت کی نیت سے آیا ہوں اور تم زیارت حرمین کی غرض سے آئے ہو۔ بحمد اللہ تمہاری مرادیں پوری ہو گئیں۔ تم لوگ زیارت

حرمین سے فارغ ہو گئے، اب یہاں رہ کر مصیبت اٹھانے سے کیا فائدہ؟ میرے پاس ابھی اتنے پیسے ہیں کہ تم لوگ وطن واپس پہنچ سکتے ہو۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ وطن واپس ہو جاؤ۔

حضرت مدنی قدس سرہٗ نے نہایت ادب کے ساتھ والد صاحب کو جواب دیا کہ ہم لوگ حرم محترم سے کسی طرح جدا ہونے کو تیار نہیں ہیں، ہم فاقہ کریں گے، جنگل کے پتے کھا کر گذر کریں گے، پروردگار نے ہماری قسمت میں جو کچھ لکھا ہے ہم اس پر راضی ہیں، خدا ہمارا رازق ہے۔

والد بزرگوار اپنے نیک اور سعادتمند فرزندوں کا جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور پھر سب نے اپنا وطن مدینہ منورہ کو بنا لیا۔ (تذکرہ شیخ مدنی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۱۹۳)

ٹیوشن پڑھانے سے انکار

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی سابق مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد فرماتے ہیں کہ میرے والد ڈاکٹر رفاقت علی صاحب کی یہ خواہش تھی کہ مجھے پڑھانے کے لئے حضرت مدنی قدس سرہٗ مکان پر تشریف لائیں اور جو رقم حضرت فرمائیں گے، ماہوار پیش کروں گا۔ مگر باوجود اصرار کے حضرت کسی طرح راضی نہ ہوئے اور یہی ارشاد فرماتے رہے کہ عبدالحق کو حرم میں بھیجئے، بلا معاوضہ حسبۃً للہ پڑھاؤں گا۔

یہ اس وقت کا زمانہ ہے جب کہ فاقہ چل رہا تھا اور گھر کے تیرہ افراد تین پاؤ مسور کے پانی پر قناعت کر رہے تھے۔ اس اصرار اور انکار میں تقریباً چھ ماہ گزر گئے۔ بالآخر ڈاکٹر رفاقت علی صاحب نے سپر ڈال دی۔ حضرت نے مولانا عبدالحق صاحب کو حسبۃً للہ حرم شریف میں پڑھانا شروع کیا۔ اس وقت حضرت کی عمر چوبیس سال تھی۔ (تذکرہ شیخ مدنی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۱۹۴)

میرے گھر کی بات کسی سے نہ کہنا

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے لوگ جتنی عزت

حضرت کی کرتے تھے، اتنی کسی اور عالم کی نہیں کرتے تھے۔ مگر حضرت رمضان میں روزہ پر روزہ رکھتے رہے اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ ایک دن مجھے شوق ہوا کہ آج استاذ محترم کے ساتھ افطار و سحر کیا جائے۔ چنانچہ کھانا پکوا کر حرم شریف میں لایا اور انتظار کرتا رہا کہ اب حضرت کے گھر سے کھانا آئے گا۔ نماز مغرب قریب ہو گئی مگر کھانا نہیں آیا۔ میں نے دستر خوان بچھایا اور حضرت سے عرض کیا کہ تشریف لائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم کھالو، میں کھجور سے افطار کروں گا۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو اس شوق میں حاضر ہوا ہوں کہ کھانا آپ کے ساتھ کھاؤں۔ آپ روزہ کھجور سے افطار فرمالیں، میں بھی کھجور سے افطار کروں گا مگر کھانے میں میرے ساتھ شرکت فرمائیں۔

چنانچہ حضرت نے میری ضد پوری کر دی۔ کچھ تھوڑا سا کھانا کھا کر نماز شروع کر دی اور نماز کے اس سلسلہ کو عشاء تک جاری رکھا۔ یہاں تک کہ تراویح شروع ہو گئی۔ تراویح ختم ہونے کے بعد میں نے درخواست کی، تو فرمایا کہ سحر میں دیکھا جائے گا۔ پھر سحر تک نوافل میں مشغول رہے۔ میں سو گیا۔ حضرت نے مجھے سحر میں جگایا اور استغنا کے ساتھ فرمایا کہ تم کھانا کھالو۔ اس وقت میں نے سوال کیا کہ حضرت کیا بات ہے؟ آنجناب کے گھر سے افطار میں بھی کھانا نہیں آیا اور اب سحر میں بھی نہیں آیا۔ حضرت خاموش رہے، بات کو ٹالنا چاہا، ہنستے رہے، ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اصل بات کو چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن میرا اصرار بڑھتا رہا۔ تو حضرت نے مجبور ہو کر صرف اتنا ارشاد فرمایا کہ شاید آج گھر میں کچھ نہیں تھا۔ غرض کہ میں پھر زبردستی حضرت کو کھانے کے لئے بٹھایا تو کھانا کھاتے ہوئے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ عبدالحق! حضور ﷺ کی سنت کبھی کبھی تو پوری ہونی چاہئے۔ اور پھر بہت لجاجت کے لہجہ میں فرمایا کہ دیکھو میرے گھر کی بات کسی سے نہ کہنا۔ (تذکرہ شیخ مدنی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ص ۱۹۵)

ایک شرابی کی کایا پلٹ

حضرت مدنی کے سفر کوکن کے ابتدائی محرکات میں ایک شخص شر تھا جو اجتماعی خیر کا سبب بنا۔ صورت یہ ہوئی کہ ہمارے مخلص و محترم دوست عالی جناب سید محمد صدیق ابراہیم قادری

صاحب (صبر مہلائی) انڈر سیکرٹری حکومت مہاراشٹر کے اعزہ میں (شری وردھن) کے جناب عبدالرشید کردے مرحوم تھے۔ بڑے خوش قامت اور رعب داب کے آدمی تھے، وہ شیطانی چکر میں پڑ کر شراب نوشی کی علت میں پھنس گئے، بلا کے بلانوش تھے، کوشش کے باوجود چھٹتی نہیں تھی منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔

بالکل اخیر میں ایک دن گھر سے نکلے اور سیدھے دیوبند حضرت مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بلا کم و کاست اپنی داستان رندی و سرمستی بیان کر دی اور حضرت کے دست اقدس پر توبہ و استغفار کی خواہش ظاہر کی۔ نہ پہلے سے دید و شنید، نہ خط و کتابت، بجز اس کہ درمیان میں کوئی واسطہ، البتہ اتنا سن رکھا تھا کہ مجھ سے گم کردہ راہ اور بھولے بھٹکے لوگوں کو آستانہ مدنی میں پناہ ملتی ہے۔ حضرت مدنی نے ان کی تمام باتیں سن کر فرمایا کہ میں خود گنہگار آدمی ہوں۔ حضرت مدنیؒ کے ان جملوں سے عبدالرشید کردے کی ندامت اور اضطرار کے زخم اور ہرے ہو گئے۔ انہوں نے محسوس کر لیا کہ دل کی بے قراری اسی مدنی دار الشفاء سے سکون پا سکتی ہے۔ حضرت مدنیؒ سے بیعت ہو کر دیوبند ہی کچھ دنوں مقیم رہے۔ پھر وقتاً فوقتاً حاضری دیتے رہے۔

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۴۵۹)

آقائے نامدار ﷺ کے دست مبارک میں پھلوں اور پھولوں کا طباق

قاری نجیب علی صاحب کریم گنجی مرحوم ایک سچے عاشق رسول تھے۔ اکثر و بیشتر آپ پر جذب و کیف کی حالت طاری رہتی تھی۔ اسی حالت میں آپ یا رسول اللہ، یا رسول اللہ کہتے ہوئے جنگل اور بیابان کی طرف نکل جایا کرتے تھے۔ حضرت مدنیؒ ان سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے اور وہ حضرت پر فدا تھے۔ نئی سڑک سلہٹ کی مسجد میں حضرت مدنیؒ تراویح خود پڑھایا کرتے تھے اور تراویح کے بعد ایک گھنٹہ وعظ فرمایا کرتے تھے۔ وعظ کے بعد خصوصی مجلس ہوا کرتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرتؒ نے قاری نجیب صاحب مرحوم سے دریافت فرمایا کہ قاری صاحب!

آج آپ نے کیا دیکھا؟ انہوں نے فرمایا کہ آج پورے وعظ میں آپ کے پیچھے جناب رسول اللہ ﷺ پھلوں اور پھولوں سے بھرا ہوا طباق لئے ہوئے کھڑے ہیں کہ روئے مبارک پر مسرت اور خوشی کے آثار نمایاں ہیں۔ اسی پر مسرت منظر میں میری نگاہیں مسحور تھیں۔

غور فرمایئے کہ ان واقعات سے حضرت مدنیؒ کی ہر لحہ ظاہری و باطنی تائید اور روحانی معیت آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام سے کس قدر گہری تھی اور اتباع سنت کی نسبت نے آپ کی ذات گرامی کو کس قدر عروج پر پہنچا دیا تھا۔ (از مولانا احمد علی بانسکنڈی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۲۶۷)

ہر شے سے مدنی لب ولہجہ میں تلاوت کی آواز

حضرت مدنی قدس سرہ سلہٹ کے قیام رمضان میں عشرہ اخیرہ میں اعتکاف فرماتے اور عموماً تہجد کی نماز باجماعت میں چار پانچ پارے تلاوت فرماتے۔

ایک شب کا واقعہ ہے کہ دو رکعت پڑھنے کے بعد آرام کے خیال سے میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ تکیہ سے سر لگایا ہی تھا کہ اس سے تلاوت قرآن کریم کی آواز آنے لگی۔ پھر بستر کے ہر حصہ سے یہی آواز سنائی دینے لگی۔ یہاں تک کہ کمرے کے باہر ہر ہر شے سے اسی مدنی لب ولہجہ میں تلاوت قرآن کریم کی آواز گونجنے لگی۔ میں حیران ہو کر اٹھا اور حضرت کے پاس لوٹ آیا۔ پھر دوبارہ آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی میں کوہ طور کے لرزنے اور حضرت داؤد علیہ السلا کی تلاوت زبور میں ذی روح اور غیر ذی روح کے شامل ہونے کی تفسیر سامنے آگئی۔ (از مولانا احمد علی بانسکنڈی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۲۶۸)

ایک نا اتفاقی طالب علم کی جرأت رندانہ

مولانا عبدالحلیم صاحب فاروقی لکھنوی فرماتے ہیں کہ میرے دورہ حدیث شریف کے سال کی بات ہے، ایک دن حضرت شیخ الاسلامؒ کے یہاں سبق ہو رہا تھا۔ دن کے بارہ بج چکے

تھے اور حضرت کی تقریر جاری تھی۔ طلبہ گوش بر آواز تھے اور حضرت بھی پورے انہماک کے ساتھ حدیث پر کلام فرما رہے تھے۔ گھڑی کی سوئیاں جوں جوں آگے بڑھ رہی تھیں، ہمارے ایک تاتاری ساتھی کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن ہم میں سے کسی کو اس کا احساس نہ تھا۔ جب اس حدیث پر کلام ختم کرنے کے بعد حضرت نے تلاوت حدیث کرنے والے طالب علم کو آگے پڑھنے کا حکم دیا تو تاتاری ساتھی نے اپنی کرخت دار آواز میں شیخ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، سبق بند کرو!

شیخ کے ساتھ ساتھ طلبہ کی نگاہیں تاتاری کے چہرے پر جم گئیں۔ ایک طرف طلبہ کے چہروں سے تاتاری کی اس گستاخی اور حد سے بڑھی ہوئی جرأت پر ناگواری کے آثار نمایاں دوسری طرف حضرت شیخ الاسلام کا چہرہ ہر قسم کی ناگواری اور گرانی کے تاثر سے پاک۔ بلکہ رد عمل یہ کہ شیخ نے مسکراتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں تاتاری سے سوال کیا، سبق کیوں بند کروں؟ تاتاری ناسمجھ نہ تھا، وہ اپنے شیخ کی عظمت سے بے خبر بھی نہ تھا اور نہ ہی اس کی جرأت رندانہ کے پس پردہ گستاخی کا جذبہ کارفرما تھا۔ بلکہ وہ اپنے شیخ کا مزاج آشنا تھا۔ اسی لئے اس نے طلبہ کی گھورتی ہوئی نگاہوں کی پرواہ کئے بغیر شیخ کے استفسار کے جواب میں اسی کڑک کے ساتھ کہا، ہم بھوکا ہے۔ شیخ نے اپنی مسکراہٹ کچھ اور گہری کرتے ہوئے فرمایا، میں بوڑھا آدمی ہو کر بھوکا بیٹھا پڑھا رہا ہوں، تم جوان ہو کر بھوکے نہیں پڑھ سکتے۔

طلبہ نادم وشرمسار، مگر شیخ کے لحاظ میں تاتاری کو روک بھی نہیں سکتے تھے۔ لیکن تاتاری کو بھی حال دل سنانے کا بہترین موقع ملا تھا۔ پھر بھلا وہ طلبہ کی برہمی کو خاطر میں لا کر شیخ کی عنایتوں سے اپنے کو محروم کیوں کرتا۔ تاتاری نے شیخ کے جواب میں کہا، تم صبح اچھا اچھا ناشتہ کر کے گھر سے آتا ہے، ہم صبح سے بھوکا ہے۔

تاتاری کا جواب سن کر شیخ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ کتاب بند کی اور سبق ختم ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ شیخ اپنے ساتھ اس تاتاری طالبعلم کو مدنی منزل لے گئے۔ اسکو اپنی خصوصی نگرانی میں کھانا کھلوایا اور تاکید کے ساتھ یہ حکم فرمایا کہ کل سے صبح کا ناشتہ تم میرے ہی ساتھ کرو گے۔ (از مولانا عبدالحلیم فاروقی لکھنوی) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۲۹۰)

نہ جنید و شبلی آپ، نہ جنید و شبلی میں

مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا عبدالباری ندوی دونوں حضرات حضرت مدنی آ سے بیعت ہونے کے ارادے سے دیوبند پہنچے۔ اسٹیشن پر استقبال کے لئے حضرت موجود تھے۔ قلی کے پیسے اور تانگہ کا کرایہ خود ادا کیا۔ اعزاز و اکرام کے ساتھ گھر پر لائے، دسترخوان خود بچھایا، کھانا کھلایا، ہاتھ دھلائے، پھر دریافت فرمایا کہ کیسے تشریف لانا ہوا۔ دونوں حضرات نے عرض کیا کہ ہم تو بیعت ہونے کے ارادہ سے آئے ہیں۔

حضرت نے اپنی نااہلی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ آپ دونوں حضرات حضرت تھانویؒ سے بیعت ہوں۔ ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم تو آپ کے پاس حاضر ہوئے تھے، آپ حضرت تھانویؒ کے پاس جانے کا حکم فرما رہے ہیں، تو ہمیں ایک تحریر دے دیں۔ حضرت نے فرمایا، تحریر نہیں، میں خود آپ حضرات کو لے کر چلوں گا۔

چنانچہ حضرت تھانویؒ کی بارگاہ میں پہنچے۔ حضرت تھانویؒ نے دریافت فرمایا، کیسے آنا ہوا؟ حضرت مدنی قدس سرہ نے فرمایا، ان دونوں حضرات کو لے کر آیا ہوں، انہیں بیعت فرمالیں۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا، یہ آپ کے پاس آئے ہیں، اس لئے آپ بیعت فرمائیں۔ حضرت مدنیؒ نے اپنی نااہلی کا ذکر کر کے بیعت کرنے سے انکار کیا۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے فیصلہ کن انداز میں فرمایا، دیکھئے! نہ جنید و شبلی آپ، نہ جنید و شبلی میں۔ ان کی اصلاح کے لئے آپ بھی کافی ہیں اور میں بھی کافی ہوں، آپ ان کو بیعت کرلیں، میں ان کی اصلاح کردوں گا۔

چنانچہ وہیں خانقاہ میں حضرت مدنیؒ نے بیعت فرما کر اصلاح کے لئے حضرت تھانویؒ کے حوالے کردیا۔ (از حضرت مولانا عبدالباری ندوی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۲۹۲)

آگ بجھ گئی

ایک مرتبہ سلہٹ میں شہر کے کسی حصہ میں آگ لگ گئی۔ حضرت مدنیؒ اس وقت سلہٹ

میں موجود تھے۔ لوگوں نے آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ کے دعا میں مصروف ہوتے ہی آگ بجھ گئی۔ لوگ یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ (از مولانا لطف الرحمٰن)
(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۲۹۳)

توجہ سے ازالہ مرض

حضرت مدنیؒ کے خلیفہ مجاز مولانا امان اللہ کریم گنجی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میرا منہ لقوہ سے اس طرح متاثر تھا کہ میں بات نہیں کرسکتا تھا۔ کافی علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ایک مرتبہ ڈاکٹر کے پاس جا رہا تھا کہ دل میں خیال آیا کہ حضرت سلہٹ میں مقیم ہیں، کیوں نہ آپ سے دعا کی درخواست کی جائے۔ اسی وقت حاضر خدمت ہوا اور مقررہ وقت پر درخواست پیش کردی۔ حضرت نے تمام درخواست گزاروں کو بلا لیا۔ مگر میری درخواست کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا۔

مجھے بہت پریشانی ہوئی، دوستوں سے اپنی بے چینی ظاہر کی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ تراویح کے بعد جب حضرت اپنے حجرے میں آرام کے لئے تشریف لے جائیں تو اس وقت میں وہاں پہنچ جاؤں۔ میں دوستوں کے مشورے کے بموجب کمرے میں پہنچ گیا۔ سلام کیا۔ حضرت نے مجھے دیکھا، مگر کچھ فرمایا نہیں، بلکہ چادر اوڑھ لی۔

میرا بہت برا حال ہوا۔ تمام رات گریہ وزاری میں گذری۔ نماز فجر حضرت کے ساتھ ادا کی۔ نماز کے بعد حضرت نے خود ہی آواز دی، مولوی امان اللہ کریم گنجی کہاں ہیں؟ میں نے فوراً حاضر ہوکر سلام کیا۔ حضرت نے فرمایا، کیا ہوا؟ جب میں نے جواب دینے کی کوشش کی تو محسوس ہوا کہ زبان حسب سابق بالکل صحتمند ہے اور میں بسہولت گفتگو کرنے لگا۔ (مولانا لطف الرحمٰن برنوی) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۲۹۳)

ایک سٹوڈنٹ کی گالیاں اور اس کا انجام

ایک مرتبہ سلہٹ میں مولوی بازار میں جلسہ ہو رہا تھا اس میں حضرت بھی موجود تھے۔ آپ کو دیکھ کر ایک اسٹوڈنٹ نے کچھ گالیاں دیں اور چل دیا۔ راستے ہی میں درد شکم میں مبتلا ہو

گیا اور خون کی قے شروع ہو گئی۔ اس کے ایک رشتہ دار کو واقعہ معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے آ کر حضرت سے معافی مانگی اور دعا کے لئے اصرار کیا۔ آپ نے پانی دم کر کے دے دیا، وہ شفایاب ہو گیا۔ (مولانا لطف الرحمٰن برنوی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۲۹۵)

گستاخی کا انجام

حضرت ایک جلسہ گاہ میں تشریف فرما تھے۔ نبی گنج بھڑگاؤں کے مولوی ممتاز الدین نے آپ کی پیشانی پر سجدہ کا نشان دیکھ کر ازراہ تمسخر کہا کہ یہ تو جوتے کا نشان معلوم ہوتا ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔

لوگوں نے دیکھا کہ ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گذرا تھا کہ اس گستاخ نے قادیانیت اختیار کر لی اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن گیا۔ (مولوی عبدالرحیم آزاد)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۲۹۵)

سانپ کا ڈسا ہوا شفایاب

حضرت سلہٹ میں قیام پذیر تھے۔ رات کے وقت کچھ مشتاق زیارت حضرات نئی سڑک کی مسجد میں آ رہے تھے کہ ایک شخص کو راستے میں سانپ نے ڈس لیا۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ لوگ اس کو اٹھا کر مسجد میں لائے اور حوض کے کنارے لٹا دیا۔ حضرت کو خبر ہوئی، آپ فوراً تشریف لائے اور لوگوں کو وہاں سے دور ہٹا دیا اور چھڑی سے تین مرتبہ اشارہ فرمایا۔ وہ شخص فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا اور زہر کا کہیں نام ونشان بھی باقی نہ تھا۔ (مولانا عبدالنور اندشہری)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۲۹۶)

ذکر کا اثر چارپائی میں

ایک مرتبہ حضرت کریم گنج تشریف لائے۔ میں بھی ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا۔ اسی دن بدر پور میں جلسہ تھا، میں بھی وہاں گیا۔ مدرسہ کے صحن میں ایک چھوٹی سی چارپائی پڑی ہوئی تھی۔ میں اس پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ محسوس ہوا کہ چارپائی سے ذکر کی آواز آ

رہی ہے۔ ساتھ ہی چارپائی میں ارتعاش پیدا ہوا۔ میں فوراً وہاں سے اٹھ گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ حضرت نے اس چارپائی پر بیٹھ کر وضو فرمایا تھا۔ (از مولوی عبدالباری تبی گنجی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۲۹۹)

جسم سے روشنی

ایک مرتبہ سلہٹ میں حضرت کے ساتھ تہجد میں شریک ہوا۔ آپ نہایت محویت کے عالم میں تلاوت فرما رہے تھے۔ اثنائے تلاوت میں جب واللہ متم نورہ پر پہنچے تو شرکاء جماعت میں ایک سنسنی سی پھیل گئی۔ میں حضرت کے پیچھے ہی کھڑا تھا اس لئے غیر ارادی طور پر میری نگاہ حضرت کی جانب اٹھ گئی۔ حضرت کے جسم پر کھدر کا کرتا تھا۔ اس کی ہلکی بافت سے جسم کی روشنی چھنتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوری بھی شریک جماعت تھے۔ میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا کہ روشنی پوری مسجد میں پھیلی ہوئی تھی۔ (از مولانا لطف الرحمٰن برنوی) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۲۹۹)

گستاخی کرنے والوں سے قدرت کا انتقام

سید پور ضلع رنگپور میں لیگی غنڈوں نے حضرت مدنیؒ کے ساتھ ۱۹۴۶ء میں جو وحشیانہ برتاؤ کیا تھا اس واقعہ کی تفصیل میں مولانا کفیل احمد بجنوری کے مضمون کا کچھ حصہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے، تفصیلی مضمون روزنامہ حقیقت لکھنؤ میں شائع ہو چکا ہے۔

حضرت مدنیؒ اپنے خادم احسان الحق مرحوم کی تعزیت کے سلسلہ میں قصبہ سونار تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا ریاض الدین صاحب کی درخواست پر شام کا کھانا تناول فرمانے کے لئے سید پور اسٹیشن پر اترے۔ دفعتاً تقریباً سات سو لیگی غنڈوں نے آپ کو گھیر لیا اور گالیاں دینے لگے۔ ہاتھوں میں لاٹھیاں، ڈنڈے اور چھریاں تھیں۔ بے تمیزی کے ساتھ نام لے لے کر شور مچانا شروع کر دیا۔ قتل کر دو، مار ڈالو، ٹکڑے ٹکڑے کر دو، یہ غدار ہے، ایسا ہے ویسا ہے . . . جو کچھ منہ میں آ رہا تھا بک رہے تھے۔ حضرت کو لینے کے لئے آنے والے صرف

دس پندرہ آدمی تھے۔ لیکن غنڈوں میں ایک شخص برابر ناقوس پر ناقوس بجائے جا رہا تھا جس کی وجہ سے دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً تین ہزار غنڈے سید پور ورکشاپ اور مضافات سے جمع ہو گئے اور مار دھاڑ شروع کر دی۔

استقبال کے لئے آنے والے حضرات نے شیخ کو اپنے حلقہ میں لے لیا۔ مولانا ریاض الدین صاحب فرماتے ہیں کہ خدا جانے ہم لوگوں میں فرشتے اتر آئے تھے یا کیا بات ہوگئی تھی کہ ہم اپنے اندر بے انتہا قوت محسوس کر رہے تھے اور کانھم بنیان مرصوص بنے ہوئے تھے۔

اسی اثناء میں ایک فرعون سامنے آیا اور اس نے حضرت کو پچھاڑنے کی کوشش کی، بے دردی سے گریبان سے پکڑا، سخت مدافعت کے باوجود کلاہ سر مبارک سے اتار لی اور بے ہودہ کلمات بکتے ہوئے پاؤں کے نیچے روندا، پھر اس میں آگ لگا دی۔ ہم میں سے بعض حضرات نے ایک مسلمان سب انسپکٹر کو جو قریب ہی کھڑا تھا، امداد کیلئے متوجہ کیا مگر افسوس اس نے لیگی ذہنیت کی وجہ سے صاف طور پر یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں اتنے مجمع پر قابو پانے سے معذور ہوں۔

جب ہم اس پولیس افسر سے مایوس ہو گئے تو ورکشاپ کے اینگلو انڈین افسر کے پاس پہنچے۔ وہ فوراً اسٹیشن پر آیا، اس نے اپنے ماتحت مزدوروں کو بہت برا بھلا کہا اور کہا کہ یہ تمہارا بہت بڑا پادری ہے، نہایت نیک آدمی ہے، تم اس طرح غنڈے پن سے شراب پی پی کر پاکستان حاصل کرو گے۔ غرض اس افسر نے بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ ہم لوگ بمشکل حضرت کو ویٹنگ روم تک لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہاں اسٹیشن افسران کے ذریعے غنڈوں سے یہ طے پایا کہ ہم اس صورت میں مولانا کو چھوڑ سکتے ہیں کہ اسی شب میں دارجلنگ میل سے واپس ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مولانا پانچ گھنٹے ویٹنگ روم میں محصور رہ کر دارجلنگ میل سے بھاگلپور کے لئے روانہ ہو گئے۔ مگر حضرت ابھی حدود بنگال سے باہر نہیں نکلے تھے کہ خدا کا قہر ان ظالموں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جس فرعون نے حضرت کے سر سے کلاہ مبارک اتاری تھی، وہ تو اگلے ہی دن تالاب میں ڈوب کر مر گیا۔ جس پولیس افسر نے مجمع کو کنٹرول کرنے سے انکار کر دیا تھا، اس کا نوجوان لڑکا اچانک انتقال کر گیا۔

پھر خدا کی شان یہ کہ جس خیال سے یہ جز بونگ مچائی گئی تھی کہ جمعیۃ علماء سید پور میں قائم نہ کی جا سکے، آج اسی جگہ بڑے اہتمام سے جمعیۃ قائم کی جا رہی ہے۔ جو لوگ اب تک جھنڈے سے بندھے ہوئے تھے وہ اب تائب ہو کر ایک دوسرے کو متہم کر رہے ہیں۔ اور جس جھنڈے کے تحت یہ سب خرافات کی گئی تھیں اب اعلانیہ اسی جھنڈے کی مخالفت شروع کر دی گئی ہے۔ اللہ کی قدرت! کیا برعکس معاملہ ہے۔ (مولانا ریاض الدین سید پوری)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۳۰۱)

حضرت کی توجہ باطنی سے بیمار اچھا

۱۹۳۹ء کا زمانہ تھا، جمعیۃ علماء ہند مسلم لیگ کی پالیسی سے علیحدگی کا اعلان کر چکی تھی۔ اس پر آشوب دور میں جمعیۃ علماء یوپی کا صوبائی اجلاس گورکھپور شہر میں بلایا گیا۔ اس موقع پر حضرت بھی تشریف لائے تھے۔ اس اجلاس میں بلتھرا روڈ ضلع بلیا کے چند اشخاص شریک ہوئے۔ اور حضرت سے بیعت ہو کر اپنے وطن واپس ہو گئے۔

کچھ دنوں کے بعد ان میں سے ایک مرید جن کا نام مبارک احمد ہے، سخت بیمار ہوئے۔ ڈاکٹر حافظ محمد زکریا بھی انہی کے ساتھ بیعت ہوئے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بحیثیت معالج بلایا گیا تو دیکھتا ہوں کہ جسم بالکل بے حس و حرکت ہے، آنکھیں پتھرائی ہوئی ہیں، آثار مرگ بظاہر نمایاں ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر میں خود بھی پریشان ہو گیا۔ اسی اثناء میں دیکھا کہ مریض نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور کہا، حضرت! تشریف رکھئے۔ پھر تھوڑے ہی وقفہ کے بعد مریض اٹھ بیٹھا اور اپنے والد سے پوچھا کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے۔ والد نے کہا کہ حضرت تو یہاں نہیں آئے۔ مریض نے کہا، حضرت یہاں تشریف لائے، میرے چہرے اور بدن پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، اچھے ہو جاؤ گے۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ میں وہاں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ دیکھتا ہوں کہ بخار بالکل غائب ہو گیا اور وہ مریض حضرت کی دعا کی برکت سے ایسا اچھا ہوا کہ پھر کبھی بیمار نہیں پڑا۔ (از مولانا محمد سلیمان اعظمی (مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۳۰۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نماز جمعہ

۷ اپریل ۱۹۵۵ء کو اس روسیاہ کو عالم رویا میں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت منامی نصیب ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی شہر میں جامع مسجد کے قریب ایک حجرے میں تشریف فرما ہیں اور متصل ایک دوسرے کمرے میں کتب خانہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کتب خانہ سے ایک مجلد کتاب اٹھائی جس میں دو دو کتابیں تھیں مگر وہ خطبات جمعہ کا مجموعہ تھیں۔ اس میں وہ خطبہ بھی نظر انور سے گذرا جو حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی پڑھا کرتے تھے۔

جامع مسجد میں مصلیوں کا بڑا مجمع تھا۔ مصلیوں نے اس حقیر سے فرمائش کی کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سفارش کرو کہ وہ مولانا مدنیؒ کو نماز جمعہ پڑھانے کے لئے ارشاد فرمائیں۔ میں نے گزارش کی تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مولانا مدنیؒ کو جمعہ پڑھانے کا حکم فرمایا۔

حضرت مدنیؒ نے خطبہ پڑھ کر جمعہ کی نماز پڑھائی اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مدنیؒ کی اقتداء میں جمعہ کی نماز ادا فرمائی۔ یہ حقیر بھی مقتدیوں میں شامل تھا فالحمد للہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ضعیف العمر تھے اور داڑھی مبارک سفید تھی۔ (حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری گجرات)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۳۰۹)

آوارہ گرد اور بدشوق لڑکے کی کایا پلٹ

میرا ایک لڑکا پڑھنے میں بڑا بدشوق تھا اور اب اس میں آوارگی بھی آنے لگی تھی۔ میں نے بار بار حضرت سے اس کی شکایت کی۔ اسی دوران میرا بڑا لڑکا محمد ابراہیم جو دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھا، رمضان المبارک کی تعطیلات کے بعد جب دوبارہ دارالعلوم پہنچا اور حضرت سے ملاقات کی تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی کو نہیں لائے؟ جب محمد ابراہیم نے مجھ کو یہ بات بتائی تو میں سمجھ گیا کہ اس جملہ میں خاص اشارہ ہے۔ میں نے فوراً اس آوارہ گرد لڑکے کو

آپ کی خدمت مبارک میں بھیج دیا۔

اب میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ حضرت شیخ کی ایک ہی نظر نے اللہ کے حکم سے لڑکے کی کایا پلٹ دی۔ جب وہ دیوبند سے واپس آیا تو دیکھ کر ہر ایک کو حیرت ہوئی کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ میری خود یہ حالت تھی کہ میں اس کی بے ہودگیوں سے عاجز تھا اور آج اس کی سلامت روی پر دعا گو ہوں۔ اس کی بے نفسی پر رحم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے استقامت بخشے۔ (از مولوی محمد جلیل صاحب گورکھپوری) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات و کرامات کی روشنی میں ۳۱۲)

مولانا حیدری کی بدظنی حسن ظن میں تبدیل

میں پہلے حضرت مدنیؒ سے حسن ظن نہ رکھتا تھا، نہ بدظن تھا۔ مگر یہ معلوم ہوا کہ حضرت کانگریس میں شریک اور اس کے حامی ہیں تو یک بیک میری طبیعت موصوف کی جانب سے متنفر ہو گئی اور میں ہر صحبت میں مولانا پر طعن و تشنیع کرنے لگا۔ یہ کیفیت تقریباً دو سال رہی۔ اسی عالم میں حضرت کی پہلی کرامت کا ظہور ہوا۔ ایک شب اپنی قیام گاہ (آ کھا واڑہ) کی جنوبی گیلری میں بعد عشاء حسب معمول سو رہا تھا، خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک نورانی صورت بزرگ ایک بڑے کمرے میں وسط میں چٹائی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور گرد و پیش بہت سے لوگ گردن جھکائے ہوئے مودب بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

تھوڑے دنوں کے بعد پھر ایک شب میں خواب دیکھتا ہوں کہ وہی نورانی شکل و صورت کے بزرگ ایک صحن میں بیٹھے ہوئے ہیں، ہاتھ میں ایک کتاب ہے، اس کے مطالعے میں مصروف ہیں۔ دو چار آدمی اور بھی ادھر ادھر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں بھی سلام کر کے ایک جانب بیٹھ گیا۔ ان بزرگ نے میری جانب دیکھا، پھر مطالعے میں مصروف ہو گئے۔

پھر ایک شب خواب دیکھتا ہوں کہ ایک مسجد ہے، کثرت سے اس میں نمازی آرہے ہیں اور وضو کر کے بیٹھتے جا رہے ہیں۔ میں بھی وضو کر کے دوسری صف میں جا کر بیٹھ گیا۔ پھر دیکھتا ہوں کہ اسی شکل و صورت کے بزرگ مصلے پر آگے بڑھ کر نماز پڑھا رہے ہیں۔ نماز ختم ہونے کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

چوتھی مرتبہ پھر ایک شب میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ وہی بزرگ اسی شکل و صورت

تن ہے مگر جسم پر مدنی عبا ڈالے ایک ایسے مقام پر بیٹھے ہیں جو میرے لئے اجنبی ہے۔ میں نے دوڑ کر چاہا کہ ان کے ساتھ مصافحہ کروں مگر وہ جلدی سے اٹھ کر ایک مکان میں چلے گئے اور میں متحیر کھڑا دیکھتا رہ گیا۔

ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ میرے داہنے شانے کو دو تین بار جھنجھوڑا اور کہا کہ اٹھو نماز پڑھ لو۔ جھنجھوڑنے کا مجھے اس قدر احساس ہوا کہ میں جاگ اٹھا۔ اور پلنگ پر بیٹھ کر کچھ دیر تک ادھر ادھر استعجابانہ دیکھتا رہا۔ کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا تو حسب معمول سٹکنی لگی ہوئی تھی۔ میں نے اٹھ کر وضو کیا، نماز پڑھی اور مصلے پر بیٹھے بیٹھے سوچنے لگا کہ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ کس نے اس قدر زور سے میرا شانہ ہلایا؟ مصلے پر بیٹھے بیٹھے نیند آنے لگی۔ میں اونی چادر اوڑھے ہوئے تھا اس چادر میں لپٹے ہوئے جائے نماز پر ہی سو گیا۔ اسی درمیان خواب دیکھا کہ میں آسمان پر اڑ رہا ہوں، کچھ لطف آ رہا ہے، کچھ خوف کھا رہا ہوں۔ دیر تک اسی عالم میں رہا۔ بفضلہ تعالیٰ نماز فجر کے وقت بیدار ہوا۔ دن بھر طبیعت بہت پرکیف رہی۔

ان خوابوں کے دیکھنے کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ یا اللہ یہ کیسے خواب ہیں؟ اور وہ کون بزرگ ہیں جو متعدد بار خواب میں نظر آئے۔ میں نے ظہر کی نماز پڑھی اور دیر تک دعاء کرتا رہا کہ یا اللہ ان خوابوں میں جو بزرگ مجھے دکھائے گئے ہیں ان کا انکشاف فرمادے۔ جب نماز اور دعاء سے فارغ ہو کر اٹھا تو اپنے دل میں ایک عجیب تغیر محسوس کیا، وہ یہ کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی نفرت محبت سے بدل چکی تھی۔ (از مولانا ابوالحسن حیدری الہ آباد)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۳۱۳)

نماز تہجد کا التزام

حضرت شیخ الاسلامؒ قدس سرہ اپنی بعض خصوصیات میں منفرد تھے۔ نیند پر آپ کو اس قدر قابو تھا کہ جب چاہتے چند منٹ کے لئے سو جاتے اور وقت پر اٹھ کر اپنے کام میں مشغول ہو جاتے۔ بکثرت ایسا ہوتا کہ سفر میں یا جلسہ گاہ میں دو بجے رات تک جاگنا پڑتا، مگر بایں ہمہ کبھی تہجد کی نماز کا ناغہ نہیں ہوتا۔ جلسہ گاہ سے آتے، سو جاتے، پھر گھنٹے آدھ گھنٹے کے بعد دیکھا جاتا کہ آپ تہجد میں کھڑے ہوئے ہیں اور اسی حال میں صبح ہو جاتی۔ ٹرینوں میں بھی آپ کے

معمولات میں کوئی فرق نہ آتا۔

مولانا اویس صاحب ندوی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ اعظم گڑھ کی طرف سے حضرت کی واپسی ہوئی، میں بھی ساتھ ہو گیا۔ رات کا وقت تھا، جب حضرت نے محسوس کیا کہ لوگ آرام کی نیند نہیں رہے ہیں، آپ خاموشی سے اٹھے، وضو فرمایا اور تہجد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ میں یہ سب دیکھ رہا تھا۔ مجھ سے نہ رہا گیا، میں بھی اٹھا اور وضو کر کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ پھر پوری رات حضرت نے اسی طرح گزار دی۔ (از مولانا ظفیر الدین مفتاحی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۳۲۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع

تقسیم ہند سے قبل حضرت سلہٹ میں قیام پذیر تھے۔ مسلم لیگ کی ہدایت پر یہاں بھی ڈائرکٹ ایکشن ڈے منایا گیا۔ جس میں اپنے ایک خاص مطالبے کے ساتھ قوم پرور مسلمانوں پر وحشیانہ حملوں کا پروگرام بھی شامل تھا۔ چنانچہ نئی سڑک سلہٹ کی مسجد میں نماز جمعہ سے فارغ ہوتے ہی اس کارروائی کا آغاز کر دیا گیا۔ پوری مسجد نمازیوں کے خون سے لت پت ہو گئی۔ خدا کی براہ راست نگرانی نے حضرتؒ کو محفوظ رکھا ورنہ اسباب وعلل کو دیکھتے ہوئے حضرت کی زندگی کے امکانات نہیں تھے۔

ہنگامہ فرو ہونے کے بعد میں نے تنہائی میں عرض کیا کہ آج تو کربلا کی یاد تازہ ہو جاتی مگر خدا نے خیر کی، حضرت پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس قوم نے ظلم کی انتہاء کر دی ہے۔ اگر حضرت نے صبر کیا تو خدا خود انتقام لے گا اور قوم پر تباہی آئے گی۔ اس لئے اس کو اللہ کی گرفت سے بچائیے۔

حضرت نے فرمایا کہ کیا مطلب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ان کے حق میں بددعا کر کے انتقام لے لیجئے تا کہ براہ راست اللہ تعالیٰ ان کو اپنی گرفت میں نہ لے۔

یہ سن کر عجیب وغریب لہجے میں جواب دیا، بھائی! جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلہ نہیں لیا تو میں ان کا غلام ہوتے ہوئے کیسے بدلہ لے سکتا ہوں۔ بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس قوم کو ہدایت دے۔ (مولانا عبدالحمید الاعظمی) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۳۲۴)

مجھ سے اتباع سنت کہاں ہوتا ہے

ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ کے یہاں سالن دو برتنوں میں آ گیا۔ عام طور پر چونکہ ایک سالن بڑے برتن میں آیا کرتا تھا، اسی کے چاروں طرف سب بیٹھ کر کھایا کرتے تھے۔ اس دفعہ کوئی صاحب بیمار تھے، ان کے واسطے سالن علیحدہ آ گیا تو انہیں حافظ محمد حسین صاحب نے کہا کہ حضرت! اب سالن دو دو طرح کا کھایا جائے گا، کہیں حدیث میں دو سالن کھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ اس پر حضرت مدنیؒ نے ابوداؤد شریف کی روایت بیان نہیں فرمائی جس میں دو سالن کا تذکرہ ہے، بلکہ یہ فرمایا کہ مجھ سے اتباع سنت کہاں ہوتا ہے؟ میں تو پیٹ کا کتا ہوں۔ (ملفوظات فقیہہ الامت قسط:۲/۹۱)

میرے مکتوبات قابل مطالعہ کہاں ہیں؟

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اعظم گڑھ ضلع کے ایک مدرسے کے جلسہ میں تشریف لے گئے۔ میں بھی وہاں حاضر ہوا۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کے مکتوبات کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ تو ارشاد فرمایا کہ میرے مکتوبات مطالعہ کے قابل کہاں ہیں؟ کچھ جیل کے لکھے ہوئے ہیں، کچھ ریل کے لکھے ہوئے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ پھر کس کے مکتوبات دیکھوں؟ تو فرمایا کہ مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات دیکھئے، حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات دیکھئے۔ (ملفوظات فقیہہ الامت قسط:۲/۹۱)

سائنس بتانے سے عاجز ہے

کہ حضرت مدنیؒ آخر عمر میں علیل ہوئے تو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ سہارنپور سے ڈاکٹر برکت کو لے کر تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ تنہائی میں دیکھوں گا جہاں آپ کے سوا کوئی اور نہ ہو۔

غرض تنہائی میں دیکھا تو کہا: "سائنس بتانے سے عاجز ہے کہ مولانا ابھی تک زندہ کیوں ہیں، ان کا تو کبھی سے انتقال ہو جانا چاہئے تھا۔" (ملفوظات فقیہہ الامت قسط ۲/۹۱)

جہد مسلسل

الیکشن کے ہنگامہ میں ایک مرتبہ جمعرات کی شام کو چار بجے کی گاڑی سے دہلی تشریف لے گئے۔ دس بجے حاجی علی جان مرحوم کی کوٹھی میں کوئی میٹنگ تھی، اس میں مشغول رہے، وہاں سے فارغ ہو کر رات ہی کو نانوتہ پہنچے۔ صبح کی نماز کے بعد نانوتہ میں جلسہ میں تقریباً دو گھنٹے تقریر فرمائی۔ وہاں سے فارغ ہو کر سہارنپور ہوتے ہوئے سیدھے سرسار پور تشریف لے گئے، وہاں ایک اجتماع میں تقریر فرمائی، جمعہ بہٹ آکر پڑھا اور جمعہ کے بعد دو گھنٹے وہاں تقریر فرمائی۔ عصر کے بعد سہارنپور تشریف لائے۔ عشاء کے بعد سہارنپور کے ایک اجتماع میں تقریر فرمائی۔ شنبہ کی صبح کو دیوبند جا کر بخاری شریف کا سبق پڑھا دیا۔

(آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریا: ۱۳۹)

آپ کے سامنے کس کی اہمیت ہے؟

حضرت شیخ فرماتے ہیں پہلی مرتبہ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ میں جبکہ حضرت مدنی قدس سرہ الٰہ آباد جیل سے رہا ہو کر چودہ رمضان یکشنبہ کی صبح کو سہارنپور پہنچے اور اسی وقت دوسری گاڑی سے دیوبند روانہ ہو گئے اور ایک شب دیوبند قیام کے بعد دوشنبہ کی دوپہر کو بارہ بجے دہلی تشریف لے گئے۔ چونکہ اس سال اکیس رجب کو شیخ کے چچا جان کا انتقال ہو گیا تھا، اس لئے حضرت قدس سرہ دہلی پہنچنے کے بعد مغرب کے بعد نظام الدین بسلسلہ تعزیت تشریف لے گئے۔ تراویح کے وقت حضرت نے فرمایا کہ جو امام تراویح ہے وہ تراویح پڑھائے۔ میں نے عرض کیا کہ کس کی ہمت ہے کہ آپ کے سامنے تراویح پڑھا سکے، آج تو آپ ہی کو پڑھانی ہے۔ تھوڑی سی رد و قدح کے بعد حضرت نے منظور فرمالیا اور اسی شب کی تراویح کی امامت حضرت نے نظام الدین میں فرمائی اور اپنی تراویح کا قرآن جو پہلے سے شروع ہوا ہوا تھا، اس میں پارہ ۱۳ کے نصف سے سورہ بنی اسرائیل کے ختم تک ایک پارہ بیس رکعت میں ایسے اطمینان سے پڑھا کر لطف آگیا۔ (آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریا: ۱۴۳)

بیان بدلا تو ایمان بدل جائے گا

آپ کی زندگی کا سب سے اہم مقدمہ جو کراچی کی عدالت خالق دینا ہال میں منعقد ہوا جو رہتی دنیا تک آزادی کے علمبرداروں کے لئے نشان راہ ہے۔ اس کی مقدمہ کی بنیاد وہ فتویٰ تھا جو مولانا حسین احمد مدنی نے ہندوستانی فوج کے نام جاری کیا تھا کہ "انگریزی فوج میں بھرتی ہونا، اس کی حمایت میں لڑنا، اس کی ترغیب دینا سب از روئے شریعت حرام ہے۔"

انگریزی حکومت میں اس فتویٰ نے تہلکہ مچا دیا تھا اور قریب تھا کہ پورا ہندوستان بغاوت پر اتر آئے، کراچی کی مذکورہ عدالت میں جب اس فتویٰ کے خلاف آپ پر مقدمہ چلا تو پانچ سو علماء کے اجتماع میں انگریز جج مولانا حسین احمد مدنی سے فتویٰ سے متعلق استفسار کرنے لگا۔ مولانا حسین احمد مدنی نے نہایت جرأت اور بے مثال حق گوئی سے فرمایا کہ "فتویٰ میں نے دیا ہے اور جب تک میری رگوں میں خون دوڑتا رہے گا، اس وقت تک اس کی اشاعت اور صداقت کا اعلان جاری رہے گا۔"

مولانا محمد علی جوہر وہاں موجود تھے، بے ساختہ اٹھے اور مولانا حسین احمد مدنی کے قدم چوم لیے۔ انہوں نے کہا، "خدارا آپ بیان بدل دیں، ورنہ پھانسی کی سزا ہوگی اور اس وقت آپ کی سارے ملک کو ضرورت ہے۔"

مولانا حسین احمد مدنی نے جواب دیا "اے جوہر! اگر بیان بدلا تو ایمان بدل جائے گا۔"

بس پھر کیا تھا، سارا ہال فرط عقیدت میں بے خود ہوئے جاتے ہے۔ چند دنوں بعد کراچی کی خلافت کانفرنس میں مولانا حسین احمد مدنی نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

لئے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل
شہید ناز کی تربت کہاں ہے

(یورپ کے تین مجرم، ۲۹)

لال قلعہ کا جھنڈا گر گیا

۱۹۴۷ میں میوات کے علاقہ میں ایک تبلیغی اجتماع منعقد ہوا جس میں سوا لاکھ جماعتیں بن

کر مختلف اطراف نکلیں یہ تمام جماعتیں اپنے اپنے معینہ علاقوں میں وقت لگا کر کام کرتے ہوئے دہلی جامع مسجد میں جمع ہوئیں یہاں ایک اجتماع ہوا جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی بھی تشریف لائے اور دعوت و تبلیغ پر زوردار بیان فرمایا تقریر کے دوران بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ فرمایا کہ یہ وہ کام ہے جس سے باطل ختم ہوگا اور لال قلعہ پر جو انگریز کی جھنڈا لہرا رہا ہے یہ سرنگوں ہوگا انشاء اللہ حضرت نے جس وقت جھنڈے کے متعلق یہ جملے ارشاد فرمائے لال قلعہ کا جھنڈا بغیر ظاہری سبب کے گر گیا جامع مسجد میں موجود لوگوں نے یہ منظر دیکھ کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ حضرت اقدس مدنی نے ڈانٹ کر فرمایا کہ میں ایک کام جتلا رہا ہوں اور اس کو کرو سارے جوش کو نعروں میں ختم مت کرو بیان کے بعد حضرت مدنی کی دعا ہوئی اور پھر اس اجتماع سے کرنال پانی پت، سونی پت، کاندھلہ اور سہارنپور کے اطراف میں جماعتیں بھیجی گئیں۔ (سوانح مولانا انعام الحسن ۱/۵۳)

☆☆☆

حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مجدد ملت

پیر طریقت

قاطع شرک و بدعت

تحریک پاکستان کے بانی

دارالعلوم دیوبند کے سرپرست

وفات	پیدائش
۱۹۴۳ء	۱۸۶۳ء

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

شرائط قبولیت

ایک دفعہ ڈھاکہ کے مشہور و معروف نواب سلیم اللہ خان نے جن کی دعوت کے وائسرائے اور گورنر مشتاق رہتے تھے اور بلا شرط منظور کرتے تھے، حضرت تھانویؒ کو بڑے اشتیاق سے مدعو کیا۔ تو آپ نے اس کی امارت و وجاہت کے پیش نظر قبولیت دعوت کیلئے حسب ذیل شرطیں لکھیں۔

۱۔ کسی قسم کا نقد یا غیر نقد ہدیہ نہ دیا جائے۔

۲۔ کسی خاص مضمون پر وعظ کہنے کی فرمائش نہ کی جائے۔

۳۔ قیام کا انتظام ایوان خاص سے جدا ایسی جگہ ہو جہاں عام مسلمان بے تکلف آ جا سکیں۔

۴۔ خود اپنی ملاقات کیلئے کوئی خاص وقت متعین کر لیں جس میں کوئی اور شخص شریک نہ ہو۔ تاکہ جانبین سے بے تکلف افادہ و استفادہ ہو سکے۔

نواب صاحب بھی بڑے سمجھدار، سلیم الفطرت اور اسم بامسمّٰی تھے۔ شرائط کو پڑھ کر ان کی حکمت و ندرت، صحت و مصلحت پر عش عش کر اٹھے اور غلبہ اشتیاق میں بلا چون و چرا سب شرطیں منظور کر لیں۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۴۳)

شاہانہ تزک و احتشام

حضرت تھانویؒ عوامی یا مذہبی لیڈروں کی طرح شاندار استقبال، جلسہ و جلوس اور زندہ باد کے نعروں کے قطعاً دلدادہ نہ تھے۔ اگر کوئی ازراہ محبت ایسا انتظام بھی کرتا تو حضرت منع فرما دیتے۔ نواب ڈھاکہ نے حضرت کا بھی اسی تزک و احتشام کے ساتھ استقبال کرنا چاہا جس طرح وہ وائسرائے کا استقبال کرنے کے عادی تھے کہ پلیٹ فارم پر مخمل فرش بچھایا جائے، تمام راستوں کی رنگ برنگ جھنڈیوں اور خوبصورت دروازوں سے سجایا جائے اور شاہانہ جلوس کی صورت میں حضرت کو دیوان خاص تک لایا جائے۔ واقعی حضرت ایسے ہی استقبال کے مستحق تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ کے کیونکہ یہ اپنے زمانہ کے مجدد تھے۔ مگر یہ سب کچھ چونکہ خلاف

شریعت تھا، اس لئے حضرت نے نواب صاحب کو اس کی اجازت نہ دی۔

اب انہوں نے دوسری درخواست بھیجی کہ ہمیں جم غفیر کے ساتھ استقبال کی اجازت دی جائے جو عمال ریاست اور وزراء پر مشتمل ہوگا۔ حضرت نے لکھا کہ یہ بھی خلاف طبیعت ہے۔ جس سے ان کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ مگر قدم قدم پر حضرت کی مصلحت آمیز اور سبق آموز ہدایات نواب صاحب کی گرویدگی میں نہ صرف اضافہ کر رہی تھیں بلکہ ان کے دل میں حضرت کی عظمت بڑھا رہی تھیں۔

چنانچہ نواب صاحب بلا کسی اہتمام کے بنفس نفیس اسٹیشن پر پہنچے۔ اپنی خاص موٹر میں حضرت کو سوار کیا۔ حضرت کی خواہش کے باوجود حضرت کے ساتھ نہ بیٹھے کیونکہ حضرت کے ساتھ بیٹھنے کی ہمت نہ ہوئی اور فرمایا کہ حضرت کے ساتھ بیٹھنا خلاف ادب تھا۔ غرض پہنچ کر بھی نواب صاحب خود خادموں کی طرح حضرت کی خدمت میں کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ کھانے کے وقت پر ایک ایک چیز خود اٹھا اٹھا کر حضرت کے سامنے رکھتے تھے۔

(بیس بڑے مسلمان: ۴۴۳)

منتظم کی نخوت اور اس کا علاج

علامہ اقبال نے اس دور کو اپنے ایک مکتوب میں دور بدتمیزی قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نمرود و فرعونیت کے زمانہ میں عام طور پر اہل دین اور علماء حق کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ مگر حضرت تھانوی یہ برداشت نہیں کرتے تھے کہ کوئی علماء حق کی شان میں ایسی ویسی بات کرے کیونکہ آپ اسے اہل دین کی اور دین کی توہین سمجھتے تھے۔ اس لئے اگر کسی سے ایسی غلطی ہو بھی جاتی تو ایسا سبق پڑھاتے کہ پھر وہ عمر بھر نہ بھولتا۔

ڈھاکہ کے پہلے سفر کے بعد ایک کانفرنس کے سلسلہ میں نواب ڈھاکہ کے اشتیاق اور علماء دیوبند کے اصرار پر آپ کو دوبارہ ڈھاکہ جانا پڑا۔ مگر آپ نے بفراست دیکھ لیا تھا کہ وہاں ایک ایسا واقعہ پیش آئے گا جس کی ناگواری کی وجہ سے آپ کے لئے ان حضرات کا اخیر وقت تک ساتھ دینا مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے آپ نے وہ سفر اپنے ذاتی خرچ پر فرمایا تا کہ جس وقت چاہیں آزادی سے واپس آسکیں۔

ان حضرات نے کلکتہ سے ہو کر ڈھاکہ جانا تھا۔ اس لئے نواب صاحب کی طرف سے ان کے قیام و طعام کا کلکتہ میں شایان شان انتظام تھا جس کے منتظم ایک رئیس تھے جو کہ نواب صاحب کے دوست تھے۔ باتوں باتوں میں وہ رئیس حضرت سے کہنے لگے کہ:

آپ کے انکار کے بعد آپ کی تشریف آوری سے نواب صاحب کو بڑی مسرت ہوئی۔ فرماتے تھے کہ آپ کی شرطیں بڑی سخت ہیں جن کو قبول نہیں کر سکتے۔ جیسے ایک تو یہی کہ کوئی ہدیہ پیش نہ کیا جائے۔

حضرت نے فرمایا:

نہ دینے کی شرط کیا مشکل ہے؟ دینا تو دشوار ہو سکتا ہے، نہ دینا کیا مشکل ہے؟

رئیس نے کہا:

صاحب! جس سے محبت ہوتی ہے، اس کو تو ہدیہ دینے کے لئے جی چاہتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے محبوب کی خدمت نہ کی جائے۔

حضرت نے جواب دیا:

یہ کیا ضروری ہے کہ محبوب کو اپنے گھر ہی بلا کر ہدیہ دیا جائے۔ اگر ایسا ہی شوق ہے تو اس کے گھر جا کر یا گھر بھیج کر بھی تو ہدیہ دیا جا سکتا ہے۔

رئیس ہونا اور بات ہے۔ سلیقہ سے گفتگو کرنا اور بات ہے۔ اس منتظم کو بات کرنی نہ آئی اور نخوت سے کہا:

جناب معاف فرمایئے، پیاسا کنویں کے پاس آتا ہے، کنواں پیاسے کے پاس نہیں۔

حضرت تھانوی کو یہ کلمات سن کر بہت رنج ہوا۔ مگر آپ نے ناگواری ظاہر کئے بغیر نہایت تہذیب سے اس رئیس کو مخاطب کر کے فرمایا:

آپ کا خیال یہ ہے کہ آپ حضرات کنواں ہیں اور ہم پیاسے، اور ہمارے دماغ میں یہ سمایا ہوا ہے کہ ہم لوگ کنواں ہیں اور آپ پیاسے۔ اور اس کی ہمارے پاس دلیل بھی ہے کہ ضرورت کی دو چیزیں ہیں۔ دین اور دنیا۔ ان

میں سے ہماری حاجت کی ایک چیز تو آپ کے پاس بھی ہے یعنی دنیا۔ تو وہ اللہ نے بقدر ضرورت ہمیں بھی دے رکھی ہے۔ لیکن آپ کی حاجت کی جو چیز ہمارے پاس ہے یعنی دین وہ آپ کے پاس بقدر ضرورت بھی نہیں۔ اس لئے آپ ہمارے محتاج ہوئے یا ہم آپ کے؟ آپ پیاسے اور ہم کنواں ہوئے یا ہم پیاسے اور آپ کنواں ہوئے؟

بس اس تازیانہ حکمت کے لگنے کی دیر تھی کہ وہ رئیس شرمندہ ہو کر بغلیں جھانکنے لگے۔

اس ناگواری کے بعد حضرت قطع سفر کا ارادہ کر لیا۔ کسی نے ٹیلیفون پر نواب صاحب کو بھی خبر کر دی۔ انہوں نے حضرت کو ٹیلیفون پر بلانا خلاف ادب سمجھ کر ضروری تار دیئے۔ رفقاء سفر نے بھی اصرار کیا کہ آپ واپسی کا ارادہ ترک کر دیں مگر آپ نے کسی کی خاطر اپنا اصول نہ چھوڑا۔ اپنے کرائے پر تو گئے ہی تھے، بڑی آزادی سے واپس آ گئے اور الہ آباد پہنچ کر نواب صاحب کو تار کا جواب دیا۔

اس واقعہ سے فراست کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے، جس کے مقابلے میں کشف بہت متاخر ہے، اس لئے کہ اس کی حدیث میں فضیلت آئی ہے۔

(سیرت اشرف ص ۱۳۹ تا ۱۴۲) (تین بڑے مسلمان: ۳۴۳)

تعلیم و تہذیب

حضرت تھانوی نفسیات کے بڑے ماہر تھے۔ اور مدعیان تہذیب جدید سے منہ میں بدتہذیبی کا اقرار کرا لینے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کی ناگواری، ناراضی، تختی اپنی ذات کے لئے نہیں تھی بلکہ مناسب موقع پر تعلیم و تہذیب کے لئے ہوتی تھی۔ اور آپ دعوے سے فرمایا کرتے تھے کہ:

جس کو اسلامی تہذیب کے مقابلہ میں اپنی جدید تہذیب کا دعویٰ ہو کچھ دن میرے پاس رہ کر دیکھ لے۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ خود اسی کے منہ سے کہلوا دوں گا کہ واقعی ہم بدتہذیب ہیں اور حقیقی تہذیب وہی ہے جس کی شریعت مقدسہ نے تعلیم فرمائی ہے۔

چنانچہ مظفر نگر کے سفر میں بھی آپ کو ایک ایسے ہی رئیس سے سابقہ پڑا جو بڑے بے باک، زبان دراز یہاں تک کہ بڑے بڑے حکام سے بھی ڈرنے والے اور ان کے سامنے جھکنے والے نہ تھے۔ چونکہ ان کی عادت ہی ایسی بن چکی تھی، اس لئے انہوں نے کوتاہ اندیشی سے حضرت سے بھی بے ڈھنگی باتیں شروع کر دیں۔ جس سے آپ کو ازحد تکلیف ہوئی۔ آپ نے انہیں مناسب الفاظ میں تنبیہ بھی فرمائی مگر ریاست کے نشہ میں وہ کچھ نہ سمجھ سکے اور نوبت ناگواری تک پہنچ گئی۔ حضرت نے انہیں مجلس سے اٹھ جانے کے لئے فرمایا مگر وہ بیٹھے رہے۔ اس پر حضرت یہ فرماتے ہوئے خود ہی اٹھ کھڑے ہوئے کہ:

> اگر آپ نہیں اٹھتے تو میں خود اٹھ جاتا ہوں۔ میں ایسے شخص کے ساتھ ہم نشینی بھی گوارا نہیں کرتا۔

بس آپ کا اتنا فرمانا تھا کہ ان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ دست بستہ کہنے لگے:

> حضرت آپ بیٹھے رہیں، میں خود ہی چلا جاتا ہوں۔

اور اٹھ کر چلے گئے۔ بعد ازاں انہوں نے حافظ صغیر احمد سے کہا کہ:

> میرا تو عمر بھر کے لئے علاج ہو گیا۔ میں علماء اور ملازموں کو بہت ذلیل سمجھا کرتا تھا۔ اب ہر ایک مولوی اور ملا کا ادب و لحاظ کرتا ہوں۔ ....
>
> میں بڑے بڑے حکام سے بھی مرعوب نہیں ہوتا، اس روز مولانا سے اتنا مرعوب ہوا کہ ڈانٹ پڑنے کے بعد ایک لفظ بھی میرے منہ سے نہ نکل سکا۔

اس لئے حضرت مجذوب فرمایا کرتے تھے کہ:

اس میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

(بیس بڑے مسلمان: ۳۴۵)

نواب رام پور کو سبق

ایک مرتبہ نواب رام پور نے قادیانیوں سے مناظرہ کا انتظام کیا۔ اور اس غرض کے لئے علماء دیوبند کو مدعو کیا گیا۔ چنانچہ بہت سے اکابر علماء تشریف لائے اور اپنے حضرات کے اصرار پر حضرت نے بھی بادل نخواستہ شرکت فرمائی۔ مناظرہ سے فراغت پانے کے بعد جب سب

حضرات واپس ہونے لگے تو نواب صاحب نے حضرت کو کچھ زیادہ رقم دینی چاہی جو حضرت نے بواسطہ سلام یہ کہہ کر واپس کر دی کہ:

ریاست کو بیت المال سے زائد از ضرورت صرف کرنے کا شرعاً اختیار حاصل نہیں ہے۔

اس سے نواب صاحب حضرت کے اصول شرعیہ کی پابندی سے بہت متاثر ہوئے۔ خواہ ان سے اس پر بعد میں عمل نہ ہو سکا مگر حضرت نے انہیں ایک ایسا سبق دیا جو کوئی دوسرا نہ دے سکا اور جس میں ان کی دنیوی اور اخروی فلاح و نجات مضمر تھی۔ (تیس بڑے مسلمان: ۳۳۶)

امیر بہاول پور کو تعلیم دین

ایک سلسلہ میں نواب بہاول پور کی طرف سے حضرات علماء کرام کو مدعو کیا گیا۔ ان میں حضرت تھانوی بھی شامل تھے۔ واپسی پر نواب صاحب کی طرف سے سب حضرات کو ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ بطور خلعت اور پچیس پچیس روپے بنام دعوت عطا کئے گئے۔ اس وقت تو حضرت نے احترام نواب صاحب کے خیال سے سب کے ساتھ یہ رقم لے لی لیکن خلوت میں وزیر متعلقہ سے عذر فرما دیا کہ:

یہ رقم مجھ سے واپس لے لی جائے کیونکہ یہ بیت المال سے دی گئی ہے، جس کا میں مصرف نہیں۔

انہوں نے عرض کیا کہ:

چونکہ اس رقم کا کاغذات سرکار میں اندراج ہو چکا ہے، اس لئے اب اس کی واپسی کی کوئی صورت نہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ:

خیر، اگر خزانہ میں واپس نہیں ہو سکتی تو اس رقم کو مقامی علماء اور طلباء میں صرف کر دیا جائے کیونکہ شرعاً بیت المال کے مصرف کے وہ قریب ہیں۔

غرض جو کچھ حضرت کو ملا وہ آپ نے سب کا سب واپس کر دیا۔ لیکن نہایت سلیقہ سے اور طریقہ سے۔ جب یہ بات نواب صاحب کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اس "عطائے تو بلقائے تو" پر خفگی

کی بجائے مسرت کا اظہار فرمایا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۴۶)

خلعت کی واپسی

ایسا ہی واقعہ آپ کو ریاست خیر پور سندھ میں پیش آیا۔ وہاں بھی آپ نے خلعت کی واپسی کا یہی عذر فرمایا جس پر وزیر متعلقہ نے کہا نواب صاحب کو واپسی خلعت ناگوار ہو گی۔ تو حضرت نے فرمایا:

اگر یہ اندیشہ ہے تو ان کو اطلاع ہی کیوں کرایا جائے۔ بلکہ جو نقد بعنوان خلعت ملا ہے اس کو مساکین میں تقسیم کر دیا جائے کیونکہ وہ لوگ اس کے صحیح مصرف ہیں۔

چونکہ حضرت کی نیت نیک ہوتی تھی، اس لئے حق تعالیٰ آپ کو ایسے اتفاقی سوالات کا برموقعہ ایسا جامع مانع جواب القا فرماتے تھے کہ دوسرے کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا۔ اس لئے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ:

الحمد للہ مجھے کسی جگہ خلاف شریعت یا خلاف طبیعت کرنے پر مجبور نہیں ہونا پڑتا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۴۶)

ایک نواب کا اقرار بدتہذیبی

ایک خاندانی مقتدر، ذی وجاہت، رئیس اور نواب نے مبلغ دو سو روپیہ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کی امداد کے لئے بھیجے جو کسی چندہ کے بغیر توکلاً علی اللہ حضرت کی سرپرستی اور نگرانی میں خاص خانقاہ کے اندر قائم تھا۔ اس عطیہ کے ساتھ انہوں نے تشریف آوری کی درخواست بھی بھیج دی۔ حضرت نے یہ لکھ کر روپے واپس کرا دیئے کہ:

اگر اس روپیہ کے ساتھ لانے کی درخواست نہ ہوتی تو مدرسہ کیلئے روپیہ لے لیا جاتا۔ اب اس اقتران سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ شاید مجھ کو متاثر کرنے کے لئے یہ رقم بھیجی گئی ہے۔ آپ کی غرض یہ نہ سہی لیکن میرے اوپر تو طبعی طور پر اس کا یہی اثر ہو گا کہ میں آزادی کے ساتھ اپنے آنے نہ آنے کے متعلق رائے قائم نہ کر سکوں گا کیونکہ انکار کرتے ہوئے شرم آئے گی۔

نواب صاحب بڑے فہمیدہ اور جہاندیدہ تھے۔ فوراً سمجھ گئے کہ عطیہ اور درخواست اکٹھی نہ بھیجنی تھی۔ فوراً معذرت نامہ لکھا کہ:

آپ کے تنبیہ کرنے سے اب یہ معلوم ہوا کہ واقعی مجھ سے یہ سخت بدتہذیبی ہوئی۔ میں اب اپنی درخواست تشریف آوری واپس لیتا ہوں اور روپیہ مکرر ارسال خدمت کرتا ہوں۔ براہ کرم مدرسہ کے لئے قبول فرما لیا جاوے۔

حضرت نے پھر بخوشی قبول فرماتے ہوئے نواب صاحب کو لکھا کہ:

ابھی تک تو آپ میرے ملاقات کے مشتاق تھے اور اب آپ کی تہذیب و شرافت نے خود مجھ کو آپ کی ملاقات کا مشتاق بنا دیا ہے۔

کچھ مدت کے بعد نواب صاحب کے ہاں اس شرط پر تشریف لے گئے کہ کسی قسم کا ہدیہ پیش نہ کیا جائے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۴۷)

محبت و مصلحت کا تصادم

جب آپ واپس آنے لگے تو نواب صاحب کی والدہ ماجدہ نے، جو آپ کی پیر بہن تھیں، تقریباً سو روپیہ خدمت میں پیش کرنا چاہا۔ اس پر آپ نے خلاف شرط ہونے کا عذر فرمایا۔ نواب صاحب نے عرض کیا کہ حضرت شرط تو میرے ساتھ تھی، یہ والدہ صاحب کی طرف سے ہے۔ فرمایا:

والدہ اور والد میں کیا فرق ہے؟ گھر تو ایک ہی ہے۔

نواب صاحب نے مجبور ہو کر کہا:

حضرت! اگر کسی کا جی خدمت کرنے کو چاہے تو آخر وہ کیا کرے؟

فرمایا:

میں خانہ بدوش تو نہیں ہوں کہ میرا کوئی ٹھکانہ نہ ہو۔ میرے ٹھکانے پر بھی تشریف لانا ممکن ہے۔

چونکہ نواب صاحب ماشاء اللہ بڑے سلیم الفطرت واقع ہوئے تھے، اور ایک پرانے دیندار خاندان کے مایہ ناز فرزند تھے، اس لئے انہوں نے حضرت سے عام لوگوں کی طرح کچھ اصرار

نہ فرمایا اور خاموش ہو رہے۔ پھر ایک معتد بہ مدت گزر جانے کے بعد تھانہ بھون گئے اور تین گنیاں ہدیۃً پیش کیں۔ حضرت نے بڑی مسرت سے قبول فرمائیں۔

نواب صاحب کی یہ دانشمندی قابلِ داد تھی کہ انہوں نے حضرت کے ذہن کو گزشتہ واقعہ کی طرف منتقل نہ کرنے کے لئے اور قلب پر بار نہ ڈالنے کی غرض سے پہلی رقم کی مقدار بدل دی۔ تاکہ محض وضعداری نہ سمجھی جائے۔ نواب کے مؤدب و مہذب ہونے کی وجہ سے اور ان کی اہلیت اور عقیدت کی بناء پر حضرت کے ان کے ساتھ خصوصی تعلقات قائم ہو گئے تھے کیونکہ حضرت کو بااصول انسان سے ملنے میں بڑی فرحت ہوتی تھی۔

(و سیرت اشرف ص ۱۴۶) (تین بڑے مسلمان: ۳۴۷)

ایک رئیس کا علاج

حضرت تھانوی کو بحالت سفر چونکہ مختلف المزاج لوگوں سے سابقہ پڑتا تھا، اس لئے ہر ایک کے مرض کا علاج روحانی بھی مختلف ہوتا تھا۔ ایک وجیدار رئیس نے دارالطلبہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تیار کرایا۔ اور اس کے افتتاحی جلسہ کی تاریخ مقرر کر کے مہتمم صاحب کو لکھا کہ اپنے مدرسہ کے سرپرستوں اور دیگر اراکین کو اطلاع کر دیں کہ اس تاریخ پر مدرسہ میں آ جائیں۔ مہتمم صاحب نے اس اطلاع کے ساتھ حضرت کو بھی شرکت کی دعوت دی تو آپ نے بدیں وجہ شرکت فرمانے سے انکار کر دیا کہ:

ان کو اس حاکمانہ لہجہ میں بلانے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اس طرح حکمنامہ بھیج کر بلانا خلاف تہذیب ہے۔ یہ بھی کوئی بلانے کا طریقہ ہے۔ میں نہیں آؤں گا۔ کیا وہ کسی رئیس کو ایسے طریقہ سے دعوت دے سکتے تھے؟

مہتمم صاحب نے مدرسہ کی مصالح کی بناء پر تاویلاً اصرار کیا کہ یہ ان رئیس کا فعل نہیں، اس کے میرمنشی کا ہے۔ اس پر حضرت نے لکھا:

پھر بھی یہ شکایت ہے کہ اس معاملہ کو بالکل میرمنشی ہی پر کیوں چھوڑ دیا۔ مسودہ خود دیکھ کر منظوری دیتے، جس طرح حکام کے دعوت ناموں میں اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان کے بلانے پر تو اب میں نہیں آؤں گا۔ البتہ اگر آپ حکم دیں تو جوتیاں چٹخاتا ہوا سر کے بل حاضر ہوں گا۔ مگر

رئیس سے نہیں ملوں گا تا اس سے گفتگو بلا واسطہ یا بالواسطہ کروں گا۔
مہتمم صاحب نے اس مشورہ کا شرکت کو ہی غنیمت سمجھا۔ اور حضرت کو تشریف آوری کے لئے لکھا۔

چنانچہ حضرت وہاں تشریف لے گئے۔ بڑا پر اثر وعظ فرمایا جس سے رئیس بھی متاثر ہوئیں۔ مگر وعظ فرمانے کے فوراً بعد حضرت کسی کو ملے بغیر، یہاں تک کہ حضرت مولانا خلیل احمدؒ کو بھی ملے بغیر چلے آئے تا کہ کسی کو کچھ کہنے سننے یا اصرار کرنے کا موقع نہ ملے۔
رئیس کو بھی اس واقعہ کا علم ہو گیا اور انہوں نے پہلی دفعہ محسوس کیا کہ علماء میں بھی خوددار لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے مدرسہ میں جو مٹھائی تقسیم کی تھی، اس میں سے اپنا حصہ حضرت کو اسٹیشن پر یہ کہلا کر بھیجا کہ یہ مٹھائی عام تقسیم کی نہیں، خود میرے حصہ کی ہے۔ اس لئے ضرور قبول فرمائیں اور واپس نہ فرماویں۔
چونکہ رئیس صاحب کو اپنے باطنی مرض کا احساس ہو گیا تھا، اس لئے حضرت نے وہ قبول فرمالی اور اس طرح نہایت خوش اسلوبی سے حضرت نے علماء کو بنظر حقارت دیکھنے والی کا ایسا علاج فرمایا کہ پھر وہ علماء کی بڑی عزت کرتی رہی۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۴۸)

انگریز کی دعوت

الافاضات الیومیہ کے ملفوظ ۱۷۳ میں حضرت کا ارشاد درج ہے کہ مجھے اکثر اوقات انگریزوں کے ساتھ بھی سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہے مگر کبھی کوئی شریر نہیں ملا۔ ایک مرتبہ ایک دوست کے اصرار پر کلکتہ سے سیکنڈ کلاس میں سوار ہوا۔ اس ڈبہ میں ریلوے کا ایک انگریز افسر بھی سوار ہوا، جسے اوپر کے تختہ پر جگہ ملی۔ کہنے لگا کہ ہم کو نیچے کے تختہ (سیٹ) پر تھوڑی سی جگہ کھڑکی کی جانب آپ دے دیں، ہم کو بار بار ریلوے کے انتظام کے لئے باہر آنا جانا پڑتا ہے۔ میں نے کہا کہ بہت اچھا، ہمارا کوئی حرج نہیں، آپ بیٹھ جائیں۔
وہ بیٹھ گیا۔ جب کھانے کا وقت آیا، میں نے ان دوست کے ذریعے سے دریافت کیا کہ آپ کھانا کھائیں گے؟ کہا مجھ کو کیا عذر ہے۔ ہم نے کھانا بازار سے خریدا تھا جو پتوں پر ملا تھا۔ ہم نے اس کو بھی اس خیال سے کہ برتنوں کو کون دھوتا پھرے گا، انہی پتوں پر کچھ کھانا رکھ کر

دے دیا جو اس نے بڑی خوشی سے لے کر کھا لیا۔ ایک صاحب پوچھنے لگے کہ برتن میں کھانا کیوں نہ دیا؟ میں نے کہا، چونکہ پڑوسی تھا، اس لئے حق جوار ادا کیا، حق الاحترام ادا نہیں کیا کہ اسلام سے محروم تھا۔

وہ پردوان کے اسٹیشن پر اترا اور شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

آپ کو بہت تکلیف ہوا ہماری وجہ سے اور ہم کو آپ کی وجہ سے بہت آرام ملا۔

ایک رفیق سفر کہنے لگے، اگر آپ برتنوں میں کھانا دیتے تو زیادہ شکریہ ادا کرتا۔

میں نے کہا کہ یہ بھی ممکن تھا کہ نہ کرتا۔ برتن میں کھانا دینے سے اچھے کو بڑا سمجھتا کہ ہمارا احترام کیا گیا ہے۔ پھر شکریہ کی ضرورت ہی کیا محسوس ہوتی۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۲۸)

تعظیمی رسوم کا خاتمہ

ہر علاقہ میں ملنے جلنے، کھانے پینے اور تعظیم وتکریم کی مختلف رسومات رائج ہوتی ہیں۔ حضرت تھانویؒ اپنے سفر کے دوران میں جہاں جہاں بھی ایسی رسومات کو دیکھتے، ان کے انسداد واستیصال کی طرف فوری توجہ دیتے اور اس تہذیب وتدبیر سے ان رسومات کے عادی لوگوں کو سمجھاتے کہ وہ فوراً حضرت کے فرمان سے متاثر ہو کر انہیں ترک کر دیتے۔

اعظم گڑھ میں یہ دستور تھا کہ حضرت کے ساتھ ایک جم غفیر کی دعوت بھی کی جاتی۔ حضرت تھانویؒ میزبان پر کسی قسم کا دباؤ ڈالنے کے عادی نہ تھے۔ اس لئے کبھی کسی سے کوئی فرمائش نہ کرتے۔ پرتکلف کھانوں کی بجائے سادہ معمولی کھانوں سے خوش ہوتے۔ آپ نے وہاں کی اس رسم کے انسداد کی یہ ترکیب نکالی کہ جو شخص بھی دعوت کرتا، آپ یہ شرط لگا دیتے کہ میں تنہا کھاؤں گا اور محض خشکہ اور ارہر کی دال کھاؤں گا، کیونکہ وہاں بیلن کی روٹیوں کا رواج ہے جو زود راحت ہوتی ہیں، اور مجھے موافق نہیں آتیں۔ اس طرح آپ میزبان کو بہت بڑے بار سے بچا لیتے۔

بنگال میں یہ رسم تھی کہ جو بھی ملنے آتا، آ کر پاؤں چھوتا۔ جیسے پنجاب میں بھی اکثر پیروں کے ہاں دیکھا جاتا ہے۔ اس کے روکنے کی یہ ترکیب نکالی کہ اول تو آپ منع فرماتے۔ جو اس کے بعد بھی آپ کے پاؤں پکڑتا، تو اس کے لئے علاج بالمثل فرماتے یعنی آپ بھی اس

کے فوراً پاؤں پکڑ لیتے اور جب وہ شرمندہ ہو کر رونے لگتا تو فرماتے:

اگر یہ کوئی اچھی بات ہے تو مجھے اس سے کیوں روکتے ہو؟ اور اگر بری بات ہے تو تم ایسی حرکت کیوں کرتے ہو؟

بس دو چار مرتبہ ایسا کرنے کی دیر تھی کہ اس کی شہرت عام ہو گئی اور لوگوں نے اس بے ہودہ رسم کو ترک کر دیا۔

ضلع اعظم گڑھ میں یہ دستور بھی تھا کہ جب کسی بڑے آدمی کی سواری گزرتی تو لوگ آگے آگے ہٹو بچو کہتے ہوئے گزرتے۔ جو کوئی آگے آتا ہوا دیکھتے اسے ہٹا دیتے۔ حضرت نے ان لوگوں سے فرمایا:

راستہ کسی کی ملک نہیں ہے۔ سب کو چلنے کا برابر حق ہے۔ یہ حرکت خلاف شرع ہے۔ اس کو چھوڑنا چاہیے۔ اور آئندہ ہرگز ایسا نہ کیا جائے۔

بس لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور آئندہ کیلئے یہ رسم موقوف ہو گئی۔

ایک جگہ یہ دستور تھا کہ لوگ پالکی کے ساتھ دائیں بائیں دوڑتے ہوئے چلتے۔ حضرت نے منع فرمایا کہ مجھ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم تو محبت سے ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ پھر مجھے دکھاتے کیوں ہو۔ دائیں بائیں نہ چلو، پالکی کے پیچھے چلو جہاں سے مجھ کو نظر نہ آئے۔

چنانچہ تھوڑی دیر بعد حضرت نے جو مڑ کر دیکھا تو کوئی بھی نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ رسم محض دکھلاوے کے لئے ہوتی ہے۔ مگر وہ بیچارے کیا کرتے، کسی مقتدا نے بھی انہیں ٹوکا ہی نہ تھا۔

وہاں یہ بھی دستور تھا کہ علماء ہندوؤں سے بات بھی نہ کرتے تھے۔ اور اگر کوئی علماء کی تعظیم کیلئے نہ اٹھتا تو اسے اہانت سمجھتے۔ حضرت جب ایک انگریزی سکول کے پاس سے گزرے تو دستور کے مطابق سب ہندو طلباء اور مدرسین تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ ان کا یہ سلوک دیکھ کر حضرت سکول کے اندر تشریف لے گئے اور نہایت سادگی اور ملاطفت کے ساتھ سب سے ملے اور کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔ جس سے وہ لوگ بہت مسرور ہوئے اور تعجب کرنے لگے کہ ایسے مولوی بھی ہوتے ہیں۔

ایک جگہ دستور کے مطابق گاؤں کے چوہدری نے چندہ کر کے دو صد روپیہ حضرت کو نذرانہ کر دیا لیکن یہ ظاہر نہ کیا کہ یہ گاؤں والوں سے جمع کیا گیا ہے۔ اس کی مالی حالت سے حضرت کو شبہ ہوا کہ یہ از خود اتنا نہیں دے سکتا۔ اس لئے حضرت نے پوچھا کہ یہ آپ کی طرف سے ہے یا اس میں اور بھی شریک ہیں۔ جواب ملا کہ اس میں دوسرے بھی شریک ہیں۔ فرمایا:

ہدیہ محبت کے لئے ہوتا ہے۔ جب دینے والے کو میں نہیں جانتا تو مجھ کو ان سے محبت کیسے ہوگی؟ اس لئے ہر ایک کی رقم اس کو واپس کر دو۔ پھر جس کو دینا ہوگا، ہر ایک خود آ کر اپنے ہاتھ سے دے گا۔ جس سے مجھے پتہ چلے گا کہ یہ میرا محسن ہے اور مجھے اس سے محبت ہے۔

چوہدری صاحب نے عذر کیا کہ اب تو آپ جا رہے ہیں۔ فرمایا:

میں بہت قریب مقام پر جا رہا ہوں، جہاں پہنچنا سب کو آسان ہے۔ جس کو شوق ہو وہاں آ کر ہدیہ دے۔

مگر کوئی ہدیہ دینے نہ آیا۔ کیونکہ وہاں یہ رسم تھی کہ اگر کوئی مولوی آئے اور اسے معقول نذرانہ نہ دیا جائے تو وہ برا مناتا تھا۔ مگر جب لینے والا ہی نہ لے تو پھر کسی کو پیچھے دوڑنے کی کیا ضرورت تھی۔

اعظم گڑھ کے ان واقعات کے سلسلے میں حضرت فرمایا کرتے تھے کہ:

میں نے وہاں کی اور رسموں کو تو مٹا دیا لیکن ایک رسم کے مٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ یہ کہ جب کوئی عالم آتا تو موضع کے اکثر لوگ یہاں تک کہ چھوٹے لڑکے بھی استقبال کے لئے دور تک آتے اور ایسا ہی رخصت کے وقت کرتے۔ وہاں کے لوگوں میں بہت ہی صلاحیت اور دینداری ہے۔ وہاں کے انگریزی خواں خوش عقیدہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیچارے صرف معاش کے لئے انگریزی پڑھتے ہیں۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۳۹)

ایک اہم سبق

لاہور کا سفر ایک ذاتی ضرورت کے ماتحت کیا جا رہا تھا۔ اس لئے آپ نے اپنی روانگی کو پردہ اخفا میں رکھا اور شروع سے ایسے انتظام کر دیئے کہ سوائے متعلقین کے دوسروں کو اس سفر کا علم نہ ہو سکے۔ چنانچہ سہارنپور اترنے کے بعد آپ سیدھے اپنے بھتیجے حامد علی صاحب اور محمود

علی کے ہمراہ جو اسٹیشن پر آئے ہوئے تھے، حامد علی صاحب کے مکان پر اترے اور وہاں سے بلا اطلاع مدرسہ مظاہر العلوم میں تشریف لے گئے۔

بس آپ کا وہاں پہنچنا تھا کہ کسی پوشیدہ مقناطیسی کشش سے آناً فاناً مشتاقانِ زیارت کا اتنا ہجوم ہوگیا کہ مدرسہ کی قدیم عمارت ناکافی ہوگئی۔ اور حضرت کو چند قدم چلنا دشوار ہوگیا۔ ہر شخص زیارت و مصافحہ کیلئے بے قرار تھا۔ ادھر حضرت ہاتھ بڑھائے ہر ایک کو مصافحہ کی صورت بہم پہنچا رہے تھے۔ ہجوم لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ادھر حضرت بھی اتنی دیر ہاتھ بڑھائے تھک رہے تھے۔ جسے دیکھ کر مولانا حافظ عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ نے مصافحہ کرنے والوں کو روکا۔ مگر حضرت نے خود ان کو روک دیا کہ نہیں، کسی کو نہ روکا جائے۔ میری محبت ان کو لے آئی ہے، میں یہاں ملنے ملانے تو آیا ہوں۔

ناظم صاحب نے کہا کہ حضرت والا کو تکلیف ہوگی۔ فرمایا کہ:

کبھی احباب کے ملنے سے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ یہاں اور کام ہی کیا ہے۔ تھانہ بھون تو دوسرے مشاغل ہوتے ہیں، اس لئے وہاں انضباطِ اوقات ضروری ہے، ورنہ کوئی کام بھی نہ ہو سکے۔ یہ جو اتنا کام ہوگیا ہے وہ انضباطِ اوقات ہی کی بدولت ہے۔

جب معاملہ حد سے تجاوز کر گیا۔ تب ناظم صاحب نے کچھ سختی کرنی چاہی تو حضرت نے پھر روک دیا۔ اس پر ناظم صاحب نے کہا ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضرت کو تکلیف ہو رہی ہے اور لوگ ہیں کہ مانتے نہیں اور نہ کچھ سنتے ہیں۔ یہ کوئی انسانیت اور تہذیب ہے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ:

دیکھئے! جس کے سپرد انتظام ہوتا ہے، اس کو سختی کرنا ہی پڑتی ہے۔ بغیر اس کے کام نہیں چلتا۔ جو لوگ مجھ کو سخت کہتے ہیں، اب دیکھیں، حقیقت میں میں سخت ہوں یا نرم۔ حالانکہ حافظ صاحب بیچارے بہت نرم ہیں لیکن انتظام کے لئے ان کو سختی کرنا پڑ رہی ہے۔ کوئی اجنبی آدمی اس کو دیکھے تو تعجب ہوگا کہ جس کی نسبت یہ مشہور ہے کہ بہت سخت ہے، وہ کتنا نرم ہے۔ اور جو نرم ہیں وہ سختی کر رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب تک تھانہ بھون میں ہوں وہاں کے انتظام اور کام کا تعلق مجھ سے ہے۔ اگر میں سختی نہ کروں تو کچھ کام بھی نہ کر سکوں۔ اور یہاں ملنا ملانا ہی

کام ہے، اسلئے سختی کی ضرورت نہیں، جزم ہوں۔ اور ناظم صاحب یہاں کے منتظم ہیں، اس لئے وہ یہاں بہت سخت معلوم ہوتے ہیں۔ (ارمغان چار داں ص ۱۴) (تین بڑے مسلمان: ۳۵۱)

زیارات مزارات

قیام لاہور کے دوران میں آپ سب سے پہلے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بغرض فاتحہ خوانی تشریف لے گئے۔ آپ وہاں صبح کو ایسے وقت پہنچے جب کہ زائرین کی کثرت تھی۔ آپ حسب معمول صاحب مزار کی پائنتی کی طرف قدرے پیچھے ہٹ کر ہاتھ چھوڑے کھڑے کھڑے ایصال ثواب میں مشغول ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب حضرت کے پیچھے کھڑے تھے کہ حضرت کو اس حالت میں کھڑے دیکھ کر ایک قوی ہیکل مجاور نے زوردار ہیبت ناک آواز سے پکارا کہ ہاتھ آگے باندھو۔ مگر حضرت کو آواز کی طرف مطلق التفات نہ ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بدستور تند آواز میں یہی پکارتا رہا اور ہر مرتبہ اپنی آواز کو پہلے سے بلند کرتا رہا۔ لیکن حضرت بدستور ادھر متوجہ رہے۔ فاتحہ خوانی سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ:

> حضرت داتا گنج بخشؒ بہت بڑی شخصیت ہیں۔ عجب رعب ہے۔ وفات کے بعد بھی سلطنت کر رہے ہیں۔

دوسرے روز صبح کے ناشتے کے بعد آپ جہانگیر کے مقبرہ پر تشریف لے گئے۔ نور جہاں کے مزار کو دیکھ کر فرمایا کہ اول یہیں چلیں، عوام تو اس قبر پر کم آتے ہوں گے۔ وہاں سے ہو کر جہانگیر کے مزار پر تشریف لے گئے۔ بعد ازاں لاہور کے دیگر تاریخی مقامات شاہی مسجد، قلعہ، شالامار باغ، خانقاہ میاں میر وغیرہ کو دیکھا۔ ڈاکٹر صاحب ان کی تاریخی حیثیت، تاریخی واقعات و حالات بتاتے گئے۔ اور حضرت ہر چیز پر محققانہ نظر دوڑاتے گئے اور اپنے خیالات کا اظہار فرماتے رہے۔ (تین بڑے مسلمان: ۳۵۳)

محصول کی ادائیگی

آپ بلا ادائے محصول کوئی چیز نہ لے جاتے۔ اگر ذرا بھی کسی چیز میں شبہ ہوتا کہ یہ

مقررہ وزن سے زائد ہوگی تو آپ اسے فوراً وزن کراتے اور اس کا محصول ادا کرتے۔ اس کا اتنا اہتمام تھا کہ ایک مرتبہ سہارنپور سے کانپور جاتے ہوئے کچھ گنے ساتھ تھے۔ جب ادائیگی محصول کے لئے تلوانے لگے تو کوئی تولے نہیں۔ یہاں تک کہ غیر مسلم ملازمین ریلوے بھی کہیں کہ حضرت آپ یونہی لے جایئے تلوانے کی ضرورت نہیں۔ ہم گارڈ کو کہہ دیں گے۔

فرمایا: گارڈ کہاں تک جائے گا؟ کہا گیا کہ غازی آباد تک۔ فرمایا کہ غازی آباد سے آگے کیا ہوگا؟ کہا گیا، یہ دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا اور وہ کانپور تک پہنچا دے گا جہاں آپ کا سفر ختم ہو جائے گا۔

فرمانے لگے نہیں نہیں، وہاں ختم نہ ہوگا بلکہ آگے ایک اور سفر آخرت بھی ہے، وہاں کا انتظام کیا ہوگا؟

یہ سن کر سب انگشت بدنداں رہ گئے۔ جن میں تعلیم یافتہ ہندو بابو بھی تھے۔ کہنے لگے کہ اس زمانہ میں بھی خدا کے ایسے ایماندار بندے موجود ہیں جو خدا سے ڈر کر احتیاط کرتے ہیں۔

(بیس بڑے مسلمان:۳۵۳)

کرایہ کی ادائیگی

اس میں بھی آپ بڑے محتاط تھے۔ بلا ٹکٹ اور بلا ادائے کرایہ سفر کرنے کے قطعاً عادی نہ تھے۔ نہ کسی دوسرے کو ایسا کرنے دیتے۔ ایک دفعہ ایک طالب علم حضرت کی زیارت کے لئے تھانہ بھون آیا۔ اس وقت آپ سفر پر جا رہے تھے اس لئے وہ تنگی وقت کی وجہ سے گارڈ کو کہہ کر بلا ٹکٹ حضرت کے ساتھ سوار ہو گیا۔ اور دوسرے اسٹیشن پر اتر کر گارڈ کو کرایہ دینے لگا۔ تو اس نے کہا کہ معمولی کرایہ ہے تم غریب آدمی ہو، جاؤ۔

اس نے آکر حضرت سے کہا کہ معاملہ یہ ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ گارڈ ریلوے کمپنی کا ملازم ہے، ریل کا مالک نہیں ہے۔ اس لئے یہاں تک کا کرایہ برابر تمہارے ذمہ ہے۔ واپسی کا ٹکٹ نہ کراتے پھر دونوں کمپنی کا حق ادا ہو جاتے اور تم حق اعتماد سے بری ہو جاؤ۔

اس ڈبے میں ایک انگریزی خوان آریہ مبلغ بھی بیٹھا تھا۔ اس نے یہ ساری گفتگو سن کر کہا کہ میں تو خوش ہوا تھا کہ اس نے غریب پر ترس کھایا ہے مگر آپ کی تقریر سن کر محسوس کرتا

ہوں کہ میری خوشی بے ایمانی کی تھی۔ (تین بڑے مسلمان: ۳۵۳)

مولانا مدنیؒ کا معاملہ

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت تھانویؒ کے درمیان بھی ویسے ہی اختلافات تھے جیسے حضرت شیخ الہندؒ کے درمیان۔ مگر مخالفین نے کا ندھلہ میں غالباً ۱۳۳۹ھ میں مولانا حسین احمد مدنیؒ صاحب سے حضرت تھانویؒ کے متعلق سوال کیا تو مولانا بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ:

> یہ کیا واہیات سوال ہے۔ ہم تو ان کو ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ اپنے دوسرے بڑوں کو۔

بعد ازاں معاندین نے ان اختلافات کو اتنی اہمیت دی کہ عبدالماجد دریابادی جیسی شخصیت بھی اس پروپیگنڈا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی، جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:

> ا۔ کانوں نے بے شک یہی سنا تھا کہ ان کے اور ان کے درمیان بے لطفی ہے، ناچاقی ہے۔ (حکیم الامت ص ۱۶)
>
> ۲۔ دیوبند کے حالات سے اللہ جانتا ہے کہ جڑا ہی دل دکھتا ہے۔ خصوصاً اپنے دونوں بزرگوں کے اختلافات دیکھ کر۔ (حکیم الامت ص ۳۶۰)

لیکن جب عبدالماجد صاحب حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی معیت میں پہلی مرتبہ تھانہ بھون حاضر ہوئے تو عبدالماجد صاحب کیا دیکھتے ہیں؟ اس کی تفصیل خود ان کی زبانی یہ ہے:

نماز ختم ہوئی۔ سلام پھیرا۔ دعا مانگ کر جونہی حضرت (تھانویؒ) اٹھے، نگاہ پہلی صف میں مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ پر پڑ گئی۔ ان کی طرف خود ہی بڑے تپاک سے بڑھے اور بڑے التفات سے ملے۔ لوگ تو کہتے تھے کہ بڑے خشک مزاج ہیں۔ خشک مزاج ایسے ہوتے ہیں؟ یہ نرم بشاش چہرہ، یہ ہنستا مسکراتا ہوا بشرہ کسی خشک مزاج کا ہو سکتا ہے؟ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ ان کے درمیان بے لطفی ہے، ناچاقی ہے۔ کانوں نے بے شک یہی سنا تھا لیکن اس وقت آنکھیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ دو دشمن نہیں بلکہ دو دوست گلے مل رہے ہیں۔ تعظیم و تکریم مولانا حسین احمد مدنیؒ کی طرف سے تو خیر ہوتی ہی عادت طبعی ہونے کی بناء پر بھی اور سن میں

چھوٹے ہونے کی بناء پر بھی، لیکن مشاہدہ یہ ہو رہا تھا کہ ادھر سے بھی آداب و رسوم تکریم میں کوئی کمی نہ تھی۔ (حکیم الامت ص ۱۰۱۷) (بیس بڑے مسلمان: ۳۵۶)

قائداعظم کی دینی تربیت

حضرت تھانویؒ کے مرید خاص اور قائداعظم کے یار غار نواب جمشید علی خاں صاحب، جن کے پاس اکثر قائداعظم اپنی ہمشیرہ مس فاطمہ جناح کے ہمراہ موسم سرما میں باغپت جا کر رہا کرتے تھے اور جو انہیں حضرت تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات سنایا کرتے تھے، کہتے ہیں:

یہ بالکل حقیقت ہے کہ قائداعظم کی تمام تر دینی تربیت حضرت تھانویؒ کا فیضان تھا اور ان کا اسلامی شعور حضرت والا کی بدولت تھا۔ مولوی شبیر علی صاحب تھانویؒ نے قائداعظم کو حضرت والا کے قریب لانے میں بڑا کام کیا۔ قائداعظم باغپت کے دوران قیام حضرت والا کا بہت خلوص اور ادب سے تذکرہ فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ قائداعظم کو تھانہ بھون حاضر ہونے کا انتہائی شوق تھا لیکن افسوس کہ چند وجوہات کی بناء پر ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔

قائداعظم پر آخر زمانہ میں جو مذہبی رنگ غالب ہوا، اور جس کو ہم سب نے دیکھا وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہی جوتیوں کا صدقہ تھا۔

(تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ص ۹۴) (بیس بڑے مسلمان: ۳۹۱)

تشبہ بالمتجسس بھی تجسس ہے

حضرت مولانا گنگوہیؒ جس وقت نابینا ہو گئے تو میں کبھی ویسے ہی چپکے سے جا کے نہیں بیٹھا بلکہ جب گیا یہ کہہ دیا کہ اشرف علی آیا ہے اور جب چلنے لگا تو کہہ دیا کہ اشرف علی رخصت چاہتا ہے۔ ویسے چپکے جا کر بیٹھنے میں تجسس کے مشابہ ہے۔ تشبہ بالمتجسس بھی تجسس ہے۔ آنے جانے کی اطلاع سے یہ فائدہ تھا کہ شاید کوئی بات میرے سامنے فرمانا نہ چاہیں اور حضرت فرمانے لگیں۔

غیر مقلد کی توبہ

ایک غیر مقلد بہت ڈرتے ڈرتے بغرض بیعت میرے پاس آئے (کیونکہ ان کے رفقائے سفر نے ان کو ڈرا دیا تھا کہ تم جب وہاں جاؤ گے نکال دیئے جاؤ گے)۔ انہوں نے مجھ سے بیعت کو کہا، میں نے اس شرط کو منظور کر کے بیعت کر لیا اور یہ سمجھا دیا کہ کسی سے بھی خواہ وہ مقلد ہو یا غیر مقلد لڑنا جھگڑنا مت، نہ مباحثہ کرنا۔ اور اپنی بیوی کو بھی مرید کرایا۔ میں نے اس سے بھی یہی شرط کر لی۔ دو چار بار آنے کے بعد مقلد تھے۔ یہ اتباع حق کی برکت ہے۔ اکثر مناظروں سے قلب میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ باطن میں بہت مضر ہے۔

(ارواح ثلاثہ ۳۶۰)

دین و دنیا کی عزتیں نصیب ہوں گی

بچپن میں خواب بہت دیکھا کرتا تھا۔ اب تو بالکل نظر نہیں آتے۔ اور تعبیر حضرت مولانا محمد یعقوبؒ سے لیا کرتا تھا۔ مولانا نے بعض اوقات استخارہ تک مجھ سے کرایا ہے کہ تجھے خواب سے مناسبت ہے۔ ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ مولانا دیوبندی کے مردانہ مکان میں دروازہ کے سامنے جو چبوترہ ہے اس کے کنارے پر ایک چارپائی بچھی ہے اور اس پر ایک بزرگ بیٹھے ہیں جو نہایت نازک پتلے دبلے، قد بھی اچھا، کپڑے نہایت نفیس بڑے قیمتی تھے۔ انہوں نے مجھے ایک کاغذ دیا جس پر یہ لکھا ہوا تھا کہ (ہم نے تم کو عزت دی) اور اس کاغذ پر بہت سی مہریں ہیں جو نہایت صاف تھیں اور مہر میں صاف لکھا ہوا تھا (محمد) ﷺ (آپ کا حلیہ شریف میں دیکھنا کچھ ضروری نہیں)۔ اس خواب میں پھر یوں دیکھا کہ تھانہ بھون میں شادی لالی تحصیل دار کے مکان میں پھاٹک کے متصل جو مکتب تھا اس کے اندر کے ایک درجہ میں ایک انگریز اجلاس کر رہا ہے، لباس اس کا بالکل سیاہ ہے (یہ معلوم نہیں کہ مکان میں کیونکر پہنچا) اس میں بھی مہریں بہت لیکن صاف نہ تھیں۔ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا تو فرمایا کہ تم کو دین اور دنیا کی دونوں عزتیں نصیب ہوں گی۔ (جامع کہتا ہے کہ کیسی برجستہ تعبیر ہے کہ آج جس کو ایک عالم اپنی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ اللّٰھم زد فزد) (ارواح ثلاثہ ۳۶۲)

بالکل مامون ہو جانا کفر ہے

ایک مرتبہ مجھ پر طالب علمی کے زمانہ میں خوف کا بے حد غلبہ ہوا۔ میں حضرت مولانا محمد یعقوب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی بات بتلا دیجئے جس سے اطمینان ہو جائے۔ فرمایا کہ ہائیں کفر کی درخواست کرتے ہو، کیونکہ بالکل مامون ہو جانا کفر ہے۔ (ارواح ثلاثہ ۳۴۳)

تھانہ بھون ابھی تک غرق نہیں ہوا

ایک صاحب تھانہ بھون کے رہنے والے دہلی میں کسی مجذوب کے پاس دعا کے لئے حاضر ہوئے تو اس نے کہا کہ تھانہ بھون ابھی تک غرق نہیں ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت میں تو دعا کے واسطے حاضر ہوا ہوں اور آپ بددعا فرما رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تھانہ بھون اب تک ضرور غرق ہو جاتا مگر وہاں دو شخص ہیں ایک مردہ ایک زندہ۔ ایک تو شاہ ولایت صاحب وہاں لیٹے ہوئے ہیں (ان بزرگ کا تھانہ بھون میں مزار ہے) اور ایک مولانا اشرف علی صاحب، ان دونوں کی برکت سے تھما ہوا ہے ورنہ ضرور غرق ہو جاتا۔

(ارواح ثلاثہ ۳۴۴)

وہ جو کام کرتے ہیں حق سمجھ کر کرتے ہیں

مولانا مولوی قدرت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر تھا کہ کچھ لوگ تھانہ بھون کے حضرت مولانا کے پاس آئے اور آکر حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی شکایت کرنے لگے کہ ایسا کرتے ہیں، ویسا کرتے ہیں اور ابھی نام ظاہر نہ کیا تھا کہ مولانا گنگوہیؒ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی شکایت ہے؟ انہوں نے کہا کہ مولانا اشرف علی صاحب کی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں سننا نہیں چاہتا۔ وہ جو کام کرتے ہیں حق سمجھ کر کرتے ہیں نفسانیت سے نہیں کرتے۔ بشریت سے غلطی دوسری شے ہے۔ پھر وہ سب صاحب اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

(ارواح ثلاثہ ۳۴۴)

اشرف علی تھانوی سے مناظرہ کروں گا

مراد آباد میں ایک مرتبہ احمد رضا خان صاحب پھنس گئے۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے گھیر لیا، گھیر گھار کے کہا کہ آجاؤ مناظرہ کرلو۔ تو بہت ٹال مٹول کی، مولانا نے نہیں چھوڑا۔ تو کہا کہ اس شرط پر قبول کروں گا کہ مناظرہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب سے کروں گا۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت تھانوی کا مزاج مناظرہ کا نہیں۔

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے تھانہ بھون جا کر حضرت تھانویؒ سے کہا کہ حضرت میں آپ سے اس کا مناظرہ نہیں کراؤں گا، آپ بالکل اطمینان رکھیں، وہ ہرگز مناظرہ نہیں کرنے کا، حضرت آپ سے مناظرہ کروانا دور کی بات ہے، آپ کی صورت بھی اس کو دکھانا مجھے گوارہ نہیں، آپ صرف میرے ساتھ تشریف لے چلیں اور کچھ نہیں۔

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو مراد آباد لے آئے۔ حضرت کو مخفی رکھ دیا اور ایک جگہ ٹھہرا دیا۔ اب مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے کہا کہ اب بتاؤ کہ مولانا اشرف علی صاحب آجائیں تو مناظرہ کرنا ہوگا، اس کو پتہ لگ گیا کہ حضرت آچکے ہیں تو احمد رضا خان صاحب چپکے سے نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد حضرت کے بیان کا سارے شہر میں اعلان کرایا۔ رات کو جلسہ میں جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے ابتدائی بیان فرما کر فرمایا کہ یہ ہیں وہ جن کو بڑا وہابی اور گستاخ رسول کہا جاتا ہے، اب ان کا بیان سنو۔ پھر حضرت تھانویؒ نے بیان فرمایا، ماشاء اللہ وہ بھی حضرت تھانویؒ کا وعظ تھا۔ کیا کہنے؟ (ملفوظات حکیم الامت: قسط ۱۳۵/۶)

☆☆☆

رئیس المحدثین

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین، قدوۃ السالکین

زہری زمانہ

تحریک ختم نبوت کے اولین مجاہد

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث

وفات	پیدائش
۱۹۳۳ء	۱۸۷۵ء

جو مراحل علم کے طے کر چکی تاریخ دیں
ان کا آئینہ دماغ و قلب انور شاہ تھا

علامہ کشمیریؒ اور علامہ اقبالؒ

مولانا سعید احمد اکبر آبادی اس پوری عبارت کے ناقل و راوی ہیں فرماتے ہیں:

''میں ان دنوں بسلسلہ طالب علمی لاہور میں مقیم تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو معلوم تھا کہ مجھ کو حضرت شاہ صاحب کے ادنیٰ درجہ کے تلامذہ میں سے ہی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے بلکہ اس بارگاہ علم و عقل میں شخصی تقرب و اختصاص کا مرتبہ بھی میسر ہے۔ اس بناء پر ایک دفعہ مجھ سے فرمایا کہ میں تو مولانا انور شاہ کا رسالہ پڑھ کر دنگ رہ گیا ہوں کہ رات دن قال اللہ و قال الرسول سے واسطہ رکھنے کے باوجود فلسفہ میں بھی ان کو اس درجہ درک و بصیرت اور اس کے مسائل پر اس قدر گہری نگاہ ہے کہ حدوث عالم پر اس رسالہ میں انہوں نے جو کچھ لکھ دیا ہے، حق یہ ہے کہ آج یورپ کا بڑے سے بڑا فلسفی بھی اس مسئلہ پر اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے وہ رسالہ میرے حوالے کیا اور فرمایا کہ اس میں چار شعر ایسے ہیں جن کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا، میں نے ان پر نشان لگا دیا ہے، آپ دیوبند جائیں تو یہ نسخہ ساتھ لے جائیں اور شاہ صاحب سے ان اشعار کا مطلب دریافت کرتے آئیں۔

میں نے دیوبند آ کر وہ رسالہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کر کے ڈاکٹر صاحب کا پیام پہنچایا۔ لیکن حضرت الاستاذ نے مجھ کو ان اشعار کا مطلب سمجھانے کی بجائے یہی مناسب خیال کیا کہ ڈاکٹر صاحب کو فارسی میں ایک طویل خط لکھیں اور اس میں ان اشعار کا مطلب بھی تحریر فرما دیں۔ یہ خط میں ہی دتی لے کر لاہور آیا اور ڈاکٹر صاحب کو پہنچا دیا۔''

(بیس بڑے مسلمان: ۳۷۶)

علامہ اقبال کا حضرت سے استفادہ

ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب انجمن خدام الدین کے کسی سالانہ اجتماع میں شرکت کی غرض سے لاہور تشریف لائے تو ڈاکٹر صاحب خود ملاقات کے لئے حضرت موصوف کی قیام گاہ پر آئے اور پھر ایک دن اپنے ہاں رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ دعوت کا صرف بہانہ تھا، ورنہ اصل مقصد علمی استفادہ تھا۔ چنانچہ کھانے سے فراغت کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ختم نبوت اور قتل مرتد کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ جس میں کامل ڈھائی گھنٹے گفتگو ہوتی رہی۔

ڈاکٹر صاحب کی عادت یہ تھی کہ جب وہ کسی اسلامی مسئلہ پر کسی بڑے عالم سے گفتگو کرتے تھے تو بالکل ایک طالب علمانہ انداز سے کرتے تھے۔ مسئلہ کے ایک ایک پہلو کو سامنے لاتے اور اس پر اپنے شکوک وشبہات کو بے تکلفانہ بیان کرتے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے شکوک وشبہات اور ایرادات واعتراضات کو بڑے صبر وسکون کے ساتھ سنا اور اس کے بعد ایک ایسی جامع اور مدلل تقریر کی کہ ڈاکٹر صاحب کو ان دو مسئلوں پر کلی اطمینان ہو گیا اور کچھ خلش ان کے دل میں جو تھی، وہ جاتی رہی۔ اور اس کے بعد انہوں نے ختم نبوت پر وہ لیکچر تیار کیا کہ جو ان کے چھ لیکچروں کے مجموعہ میں شامل ہے اور قادیانی تحریک پر وہ ہنگامہ آفریں مقالہ سپرد قلم فرمایا جس نے انگریزی اخبارات میں شائع ہو کر پنجاب کی فضا میں تلاطم برپا کر دیا تھا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۷۷)

حافظہ، ذکاوت، ذہن

حضرت علامہؒ کو قدرت نے بے نظیر حافظہ عطا فرمایا تھا۔ کسی فن کی کسی کتاب کو شروع سے آخر تک ایک دفعہ مطالعہ کر لیا اور جب بھی سالہا سال کے بعد اس کے متعلق کوئی بات چھڑی تو اس کتاب کے مندرجات کو اس طرح حوالوں کے ساتھ بیان فرما دیا کہ سننے والے ششدر و حیران رہ گئے۔ ایک کتاب کے اگر پانچ پانچ یا دس دس حواشی بھی تھے، تو وہ آپ کو یاد ہوتے تھے۔ حوالہ ہائے کتب معہ بقید جلد وصفحات آپ کو ایک ہی دفعہ مطالعہ سے محفوظ ہو جاتے تھے اور جس وقت کسی اہم علمی مسئلہ پر تقریر فرماتے تھے تو بے شمار کتابوں کے حوالے بلا تکلف دیتے چلے جاتے تھے۔

آپ کی قوت حافظہ ان منکرین حدیث کا گویا جواب تھا جو محدثین کے حافظہ پر اعتماد نہ کرتے ہوئے ذخیرہ حدیث کو مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ:

جب میں کسی کتاب کا سرسری نظر سے مطالعہ کرتا ہوں اور اس کے مباحث کو محفوظ رکھنے کا ارادہ بھی نہیں ہوتا، تب بھی پندرہ سال تک اس کے مضامین مجھے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۷۷)

دعا کا اثر

کئی ایک بزرگوں سے سنا کہ حضرت شاہ صاحبؒ بعض دفعہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص کعبۃ اللہ کے پردوں کو پکڑ کر دعا کر رہا تھا کہ خداوند تعالیٰ مجھے ابن حجر کا حافظہ عطا فرما۔ اس کی دعا قبول کی گئی۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ منٹگمری نے فرمایا کہ یہ شخص خود شاہ صاحبؒ تھے۔ یہ بات بطور تحدیث نعمت ان کی زبان پر آجاتی تھی مگر اپنے نام کا اخفا کر جاتے تھے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۷۹)

چلتا پھرتا کتب خانہ

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ہمیشہ شاہ صاحبؒ کو چلتا پھرتا کتب خانہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا میاں اصغر حسین دیوبندیؒ فرمایا کرتے تھے:

مجھے جب مسئلہ فقہ میں کوئی دشواری پیش آتی ہے تو کتب خانہ دارالعلوم کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اگر کوئی چیز مل گئی تو فبہا ورنہ پھر حضرت شاہ صاحبؒ سے رجوع کرتا ہوں۔ شاہ صاحب جو جواب دیتے، اسے آخری اور تحقیقی پاتا اور اگر حضرت شاہ صاحب نے کبھی یہ فرمایا کہ میں نے کتابوں میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا تو مجھے یقین ہو جاتا کہ اب یہ مسئلہ کہیں نہیں ملے گا۔ اور تحقیق کے بعد ایسا ہی ثابت ہوتا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۷۹)

اپنے زمانے کا امام زہری

مولانا محمد ادریس کاندھلوی فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو ایک مرتبہ دیکھ لیا اور جو ایک مرتبہ سن لیا، وہ ضائع ہونے سے محفوظ و مامون ہو گیا۔ گویا کہ آپ اپنے زمانہ کے زہریؒ تھے۔ امام زہریؒ جب مدینہ منورہ کے بازار سے گزرتے تو کانوں میں انگلیاں دے لیتے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ میرے کانوں میں جو داخل ہو جاتا ہے، وہ نکلتا نہیں، اس لئے بازار سے گزرتے وقت کانوں میں انگلیاں دے لیتا ہوں تاکہ بازار کی یہ خرافات میرے کانوں میں داخل نہ ہو سکیں۔

(بیس بڑے مسلمان: ۳۷۹)

علم کی قبر

مولانا ابو الکلام آزاد ایک مرتبہ دیوبند کے قبرستان میں پھر رہے تھے، فرمایا کہ میں علم کی قبر کے پاس پھر رہا ہوں۔ یہ قبر حضرت شاہ صاحبؒ کی تھی۔ مطالعہ کے سلسلہ میں فنون عصریہ، فلسفۂ جدیدہ، ہیئت جدیدہ حتیٰ کہ فن رمل اور جفر کی کتابوں کو بھی بغیر مطالعہ کے نہ چھوڑا۔

(بیس بڑے مسلمان: ۳۷۹)

حضرت شاہ صاحبؒ کے درس کی خصوصیات

۱۳۳۰ھ میں علامہ رشید رضا مصری مدیر "المنار" و صاحب تفسیر مشہور بتقریب صدارت اجلاس دارالعلوم ندوۃ لکھنؤ ہندوستان تشریف لائے تو دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر یہاں بھی تشریف لائے۔ ان کے لئے خیر مقدم کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ اس وقت حضرت شیخ الہندؒ بھی موجود تھے۔ اتفاقاً علامہ رشید نے جلسہ سے قبل کسی استاذ دارالعلوم سے دریافت کیا کہ یہاں درس حدیث کا طرز کیا ہے؟ تو بتلایا کہ پہلے قاری حدیث پڑھتا ہے اور استاذ اس حدیث سے متعلق تمام مباحث علمیہ اور حقائق و نکات بیان کرتا ہے۔ پھر اگر حدیث احکام سے متعلق ہوتی ہے تو استاذ متبوعین کے دلائل بھی بیان کرتا ہے اور امام اعظمؒ کا مذہب بظاہر حدیث کے مخالف ہوتا ہے، تو استاذ توفیق، تطبیق یا ترجیح راجح کے اصول پر تقریر کرتا ہے (یعنی امام اعظمؒ کا

مسلک جن دوسری احادیث سے مستند ہوتا ہے، ان احادیث کو بطور دلائل پیش کرتا ہے) اور حنفی مسلک کو مؤید و مدلل کرتا ہے۔

یہ بات علامہ کو بہت عجیب معلوم ہوئی۔ کہنے لگے کہ کیا ہر حدیث میں ایسا ہوتا ہے؟ کہا، ہاں۔ اس پر علامہ نے کہا، "کیا حدیث حنفی ہے؟"

یہ بات تو یوں ہی طرح یہاں ختم ہو گئی۔ اور جلسہ کی شرکت کے لئے حضرت شاہ صاحب تشریف لا رہے تھے کہ راستہ ہی میں علامہ کی اس گفتگو کا حال سنا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا ارادہ علامہ کو خوش آمدید کہنے اور دار العلوم کی تاریخ و دیگر عام امور پر تقریر فرمانے کا تھا۔ مگر اس گفتگو کا حال سن کر ارادہ بدل گیا اور راستے ہی قلیل وقفہ میں کہ جلسے میں پہنچے اور کچھ دیر بیٹھے، دار العلوم کے اسی مذکورہ بالا طرز درس حدیث پر مضمون ذہن میں مرتب فرما لیا۔ اور پھر وہ مشہور و معروف خالص محققانہ محدثانہ تقریر نہایت فصیح و بلیغ عربی میں فرمائی کہ اس کو سن کر علامہ اور تمام شرکاء اجلاس علماء و طلباء حیران رہ گئے۔

اس تقریر میں آپ نے فقہاء محدثین کے اصول استنباط، تحقیق مناط، تنقیح مناط، تخریج مناط کی وضاحت و تشریح احادیث و احکام سے فرما کر حضرت شاہ ولی اللہ سے لے کر اپنے اساتذہ دار العلوم تک کے مناقب اور طرز و طریق خدمت علم و دین پر روشنی ڈالی۔ علامہ آپ کی فصاحت تقریر اور سلاست بیان وقوت دلائل سے نہایت متاثر تھے۔ ایک دفعہ سوال کیا کہ اے حضرت الاستاذ! آپ حدیث قلتین کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ ایک بار کہا، حضرت الاستاذ! آپ مسئلہ قراۃ خلف الامام میں کیا فرماتے ہیں؟ اسی طرح بہت سے مسائل کو بے تکلف سوال میں لائے اور حضرت شاہ صاحبؒ بھی نہایت انبساط و شرح صدر کے ساتھ کافی و شافی جواب دیتے رہے۔

مولانا مناظر حسن گیلانی کی روایت ہے کہ علامہ بار بار کرسی سے اٹھتے تھے اور کہتے تھے:

والله ما رأيت مثل هذا الرجل قط

"خدا کی قسم! میں نے اس جیسا آدمی ہرگز نہیں دیکھا۔"

حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر مذکور کے بعد علامہ موصوف نے تقریر فرمائی اور اس میں حضرت شاہ صاحب کے غیر معمولی علم وفضل، تبحر، وسعت مطالعہ اور بے نظیر استحضار و حافظہ کی داد دی۔ نیز اعتراف کیا کہ جو طریقہ آپ کے یہاں درس حدیث کا ہے، یہی سب سے اعلیٰ و افضل و انفع طریقہ ہے۔ اور فرمایا کہ اگر میں ہندوستان آکر اس جامعہ علمیہ کو نہ دیکھتا اور اس کے اساتذہ و علمائے اعلام سے نہ ملتا تو یہاں سے غمگین واپس جاتا۔

پھر مصر جا کر یہ سب حالات اپنے رسالہ "المنار" میں شائع کیے اور اس میں یہ بھی اضافہ کیا کہ:

"میں نے از ہر الہند میں وہ نہضت دینیہ علمیہ جدیدہ دیکھی ہے جس سے نفع عظیم کی توقع ہے۔ مدرسہ دیوبند دیکھ کر جس قدر میرے دل کو مسرت بے پایاں حاصل ہوئی وہ کسی اور چیز سے نہیں ہوئی۔ مجھ سے بہت سے لوگوں نے دارالعلوم دیوبند کے فضائل و مآثر بیان کیے تھے اور کچھ لوگوں نے علماء دیوبند پر جمود و تعصب کا بھی نقد کیا تھا، مگر میں نے ان کو اس شاء نقد سے بہت بلند پایا اور میں نے حضرت شاہ صاحب جیسا جلیل القدر کوئی عالم نہیں دیکھا۔ وللہ الحمد"۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۸۱)

زہد و تقویٰ اور تصوف و سلوک

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک دفعہ خود ایک واقعہ سنایا:

ایک دفعہ میں کشمیر سے یہاں کے لئے چلا۔ راستہ کی کافی مسافت گھوڑے پر سوار ہو کر طے کرنا پڑتی ہے۔ راستہ میں ایک صاحب کا ساتھ ہو گیا۔ یہ پنجاب کے ایک مشہور پیر صاحب کے مرید تھے۔ یہ مجھ سے اپنے پیر کے کمالات و کرامات کا تذکرہ کرتے رہے۔ ان کی خواہش اور ترغیب یہ تھی کہ میں بھی ان پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور اتفاق سے وہ مقام میرے راستہ میں بھی پڑتا تھا۔ میں نے بھی ارادہ کر لیا۔

جب ہم دونوں پیر صاحب کی خانقاہ پر پہنچے تو ان صاحب نے کہا کہ

نئے آدمیوں کو اندر حاضر ہونے کے لئے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اندر تشریف لے گئے۔ ان بزرگ نے اطلاع پا کر خود اپنے صاحبزادے کو مجھے لینے کے لئے بھیجا اور اکرام سے پیش آئے۔ خود ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی سب مریدین و طالبین نیچے فرش پر تھے۔ مگر اصرار سے اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔ کچھ باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد اپنے مریدین کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے طریقہ پر ان پر توجہ ڈالنی شروع کی اور اس کے اثر سے وہ بے ہوش ہو ہو کر لوٹنے اور تڑپنے لگے۔

میں یہ سب دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا: "میرا جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہو سکے تو مجھ پر توجہ فرمائیں۔" انہوں نے توجہ دینا شروع کی اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم پاک کا مراقبہ کر کے بیٹھ گیا۔ بے چاروں نے بہت زور لگایا اور بہت محنت کی لیکن مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے خود ہی فرمایا کہ آپ پر اثر نہیں پڑ سکتا۔"

حضرت نے یہ واقعہ اتنا ہی نقل فرمایا اور اس کے بعد ایک غیر معمولی جوش کے ساتھ فرمایا:

"کچھ نہیں ہے، لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے ایک کرشمہ ہے اور کچھ مشکل بھی نہیں۔ معمولی مشق سے ہر ایک کو حاصل ہو سکتا ہے۔ ان باتوں کو خدا رسیدگی سے کوئی تعلق نہیں۔"

پھر اسی سلسلہ میں اور اسی جوش کی حالت میں فرمایا:

"اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو انشاء اللہ تین دن میں یہ کیفیت پیدا ہو سکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے۔ لیکن یہ بھی کچھ نہیں۔ اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت و سنت پر استقامت ہے۔" (تین بڑے مسلمان: ۲۸۷)

شاید یہی بات میری نجات کا سبب بن جائے

حضرت مولانا محمد انور رقمطراز ہیں کہ:

بہاولپور شہر میں جامع مسجد ودیگر مقامات پر قادیانیت کے خلاف تقریر کرنے کے علاوہ کو بھیجتے رہتے تھے۔ دو دفعہ احقر کو بھی بھیجا۔ ان ایام میں اس قدر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ مبارک پر انوار کی بارش ہوتی رہتی تھی کہ ہر شخص اس کو محسوس کرتا تھا۔ احقر نے بارہا دیکھا کہ اندھیرے کمرے میں مراقبہ فرما رہے ہیں لیکن روشنی ایسی جیسے بجلی کے قمقمے روشن ہوں۔ حالانکہ اس وقت بجلی گل ہوتی تھی۔ بہاولپور جامع مسجد میں جمعہ کی نماز حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ پڑھایا کرتے تھے، بعد نماز کچھ بیان بھی ہوتا تھا، ہزاروں ہزار کا مجمع رہتا تھا۔ پہلے جمعہ میں فرمایا:

> ''حضرات! میں نے ڈابھیل جانے کے لئے سامان سفر باندھ لیا تھا کہ یکایک مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ کا خط دیوبند موصول ہوا کہ شہادت دینے کے لئے بہاولپور آئیے۔ چنانچہ اس عاجز نے ڈابھیل کا سفر ملتوی کیا اور بہاولپور کا سفر کیا۔ یہ خیال کیا کہ ہمارا نامہ اعمال تو سیاہ ہے ہی، شاید یہی بات میری نجات کا باعث بن جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا جانبدار ہو کر بہاولپور میں آیا تھا۔''

بس اس فرمانے پر تمام مسجد میں چیخ وپکار پڑ گئی۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ خود حضرت پر ایک عجیب کیفیت وجد طاری تھی۔ ایک مولوی صاحب نے اختتام وعظ پر فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب کی شان ایسی اور آپ ایسے بزرگ ہیں وغیرہ۔ حضرت فوراً کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

> حضرات! ان صاحب نے غلط کہا ہے، ہم ایسے نہیں ہیں۔ بلکہ ہمیں تو یہ بات یقین کے درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ ہم سے گلی کا کتا بھی اچھا ہے۔ ہم اس سے گئے گذرے ہیں یعنی وہ اپنی گلی اور محلے کا حق نمک خوب ادا کرتا ہے مگر ہمارے ہوتے لوگ ناموس پیغمبر پر حملہ کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! انکسار اور تواضع کی حد ہو گئی۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۸۹)

مسجد میں کرسی بچھانا سنت ہے

حضرت مولانا انوری مدظلہ فرماتے ہیں کہ:

اسی سفر کے دوران لاہور میں دو روزہ قیام فرمایا تھا۔ آسٹریلین بلڈنگ کی مسجد میں بعد نماز فجر وعظ فرمایا۔ علماء فضلاء بالخصوص ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم اور ان کے ساتھی اہتمام سے حاضر ہوتے تھے۔ بیان ہوتا تھا۔ حضرت نے خطبہ شروع فرمایا۔ وعظ کرسی پر بیٹھ کر فرما رہے تھے۔ احقر کے دل میں وسوسہ گزرا کہ مسجد میں تو شاید کرسی بچھانا سوء ادب ہو۔ حضرت نے فوراً خطبہ بند کر دیا اور فرمایا کہ:

> مسجد میں کرسی بچھانا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں روایت ہے کہ سائل کا جواب دینے کے لئے حضور ﷺ کے لئے مدینہ کے بازار سے کرسی لائی گئی۔ راوی کہتا ہے کہ اس کرسی کے پائے سیاہ تھے، غالباً لوہے کے تھے۔ مصلے کے قریب رکھی گئی۔ حضور ﷺ نے اس پر بیٹھ کر جوابات دیئے۔

یہ فرمایا اور پھر خطبہ شروع فرما دیا۔ احقر ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کے جو اخلاق و شمائل کتب حدیث میں روایت کئے گئے ہیں، ان میں ایک عادت مبارکہ یہ بھی نقل کی گئی کہ آپ ﷺ بہت زیادہ خاموش رہتے تھے (گویا بلا ضرورت بولتے ہی نہ تھے)۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

> کان رسول اللہ ﷺ طویل الصمت۔

حضرت شاہ صاحبؒ اس عادت مبارکہ کا کامل نمونہ تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کو صرف علمی و دینی استفادہ و افادہ کے لئے اور ناگزیر ضروری باتوں ہی کے لئے زبان دی گئی ہے۔

(بیس بڑے مسلمان: ۳۸۹)

لطافت طبع

ایک دفعہ عصر اور مغرب کے درمیان بخاری شریف کا درس زور و شور سے ہو رہا تھا کہ

اچانک کتاب بند کر دی اور فرمانے لگے کہ جب بھائی شمس الدین ہی رخصت ہو گئے تو اب درس کا کیا لطف رہا۔ جاؤ تم بھی گھر کا رستہ لو۔

طلبہ حیران ہوئے کہ بھائی شمس الدین کون اور کب آئے اور کب رخصت ہو گئے؟ حیرانی دیکھ کر فرمانے لگے۔ ''جاہلین! دیکھتے نہیں، وہ بھائی شمس الدین جا رہے ہیں۔ اب کیا اندھیرے میں پڑھو گے؟ کیا وہ لطف کا سبق ہوگا؟'' (بیس بڑے مسلمان: ۳۹۱)

میں اسناد متصل کرنا بھی جانتا ہوں

ایک بار پچھلی صف میں سے کسی طالب علم نے سوال کیا مگر مہمل انداز سے۔ فرمایا کہ جاہل تجھے معلوم نہیں کہ میں اسناد متصل کرنا بھی جانتا ہوں۔ جانتا ہے کس طرح اسناد متصل ہوں گی؟ میں اس اپنے پاس والے کو تھپڑ ماروں گا، وہ اپنے پاس والے کو تھپڑ مارے گا اور وہ اپنے پاس والے کو تھپڑ رسید کرے گا، یہاں تک کہ تھپڑ کا یہ فعلی سلسلہ سند تجھ تک پہنچ جائے گا۔''

(بیس بڑے مسلمان: ۳۹۱)

نابالغ

ایک دفعہ مسائل فقہیہ کے ذیل میں نابالغ کی امامت کا ذکر آ گیا کہ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ فرمانے لگے:

> مسئلہ تو یہی ہے مگر بعض نابالغوں کے پیچھے ہو بھی جاتی ہے (اس زمانہ میں حضرت شاہ صاحبؒ ہی مسجد دارالعلوم میں امامت کراتے تھے)۔ فرمانے لگے، تم نے کبھی بیر نابالغ بھی دیکھا ہے؟ جو چالیس برس کا بھی ہو اور نابالغ بھی؟ جاہلین! وہ چالیس برس کا نابالغ میں ہوں (اس وقت تک حضرت کی شادی نہیں ہوئی تھی) اشارہ اسی طرف تھا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۹۱)

دارالعلوم کی صدر مدرسی

ایک دفعہ ملا علاؤ الدین میرٹھی قلفی کا برف لے کر آئے۔ حضرت مہتمم صاحب مولانا محمد احمد مرحوم نے اس کو بلایا اور شاہ صاحب سمیت دوسرے اکابر کھانے لگے۔ کھانے کے دوران

شاہ صاحب نے پوچھا کہ ملا جی! اس برف میں کتنا کما لیتے ہو؟ کہا کہ ساٹھ روپے۔ مسکرا کر فرمانے لگے کہ تو پھر تمہیں دارالعلوم کی صدر مدرسی کی ضرورت نہیں۔ (ان دنوں حضرت کی تنخواہ ساٹھ روپے تھی)۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۹۱)

اخلاق

علم و فضل کی بلندی کے تناسب سے اخلاق بھی نہایت بلند اور پاکیزہ تھے۔ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ کوئی سائل حضرت کے پاس آیا ہو اور نامراد گیا ہو۔ جیب میں جو کچھ ہوتا، اٹھنی یا روپیہ، سائل کے حوالے کر دیتے۔ ایسی بات کرنے سے احتراز کرتے جس سے کسی کی دلآزاری ہو۔

ایک دفعہ امرتسر تشریف لے گئے۔ وہاں کے ایک نامی گرامی بیرسٹر برائے عقیدت حاضر ہوئے لیکن داڑھی مونچھ صاف ہونے کی وجہ سے کھچے کھچے سے بیٹھے شرمندگی محسوس کر رہے تھے۔ آپ نے بھانپ لیا اور فرمایا:

> بیرسٹر صاحب! آپ کیوں خواہ مخواہ شرمندہ ہو رہے ہیں۔ ہم دونوں کا فعل اگرچہ مختلف ہے لیکن غرض و غایت دونوں کی ایک ہی ہے، یعنی دنیا کمانے میں۔ اگر مولوی ہو کر داڑھی نہ رکھوں تو کوئی مجھے کھانے کو نہ دے۔ اور اسی طرح اگر آپ بیرسٹر ہو کر داڑھی صاف نہ کرائیں تو ہر کوئی کہے کہ اب ان کو بیرسٹر کس نے بنا دیا، یہ تو ملا جی ہیں۔ تو پھر آپ کو بھی بیرسٹری کے نام پر روٹی نہ ملے۔ جب ہم دونوں کی غرض ایک ہے تو محض اختلاف فعل پر آپ شرمندہ کیوں؟ (بیس بڑے مسلمان: ۳۹۱)

خودداری

ایک مرتبہ حیدرآباد کے مولوی نواب فیض الدین صاحب ایڈووکیٹ نے حضرت شاہ صاحب کو اپنی لڑکی کی شادی میں بلایا۔ چونکہ نواب صاحب اور ان کے خاندان کو علمائے دیوبند کے ساتھ قدیم رابطہ اور قلبی علاقہ تھا۔ دوران قیام میں بعض لوگوں نے چاہا کہ حضرت شاہ صاحب اور نظام کی ملاقات ہو جائے۔ حضرت کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا:

مجھ کو ملنے میں عذر نہیں ہے، لیکن اس سفر میں نہیں ملوں گا کیونکہ اس سفر کا مقصد نواب صاحب کی بچی کی تقریب میں شرکت اور بس اور میں اس کو خالص ہی رکھنا چاہتا ہوں۔

ہر چند لوگوں نے کوشش کی اور ادھر نظام کا بھی ایما تھا مگر شاہ صاحب رضامند نہیں ہوئے۔

اسی قیام حیدر آباد کے زمانہ میں ایک روز سر اکبر حیدری کا فون آیا (جو بعد میں آسام کے گورنر بنے) کہ میں مولانا انور شاہ صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ فرمایا، کہ انہیں کہہ دو میں یہیں ہوں، آجائیں۔ حیدری صاحب کو پیام پہنچایا گیا تو انہوں نے کہا، بہت اچھا میں حاضر ہوتا ہوں مگر میرے آنے پر حاضرین مجلس کو اٹھا دیا جائے، میں تنہائی میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت کو پیام دیا گیا تو فوراً ارشاد فرمایا کہ ناممکن ہے کہ میں حیدری صاحب سے باتیں کرنے کے لئے حاضرین مجلس کو چھوڑ کر الگ جا بیٹھوں یا ان لوگوں سے بھی کہوں کہ چلے جائیں۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۹۲)

اسلامی غیرت و حمیت

حضرت علامہ کشمیریؒ طبعاً بڑے حلیم اور بردبار تھے لیکن اسلامی اور دینی معاملات میں وہ کسی طرح کے تساہل یا غفلت شعاری کو گوارا نہیں کرتے تھے۔

مقدمہ بہاولپور میں مرزائی وکیل ایک دفعہ کہنے لگا کہ فلاں بزرگ مرزا غلام احمد کو کافر نہیں کہتے۔ آپ نے فرمایا کہ نہ کہتے ہوں گے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اس نے اس بات کی تکرار کی۔ دراصل بات یہ تھی کہ اس بزرگ سے نواب بہاولپور کا روحانی تعلق تھا۔ مرزائی وکیل چاہتا تھا کہ شاہ صاحب کوئی سخت بات کہیں جس سے مقدمہ پر کوئی اثر پڑے۔ شاہ صاحب سمجھ گئے تھے، اس لئے نرمی سے کہتے رہے کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

جب اس نے تکرار کی تو شاہ صاحبؒ جلال میں آگئے اور تن کر فرمایا:

"اللہ کی جہنم بہت وسیع ہے، اس میں (اس بزرگ کا نام لے کر) وہ بھی جا سکتا ہے۔ فبھت الذی کفر۔"

مرزائی حیران دیکھتا رہ گیا۔

ایک دفعہ ڈابھیل سے دیوبند جا رہے تھے۔ دہلی سٹیشن پر گاڑی بدلنا تھی۔ کافی دیر رکنا پڑا۔ دوران گفتگو حضرت کو معلوم ہوا کہ دہلی میں قادیانیوں کا تین دن تک جلسہ ہوتا رہا، جس میں ہر قسم کی تقریریں کی گئیں۔ لیکن علمائے اسلام میں سے کسی شخص نے جلسہ میں پہنچ کر ان کو مناظرہ کی دعوت نہیں دی۔

حضرت علامہ غصہ میں مولانا سعید احمد ایم اے اکبر آبادی سے فرمانے لگے:

"مولوی صاحب! کسی شریف آدمی کی توہین گالی سننے ہی سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر وہ کوئی اپنے مرتبہ سے گرا ہوا کام کرے تو اس سے بھی اس کی توہین ایسی ہی ہوتی ہے، جیسی کہ گالی وغیرہ سے۔" (بیس بڑے مسلمان: ۳۹۴)

ختم نبوت اور حضرت شاہ صاحبؒ

فیروز پور میں مرزائیوں کے ساتھ ایک مناظرہ طے پایا اور عام مسلمانوں نے جو فن مناظرہ سے ناواقف تھے، مرزائیوں کے ساتھ بعض ایسی شرائط پر مناظرہ طے کرایا جو مسلمان مناظرین کے لئے خاصی پریشان کن ہو سکتی تھیں۔ دار العلوم دیوبند کے اس وقت کے صدر مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ صاحب کے مشورہ سے مناظرہ کے لئے حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری، حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی تجویز ہوئے۔

یہ حضرات جب فیروز پور پہنچے تو مرزائیوں کی شرائط کا علم ہوا کہ انہوں نے کس طرح دجل سے من مانی شرائط سے مسلمانوں کو جکڑ لیا ہے۔ اب دو ہی صورتیں تھیں کہ یا تو ان شرائط پر مناظرہ کیا جائے یا پھر انکار کر دیا جائے۔ پہلی صورت مضر تھی۔ دوسری صورت مسلمانان فیروز پور کے لئے ہتک کا باعث ہو سکتی تھی کہ دیکھو تمہارے مناظر بھاگ گئے۔ انجام کار انہی شرائط پر مناظرہ کرنا منظور کر لیا گیا اور حضرت شاہ صاحب کو تار دے دیا گیا۔

اگلے روز مقررہ وقت پر مناظرہ شروع ہو گیا اور عین اسی وقت دیکھا گیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ بہ نفس نفیس حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ انہوں نے

آپ نے فی الفور اعلان فرمایا کہ جائیے ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم نے جتنی شرائط مسلمانوں سے منوالی ہیں، اتنی شرائط اور من مانی لکھوالو، ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں۔ مناظرہ کرو اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔

چنانچہ اسی بات کا اعلان کر دیا گیا۔ اور مفتی صاحب، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا سید بدر عالم صاحب نے مناظرہ کیا۔ اس میں مرزائیوں کی جو درگت بنی، اس کی گواہی آج بھی فیروز پور کے در و دیوار دے سکتے ہیں۔ مناظرہ کے بعد شہر میں جلسہ عام ہوا، جس میں حضرت شاہ صاحب اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے تقریریں کیں۔ یہ تقریریں فیروز پور کی تاریخ میں یادگار خاص کی نوعیت رکھتی ہیں۔ بہت سے لوگ جو قادیانی دجل کا شکار ہو چکے تھے، اس مناظرہ اور جلسہ کے بعد اسلام پر واپس لوٹ آئے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۹۳)

بہاولپور کا معرکۃ الآراء تاریخی مقدمہ

۱۹۲۶ء میں احمد پور شرقیہ بہاولپور کی ایک مسلمان عورت نے بہاولپور کی ایک عدالت میں دعویٰ کیا کہ اس کا شوہر مرزائی ہو چکا ہے لہٰذا اس کا نکاح فسخ کیا جائے۔ سات سال تک یہ مقدمہ بہاولپور کی ادنیٰ عدالتوں میں پیش ہوتا رہا، بالآخر دربار معلی پہنچا۔ ۱۹۳۳ء میں دربار معلی سے یہ حکم ہوکر کہ اس مسئلے کی دونوں طرف کے علماء کی شہادتیں لے کر تنقیح کر کے کوئی فیصلہ کیا جائے۔ پھر ضلع کی عدالت میں آیا۔

مدعیہ غریب عورت تھی۔ اس کے بس کی بات نہ تھی کہ اتنا لمبا چوڑا کام کرے۔ درآں حالیکہ دوسری طرف قادیان کا بیت المال اور رجال کار سب کچھ اس کے لئے وقف ہو گیا۔ لیکن الحمد للہ بہاولپور کے غیور مسلمانوں کی انجمن موید الاسلام نے اس کا بیڑہ اٹھایا اور شیخ الجامعہ بہاولپور کی زیر سرپرستی تمام مشاہیر علماء کو شہادت کیلئے دعوت دی۔ حضرت شاہ صاحبؒ ان دنوں ڈابھیل صدر مدرس تھے مگر بوجہ علالت دیوبند فرد کش تھے۔ لیکن جب اس مسئلہ کا علم ہوا تو اپنی صحت اور دیگر مصروفیتوں کی پرواہ کئے بغیر دیگر مشاہیر کی معیت میں تاریخ مقدمہ سے کئی روز پیشتر بہاولپور میں تشریف لائے اور تقریباً پچیس روز بہاولپور میں قیام فرمایا۔

حضرت علامہ کشمیریؒ کا تیسرا دن مسلسل بیان ہوا۔ ارباب ناظرین و سامعین کا بیان ہے کہ

حضرت کے بیان کے وقت احاطۂ عدالت میں سکتہ طاری رہتا تھا۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ علم کا ایک سمندر ہے جس کی گہرائی کا سوائے قدرت باری تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں۔ بیان سائٹھ صفحات پر قلمبند ہوا لیکن سارا از اول تا آخر نہیں بصرف اتنا طبع ہوا جو حضرت جج صاحب کو لکھواتے تھے۔ جو جو عبارات اثناء بیان میں تشریحات و تفسیرات کے ساتھ پیش کی جاتی تھیں، وہ قلمبند نہیں ہوئیں۔ نیز حوالہ جات میں حرف اول اور آخر لفظ لے لیا گیا۔ حالانکہ حضرت پوری عبارت مع تشریح و تفسیر سناتے تھے۔ اگر پورا بیان مفصل شائع کیا جاتا تو تقریباً ایک سو ساٹھ صفحات پر پھیل جاتا۔

بہر حال حضرت علامہ کشمیریؒ اور دوسرے محقق علماء کے بیانات ہوئے اور مقدمہ کا فیصلہ ۱۹۳۵ء ۷ فروری کو سنایا گیا۔ جو ایک سو باون صفحات پر اردو زبان میں شائع ہوا اور ڈسٹرکٹ جج نے مرزائی کو مرتد قرار دیتے ہوئے نکاح فسخ کر دیا۔ واللہ الحمد والمنۃ۔ عدالتی سطح پر اہل اسلام کی اتنی بڑی فتح ۔ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات گرامی قدر کی بدولت ہوئی۔ اس مقدمہ کی مفصل کارروائی مطبوعہ ملاحظہ کی جائے۔ یا پھر "حیات انور" نامی کتاب میں حضرت مولانا محمد انوری صاحب کا مضمون پڑھا جائے جس میں اس روداد کا اجمالی سا خاکہ کھینچا گیا ہے۔

(بیس بڑے مسلمان: ۳۹۹)

علامہ کشمیریؒ کا ذوق کثرت مطالعہ

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے کثرت مطالعہ کا یہ حال تھا کہ مرض الوفات میں جب ہاتھ ہلانے کی بھی طاقت نہ رہی تو کروٹ پر لیٹتے اور سامنے کرسی پر کتاب کھلی ہوئی کھڑی رہتی۔ جب پورا صفحہ مطالعہ فرما لیتے تو کسی کی طرف ورق پلٹنے کے لئے اشارہ کرتے۔ وہ ورق پلٹ دیتا اور حضرت اس کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔

(ملفوظات فقیہ الامت قسط: ۳/۹۰)

بتیس سال قبل دیکھی ہوئی کتاب کا حوالہ

مقدمہ بہاولپور کے موقع پر جب حضرت شاہ نے قادیانیوں کے کفر پر بے نظیر تقریر فرمائی اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ جو چیز دین میں تواتر سے ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے۔ تو

قادیانیوں کے گواہ نے اس پر اعتراض کیا! آپ کو چاہیے کہ امام رازی پر کفر کا فتویٰ دیں کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلوم نے لکھا ہے کہ امام رازی نے تواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔ اس وقت بڑے بڑے علماء کا مجمع تھا سب کو پریشانی ہوئی کہ فواتح الرحموت اس وقت پاس نہیں ہے اس اعتراض کا جواب کس طرح دیا جائے' مولانا محمد انوری جو اس واقعے کے وقت موجود تھے فرماتے ہیں ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب نہ تھی مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے لیکن اسی حیرانی کے عالم میں حضرت شاہ صاحب کی آواز گونجی جج صاحب! لکھئے میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے امام رازی دراصل فرماتے ہیں کہ حدیث لا تجتمع امتی علی الضلالۃ تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی۔ لہٰذا انہوں نے اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کا ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے ان کو کہو کہ عبارت پڑھیں ورنہ میں ان سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں' چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی واقعی اس کا مفہوم وہی تھا جو حضرت شاہ صاحب نے بیان فرمایا مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا اور حضرت شاہ صاحب نے فرمایا جج صاحب یہ ہمیں مفحم (لاجواب) کرنا چاہتے ہیں میں جو کہ طالب علم ہوں میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں میں انشاء اللہ مفحم نہیں ہوں گا۔

(انوار انوری ۳۳) اکابر دیوبند کیا تھے ۹۳)

آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں

حضرت مولانا محمد انوری راوی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب کشمیر تشریف لے جا رہے تھے بس کے انتظار میں سیالکوٹ اڈے پر تشریف فرما تھے ایک پادری آیا اور کہنے لگا آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں فرمایا نہیں میں طالب علم ہوں اس نے کہا آپ کو اسلام کے متعلق علم ہے؟ فرمایا کچھ کچھ پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا تم غلط سمجھے ہو اس کی یہ شکل نہیں ہے پھر نبی کریم ﷺ کی نبوت پر چالیس دلائل دیئے دس قرآن سے دس تورات سے دس انجیل سے اور دس عقلی وہ پادری آپ کی تقریر سن کر

کہنے لگا کہ اگر مجھے اپنے مفادات کا خیال نہ ہوتا تو میں بھی مسلمان ہو جاتا نیز یہ کہ مجھے خود اپنے مذہب کی بہت سی باتیں آپ سے معلوم ہوئیں (انوار انوری ۳۶۔ اکابر دیوبند کیا تھے ۹۴)

علم کا سمندر

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں کہ تحریک خلافت کے دور میں جب امارت شرعیہ (عوام کی طرف سے قاضی مقرر کرنے) کا مسئلہ چھیڑا تو مولوی سبحان اللہ خان گورکھپوری نے اپنے بعض نقاط نظر کی تائید میں بعض سلف کی عبادت پیش کی جو ان کے نقطہ نظر کی موید تھی مگر مسلک جمہور کے خلاف تھی یہ عبارت لے کر وہ خود دیوبند تشریف لائے اور مجمع علماء میں اسے پیش کیا تمام اکابر دارالعلوم دیوبند حضرت شاہ صاحب کے کمرہ میں جمع تھے حیرانی یہ تھی نہ اس عبارت کو رد کر سکتے تھے کہ وہ سلف میں سے ایک بڑی شخصیت کی عبارت تھی اور نہ اسے قبول ہی کر سکتے تھے کہ مسلک جمہور کی صراحتہً خلاف تھی یہ عبارت اتنی صاف اور واضح تھی کہ اسے کسی تاویل و توجیہ سے بھی مسلک جمہور کے مطابق نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ حضرت شاہ صاحب استنجا کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے وضو کر کے واپس ہوئے تو اکابر نے عبارت اور مسلک کے تعارض کا تذکرہ کیا اور یہ کہ ان دونوں باتوں میں تطبیق بن نہیں پڑتی حضرت ممدوح حسب عادت حسبنا اللہ کہتے ہوئے بیٹھ گئے اور عبارت کو غور سے دیکھ کر فرمایا کہ اس عبارت میں جعل اور تصرف کیا گیا ہے اور دو سطروں کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہے درمیان کی ایک سطر چھوڑ دی گئی ہے اسی وقت کتب خانہ سے کتاب منگوائی گئی دیکھا تو واقعی اصل عبارت میں پوری ایک سطر درمیان سے حذف ہوئی تھی جونہی اس سطر کی عبارت کو شامل کیا گیا عبارت کا مطلب مسلک جمہور کے موافق ہو گیا اور سب کا تحیر رفع ہو گیا۔ (حیات انور ۲۴۹)

چہرہ دیکھ کر ہندو مسلمان ہو گیا

مولانا محمد انوری فرماتے ہیں کہ مظفر گڑھ کے سفر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر فجر کی نماز سے قبل حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری گاڑی کے انتظار میں تشریف فرما تھے ارد گرد خدام کا مجمع تھا ریلوے کے ایک ہندو بابو صاحب لیمپ ہاتھ میں

لئے آ رہے تھے حضرت شاہ صاحب کا منور چہرہ دیکھ کر سامنے کھڑے ہو گئے اور زار و قطار رونے لگے اور پھر یہ زیارت ہی ان کے ایمان کا ذریعہ بن گئی۔ وہ کہتے تھے ان بزرگوں کا روشن چہرہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام سچا دین ہے۔ (انوار انوری ۴۰)

مطالعہ کا روگ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب سخت بیمار تھے اور علالت طول پکڑ گئی تھی ایک صبح فجر کے وقت یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ حضرت کا وصال ہو گیا خدام پر بجلی سی گر گئی اور نماز فجر کے فوراً بعد ہم (مفتی محمد شفیع وغیرہ) سب حضرت کے مکان کی طرف لپکے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی بھی ساتھ تھے گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ بحمداللہ خبر غلط تھی البتہ تکلیف کی شدت برقرار ہے ہم سب لوگ حضرت کی عیادت کے لئے کمرے میں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت نماز کی چوکی پر بیٹھے ہیں سامنے تکیہ پر ایک کتاب رکھی ہے اور اندھیرے کی وجہ سے حضرت جھک کر اس کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ خدام کو یہ منظر دیکھ کر حیرت ہوئی اور ساتھ تشویش بھی کہ ایسی علالت میں مطالعہ کے لئے اتنی محنت برداشت کرنا مرض میں مزید اضافہ کا موجب ہوگا' چنانچہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے تعجب کر کے ناز کے ساتھ عرض کیا کہ حضرت! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ کون سی بحث رہ گئی ہے جو حضرت کے مطالعہ میں نہ آ سکی ہو۔ اور اگر بالفرض کوئی بحث ایسی ہو تو اس کی فوری ضرورت کیا پیش آ گئی ہے کہ اسے چند روز موخر نہیں کیا جا سکتا اور اگر بالفرض کوئی فوری ضرورت کا مسئلہ ہے تو ہم خدام کہاں مر گئے ہیں؟ آپ کسی بھی شخص کو حکم فرما دیتے وہ مسئلہ دیکھ کر عرض کر دیتا لیکن اس اندھیرے میں ایسے وقت آپ جو محنت اٹھا رہے ہیں وہ ہم خدام کے لئے ناقابل برداشت ہے' والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحب کچھ دیر تو انتہائی معصومیت اور بے چارگی کے انداز میں مولانا شبیر احمد صاحب کی طرف دیکھتے رہے پھر فرمایا بھائی ٹھیک کہتے ہو لیکن یہ کتاب بھی تو ایک روگ ہے اس روگ کا کیا کروں۔ (اکابر دیوبند کیا تھے ۴۳)

غیبت سے اجتناب

حضرت شاہ صاحب اپنی مجلس میں کسی کی غیبت کسی حال میں برداشت نہیں فرماتے تھے جب بھی کوئی شخص کسی دوسرے کا تذکرہ شروع کرتا اور نوبت غیبت کے قریب پہنچنے لگتی تو حضرت ہاتھ اٹھا کر فرماتے' بس اس کی حاجت نہیں اور غیبت کا فتنہ وہیں مر جاتا۔

(اکابر دیوبند کیا تھے ۴۴)

مسجد کا احترام

رئیس المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیری ضلع ہاسمیرہ کے جلیک بالا گاؤں میں مولانا غلام ربانی کے ہاں تعلیم حاصل کر رہے تھے حضرت شاہ صاحب اپنے زمانہ طالب علمی میں کسی ضرورت کی وجہ سے رات کو باہر نکلے سردیوں کے دن تھے اور بارش ہو رہی تھی آپ گر پڑے اور کپڑے بھی خراب ہو گئے۔ واپسی میں مسجد کے باہر تمام کپڑے دھونے پڑے اور اس وقت تک مسجد میں داخل نہیں ہوئے جب تک کہ وہ کپڑے خشک نہیں ہوئے اور رات مسجد سے باہر ہی گزار دی۔ مسجد کی عظمت و احترام نے آپ کو شیخ المحدثین بنا دیا۔

(حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری اور ان کے مشاہیر تلامذہ و خلفاء: ۲۵۹)

☆☆☆

مفتی اعظم

حضرت مولانا کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم ہند

تحریک آزادی کے عظیم مجاہد

جمعیت علماء ہند کے امیر اول

وفات	پیدائش
۱۹۵۳ء	۱۸۷۵ء

ہے دین و حکمت کی منزلوں میں مقام معراج فکر حاصل
عمل سراپا فقیہہ بھی ہے مفکر بے مثال بھی ہے

جنگ بلقان

دہلی کے ابتدائی زمانہ میں مغربی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں سے جنگ بلقان کا آغاز ہوا۔ اس موقع پر مسلمانان ہند میں اسلامی اخوت اور غیرت ملی کا جذبہ پیدا ہوا اور وہ ترکی کے مسلمانوں کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے جنگ بلقان کے مظلوموں کے لئے چندہ دینا شروع کیا۔ ایسے نازک موقعہ پر حضرت مفتی صاحب کی طرف سے دو اہم فتوے شائع کئے جس میں ایک فتویٰ یہ تھا کہ:

ایسے موقع پر جب کہ ترکی کے مسلمانوں پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں، مساجد میں خدا کی بارگاہ میں ان کے لئے دعائیں مانگی جائیں اور قنوت نازلہ پڑھی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے یہ مصیبت دور کرے۔"

دوسرا فتویٰ چرم قربانی کے بارے میں ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا گیا۔

علاوہ ازیں حضرت مفتی صاحب نے ترکوں کی حمایت میں ایک جلسہ منعقد کرایا جس میں آپ نے ترکوں کے المناک حالات بیان کئے اور طلبہ کو ان کی اعانت کرنے پر آمادہ کیا۔ آپ کی تقریر کا اس قدر اثر ہوا کہ ان غریب اور مفلس طلبہ کے پاس جو کچھ تھا وہ سب کچھ انہوں نے پیش کر دیا۔ جن کے پاس نقد کچھ نہ تھا، انہوں نے اپنے کپڑے، کتابیں اور برتن دے دیئے۔ اس کے بعد آپ نے مدرسین اور طلبہ کو چندہ جمع کرنے کے لئے شہر بھیجا۔ اس طرح جو سامان جمع ہوا اس کو بذات خود حضرت مفتی صاحب نے سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر نیلام کیا۔ اس وقت لوگوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ قیمت دے کر وہ سامان خرید رہے تھے۔ اس طرح نقد اور نیلام میں سامان فروخت کر کے جو چندہ جمع ہوا وہ سب ترکی کی رفاعی انجمن "ہلال احمر" کو روانہ کیا گیا۔ اس کی کل میزان تین ہزار آٹھ سو چورانوے روپے آٹھ آنے نو پائی تھی۔ (بیس بڑے مسلمان: ۴۴۹)

سیاست ساز

جمعیۃ علمائے ہند اس وقت تک قائم نہیں ہوئی تھی مگر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کو

اللہ تعالیٰ نے اس قدر سیاسی بصیرت عطا کی تھی کہ آپ کی فکر دور بین نے اس کی خامیاں بھانپ لی تھیں۔ چنانچہ آپ نے اسی زمانہ میں اس کی خامیاں بڑی ذاتی حیثیت سے واضح کیں۔ آپ کی سیاسی بصیرت اور سوجھ بوجھ اس قدر مسلم تھی کہ آپ کے استاذ محترم حضرت شیخ الہندؒ جب کبھی کسی سیاسی لیڈر سے گفتگو کرتے تھے تو سب سے پہلے حضرت مفتی صاحب کو بلا کر ان سے مشورہ کرتے تھے۔ اس موقع پر آپ کے رفقاء اور مخصوص تلامذہ آپ پر رشک کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ بہت اصرار کے بعد حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے رفقاء کو مخاطب کر کے فرمایا:

بے شک تم لوگ سیاستدان ہو لیکن مولوی کفایت اللہ کا دماغ سیاست ساز ہے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۴۲۶)

ڈاکٹر انصاری کا خطبہ صدارت

جمعیۃ علماء ہند کے قیام کا خیال آپ کے ذہن میں اس وقت سے موجود تھا جب کہ مسلم لیگ کے گیارہویں اجلاس دسمبر ۱۹۱۸ء میں (جو کرشنا تھیٹر لال کنواں دہلی میں مولوی فضل الحق کی صدارت میں منعقد ہوا تھا، جس میں بڑی تعداد میں علماء شریک ہوئے تھے) اس جلسے کے صدر استقبالیہ ڈاکٹر مختار احمد انصاری تھے۔ ڈاکٹر انصاری صاحب نے اس اجلاس میں جو خطبہ استقبالیہ پڑھا تھا، اس میں خلافت اور جزیرہ عرب کے بارے میں مسلمانوں کے مذہبی خیالات کو نہایت بے باکی کے ساتھ ظاہر کیا گیا۔ اس خطبہ استقبالیہ کے اس اہم حصہ کو حضرت مفتی صاحب نے تحریر کیا تھا۔ کیونکہ اس میں خلافت اور جزیرہ عرب کے مسائل پر حضرت مفتی صاحب نے فقہی اور اسلامی نقطہ نظر سے بحث کی تھی۔ (بیس بڑے مسلمان: ۴۲۹)

خطبہ استقبالیہ کی ضبطی

اس خطبہ استقبالیہ میں ایسی پرجوش مدلل بحث کی گئی تھی کہ صوبہ متحدہ یوپی کی حکومت کو اندیشہ ہوا کہ کہیں مسلمان گورنمنٹ برطانیہ کے جنگی مقاصد کے خلاف بغاوت نہ کر دیں، اس لئے اس نے یہ خطبہ ضبط کر لیا تھا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۴۲۶)

عجز و انکساری

حضرت مفتی صاحب نے اپنے استاذ حضرت شیخ الہند کی زندگی میں جمعیۃ علماء ہند کے عارضی صدر رہے۔ وہ مالٹا میں نظر بند رہنے کی وجہ سے صدارت نہیں کر سکے، اس لئے حضرت مفتی صاحب ان کی وفات تک عارضی صدر رہے اور ان کی زندگی میں مستقل صدر بننا قبول نہیں کیا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ آپ ۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۳۸ء تک مسلسل انیس برس تک صدر رہے۔ مگر اس عرصے میں بھی آپ جمعیۃ علماء ہند کے سالانہ اجلاس کے صدر نہیں بنے بلکہ ہم عصر دوستوں کی صدارت میں کام کرنا آپ کی طبیعت کا خاص وصف رہا۔

(بیس بڑے مسلمان: ۳۳۱)

پہلی گرفتاری

حضرت مفتی صاحب نے تحریک خلافت میں کوئی ایسا خلاف قانون کام نہیں کیا تھا، جس کے ماتحت آپ کی گرفتاری عمل میں آتی۔ تاہم جب ملک میں ۱۹۳۰ء میں دوبارہ سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو مفتی صاحب مردانہ وار میدان سیاست میں نکلے اور ملک و ملت کی آزادی کی خاطر عام تقریروں کا سلسلہ شروع کیا۔ اس جرم میں آپ کی پہلی گرفتاری گیارہ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو عمل میں لائی گئی۔

حکام آپ کی عظمت سے واقف تھے۔ آپ دہلی کے روح رواں سمجھے جاتے تھے، اس لئے آپ کو گرفتار کرنے سے پہلے دہلی کے گوشے گوشے میں مسلح پولیس اور فوج کا پہرہ بٹھا دیا گیا تھا اور رات کے تین بجے سے شہر کے گلی کوچوں میں آمدورفت بالکل بند کر دی گئی تھی۔ یہاں تک کہ فجر کے لئے جانے والوں کو بھی گھروں سے نکلنے نہیں دیا گیا۔

علی الصبح چار بجے کوتوال شہر، مجسٹریٹ وغیرہ حضرت مفتی صاحب کے گھر آئے اور آپ کو گرفتار کر کے لے گئے اور آپ کو چھ ماہ قید بامشقت کی سزا تجویز ہوئی اور اے کلاس دی گئی۔ کچھ دن دہلی جیل میں رہے۔ اس کے بعد گجرات جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ، خان عبدالغفار خان، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ، مسٹر

آصف علی وغیرہ آپ کے ساتھ رہے۔ (بیس بڑے مسلمان:۴۳۴)

دوسری گرفتاری

دوسری گول میز کانفرنس (دسمبر ۱۹۳۱ء) کی ناکامی کے بعد دوبارہ سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوگئی۔ اس موقعہ پر جمعیۃ علماء ہند نے سول نافرمانی کی تحریک کا سب سے پہلا ڈکٹیٹر مفتی صاحب کو مقرر کیا اور دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کے لئے گیارہ مارچ ۱۹۳۲ء بروز جمعہ جمعیۃ العلماء کی طرف سے جلوس اور جلسہ کا اعلان کیا گیا۔ دہلی کی جامع مسجد شاہ جہانی میں نماز جمعہ کے بعد جلسہ ہوا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے خطاب کیا اور لوگوں کو جلوس میں پرامن رہنے کی تلقین کی۔ اس کے بعد جامع مسجد سے مسلمانوں کا یہ عظیم الشان جلوس روانہ ہوا۔ اس میں تقریباً ایک لاکھ افراد شامل تھے۔ جلوس کی راہنمائی حضرت مفتی صاحب خود فرما رہے تھے۔

یہ جلوس مختلف سڑکوں اور بازاروں سے ہوتا ہوا ٹاؤن ہال کے پیچھے آزاد پارک پہنچ گیا۔ وہاں ایک جلسہ ترتیب دیا گیا۔ جہاں کوتوال شہر اور دیگر پولیس افسران پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ موجود تھے۔ مفتی صاحب سٹیج پر کھڑے ہوکر اپنا طوفانی بیان پڑھنا چاہتے تھے کہ پولیس نے بے تحاشا لاٹھی چارج شروع کر دیا اور نہتے عوام کو بری طرح زدوکوب کیا۔ لاٹھی چارج سے سینکڑوں افراد سخت زخمی ہوئے۔ مولانا عبدالحلیم صدیقی اور دیگر ممتاز علماء بھی شدید مجروح ہوئے۔ (بیس بڑے مسلمان:۴۳۴)

ملتان جیل

جب پولیس کے ظالمانہ لاٹھی چارج سے عوام منتشر ہوگئے تو کوتوال شہر آپ کو گرفتار کر کے کوتوالی لے گیا اور وہاں سے آپ کو جیل بھیج دیا گیا۔ جہاں آپ کے خلاف جیل میں عدالت قائم کی گئی اور آپ کو اٹھارہ ماہ قید بامشقت کی سزا دی گئی اور آپ کے لئے اے کلاس مقرر کی گئی۔ اس کے بعد آپ کو نیو سنٹرل جیل ملتان میں رکھا گیا۔ ملتان جیل میں مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حبیب الرحمٰن دہلوی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا داؤد غزنوی، اور

دیش بندھو گپتا، چوہدری شیر جنگ، ڈاکٹر انصاری وغیرہ آپ کے ساتھ تھے۔

(بیس بڑے مسلمان: ۴۳۴)

جیل کے مشاغل

حضرت مفتی صاحب گجرات اور ملتان جیل میں بے کار نہیں رہے بلکہ اس حالت میں بھی کاموں میں مشغول رہے۔ وہ حضرات جو جیل میں آپ کے ساتھ تھے، انہوں نے آپ کے جیل کے مشاغل کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> "فتح الباری شرح بخاری کا آخری پارہ میں نے حضرت (مفتی کفایت اللہؒ) سے گجرات جیل میں پڑھا۔ اس وقت جیل میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مسٹر آصف علی، ڈاکٹر انصاریؒ مرحوم، خان عبدالغفار خان، مولانا نورالدین صاحب لائل پوریؒ، مولانا ظفر علی خانؒ کے علاوہ اور بہت سے ہندوستان کے چیدہ حضرات موجود تھے۔ وہاں بھی مختلف مجلسیں، مذہبی اور سیاسی منعقد ہوتی تھیں۔ خاص کر مولوی نورالدین لائل پوری تو ہر وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ جیل خانہ میں یہ قاعدہ تھا کہ اے کلاس کے قیدیوں کو مشقتی دیئے جاتے تھے۔ یہ مشقتی اخلاقی قیدیوں میں سے ہوا کرتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ ان قیدیوں سے کام لینا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ "یہ لوگ بھی ہماری طرح کے قیدی ہیں۔ ان سے ہم خدمت کس طرح لے سکتے ہیں۔"

(بیس بڑے مسلمان: ۴۳۵)

پھٹے ہوئے کپڑے سینا

قیدیوں کے پھٹے ہوئے کپڑے عام طور پر مفتی صاحب ہی سیا کرتے تھے۔ جو قیدی آیا، اس کا پھٹا ہوا کرتہ یا پاجامہ دیکھا، تو اس سے فرمایا کہ لاؤ تمہارا کرتہ درست کردوں۔ یہ پھٹے

ہوئے کپڑے سینا صرف سیاسی قیدیوں کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ اخلاقی قیدیوں کے کپڑے بھی (آپ) سیا کرتے تھے۔

اسی ملتان جیل میں آپ نے عربی زبان میں ایک فصیح و بلیغ نظم لکھی جس میں آپ نے جیل کے افسر میجر فضل الدین کو تہنیت عید بھیجی اور اس میں آپ نے سچے جذبات کو وہ پورا نقشہ کھینچا ہے جو عید کے موقعہ پر ایک قیدی کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی اسلامی حمیت اور آزادی حاصل کرنے کے مصمم عزم کا اظہار کیا ہے۔

مارچ ۱۹۳۳ء میں ملتان جیل سے مولانا احمد سعید صاحب حضرت مفتی اعظم سے پہلے رہا ہوئے تو حضرت مفتی صاحب نے اردو نظم میں اپنے جذبات کا اظہار فرمایا۔

(بیس بڑے مسلمان: ۳۳۵)

استغنا و خودداری

اس زمانے میں مخالف حضرات یہ کہا کرتے تھے کہ مفتی صاحب اور جمعیۃ العلماء کے دیگر ارکان کو کانگریس سے تنخواہ ملتی ہے اور ان کی تمام تحریکات کانگریس کے فنڈ سے چلتی ہیں۔ مولانا ابوالغیاث شیخ کریم الدین میرٹھی جو جنوبی ہند میں چندرہ سولہ برس بطور سفیر جمعیۃ کا کام کرتے رہے ہیں، اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

۱۹۳۰ء کی سول نافرمانی کے موقعہ پر جمعیۃ علماء ہند پر ایسا تنگی کا دور آیا کہ فنڈ میں بالکل روپیہ نہ رہا، کئی ماہ کی تنخواہیں چڑھ گئیں۔ اس وقت موتی لال نہرو نے کانگریس فنڈ سے مالی امداد کرنے کی پیش کش کی۔ اس زمانے میں حضرت مفتی صاحب گرفتار ہو چکے تھے مگر ابھی دہلی جیل ہی میں تھے۔ اس سلسلے میں جب آپ سے مشورہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:

"جنگ آزادی کے میدان میں ہم کسی دوسرے کے سہارے پر نہیں کھڑے ہوئے ہیں۔ استخلاص وطن کی جدوجہد ہمارا مذہبی فریضہ ہے۔ اگر ہم جماعت کو نہیں چلا سکیں گے تو دفتر کو بند کر دیں گے۔" (بیس بڑے مسلمان. ۳۳۶)

حکومت کی پیشکش

جب آپ نے تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لینا شروع کیا اور اس میں روز افزوں ترقی ہونے لگی تو آپ کے ساتھ آپ کے لاکھوں معتقدین اس تحریک میں شامل ہو گئے تھے، اس لیے حکومت برطانیہ نے آپ کو تحریک سے الگ رکھنے کے لئے ہر قسم کے دباؤ ڈالنے شروع کیے۔ آخر میں حکومت کی طرف سے وائسرائے کونسل کے ایک وقیع ممبر میاں سر فضل حسین نے یہ پیام آپ تک پہنچایا کہ:

"حکومت برطانیہ درخواست کرتی ہے کہ آپ سیاسی تحریکات سے کنارہ کش ہو جائیں۔ اس کے صلہ میں حکومت آپ کو بطور ہدیہ مدرسہ صفدر جنگ کی شاہی عمارت اور اس کا ملحقہ میدان پیش کرے گی اور آپ کی ذات خاص کے لئے ہبہ کرے گی۔ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ حکومت برطانیہ کی حمایت یا پراپیگنڈہ کریں، نہیں۔ بلکہ آپ صرف اتنا کریں کہ خاموش رہیں اور سیاسیات سے الگ رہیں۔" (بیس بڑے مسلمان: ۴۳۷)

ضمیر فروشی سے انکار

میاں سر فضل حسین کے اس پیام کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے فرمایا:

"میں آزادی وطن کی تحریک میں ذاتی منفعت کے لئے شریک نہیں ہوا ہوں۔ آپ کی پیش کش کا شکریہ۔ کوئی لالچ میرے ضمیر کی آواز کو دبا نہیں سکتا۔"

(بیس بڑے مسلمان: ۴۳۷)

تنخواہ

آپ جب ابتداءً مدرسہ امینیہ میں مدرس ہو کر آئے تو اس وقت آپ کی تنخواہ پندرہ روپے ماہوار مقرر ہوئی۔ آخر زمانے میں ترقی پا کر آپ کی تنخواہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۰ھ میں دوسو پچاس روپے تھی۔ پھر جمادی الثانی ۱۳۷۰ھ سے مجلس منتظمہ نے پچیس روپے کا اضافہ کر کے آپ کی تنخواہ دوسو پچھتر روپے کر دی۔ آپ نے فرمایا:

"مدرسہ کی آمدنی کم ہو رہی ہے، اس لئے میں اضافہ نہیں لوں گا۔"

چنانچہ آپ اپنی وفات تک پچیس روپے ماہوار مدرسہ کو واپس کرتے رہے۔

اس زمانے میں آپ کی شہرت بین الاقوامی ہو گئی تھی اور آپ کو بڑی سے بڑی ملازمت اور بڑے سے بڑا عہدہ مل سکتا تھا مگر آپ نے مدرسہ امینیہ کے لئے زندگی وقف کر رکھی تھی۔ اس لئے آپ نے کسی پیش کش کو قبول نہیں کیا۔

جس زمانہ میں آپ کی تنخواہ چالیس روپے سے زیادہ نہ تھی، اس وقت مدرسہ عالیہ کلکتہ سے آپ کو مبلغ پانچ سو روپے ماہوار پر تدریس کے لئے بلایا گیا۔ مگر آپ نے پیش کش مسترد کر دی اور فرمایا:

"وہاں ضمیر کی آزادی میسر نہیں ہوگی اور یہ بات دین کی خدمت میں رکاوٹ بنے گی۔" (بیس بڑے مسلمان: ۴۴۲)

اسلام کی حقانیت کی دلیل

حضرت مولانا انور شاہ نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ مفتی کفایت اللہ کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے۔ آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت تھے مگر خود کسی کو بیعت نہیں کیا۔ جب کوئی عقیدت مند بیعت کی درخواست کرتا تھا تو حضرت مولانا تھانویؒ یا مولانا عبدالقادر رائے پوری یا مولانا حسین احمد مدنیؒ یا مولانا محمد الیاس رحمہم اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہونے کی ہدایت کرتے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۴۵۵)

جس وقت کوئی آتا، فتویٰ لکھ دیتے

اہل حاجت اور مستفتی لوگوں کے ساتھ آپ کا طرز عمل یہ تھا کہ بسا اوقات رات کے بارہ بجے اور ایک بجے آپ سے فتویٰ لینے آتے تھے۔ آپ بستر استراحت سے خود اٹھ کر تشریف لاتے تھے اور پیشانی پر بل بھی نہ آتا تھا۔ آپ کے ایک شاگرد مولوی محمد فاروق کہتے ہیں کہ ایک روز مدرسہ امینیہ سے واپسی کے دوران کانھ کے پل پر ایک صاحب ملے اور کہنے لگے کہ حضرت مجھے ایک ضروری فتویٰ لینا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے ان سے فتویٰ لیا اور وہیں

باغ کے دروازے کے سامنے پٹرول پمپ کے پاس ایک چارپائی پر اجازت لے کر بیٹھ گئے اور فتوی کا جواب لکھ کر اسی وقت ان کے حوالہ کیا۔

یہ چیز آپ کی فطرت میں داخل تھی کہ آپ کسی ملاقاتی کو انتظار کی زحمت نہ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کا نہیں، ہزاروں مرتبہ کا تجربہ ہے کہ کھانا کھانے کے دوران اگر کوئی آ جاتا تھا تو آپ کھانا چھوڑ دیتے تھے اور جا کر ملاقات کرتے تھے۔ اور اگر کوئی فتوی لے کر آتا تھا تو فتوی بھی لکھ دیتے تھے۔ غرضیکہ فتوی لکھنے کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا۔ چوبیس گھنٹے اور آرام و راحت، حتی کہ پوری زندگی افتاء اور اہل حاجت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔

(بیس بڑے مسلمان: ۴۵۵)

گوہر انسانیت

طبیعت بے انتہا غیور تھی۔ کبھی کسی کے سامنے اپنی ضرورت یا اپنی کسی تکلیف کا اظہار نہ کیا۔ ایک دفعہ ایک دکاندار سے کوئی چیز خریدی جس کی قیمت حقیقت میں دس روپے تھے۔ اس نے کہا کہ حضرت ویسے تو میں پندرہ روپے لیتا ہوں مگر آپ سے دس روپے لوں گا۔ آپ کے پاس اس وقت صرف دو روپے تھے، دکاندار کو کچھ نہیں دیا۔ گھر آ کر اپنے شاگرد (مولوی ضیاء الحق دہلوی) کو پندرہ روپے دیئے اور فرمایا کہ اگر پندرہ روپے نہ لے تو پھینک کر آ جانا۔

مکان کے لئے زمین خرید لی تھی مگر بنوانے کیلئے روپیہ نہ تھا۔ دہلی کے ایک رئیس نے آپ سے درخواست کی کہ میں روپیہ پیش کر دوں گا، آپ تعمیر شروع کرا دیجئے۔ آپ نے انکار فرما دیا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر انہوں نے اصرار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ روپیہ قرض دے دو اور پرونوٹ لکھوا لو۔ انہوں نے ضابطہ کے مطابق پرونوٹ انگریزی میں ٹائپ کرا کر پیش کر دیا۔ فرمایا کہ اس کا ترجمہ مجھے سناؤ۔ انہوں نے ترجمہ سنایا۔ آپ نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اس میں شرح سود بھی لکھی ہوئی تھی۔

انہوں نے بہت کچھ سمجھانے اور تسلی دلانے کی کوشش کی کہ حضرت یہ تو صرف ضابطہ کی خانہ پری ہے، ورنہ ہم نے عمر بھر میں نہ کسی سے سود لیا اور نہ کسی کو سود دیا۔

فرمایا کہ مجھے قرض لینے کی ضرورت نہیں، آپ مجھے معاف کیجئے۔ آ خر انہوں نے دو ہ

پرونوٹ ٹائپ کرایا۔ جب آپ نے دستخط فرمائے۔

قرض سے ہمیشہ بچتے تھے۔ وفات کے وقت آپ کسی کے مقروض نہ تھے۔

(بیس بڑے مسلمان: ۳۵۵)

تار کی خبر کے غیر معتبر ہونے کی دلیل

ایک مرتبہ والی چترال نے حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں ایک تار بھیجا جس میں دریافت کیا گیا کہ دہلی میں عید کا چاند ہو گیا یا نہیں۔ حضرت مفتی صاحب موجود نہ تھے۔ مدرسہ امینیہ میں چند چترالی طلبہ تھے، انہوں نے تار کا جواب دے دیا کہ چاند ہو گیا۔ اس کے مطابق صبح کو چترال میں عید کر لی گئی۔

والئ چترال نے حضرت کو خط لکھا کہ میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے ایک بہت بڑے اختلافی مسئلے کو حل فرما دیا، یعنی یہ کہ اگر چاند کی اطلاع بذریعہ تار کے معتبر نہ ہوتی تو آپ تار کا جواب نہ دیتے۔ حضرت مفتی صاحب نے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ کے تار اور اس کے جواب کی مجھے قطعاً خبر نہیں، کب آپ نے تار دیا اور کب میں نے اس کا جواب دیا۔ یہی بات تار کی خبر کے غیر معتبر ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

(بیس بڑے مسلمان: ۳۵۶)

بچیوں سے محبت

سب سے چھوٹی صاحبزادی زبیدہ خاتون جو اٹھارہ سال کی عمر میں وفات پا گئی، اس نے آپ کو بہت محبت تھی۔ جب وہ چار پانچ سال کی تھی، ایک مرتبہ گھر میں شلغم منگائے گئے۔ زبیدہ نے ان میں سے مٹی اور ریت پکڑا کر رکھ لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد والدہ نے وہ مٹی کوڑے پر پھینک دی۔ جب بچی کو اس کا علم ہوا تو مچل گئی۔ بلک بلک کر رونے لگی۔ والدہ نے بہت بہلایا، منایا، پھسلایا۔ آپ نے بھی بہت کچھ چپ کرنے کی کوشش کی۔ گود میں لے کر بازار سے مٹھائی دلوائی مگر کسی طرح اس کی ضد نہ گئی۔ گملوں میں سے مٹی نکال کر اس کو دی گئی مگر وہ کہتی تھی کہ میں تو شلغم کی مٹی لوں گی۔

آخر آپ اس کو گود میں لے کر سبزی فروشوں کی دکانوں پر گئے اور کئی دکانوں سے شلجم کی مٹی جمع کر کے لائے، جب وہ بہت خوش ہوئی۔ گھر میں آ کر فرمایا کہ ماں باپ ان پھول سے بچوں اور خاص کر بچیوں کی کس قدر ناز برداری کرتے ہیں، کس محنت اور محبت سے پالتے ہیں۔ جب یہ دوسرے گھر جاتی ہیں تو وہ لوگ ان تمام محنتوں پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ لڑکی کے ماں باپ کے دلوں کو کس قدر صدمہ اور دکھ پہنچاتے ہیں۔ (بیس بڑے مسلمان: ۴۵۶)

فتویٰ دینے میں احتیاط

ایک دفعہ ایک استفتاء آیا۔ سوال یہ تھا کہ ایک مسجد تعمیر کی جارہی تھی۔ ایک شخص کا مکان اس کے متصل تھا۔ وہ اس کی توسیع میں حائل ہوتا تھا۔ مالک مکان سے کہا گیا کہ اپنے مکان سے تھوڑا سا حصہ مسجد کو دے دو۔ اس نے مسجد کی شان میں نامناسب الفاظ استعمال کئے، آیا وہ شخص کافر ہوا یا نہیں؟

مولوی محمد فاروق صاحب نے اس کا جواب لکھا کہ چونکہ مسجد شعائر اللہ ہے اور شعائر اللہ کی توہین کفر ہے لہٰذا وہ شخص کافر ہو گیا۔

جواب دیکھ کر حضرت نے فرمایا کہ ابھی سے کافر سازی شروع کر دی، مفتی بن جاؤ گے تو کیا کرو گے؟ کیا تم نے وہ حدیث نہیں پڑھی کہ جس شخص میں ننانوے باتیں کفر کی ہوں اور ایک بات ایسی ہو جس سے اس کے اندر ایمان ثابت کیا جا سکتا ہے، تو اس کو کافر نہ کہو۔

مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ اس سوال میں تو کھلی ہوئی توہین ہے، پھر کفر کیوں نہیں ثابت ہوگا؟ فرمایا کہ پہلے اس بات کو ثابت کرو کہ وہ مسجد حقیقت میں مسجد ہی ہے۔ فرض کرو کہ وہ مسجد زمین مغصوبہ پر بنائی گئی ہو اور اس شخص کو یہ بات معلوم ہو گئی ہو، اس لئے اس نے نامناسب یا توہین آمیز الفاظ کہے ہوں۔ اس لئے اتنی جلدی ایک مسلمان کے کفر کا حکم نہیں دینا چاہئے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۴۵۶)

قادیانی خاموش ہو گئے

ایک دفعہ راقم الحروف (واصف) ریل کے سفر میں حضرت والد ماجد کے ہم رکاب تھا،

جس ڈبے میں ہم دونوں تھے، اسی میں دہلی کے سوداگروں میں سے دو معزز دولت مند حضرات بھی ہم سفر تھے اور ان کے قریب ہماری بجر کم قادیانی مولوی بھی بیٹھے تھے اور مرزا غلام احمد کی صداقت اور نبوت پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ان میں سے ایک بڑا مولوی بڑے زور وشور سے بول رہا تھا۔ بڑا لسان اور طرار معلوم ہوتا تھا۔ حضرت والد ماجد کچھ فاصلے پر تھے اور ان لوگوں کی گفتگو سن رہے تھے۔ قادیانیوں کے مخاطب کبھی کبھی جواب دیتے تھے مگر پھر لاجواب ہو جاتے تھے۔ آخر حضرت نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کی گفتگو میں شامل نہیں ہونا چاہتا تھا مگر یہاں معاملہ دین کا ہے، اس لئے خاموش نہیں رہ سکتا۔

میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ نے ابھی یہ جو فرمایا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور مرزا صاحب کی نبوت سے ختم نبوت میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا کیونکہ مرزا صاحب کی نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نبوت کا ایک جزو اور ضمیمہ ہے۔ تو یہ فرمایئے کہ نبی علیہ السلام کے اس قول لا نبی بعدی میں تو کسی قسم کی نبوت کی تخصیص نہیں ہے، مطلق نبوت کی نفی ہے۔ ضمنی، غیر ضمنی، ظلی، بروزی کی تخصیص کا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ لائے نفی جنس نے نبوت کے تمام اقسام اصناف کی نفی کر دی ہے، پھر بیچ میں نبوت ضمنی کیسی؟

قادیانی مولوی نے جواب دیا کہ جس طرح سچا خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہے، اسی طرح ضمنی نبوت بھی ہوتی ہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دائرہ عمل قیامت تک ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں، اس لئے آپ ہی کے دین کی تجدید کے لئے نبی آ سکتا ہے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حضرت مفتی اعظمؒ نے فرمایا کہ نبوت کا چالیسواں حصہ اگر کسی کو عطا فرمایا جائے تو وہ شخص نبی نہیں بن جائے گا، انسان کی ایک انگلی کو انسان کا لقب نہیں دیا جا سکتا۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کے دعویٰ کے مطابق قیامت تک کے لئے نبی ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ بولئے جواب دیجئے۔

حضرت نے کئی مرتبہ فرمایا کہ بولئے جواب دیجئے۔ مگر ادھر ایسا سناٹا تھا کہ صدائے

برخاست۔ قادیانی ایک دم مبہوت ہو گئے، بالکل جواب نہ دے سکے۔

پھر فرمایا کہ آپ لوگوں کا یہ کہنا کہ حضور ﷺ قیامت تک کیلئے نبی ہیں، خود اس امر کا اقرار ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد نبوت کا عہدہ کبھی کسی کو عطا نہیں کیا جائے گا۔ دوران نبوت میں کسی اور نبی کی بعثت کے کیا معنی؟ اور اس کی ضرورت کیوں؟ بولئے جواب دیجئے۔

مگر صدائے برنخاست۔ قادیانیوں پر اوس پڑ گئی اور شکست خوردگی کی وجہ سے چہرے زرد اور ہونٹ خشک ہو گئے اور بالکل ساکت و صامت ہو گئے۔

تو حضرت والد ماجد نے تقریباً ایک گھنٹے تک قادیانیت کے رد میں مسلسل تقریر فرمائی۔ اس کے بعد دہلی کے ہم سفر حضرات نے دریافت کیا کہ حضرت آپ تعارف تو فرمائیے۔ فرمایا کہ مجھے کفایت اللہ کہتے ہیں۔ مدرسہ امینیہ کا مدرس ہوں۔ اس وقت کا منظر بڑا عجیب تھا۔ ڈبے کے تمام ہم سفر مسلمانوں نے یہ تقریر سنی تھی، بہت شکریہ ادا کیا اور ان دولت مند حضرات نے کہا کہ حضرت ہم تو مذبذب تھے، آپ نے بروقت ہماری دستگیری کی اور اپنی اس کوتاہی پر بڑے نادم ہوئے کہ دہلی میں رہتے ہوئے ہم شرف ملاقات سے محروم تھے۔ ادھر قادیانیوں کا حال یہ تھا کہ ادھر ادھر کی باتوں کا خیال بھی بھول گئے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۴۵۹)

عجیب واقعہ

نیو سنٹرل جیل ملتان میں فجر کی نماز کے بعد میں جیل خانہ میں بالائی منزل پر ٹہل رہا تھا، احرار کے کشمیر ایجی ٹیشن کا ایک قیدی جو بی کلاس میں تھا، ڈاڑھی منڈایا کرتا تھا اور نماز نہیں پڑھا کرتا تھا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ چارپائی پر بیٹھا ہوا ہے، اس کے سر میں درد تھا اور مفتی صاحبؒ چارپائی سے نیچے کھڑے ہو کر اس کا سر دبا رہے ہیں۔ امام العلماء اور مفتی اعظم ہندوستان کا یہ واقعہ میرے لئے حیران کن تھا اور آپ کے اخلاق عالیہ کا بہترین نظارہ تھا۔

(مولانا احمد علی لاہوری) (بیس بڑے مسلمان۔ ۴۵۸)

فکر عالم

جب برطانیہ نے فلسطین کو تقسیم کیا اور ایک حصہ میں یہودیوں کی سلطنت قائم کر دی تو

فلسطین کے عربوں میں سخت اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے برطانیہ کے خلاف سخت تحریک جاری کی جسے حکومت برطانیہ نے تشدد آمیز مظالم سے ختم کرنے کی کوشش کی۔ لہذا حضرت مفتی صاحبؒ نے جمعیۃ علماء ہند کی نگرانی میں مجلس تحفظ فلسطین قائم کی اور فلسطین کے مظلوموں کے لئے چندہ جمع کیا۔ علاوہ ازیں تمام ہندوستان میں تقسیم فلسطین کے خلاف ۲۶ اگست ۱۹۳۸ء کو یوم فلسطین منایا گیا، احتجاجی جلسے ہوئے اور جلوس نکالے گئے۔ اس کے بعد قاہرہ میں عالم اسلام کے نمائندوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس موتمر میں مصر، شام، عراق، ایران، ہندوستان، لبنان، حجاز، اردن، یوگوسلاویہ، پولینڈ، رومانیہ، ترکی غرضیکہ تمام عالم اسلام کے تقریباً ساڑھے تین ہزار نمائندے شریک ہوئے۔ جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے جو وفد بھیجا گیا تھا، اس کے نمائندے مندرجہ ذیل علماء تھے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ (صدر)، مولانا عبدالحق مدنی (رکن)، مولانا محمد یوسف بنوری (رکن)۔

حضرت مفتی صاحب اپنے ارکان کے ساتھ ۲۶ ستمبر ۱۹۳۸ء کو دہلی سے روانہ ہوئے اور ۶ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو قاہرہ پہنچ گئے۔ قاہرہ میں حضرت مفتی صاحب کا بہت شاندار استقبال کیا گیا۔ مولانا محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت مفتی صاحب کے استقبال کا جو نظارہ قاہرہ میں دیکھا ہمارے دل مسرت کی وجہ سے اچھل رہے تھے اور ہمارے سر فخر کی وجہ سے بلند ہو رہے تھے۔ اتنا عظیم الشان استقبال دنیا کے کسی نمائندے کا نہیں کیا گیا۔ "مفتی اکبر زندہ باد، ہندی وفد زندہ باد" کے فلک بوس نعرے لگائے جا رہے تھے۔ ایک عظیم الشان جلوس کی صورت میں آپ کو قیام گاہ تک لے جایا گیا۔ ۷ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو شام کے پانچ بجے موتمر شروع ہوئی۔ اتنے بڑے اجلاس میں یہ شرف آپ کے حصے میں آیا کہ صدر کے دائیں جانب جو کرسی تھی، وہ آپ کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔ (تین بڑے مسلمان: ۱۴۳۸)

میں نے اپنے ہاتھ سے پکائی ہے

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور مولانا محمد علی جوہر وغیرہ کی دعوت کی۔ دستر خوان پر چنے کی دال بھی تھی حکیم صاحب نے اس کو بہت پسند کیا اور فرمایا مفتی صاحب یہ دال ضرورت سے زیادہ لذیذ کیوں ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ یہ

میں نے اپنے ہاتھ سے پکائی ہے اور چونکہ خلوص کے ساتھ پکائی ہے اس لئے لذیذ معلوم ہو رہی ہے۔ (مفتی اعظم نمبر ۴۴)

حجاج کی خدمت

حضرت مولانا احمد سعید دہلوی حجاز مقدس کے ایک سفر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے مفتی صاحب قبلہ کو دیکھا کہ لوگوں کے کپڑے دھوپ میں پھیلا رہے ہیں اور جب خشک ہو جاتے ہیں تو ان کپڑوں کو بہت عمدہ طریقے سے طے کر کے کپڑے کے مالک کو پہنچاتے ہیں میں نے عرض کیا آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا یہ سفر حج ہے اس میں لوگوں کی مدد کر رہا ہوں۔ (مفتی اعظم نمبر ۴۵)

تواضع انکساری

سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ کانفرنس ختم ہونے کے بعد ہم لوگ مدینہ منورہ چلے گئے چونکہ یہ سفر اونٹوں پر ہوا تھا اس لئے رات کو جہاں قافلہ ٹھہرتا مفتی صاحب قبلہ تمام انتظامات کرتے پاخانہ، باورچی خانہ درست کرتے اور رفقوں کے لئے پتھر تلاش کرتے پھرتے اور جب ہم سب سو جاتے اس کے بعد مفتی صاحب قبلہ تہجد کی نماز پڑھتے۔ (مفتی اعظم نمبر ۴۶)

نماز تہجد کا انداز

تہجد کی نماز میں آپ کو مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ کا طریقہ پسند تھا یعنی کوئی شخص دیکھے نہیں کسی شغرف کے پیچھے چھپ کر کھڑے ہو جاتے یا کوئی اور آڑ تلاش کر لیتے اور اس کے پیچھے اپنے کو چھپا کر نماز ادا کرتے۔ (مفتی اعظم نمبر ۴۹)

روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب

مولانا احمد سعید فرماتے ہیں سب سے زیادہ رقت انگیز وہ موقع تھا جب روضہ اطہرؐ پر آخری سلام کے لئے حاضر ہوئے میں حضرت مفتی صاحب قبلہ کے پیچھے کھڑا تھا عام عادت یہ

تھی کہ روضہ اطہرؐ پر جب حاضر ہوتے تو اس کے بعد دیر تک کوئی بات نہ کرتے تھے اور تقریباً گھنٹہ بھر تک خاموش رہتے لیکن آخری دن مفتی صاحب تقریباً تین گھنٹے تک خاموش رہے یہاں تک کہ قافلہ روانہ ہوگیا اور مدینہ منورہ سے دور نکل گیا تب بھی سکوت کا عالم طاری رہا۔ (مفتی اعظم نمبر ۴۶)

اہل حرمین پر سخاوت

مفتی صاحب رات کو خاموشی کے ساتھ نکل کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی گلیوں میں روپے تقسیم کیا کرتے تھے۔ حضرت کے خلوص عبادت اور ان کا تقویٰ کا اندازہ حرم سے دیکھا جا سکتا تھا (مفتی اعظم نمبر ۴۶)

فہم قرآن

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی تحریر فرماتے ہیں علاوہ فقیہ ہونے کے فہم قرآن میں بھی آپ کا درجہ بلند تھا جب بھی مشکل مقامات میں نے مفتی صاحب کے سامنے پیش کئے اسے آپ نے فوراً حل فرما دیا۔ ملتان جیل میں آپ نے ترجمہ کی ابتداء کی افسوس کہ یہ بات آگے نہ بڑھ سکی (مفتی اعظم نمبر ۵۱)

ان دونوں مولویوں نے اسلام کی لاج رکھ لی

شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں امریکی مشن کے مشہور مبلغ پادری جوالا پرشادنے رمضان المبارک میں جلسے کا اعلان کیا اور اشتہار میں شائع کیا کہ آریوں اور اہل اسلام کو بھی دفع شبہات کا موقع دیا جائے گا۔ یہ اجلاس مشن سکول کے وسیع ہال میں ہوا۔ حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا عبدالکریم صاحب بھی ظہر کے بعد سے موجود تھے پادری صاحب وقت معینہ سے دو گھنٹے بعد تشریف لائے تقریر شروع کی عشاء کا وقت آ گیا' حضرت مفتی صاحب اور مولانا عبدالکریم صاحب کے ساتھ ہم نے ایک مسجد میں پانی کے ساتھ افطار کر لیا تھا مگر اب بھوک زیادہ تھی ادھر یہ خیال کہ قرآن شریف تراویح میں پڑھنا ہے چلا گیا' مگر یہ دونوں حضرات وہاں شب کے بارہ بجے تک رہے یہ جلسہ کس طرح ختم

ہوا مجھے معلوم نہ ہوا لیکن صبح ہر آدمی کی زبان پر یہ تھا کہ ان دونوں مولویوں نے اسلام کی لاج رکھ لی خدا جانے یہ کہاں سے آ گئے تھے (ان دونوں شاہجہان پور کے عوام عموماً ناواقف تھے) میں بہادر گنج بازار میں پہنچا تو مسلمانوں کی ٹولیاں اسی کا تذکرہ کر رہی تھیں کہ ایک شخص نے کہا اگر ان میں جو ایک (یعنی حضرت مفتی صاحب) دبلا پتلا سوکھا سا آدمی تھا تم نے دیکھا وہ شیر کی طرح غراتا تھا اور اس کی ہر بات پر پادری صاحب کو بھی پسینہ آ جاتا تھا (مفتی اعظم نمبر ۵۳)

اخلاق حمیدہ

امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں نیو سنٹرل جیل ملتان میں کچھ وقت ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا ہے آپ کے اخلاق حمیدہ کا منظر جو جیل میں دیکھا وہ جیل سے باہر دیکھنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ اے کلاس میں تھے اور آپ کی قید با مشقت تھی اے کلاس کا قیدی باہر سے ہر چیز منگوا سکتا تھا حضرت مفتی صاحب کو جو خدام قیدیوں میں سے ملے ہوئے تھے مثلاً حجام، دھوبی، کھانا پکانے والے، بھنگی وغیرہ حضرت مفتی صاحب ہفتہ عشرہ بعد باہر سے اپنی جیب سے تین چار سیر گوشت منگواتے تھے اور گھی وغیرہ ڈال کر بہت اچھی طرح پکواتے تھے اس کے بعد وہ سارا گوشت مذکورۃ الصدر خادموں کو پیالے بھر بھر کر دے دیا کرتے تھے۔ جب خربوزوں کا موسم آتا تو حضرت مفتی صاحب اپنی جیب سے بیس پچیس سیر متعدد مرتبہ خربوزے منگواتے تھے اور تمام احباب کو تحفۃً تقسیم فرما دیا کرتے تھے اس کے علاوہ گرمی کی شدت کے باعث پنکھوں کی ضرورت ہوتی تھی مفتی صاحب اپنی جیب سے پنکھے منگواتے تھے اور احباب کو تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ (مفتی اعظم نمبر ۷۵)

پان کا لنگر

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دہلی سے اعلیٰ درجہ کے پانوں کے ٹوکرے آیا کرتے تھے حضرت مفتی صاحب کی جیل کی کوٹھری ایک لنگر خانہ تھی مسلمان ہندو سکھ عیسائی حتیٰ کہ بھنگی بھی حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں پان کے لئے سائل ہو کر آتے تھے۔ حضرت

مفتی صاحب نہایت خندہ پیشانی سے ہر ایک کو پان دے دیا کرتے تھے۔

(مفتی اعظم نمبر ۷۵)

ایک عجیب کرامت

حضرت مولانا عبدالحق مدنی مدیر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد سفر مصر کے مشاہدات میں تحریر فرماتے ہیں جیسے ہی بحری جہاز پر سوار ہو کر بمبئی سے روانہ ہوئے حضرت مفتی صاحب پر ملیریا کا حملہ ہو گیا اور تیسرے روز ملیریا معیادی بخار میں تبدیل ہو گیا بخار شدید تھا اور ہر وقت غفلت رہتی تھی میں ایک عجیب و غریب تماشہ دیکھ کر حیران تھا کہ بخار کی شدید غفلت میں قلب مبارک یاد خدا سے غافل نہیں تھا چنانچہ جیسے ہی نماز کا وقت آتا خود ہوشیار ہوتے اور تیمم کر کے نماز ادا کرتے اور پھر اسی طرح دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے جب پورٹ سعید کے قریب جہاز پہنچا میں نے اطلاع دی فوراً ہوشیار ہو کر اٹھے بکس میں سے کپڑے اور شیروانی نکلوا کر زیب تن کئے اور تیار ہو کر بیٹھ گئے ایک جماعت استقبال کے لئے آئی تھی آپ نے ہر ایک سے ملاقات اور گفتگو کی اور پھر بلا کسی سہارے کے اپنی چھتری لے کر جہاز سے بندرگاہ پر اتر آئے چند گھنٹے کے لئے ایک ہوٹل میں قیام کا انتظام تھا جیسے ہی آپ قیام گاہ پر پہنچے اسی طرح غفلت طاری ہوئی ڈاکٹر صاحب نے معائنہ کیا ٹائیفائیڈ تجویز کیا شام تک بہت تکلیف بڑھی ۔ پورٹ سعید سے قاہرہ تک ٹرین سے جانا تھا شام کے وقت ٹرین جاتی تھی جب گاڑی کا وقت آیا پھر اسی طرح تیار ہو گئے اس وقت غفلت بھی نہیں رہی اور خود ہی پلیٹ فارم پر چل کر ٹرین میں سوار ہو گئے لیکن ٹرین میں سوار ہونے کے بعد غفلت کی وہی حالت تھی کہ کہیں کی خبر نہیں رہی اسماعیلیہ کا اسٹیشن تھا وہاں انجمن اخوان المسلمین کی جانب سے استقبالیہ کا عظیم الشان انتظام تھا نعروں کی آواز نے حضرت مفتی صاحب کو بیدار کر دیا آپ نے ملاقات کرنے والوں سے اطمینان سے گفتگو کی ہر ایک بات کا صحیح جواب دیا اور جب گاڑی روانہ ہوئی تو غفلت کی پھر وہی حالت تھی قاہرہ کے اسٹیشن پر پہنچ کر ایک ہجوم نے استقبال کیا آپ قیام گاہ تک اچھی حالت میں پہنچے مگر قیام گاہ پر پہنچ کر پھر غفلت ہو گئی پورٹ سعید اور اسماعیلیہ اور قاہرہ کے اسٹیشنوں پر اترنے چڑھنے اور گفتگو کے وقت قطعاً اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ آپ پر غفلت کا اثر

ہے مگر جب واپسی میں میں نے تذکرہ کیا تو حضرت مفتی صاحب کو کوئی چیز یاد نہیں تھی استقبال کرنے والوں سے جو گفتگو ہوئی جن حضرات سے ملاقاتیں فرمائیں میں نے ان کا تذکرہ کیا حضرت مفتی صاحب نے بڑے تعجب سے ان باتوں کو سنا مفتی صاحب کو خود تعجب تھا کہ انہیں کوئی بات یاد نہیں تھی۔ (مفتی اعظم نمبر ۵۹)

تصویر نکالنے سے انکار

مصر کے عام قاعدے کے مطابق ان کی خواہش ہوئی کہ پارٹی کا فوٹو لیا جائے۔ حضرت مفتی صاحب نے منع فرما دیا علماء مصر کا ایک گروہ تصویر کو جائز قرار دیتا ہے ان حضرات نے بحث شروع کر دی بحث مختصر مگر دلچسپ تھی:

علماء مصر: التصویر الممنوع انما هو الذی یکون بصنع الانسان ومعالجة الایدی وهذا کذالك انما هو عکس الصورة۔

ممانعت تو صرف اس تصویر کی ہے جو انسان کے عمل اور ہاتھوں کی کاریگری سے ہو فوٹو میں کچھ نہیں کرنا پڑتا یہ تصویر کا عکس ہے۔

حضرت مفتی صاحب: کیف ینتقل هذا العکس من الزجة الی الورق۔

یہ عکس کیمرے سے کاغذ پر کس طرح منتقل ہوتا ہے۔

علماء مصر: بعد عمل کثیر۔

بہت کچھ کاریگری کے بعد

حضرت مفتی صاحب: ای فرق بین معالجة الایدی وصنع الانسان والعمل الکثیر۔

انسان کے عمل ہاتھوں کی کاریگری اور بہت کچھ کاریگری میں کیا فرق ہے۔

علماء مصر: نعم هو شیٔ واحد

کوئی فرق نہیں صرف الفاظ کا اختلاف ہے

حضرت مفتی صاحب: اذا فکلھما واحد'

لہٰذا حکم بھی اس کا ایک ہے

علماء مصر حضرت مفتی صاحب کی حاضر جوابی اور صحیح جواب سے بے حد متاثر ہوئے اور کچھ ایسے خاموش ہوئے کہ جواب نہ دے سکے۔ (مفتی اعظم نمبر ۹۰)

حسابات کے رجسٹر سامنے رکھے

جناب سید عزیز حسن بقائی مدیر ہفت وار دہلی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز مجھے میرے آفس سے بلایا گیا دیکھتا کیا ہوں کہ مولوی احمد سعید مسٹر بلال احمد زبیری ایڈیٹر انصاری اور مسٹر جعفری ایڈیٹر ملت بھی موجود ہیں اس زمانے میں ایک اخبار میں حضرت کے خلاف مضامین شائع ہوتے رہتے تھے جس میں مدرسہ امینیہ کے حسابات کو مشتبہ بتایا جارہا تھا حضرت نے حسابات کے رجسٹر سامنے رکھے اور خواہش کی کہ حساب سمجھ لو کیونکہ اس سے مدرسہ کی شہرت کو اور میری دیانت کو نقصان پہنچتا ہے میں نے کہا حضرت حسابات تو وہ دیکھے جس کو شبہ ہو کیا آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم میں سے کسی کو آپ کی دیانت پر شبہ ہے۔ نیچی نظر کر کے مسکرائے اور فرمایا تو پھر جو صاحب مخالفانہ مضامین لکھ رہے ہیں ان کو لا کر دکھا دیجئے میں نے عرض کیا میری رائے اگر آپ قبول فرمالیں تو یہ قصہ آگے نہیں بڑھ سکتا میں ایڈیٹر صاحب سے گفتگو کر لوں گا۔ ان میں یہ ہمت نہیں کہ وہ میرے کہنے کو ٹالیں آپ بالکل مطمئن رہیں ہم میں سے کسی کو بھی اس پر لکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی صاف کر دوں گا کہ یا تو لکھنا بند کر دو یا مجھ سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ ان میں یہ دم نہیں کہ مجھ سے لڑسکیں سب نے میری تجویز کو پسند کیا میں نے گھر پر آتے ہی ایڈیٹر صاحب کو بلایا اور ان سے کہا عزیزم حضرت مفتی صاحب کے خلاف لکھنا بند کر دو ورنہ کل سے میں جواب دینا شروع کر دوں گا اگر حضرت کی دیانت پر کچھ شبہ ہے تو میرے ساتھ چلو حساب دیکھ لو یہ ہرگز گوارا نہیں کیا جائے گا کہ حضرت مفتی صاحب اور مدرسہ کے متعلق لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کیا جائے ایڈیٹر صاحب بھونچکا رہ گئے اور انہوں نے ایک لمبی تقریر معذرت کی کر ڈالی اور حقیقت حال بیان کر کے لکھے ہوئے مضمون روک دینے کا وعدہ کیا۔ (مفتی اعظم نمبر ۹۲)

میرے دل میں مفتی صاحب کا تصور

جمیل الدین صاحب دہلوی فرماتے ہیں یہ اس زمانے کی بات ہے جب ہندوستان کا بچہ بچہ آزادی کے لئے چلا رہا تھا مسلم لیگ کی تحریک خوب زور و شور سے چل رہی تھی اور غیر لیگی علماء کو سر بازار گالیاں دی جا رہی تھیں ایک امنگ بیدار ہوئی کہ مفتی صاحب سے ملاقات کی جائے۔ اس وقت نہ تو آپ کے مکان کا علم تھا اور نہ ہی یہ معلوم تھا کہ آپ کا مرتبہ کتنا بلند ہے ہاں صرف اتنا جانتا تھا کہ آپ تعلیم الاسلام کے مصنف ہیں آخر دو سال کے بعد وہ وقت آیا جب کہ میری یہ آرزو پوری ہوئی میں ۱۹۴۸ میں ایک کام کی غرض سے آپ سے ملنے گیا اور آپ کو مکان پر آواز دی اس وقت میرے دل میں اس قسم کے خیالات پیدا ہو رہے تھے کہ نہ معلوم آپ کیسے ہوں گے؟ آپ کے ہاں کی محفل کیسی ہوگی؟ آپ کا رعب و دبدبہ کتنا ہوگا لیکن اس وقت میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی جب آپ باہر تشریف لائے آپ کا لباس نہایت ہی معمولی سفید رنگ کا تھا سر پر ٹوپی اور پاؤں میں غالباً کھڑاویں تھیں اس حلیے میں آپ کو دیکھ کر میں بیوقوف یہ سمجھا کہ آپ مفتی صاحب کے ملازم ہیں ان سے میں نے کہا کہ کیا مفتی صاحب اندر تشریف فرما ہیں آپ نے فرمایا فرمایئے کیا کام کیا؟ تب میں سمجھا کہ آپ ہی مفتی صاحب ہیں میں سوچ رہا تھا کہ اتنی بڑی شخصیت کا آدمی جس کی شہرت کے ڈنکے دنیا میں بج رہے ہوں اور جس کا نام دنیا عزت سے لیتی ہو اتنی سادگی سے زندگی بسر کر سکتا ہے جب کہ انسان ذرا سی قابلیت و لیاقت کی وجہ سے بھی مغرور ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو نہ جانے کتنا بلند سمجھتا ہے اور نہایت ہی رعب اور دبدبہ کے ساتھ زندگی گزارتا ہے اس واقعہ نے میرے دل پر کافی اثر کیا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر واقعی کوئی بزرگی کے لائق اور عزت کے قابل شخص ہے تو وہ آپ ہی ہیں اور آپ مفتی بالکل حق بجانب ہیں۔ (مفتی اعظم نمبر ۱۰۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب

مولوی عبدالحق نے واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ دارالحدیث میں صبح کے وقت ہم لوگ (یعنی درس حدیث کی جماعت) اپنے معمول کے مطابق آکر بیٹھ

گئے ہیں اور انتظار کر رہے ہیں کہ حضرت تشریف لائیں تو سبق شروع ہو اتنے میں دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لا رہے ہیں جو بالکل حضرت مفتی اعظم کے مشابہ ہیں اور حضرت ہی کی طرح ان کی بھی داڑھی سفید ہے دار الحدیث میں تشریف لا کر فرمایا کہ کیا تم لوگ پسند کرو گے کہ آج حدیث کا سبق میں تمہیں پڑھاؤں ہم نے پوچھا حضرت آپ کون ہیں اپنا تعارف فرمایئے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں میرا نام محمد ہے ﷺ ہم سب طلباء نے عرض کیا کہ حضرت اس سے بڑھ کر ہماری خوش نصیبی کیا ہوگی کہ آپ حدیث پڑھائیں آپ ہی کی تو حدیث ہے غرض نبی پاک ﷺ نے مسلم کی ایک حدیث پڑھائی اور تقریر فرمائی مولوی عبد الحق نے کہا کہ آپ کی وہ پوری تقریر مجھے آج تک یاد ہے اس کے بعد آنکھ کھل گئی اور صبح کو میں حسب معمول مدرسہ پہنچا اور دار الحدیث میں دوسرے ساتھیوں کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا اتنے میں حضرت مفتی اعظم صاحب تشریف لائے اور اپنی مسند پر بیٹھ کر کتاب کھولی اور سبق شروع کرنے کا ارادہ فرمایا میں نے عرض کیا کہ حضرت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں فرمایا کہو میں نے رات کو جو خواب دیکھا تھا وہ سنایا خواب سنتے ہی حضرت مفتی صاحب مسند پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا عبد الحق قبلہ رخ کھڑے ہو کر خدا کو گواہ بنا کر کہو کہ واقعی تم نے اس طرح خواب دیکھا ہے۔ میں حکم بجالایا آپ مسند سے ہٹ کر سامنے بیٹھ گئے اور فرمایا عبد الحق تمہارا خواب سچا ہے وہ حضور پاک ﷺ تھے جو دار الحدیث میں جلوہ افروز ہوئے تھے مگر عبد الحق تم اپنے ایمان کی خبر لو تمہارا ایمان کمزور ہے تم نے نبی پاک ﷺ کی داڑھی سفید دیکھی ہے حالانکہ آپ کی داڑھی سیاہ تھی مولوی عبد الحق نے یہ واقعہ طلا واحدی کی موجودگی میں سنایا اور کہا کہ پھر حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ چالیس روز تک مسند پر نہیں بیٹھے بلکہ مسند کے سامنے طلباء کے پاس بیٹھ کر درس دیتے تھے۔ (مفتی اعظم نمبر ۱۱۰)

احتیاط

جمعیت علماء ہند کے اجلاس پشاور ۱۹۲۸ء میں اپنے صاحبزادے مولوی حفیظ الرحمان واصف کو بھی ساتھ لے گئے تھے ان کی عمر اس وقت سولہ سترہ سال کے لگ بھگ تھی ان کا سفر خرچ اور کھانے کا خرچہ باوجود استقبالیہ کے اصرار کے نہیں لیا فرمایا کہ یہ اگرچہ صدر جمعیت علماء

کا بچہ ہے لیکن جمعیت کا رکن تو نہیں ہے۔ (مفتی اعظم نمبر ۱۴۲)

انشاء اللہ ایک ہفتہ میں واپس آ جائے گا

جناب مسعود حسن صدیقی صاحب تحریر فرماتے ہیں دہلی میں ایک معمر دیندار شخص کی بیکری تھی ناشتہ کا سامان میں وہاں سے لایا کرتا تھا ایک دن ان کو پریشان دیکھ کر میں نے وجہ دریافت کی کہنے لگے میرا لڑکا گھر سے ناراض ہو کر چلا گیا سخت پریشانی ہے' مختصر یہ کہ حکیم شریف الدین صاحب بقائی نے جن کا مطب بیکری کے قریب ہی تھا ان کو مشورہ دیا کہ مفتی صاحب سے کہو مفتی صاحب مدرسہ سے واپسی میں اکثر حکیم صاحب کے پاس بیٹھتے تھے بیکری والے صاحب آئے اور تذکرہ کیا حکیم صاحب نے ان کی سفارش کی مفتی صاحب نے چند منٹ خاموش رہ کر فرمایا گھبراؤ مت انشاء اللہ ایک ہفتہ میں واپس آ جائے گا۔ چنانچہ ٹھیک ایک ہفتہ میں واپس آ گیا۔ (مفتی اعظم نمبر ۱۴۳)

سب سے بڑا ولی

مسعود صدیقی صاحب فرماتے ہیں کہ ہمدرد دواخانہ کے قریب محلہ میں ایک بزرگ رہتے تھے حافظ فخر الدین صاحب معمر آدمی تھے لیکن خوش مزاج اور بے تکلف مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے خلیفہ تھے ایک مرتبہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ حافظ صاحب اس وقت دہلی میں سب سے بڑا ولی کون ہے؟ فرمایا مفتی کفایت اللہ صاحب یہ اس زمانے کی بات ہے جب مولانا محمد الیاس صاحب امیر تبلیغی جماعت حیات تھے میں ان دنوں جماعت میں چلا جاتا تھا اور مرکز میں بھی، مولانا الیاس صاحب کا آخری زمانہ تھا صاحب فراش تھے نماز کے وقت ان کا پلنگ اٹھا کر پہلی صف میں دائیں جانب رکھ دیا جایا کرتا تھا مجھے رات کو قیام کے لئے فرماتے مگر میں مکان واپس چلا آتا تھا ایک دن فرمایا آج جمعرات ہے تم رات کو یہیں قیام کرنا والد صاحب مرحوم بھی ساتھ تھے انہوں نے فرمایا مولانا فرما رہے ہیں ٹھہر جاؤ میں ٹھہر گیا رات کو دو بجے کے قریب آنکھ کھلی دیکھا بارش ہو رہی ہے اور بارش تیز چمک ہے لیکن لوگ حوض پر وضو کر رہے ہیں صحن میں چل پھر رہے ہیں (اس زمانہ میں مسجد کے صحن اور حوض کھلے ہوئے تھے) بڑی

حیرت ہوئی کہ ان کو بھیگنے کا خیال نہیں اتنے اطمینان سے وضو کر رہے ہیں تاہم میں اٹھا اور کھلے صحن میں آیا تو پانی کی بارش نہیں تھی رحمت کی بارش تھی اب مفتی صاحب کا درجہ کیا ہو گا اللہ تعالیٰ ہی جانے یا اللہ والے (مفتی اعظم نمبر ۱۴۳)

جہد مسلسل

ابوالنیاث صاحب فرماتے ہیں جنگ آزادی کے پورے دور میں صرف تین آدمی ایسے دیکھے جنہوں نے تحریکات کے سلسلے میں سینکڑوں سفر کئے مگر مصارف سفر ہمیشہ اپنی جیب سے ادا کئے' حکیم اجمل خان' ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ، فرق یہ ہے کہ حکیم صاحب اور ڈاکٹر صاحب دولت مند اور غنی تھے حضرت مفتی اعظم فقیر مستغنی جمعیت علماء ہند سے حضرت نے اپنی صدارت کے پورے دور میں اپنا سفر خرچ کبھی نہیں لیا اگر کبھی ہاتھ تنگ ہوتا تو سفر کو ملتوی فرما دیتے مگر التواء کا سبب کچھ اور ظاہر فرماتے تھے' بس اے مسلمانو! یاد رکھو وہ وقت جب کہ تم جامع مسجد شاہجہانی کے صحن میں کھڑے ہو کر ایسی اولوالعزم ہستیوں پر کانگریس کے تنخواہ دار ہونے کا الزام لگایا کرتے تھے اور اے آدمیو! یاد رہے گا یہ وقت جب کہ تم ان بے لوث مجاہدین کی قربانیوں کو بھول چکے ہو اور ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے ہو جنہوں نے اپنی ضروریات کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا اور آزادی کی جنگ میں ان کا قدم آگے ہی بڑھتا رہا اپنا سر کٹا کر ہمارے سر اونچے کر گئے (رضی اللہ عنہم ورضوعنہ)۔ (مفتی اعظم نمبر ۸۲)

حضرت شاہ ولی اللہ کی معیت

صاحبزادہ مولانا حفیظ الرحمان واصف فرماتے ہیں ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ میں حضرت والا مرحوم کی قبر پر زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں دیکھتا ہوں کہ وہ احاطہ حضرت شاہ ولی اللہ کے اندر واقع ہے' دل میں سوچ رہا ہوں کہ ان کی قبر تو مہرولی میں تھی شاید میں راستہ بھول کر آ گیا ہوں لیکن دل میں یہ یقین بھی ہے کہ یہ قبر انہی کی ہے یکا یک کہ میرے برابر حضرت خود کھڑے ہوئے ہیں اور میں دل میں حیران ہوں کہ کیا یہ خود ہی اپنی قبر کی زیارت

کو تشریف لائے ہیں خواب طویل ہے میں نے مختصر کر دیا میں نے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے تعبیر چاہی ارشاد ہوا کہ یہ خواب مبشرات میں سے ہے حضرت مفتی صاحب اگرچہ مہرولی میں مدفون ہیں مگر ان کی روح مبارک حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی روح انور کے ساتھ ہے (مفتی اعظم نمبر ۱۸۶)

اہم مقصد کے لئے

مولانا حفیظ الرحمان واصف تحریر فرماتے ہیں ابھی اکابر جمعیۃ آریوں کی مدافعت میں مصروف تھے کہ بیچ میں ایک اور مصیبت آ گئی بریلوی حضرات بھی تبلیغ کے میدان میں دوڑنے لگے اور گاؤں میں جا کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ دیکھنا یہ دیوبندی لوگ کافر ہیں بہت کچھ کافر کافر کہتے رہے مگر دیہاتیوں پر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا اور انہوں نے دیوبندیوں کے تبلیغی اجتماعات میں حاضر ہونا بند نہ کیا تو دوسری ترکیب سوجھی یعنی وہابی کہنا شروع کیا کہ یہ حربہ کارگر ثابت ہوا دیہاتیوں نے جہاں یہ لفظ سنا اور بھڑکے غرض علماء کے راستے میں یہ ایک اور پہاڑ حائل ہو گیا ایک موقع پر ایک گاؤں میں تبلیغی جلسہ ہونے والا تھا گاؤں والوں سے کہا گیا یہ لوگ وہابی ہیں ان کی تقریر نہ سنا کرو اور دیکھو اپنے جلسہ میں بھی نہ بلانا ان کے وہابی ہونے کی پہچان یہ ہے کہ یہ لوگ قیام نہیں کرتے سلام نہیں پڑھتے جلسے کے منتظمین متعدل المزاج تھے انہوں نے سب کو دعوت دے دی بریلوی علماء کے ساتھ دیوبندی علماء بھی پہنچے بریلوی علماء نے جلسہ کے شروع میں میلاد شریف شروع کر دی قیام کے وقت مولانا مرتضی حسن چاند پوری اور ان کے رفقاء نے جو دیوبند سے آئے تھے قیام نہیں کیا حضرت مفتی اعظم نے قیام کیا ان کو دیکھ کر مولانا احمد سعید بھی کھڑے ہو گئے مگر دل میں سوچ رہے تھے کہ حضرت نے اپنے مسلک کے خلاف ایسا کیوں کیا جلسے میں بریلوی حضرات نے سارا زور وہابیت کی تردید و تنقیص میں خرچ کر ڈالا دیوبندی حضرات نے اپنی تقریروں میں ان اختلافی مسائل کو ہاتھ بھی نہیں لگایا خالص تبلیغی تقریریں کیں اس جلسے کا عوام پر اچھا اثر ہوا اور دوسرے دن صبح کو ہر جگہ یہ تذکرے ہو رہے تھے کہ یہ جو حنفی (بریلوی) مولوی جو آئے تھے انہوں نے تو اپنی تقریروں میں اسلام کی کوئی بات نہیں کی بس یہی کہتے رہے کہ فلاں کافر ہے فلاں وہابی ہے ایک بولا یہ کالا وہابی کون سی قوم ہے جس کا وہ

نام لے رہے تھے ایک بولا ارے چودھری! دیکھو تقریریں تو دہلی کے مولویوں نے بڑی چوکھی کی تھیں بس اسلام کی باتیں کہیں اور اللہ و رسول کی باتیں سنائیں بھئی ہم تو اب انہی کو بلایا کریں گے یہ شخص (بریلوی) مولوی تو ہم کو لڑواتے رہتے ہیں جلسہ ختم ہونے کے بعد مولانا نے مفتی صاحب سے قیام میں شریک ہونے کی وجہ دریافت کی فرمایا یہ اختلافی مسائل ہیں ان میں شدت اختیار کرنا مناسب نہیں دوسری بات یہ ہے کہ ان نومسلموں کو اپنی طرف مائل کرنا اور محبت کا برتاؤ کرنا اس وقت ہم سب کا فرض ہے اگر علماء کی طرف سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہوگئی تو ان کو خدا کا پیغام پہنچانا مشکل ہو جائے گا اور ایک اہم مقصد فوت ہو جائے گا۔

(مفتی اعظم نمبر ۱۷۷)

فہم و فراست

جامع مسجد دہلی کے سامنے بہت بڑا جلسہ ہو رہا تھا سر محمد شفیع صاحب (پنجاب) اور مولانا محمد علی جوہر صاحب کے درمیان کسی رزولیوشن پر اختلاف ہوا دونوں اصحاب نے رزولوشن کو حضرت مفتی صاحب کے سپرد کر دیا مفتی صاحب نے ایسے الفاظ میں رزولیوشن بنا دیا جس سے ملک کے یہ دونوں مسلم لیڈر مطمئن ہو گئے۔ (مفتی اعظم نمبر ۸۷)

ایمانی غیرت

آپ تقریباً دس برس سے گوشہ نشین ہو گئے تھے جلسوں اور پبلک کاموں میں کوئی حصہ نہ لیتے تھے الہ آباد کے ہندی اخبار امرت پتریکا نے جب رحمۃ للعالمین ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور اس کے خلاف احتجاج کے صور پر ۱۳ اگست ۱۹۵۲ء کو جامع مسجد شاہجہانی کے سامنے جمعیت علماء کے اہتمام سے بہت عظیم الشان جلسہ ہوا اس کی صدارت آپ نے ہی فرمائی یہ دس برس کی گوشہ نشینی کے بعد پہلی بار آخری صدارت تھی اس وقت سے آپ کی صحت گرنے لگی آپ ہر وقت اداس اور طول رہنے لگے ایک روز آبدیدہ ہو کر فرمایا ہم کو بھی اپنی زندگی میں کیا کیا دیکھنا تھا۔

ہو گیا محسوس اس آغاز کا انجام بھی
میں نے غم کھا تو لیا لیکن مجھے غم کھا گیا

کسی کو کیا خبر تھی کہ ملت اسلامیہ کے اس بوڑھے سپہ سالار کے دل پر کیا گزر رہی ہے آدھی صدی دینی وسیاسی جدوجہد میں گزار کر بوڑھا شاہسوار زمانے کی ناسازگاری سے تھک چکا تھا اب اسے ایک نیند کی ضرورت تھی رحمۃ العالمین کے دامن رحمت کا ایک جھونکا آیا اور اس کو نیند آ گئی ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ شب ساڑھے دس بجے ملت اسلامیہ کا بوڑھا جرنیل اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ (مفتی اعظم نمبر ۳۱)

☆☆☆

شیخ الاسلام علامہ

شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ

تحریک پاکستان کے عظیم مجاہد

پاکستان کی پرچم کشائی کرنے والے عظیم انسان

تفسیر عثمانی کے مصنف

دار العلوم دیوبند کے صدر مہتمم

وفات	پیدائش
۱۹۴۹ء	۱۸۸۵ء

جب بھی اہل چمن کو ضرورت پڑی خون ہم نے دیا گردنیں پیش کیں
پھر بھی کہتے ہیں اہل چمن یہ ہمارا چمن ہے تمہارا نہیں

دارالعلوم دیوبند میں آمد

یہ عزت افزائی کا واقعہ ہندوستان کے چیدہ علماء کے سامنے ہوا جس نے علامہ عثمانی کی شہرت اور عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔ اس کے بعد ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ کو ایک اور میٹنگ ہوئی جس میں جمعیۃ الانصار کے تمیں ارکان کے علاوہ حضرت شیخ الہند، مولانا مسعود صاحب گنگوہی، صاحبزادہ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ، مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری وغیرہم شریک ہوئے۔ اس میں بھی علامہ عثمانی شریک تھے۔ یہ سب مجالس اس زمانے میں ہوئیں جبکہ آپ کا تعلق ابھی دہلی سے تھا لیکن اس کے بعد موصوف شوال ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں تشریف لے آئے کیونکہ ان حالات میں کسی نے بھی آپ کا دہلی رہنا پسند نہ فرمایا۔ وجہ یہ تھی کہ ان جیسے اہم کاموں کو انجام دینے کے لئے ایک قادر الکلام مقرر اور انشاء پرداز کی ضرورت تھی اور وہ ان دونوں باتوں میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ (حیات عثمانی: ۱۰۳)

مؤتمر الانصار مرادآباد

مولانا عثمانی دارالعلوم میں فرائض تدریس کے ساتھ ساتھ کہ جس میں آپ کئی کئی گھنٹے مختلف کلاسوں کو پڑھاتے تھے، جمعیۃ الانصار کے کاموں میں بھی سرگرمی سے حصہ لے رہے تھے۔ گویا علمی، مذہبی، قومی وملی اور وطنی تمام ہی خدمات انجام دے رہے تھے۔ جمعیۃ الانصار کے ماتحت ہر سال میں کسی خاص شہر میں جلسوں کا کیا جانا بھی مقاصد میں ہوتا تھا۔ اس لئے شوال ۱۳۲۸ھ میں مرادآباد کے چند ذی وجاہت حضرات کی کمیٹی کی تحریک سے ۱۵، ۱۶، ۱۷ اپریل کی تاریخیں مؤتمر الانصار کے لئے مقرر کی گئیں اور مرادآباد میں ہی پہلا جلسہ ہونا طے پایا۔ اس جلسے میں علامہ عثمانیؒ نے اپنا معرکۃ الآراء مضمون ''اسلام'' کے عنوان سے پڑھا۔ ناظم جمعیۃ الانصار مؤتمر کے رپورٹر روداد میں لکھتے ہیں:

> آٹھ بجے مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی کھڑے ہوئے اور اسلام کے عنوان پر اپنی تقریر شروع کی۔ یہ وہ زبردست تقریر ہے کہ جس کی کوئی بات دلائل عقلیہ

سے خالی نہیں۔ فلسفہ و حکمت اور علم کلام کے ذریعہ سے جو آج کل تعلیم یافتہ گروہ کا تختہ مشق ہیں، ان تمام اعتراضات کو اٹھایا گیا جس کی نسبت مولوی حالی نے عربی تعلیم یافتہ گروہ کو بے کار سمجھ کر اپنے مسدس میں کہا تھا کہ وہ دلائل سے حقیقت اسلام اور ضرورت نبوت و رسالت کو بھی ثابت نہیں کر سکتے اور نہ ان کے پاس اس کا ذخیرہ ہے۔ (رپورٹ ص ۷۳)

علامہ کا یہ مضمون ۱۵ اپریل کے تیسرے اجلاس میں صبح کے وقت آٹھ بجے پڑھا گیا اور دس بجے ختم ہوا۔ اس جلسے میں علیگڑھ، ندوہ، دیوبند کے اکابر اور اعاظم رجال جمع ہوئے تھے۔ علامہ شبلی بھی موجود تھے۔ حضرت عثمانی کے اس مقالے کا سب پر اتنا زبردست اثر ہوا کہ ہندوستان کے عوام اور خواص طبقے میں ان کی عظمت و شہرت نے اس مقالے سے ہی ملک میں شہرت حاصل کی۔ آپ کی تقریر کے اثر کا نقشہ مولانا عبیداللہ صاحب رپورٹ میں اس طرح پیش کرتے ہیں:

اکابر علماء نے اس تقریر کو جس ذوق و شوق سے سنا، اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت مولانا محمد اشرف صاحب نے اپنا وعظ شروع کیا، تمہیداً یہ بات فرمائی کہ جو دلائل عقلیہ وجود صانع حقیقی اور ضرورت نبوت و رسالت پر مولوی شبیر احمد صاحب نے بیان فرمائے ہیں، میں اب ان سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں۔ مولانا اشرف صاحب کا یہ فرمانا اگرچہ انکسار پر مبنی تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ کہ مولوی شبیر احمد صاحب جس خوبی اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ یہ تقریر فرمائی وہ تمام اہل علم حضرات کے دل پر نقش کالحجر ہو گئی ....

دس بجے یہ تقریر ختم ہوئی اور تمام حاضرین جلسہ نے مولوی شبیر احمد صاحب کی درازی عمر کے واسطے دعا کی۔ (ص ۱۱۰)

مؤتمر الانصار کا یہ اجلاس مولانا عثمانی کی زندگی کو چمکانے کا سبب بن گیا۔ ملک کے زبردست اور جید علماء، لیڈر، رؤسا اور عوام سے تعارف کا موقع ملا اور ہندوستان میں شہرت کا ذریعہ بنا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف چوبیس سال تھی۔ چوتھے اجلاس کے بعد عصر کی نماز پڑھ کر ایک خصوصی اجلاس اہل علم کا ہوا جس میں علامہ عثمانی نے تقریر فرمائی، رپورٹر لکھتے ہیں کہ:

بعد نماز عصر مولوی شبیر احمد صاحب کا وعظ وجود واجب الوجود اور بحث خلق افعال وغیرہ سے متعلق بالکل فلسفیانہ رنگ میں ہوا جو مخصوص اہل علم کے لئے تھا اور انہوں نے نہایت دلچسپی کے ساتھ اس کو سنا۔ (رپورٹ ص ۱۳۲)

اس تقریر سے اندازہ لگا یئے کہ اتنے بڑے بڑے علماء میں ایک چوبیس سالہ نوجوان عالم ایک خالص علمی اور فلسفیانہ تقریر کر کے اکابر سے داد لیاقت لے رہا ہے۔ (حیات عثمانی: ۱۰۵)

مؤتمر الانصار میرٹھ

مراد آباد کے جلسے سے ٹھیک ایک سال بعد جمعیۃ الانصار کا ایک جلسہ میرٹھ صدر میں ۱۷، ۱۸، ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ مطابق ۶، ۷، ۸ اپریل ۱۹۱۲ء کو منعقد ہوا۔ اس جلسے کی کارروائی مولانا سراج احمد صاحب نائب ناظم جمعیۃ الانصار و نائب مدیر نے رسالہ القاسم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ میں شائع کی۔ یہ جلسہ تین دن رہا اور کل پانچ نشستوں میں ختم ہوا۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی جلسہ کے صدر تھے لیکن مولانا احمد حسن صاحب کا اس سے پہلے ہی ۱۳۳۰ھ میں انتقال ہو چکا تھا جنہوں نے مراد آباد کے مؤتمر الانصار کی صدارت بھی فرمائی تھی اور تقریر بھی کی تھی۔ آپ کے علاوہ مولانا محمد ابراہیم صاحب دہلوی، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری کی دوسرے اجلاس میں تقریریں ہوئیں۔ ۱۸ ربیع الثانی بروز اتوار تیسرے اجلاس میں مولانا عثمانی کی تقریر ہوئی۔ مولانا سراج احمد صاحب لکھتے ہیں کہ:

مولوی قاری محمد شفیع بڑھانوی کی تلاوت کلام مجید سے آغاز جلسہ ہوا۔ آپ نے قرأت سبعہ میں قرآن شریف، پھر مولوی قاری احمد موسیٰ صاحب امام جامع مسجد کلکتہ نے عربی لہجہ میں اور پھر چند طلبائے دارالعلوم دیوبند نے مختلف قرأتوں میں کلام مجید پڑھا جس سے اہل جلسہ پر ایک خاص اثر اور وارفتگی کا عالم تھا۔ اس کے بعد مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی مدرس دارالعلوم دیوبند نے اپنی وہ تقریر شروع کی جس کا عنوان "الدار الآخرۃ" ہے۔ عنوان بتلا رہا ہے کہ مضمون کے ساتھ کچھ دقیق ہوگا۔ ادھر مولانا کا طرز تقریر و تحریر فلسفیانہ۔ مشکل یہ تھا کہ عوام اس مضمون سے متمتع ہوتے۔ مگر جہاں مولانا کی

تقریر فلسفیانہ ہے وہاں خدا ئے تعالیٰ کے فضل وکرم سے طرز ادا بھی ایسی عام فہم ہے کہ اس کی نظیر دوسری جگہ مشکل سے مل سکتی ہے۔ آپ نے دار آخرت کے ثبوت اور ضرورت پر تسکین بخش بحث فرمائی۔ اور درمیان میں بضرورت اثبات مدعا ابطال تناسخ پر متعدد دلائل قائم کئے۔ آپ کی تقریر سے مؤتمر الانصار اور دار العلوم دیوبند کی ایک خاص شان ہویدا تھی اور سامعین محو حیرت تھے۔ اس کے بعد حضرت طبیب امت مولانا مولوی اشرف علی صاحب مدظلہم العالی کا وعظ شروع ہوا...... وعظ شروع کرنے سے پہلے مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کو اپنے برابر کھڑا کیا اور فرمایا: "میں اپنے چھوٹوں کو بھی بڑا سمجھتا ہوں۔ اگر میرا کوئی معتقد نہ مانے تو وہ جانے، میں تو یہی خیال کرتا ہوں۔ یہ مولوی شبیر احمد صاحب جن کی تقریر آپ نے سنی ہے، میرے چھوٹے ہیں مگر میں ان کو بڑا سمجھتا ہوں۔ ان کی ذات سے ہمیں امید ہے کہ یہ سب کچھ کرلیں گے۔ اب ہم کو موت کا ڈر نہیں رہا ہے کیونکہ ہماری جماعت میں کام کے آدمی پیدا ہوتے جاتے ہیں۔"

بعدہٗ مولانا نے دعا کی۔ بعدہٗ خطبہ ماثورہ پڑھ کر وعظ شروع کیا کہ میرا یہ بیان گویا مولوی شبیر احمد کی تقریر کا تتمہ ہے۔ (القاسم دیوبند جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ ص ۳۸، ۳۹) (حیات عثمانی: ۱۰۸)

مولانا مدنیؒ کی کراچی سے رہائی

خلافت کے زمانے میں غالباً ۱۹۲۱ء میں جب مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دو سال قید فرنگ سے ۱۹۲۳ء کو واپس آئے تو دار العلوم میں آپ کے لئے مولسری کے احاطے میں جلسہ ہوا۔ اسٹیج نودرہ کے برآمدے کے درمیانی دروازے پر بنائی گئی۔ قرآن کریم کی تلاوت کے بعد جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے اپنے نرم لہجے میں مدبرانہ مگر مشفقانہ تقریر فرمائی۔ ان کے بعد مولانا عثمانی مرحوم جو انہی مقاصد کے لئے وکیل کل تھے، تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اس میں شک نہیں کہ آپ کے ایام قید فرنگ میں ہم آپ سے وہ رابطہ قائم نہ رکھ سکے جو تعلقات کی بنا پر ہونا چاہئے تھا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کی یاد سے ایک گونہ ہمارے دل خالی نہیں رہے جس کا ثبوت مختلف مجالس میں آپ کے تذکرے دیں گے۔ جن میں آپ کی یاد رہا کرتی تھی۔ میں نہایت احتیاط سے یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ آپ کے سامنے میں ایسی کوئی بات کہنے کے لئے آمادہ نہیں ہوں کہ جس کا وجود میرے دل میں تو نہ تھا اور شیطانی وسوسے سے دھوکا کھا کر مبالغہ آمیز رنگ میں آپ کی جدائی میں بے قراری اور دل فگاری کے لفظوں سے یاد کروں جو حقیقت کے خلاف ہی نہیں بلکہ دیانت و امانت کے بھی خلاف ہو۔ (شنیدہ راقم الحروف)

اس موقعہ پر علامہ نے نہایت صاف اور حق پژوہ الفاظ میں لیکن دوستانہ روابط کے مناسب الفاظ میں وہ زبردست تقریر کی کہ مجمع پھڑک اٹھا۔ یہ وہ دور تھا کہ دارالعلوم میں مولانا عثمانی کا طوطی بول رہا تھا۔ بعد ازاں مولانا مدنی کے اعزاز میں مہتمم صاحب اور طلبہ نے پارٹیاں دیں۔ خوب یاد ہے کہ ان پارٹیوں میں ہمارے محترم دوست مولانا حامد الانصاری غازی اور مولوی آفاق احمد سیکروی نے مدحیہ قصیدے پڑھے تھے۔ علامہ عثمانی بھی ان پارٹیوں میں خصوصیت سے بلائے جاتے تھے۔ (حیات عثمانی: ۲۳۱)

جمعہ کے بعد مہتمم مولانا حبیب الرحمن کی کوٹھی میں اجتماع اور علامہ عثمانی کی تقریر

جمعہ کی نماز کے بعد اکثر اساتذہ دارالعلوم مولانا حبیب الرحمن صاحب کی کوٹھی پر جو دفتر اہتمام تھی، جمع ہوتے، ان میں مولانا عثمانی ضرور ہوتے۔ علمی مسائل کا چرچا ہوتا۔ آپ اپنا اظہار خیال کرتے اور نہایت دل فریب، دل پذیر اور اثر انگیز کلام کرتے۔ چائے کا دور چلتا اور یہ مجمع عصر تک جاری رہتا۔ ہر جمعہ کو یہی صورت ہوتی تھی۔ (حیات عثمانی: ۲۳۵)

علامہ عثمانیؒ سے ایک ہندو جوگی کا دارالعلوم میں مکالمہ

ایک دفعہ ایک جوگی لٹے بکھرے، ہاتھ میں چمٹا سر برہنہ دارالعلوم میں آیا اور یہاں آ کر علامہ عثمانیؒ سے تبادلہ خیال کیا۔ جوگی تھا ہندو مذہب کا عالم، کتب خانے کے اس بالائی کمرے میں دونوں کی گفتگو ہوئی جو مطبخ کے قریب صحن کی طرف بھی کھلتا تھا۔ علامہ نے جوگی کو خاموش کر دیا۔ (حیات عثمانی: ۲۳۵)

مقام دارالعلوم اور دیگر مدارس عربیہ پر علامہ عثمانی کی تقریر

ذوالقعدہ ۱۳۶۰ھ میں علامہ عبدالسلام صاحب ندوی کی زیر قیادت ایک وفد دارالعلوم دیوبند آیا جس کی آمد کا مقصد وحید صرف یہ تھا کہ ہند کے مختلف اسلامی علوم کے مدارس کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے گا اور ہر مدرسہ سے اس قسم کے خیر سگالی کے وفود آتے جاتے رہیں جس کے ذریعے اتحاد کا رشتہ استوار رہے۔ علامہ عبدالسلام نے بھی تقریر کی۔ اور آخر میں صدر جلسہ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمدؒ نے نہایت مدلل و مفصل تقریر فرمائی جس میں دارالعلوم ندوۃ العلماء، دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس اسلامیہ کا مقابلہ کیا اور بتلایا کہ اسلام کے دور اول سے علماء کا مقصد ہمیشہ ترویج علوم اور اشاعت اسلام رہا لیکن اس زمانہ میں غیر مسلم حکومت اور غیر اسلامی نظام کی بنا پر معاشی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے بعد کچھ افراد تو ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے صرف دنیا ترقی اور دنیاوی اعزاز ہی کو سب کچھ سمجھا، اسلام اور مذہب کو اتنی اہمیت نہ دی۔ اس کے بعد فکر دنیا اور فکر عقبیٰ اور دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کا مقابلہ کیا اور اکبر کے یہ اشعار پڑھے:

ہے دل روشن مثال دیوبند
اور ندوہ ہے زبان ہوشمند

اب علی گڑھ کی بھی اک تشبیہ لو
اک معزز پیٹ تم اس کو کہو

چیست بہ سب سے مقدم اے عزیز
گرچہ فکر عاقبت ہے اصل چیز

(حیات عثمانی: ۳۷۰)

لانگے خان کے باغ عام ملتان شہر میں تقریر

حضرت شیخ الاسلامؒ مدرسہ خیر المدارس ملتان کے اجلاس میں شرکت کیلئے تشریف لائے اور اسی روز آل ورلڈ مسلم ایسوسی ایشن کی ملتان شاخ کا اجلاس تھا۔ مخدوم مرید حسین، علامہ اقبال شیدائی وغیرہ تمام موجود تھے۔ مولانا نے ورلڈ مسلم ایسوسی ایشن کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

پاکستان خدا کا شکر ہے کہ وجود میں آگیا اور اب اس کے استحکام اور شرعی نظام کی ترویج باقی ہے۔ بعض لوگ شرعی حکومت کے نام سے بدکتے اور ڈرتے ہیں کہ کہیں مولوی ہماری کرسیاں اور اعزاز نہ چھین لیں لیکن میں اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ مولوی صاحبان ان کرسیوں کے خواہاں نہیں۔ ہاں ہم آپ کو بھی مولوی بنانا چاہتے ہیں اور آپ کو مولوی بننا پڑے گا۔

(حیات عثمانی: ۳۷۱)

علامہ عثمانی ڈابھیل سے پہلے حیدرآباد دکن میں

ابھی علامہ عثمانی ڈابھیل تشریف نہیں لے گئے تھے کہ شعبان ۱۳۴۵ھ یعنی ۱۹۲۷ء میں پہلی بار حیدرآباد دکن تشریف لے گئے۔ خیال یہ تھا کہ "فتح الملہم شرح مسلم" جو علامہ عرصے سے لکھ رہے تھے اور جس کی دو جلدوں کا مواد تیار بھی تھا، اس کی طباعت کی کوئی صورت نظام دکن کی چشم التفات سے ہو جائے۔ کیونکہ اسلامیان ہند کے لئے اس دور میں نواب عثمان علی خان صاحب والی دکن جیسا علماء وفضلاء اور اہل فن کا کوئی قدردان نہ تھا۔

حیدرآباد میں مولانا کے شاگردوں اور متعارفین کی کوئی کمی نہ تھی۔ ان میں سے حکیم [illegible] صاحب ... دیوبند کے رکن مجلس منتظمہ تھے وہیں موجود تھے۔ ان کے

علاوہ آپ کے شاگردوں میں مولانا مناظر احسن گیلانی اور مولانا محمد علی حیدرآبادی ذی اثر صاحبان تھے۔ اور خود علامہ کی شخصیت معمولی شخصیت نہ تھی۔ وہ تو ایسی شمع تھے جس کے روشن ہونے پر ہر طرف سے پروانے نثار ہونے کو دوڑتے تھے۔

حیدرآباد میں آپ کی تقریروں کا آغاز ہونا تھا کہ تمام شہر میں دھوم مچ گئی۔ نواب صاحب کے کانوں میں بھی غلغلہ پڑا۔ انہوں نے کنگ مسجد میں جس میں نظام صاحب جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے تقریر کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ حضرت عثمانی نے اس روز جمعہ کنگ مسجد میں پڑھا۔ اتفاق سے ان دنوں مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم بھی حیدرآباد میں تھے۔ ان کی بھی کنگ مسجد میں تقریر ہوئی تھی، بلکہ ہو رہی تھی کہ نظام صاحب پہنچ گئے۔ کچھ دیر ان کی تقریر سن کر فرمایا کہ یہی ہیں وہ دیوبندی صاحب جن کی تقریر کی دھوم تھی۔ مصاحبین نے کہا، نہیں حضور! وہ دوسرے صاحب ہیں جو تشریف رکھتے ہیں۔

مولانا عثمانی کا یہ خود بیان ہے جو میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ نظام صاحب نے انہیں بیٹھ جانے اور علامہ کو تقریر کرنے کی خواہش کی۔ چنانچہ موصوف نے اپنی سحر البیانی سے نہ صرف تمام عمائدین حکومت بلکہ نظام صاحب کو گرویدہ بنا لیا۔ اثنائے تقریر میں حضرت عثمانی نے صحابہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

> اگر نواب عثمان علی خان صاحب کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پیرہن کا ٹکڑا بھی مل جائے تو اس کو اپنے تاج میں ٹانکنا باعث فخر تصور فرمائیں گے۔

اس جملے پر نواب صاحب جو سامنے بیٹھے تھے، اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور فرمانے لگے۔ "بے شک مولانا۔"

مولانا عثمانی نے یہ جملہ اس لئے فرمایا کہ نظام پر تفضیلیت کا رنگ آتا جا رہا تھا۔ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تمام صحابہؓ پر فضیلت کے قائل تھے لیکن دوسرے صحابہؓ کا ادب ملحوظ رکھتے تھے۔

الغرض نظام صاحب پر آپ کی تقریر کا بہت اثر ہوا۔ مولانا عثمانی نے ایک مجلس میں اپنی نشستگاہ پر فرمایا، جس میں یہ راقم الحروف بھی موجود تھا کہ مجھ سے نظام صاحب کے مصاحبین

نے فرمایا کہ آپ اس طرح تقریر فرمائیں اور اس طرح اور اس بات کا خیال رکھیں اور اس بات کا۔ میری تقریر ہو رہی تھی اور نظام صاحب جھوم رہے تھے۔ نظام صاحب کی خوشی کا یہ ایک واضح ثبوت تھا کہ اگر وہ اپنے خاصہ میں سے کسی کو دعوت کے طور پر کچھ بھیجتے تو گویا اس سے بہت زیادہ مسرور ہونے کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ علامہ کو نظام صاحب نے کئی رقعہ کھانا یعنی خاصہ بھیجا۔

الغرض شہر میں آپ کی متعدد تقریریں ہوئیں اور تمام حیدرآباد میں آپ کا لوہا مانا گیا۔ نظام صاحب نے علامہ کو محکمہ فتویٰ کے لئے کوتوال شہر کے ذریعے ایک ہزار روپیہ ماہوار پر اپنی خدمات سپرد کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی لیکن آپ نے ملازمت سے انکار فرما دیا۔ تاہم نظام صاحب نے تاحیات پچیس روپیہ ماہوار کا وظیفہ مقرر فرما دیا۔ (حیاۃ عثمانی ص ۳۹۵)

دینی حمیت

یونینسٹ پارٹی سابق صوبہ پنجاب میں برسر اقتدار تھی۔ یہ ہندو مسلمان اور سکھوں کی متحدہ پارٹی تھی جو حکومت کے بہی خواہوں کی جماعت تھی۔ اس زمانے میں فرنگی حکومت برطانیہ کی طرف سے پنجاب کا گورنر تھا اور خضر حیات وزیر اعظم۔ حضرت حیات نے قائد اعظم اور مسلم لیگ سے بے وفائی اور غداری کی، یہاں تک کہ خضر حیات نے ایک حکم جاری کیا کہ مذہب اور خدا کا نام لے کر کوئی شخص الیکشن کے میدان میں نہ آئے۔ قانونی طور پر یہ مقصد تھا کہ مسلم لیگ کے علماء اور لیڈر جو مذہب کے نام پر پاکستان کا نعرہ بلند کر رہے ہیں، ان کو ایسا کرنے سے روک دیا جائے۔ علامہ شبیر احمد رحمۃ اللہ علیہ مسلمان یونینسٹوں کو مخاطب کر کے فہمائش کرتے ہیں اور اللہ اور دین اسلام کے نام پر ہی ان کو للکار کر ان کے قانون کی دھجیاں اڑاتے ہوئے خطبے میں فرماتے ہیں:

> اب رخصت ہونے سے پہلے مجھے دو لفظ اور کہنے دیجئے جو یہاں کی برسر حکومت پارٹی سے متعلق ہیں۔ میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یونینسٹ پارٹی کے مسلم ارکان باوجود پاکستان کے حامی ہونے کے کس نوعیت کا اختلاف مسلم لیگ سے رکھتے ہیں۔ میں ایک غیر سیاسی آدمی ہوں۔ سکی

دقیق سیاسی اختلافات کا سمجھنا شاید میری دسترس سے باہر ہے۔ اخبارات و جرائد سے جو کچھ مجھے اندازہ ہوا وہ یہ ہے کہ اصولی اختلاف زیادہ شدید قسم کا معلوم نہیں ہوتا۔ مگر اس نے عملاً ایک سخت نوعیت اختیار کر لی ہے۔ کیا پنجاب میں کوئی سمجھدار اور با اثر ایسا نہیں جو اختلاف کی اس گتھی کو سلجھا سکے۔ اوس و خزرج کی ایک سو بیس سالہ جنگ کے اثرات کو اسلام کی روحانی تاثیر نے ایک آن میں ختم کر دیا تھا۔ کیا آج ہمارا مشترکہ جذبہ اسلامیت اور علی قومی مفاد کا تصور ایسے حقیر نزاعات کو ایسے نازک موقع پر ختم نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے مگر وہ ختم کرنا اسی خداوند قدوس کے نام پر ہوگا جس کا واسطہ دینا الیکشن کے زمانے میں جرم قرار دے دیا گیا۔ اکبر مرحوم نے شاید اسی دن کے لئے کہا تھا:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اب فرمایئے! کہ اگر لیگ ہی ہمارا خضر بن جائے اور خضر راہ ہی راستے سے ہٹانے لگے تو صحیح رہنمائی کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے۔ (خطبہ لاہور ص ۷۶،۷۷) (حیات عثمانی: ۴۹۳)

ضلع اعظم گڑھ میں علامہ کی غلغلہ انگیز تقریر اور پیشگوئی

۱۸ مئی ۱۹۴۶ء کو ضلع اعظم گڑھ میں جمعیۃ العلماء اسلام کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ آپ نے اس میں ایک زبردست غلغلہ انداز تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

پاکستان مسلمانوں کا پیدائشی حق ہے کہ اس وقت انگریز اور ہندو دونوں پاکستان کو نہیں مانتے۔ لیکن ایسا وقت آئے گا جب یہ دونوں قومیں از خود پاکستان دے دیں گی۔ لیکن اس کے لئے ہم کو اپنے بھولے ہوئے فریضے اسلامی جہاد کو پھر سے یاد کر کے عمل کرنا ہوگا۔

(عصر جدید کلکتہ یکم جون ۱۹۴۶ء)

حضرت علامہ عثمانی کی تقریر کو بغور ملاحظہ فرمایئے۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ پاکستان کی

پیشگوئی فرما رہے ہیں جو پوری ہو کر رہی اور انگریز اور ہندوؤں نے پاکستان کو تسلیم کر لیا۔
(حیات عثمانی ۵۲۲)

علامہ کی صدارتی تقریر بمبئی میں

عصر جدید کلکتہ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں علامہ کی بمبئی جمعیۃ العلماء اسلام کی پہلی کانفرنس کی تقریر کے ایک جز کو حوالہ ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ علامہ نے بمبئی کانفرنس کی صدارت فرمائی اور چندریگر صاحب، مسٹر عبدالقادر اور مسٹر عبدالعزیز صاحب ایڈووکیٹ نے اس کانفرنس کا انتظام کیا۔ علامہ نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا

پاکستان جو کوئی نعرہ ہے نہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفی قدم۔ یہ نفرت کی پیداوار نہیں جیسا کہ کہا جا رہا ہے۔ یہ نظریہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ مختلف صوبوں میں کانگریسی وزارت کے قیام کے بعد لاہور میں قرارداد منظور کی گئی۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ قرارداد لاہور کا مطالعہ کریں۔ آپ پر حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ ہندوستان ہم لوگوں کا ہے۔ برطانوی حکمرانوں کو چاہئے کہ وہ اسے مسلمانوں کے حوالے کر دے۔ کوئی الحال ہم صرف ایک تہائی حصے کے خواستگار ہیں۔ (عصر جدید ۱۲ مارچ ۱۹۴۶ء؛ حیات عثمانی ۵۲۳)

پاکستان کی پرچم کشائی علامہ شبیر احمد عثمانی کے دست مبارک سے

پاکستان کی پرچم کشائی ایک نہایت مقدس تقریب تھی، اس لئے اس کا افتتاح کسی مقدس ہاتھ سے ہونا چاہئے تھا۔ چنانچہ قائداعظم نے یہ سعادت شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے سپرد کی۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی انوار النظر میں لکھتے ہیں:

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کو پاکستان منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہوا تو قائداعظم نے کراچی میں اس نئی مملکت اسلامیہ کی پرچم کشائی کے لئے مولانا شبیر احمد عثمانی کو منتخب فرمایا اور ڈھاکے میں وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان خواجہ ناظم الدین مرحوم نے اس احقر (مولانا ظفر احمد عثمانی) کے ہاتھوں پرچم کشائی کرائی۔ میں نے موقع کے مناسب انا فتحنا لک فتحا

مبینا لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر و یتم نعمتہ علیک و یھدیک صراطاً مستقیماً اور چند آیات اور تلاوت کیں۔ تمام وزراء اور عمائدین مسلم لیگ اور عمائد شہر خاموش باادب سنتے رہے۔ پھر بسم اللہ کر کے میں نے پرچم پاکستان لہرایا۔ توپ خانے سے سلامی کی توپیں چلیں۔ پھر وزراء نے اسمبلی ہال میں حلف اٹھایا۔ (ص ۷۰)

یہ تو مولانا ظفر احمد عثمانی نے ڈھاکہ کی پرچم کشائی کا منظر لکھا ہے۔ ادھر کراچی میں علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے پرچم کشائی سے پہلے حسب ذیل آیات پڑھیں اور بسم اللہ کر کے پرچم لہرا دیا۔

قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشآء و تنزع الملک ممن تشآء و تعز من تشآء و تذل من تشآء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر۔ الخ

''کہہ دیجئے اے اللہ، ملک کے مالک، تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے، تیرے ہی ہاتھ میں خیر ہے، تو ہر چیز پر قادر ہے۔ آخر تک۔

کراچی میں پرچم کشائی کے وقت قائد اعظم محمد علی جناح، وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی، مرکزی کابینہ کے وزراء، سردار عبدالرب نشتر اور دیگر عمائدین موجود تھے۔ وہاں بھی توپوں کی سلامی پیش کی گئی۔ (حیات عثمانی:۵۹۱)

فکر آخرت

آپ نے اٹھارہ سال تک دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث کی بے لوث خدمت سرانجام دی چونکہ آپ نے اس درسگاہ سے فیض حاصل کیا تھا اس لئے آپ اس کو احسان عظیم تصور کر کے یہاں بے لوث تدریسی خدمات انجام دیتے تھے بعد میں اکابر کے حکم پر برائے نام

تنخواہ شروع کی تھی جس کے بارہ میں فرماتے تھے میں اللہ سے ڈرتا ہوں اگر میں ان دنوں کی تنخواہ لے لوں جن دنوں دارالعلوم سے غیر حاضر رہتا ہوں پوری توجہ و انہماک سے ایک یا زیادہ دفعہ اپنے فرائض مکمل طور پر ادا نہ کر سکوں تو کہیں قیامت کو مجھ سے مواخذہ نہ ہو جائے۔
(حیات شیخ الاسلام ۲۲۴)

جمعیت علماء ہند کی نمائندگی

موتمر مکہ میں جمعیت علماء ہند کی طرف سے نمائندہ بن کر تشریف لے گئے اور عربی زبان میں زبردست تقریریں کیں اور شاہ سعود اور دوسرے ممالک کے علماء سے علمی فقہی مکالمے و مباحثے کیے علمی و تبلیغی جلسوں اور مجلسوں میں اسلام کی حقانیت کو واضح کیا اور لاکھوں انسانوں کو صحیح معنوں میں انسان اور مسلمان بنایا۔ تحریری میدان میں علم الکلام العقل و النقل، اعجاز القرآن، حجاب شرعی، الشہاب وغیرہ ان کی معرکۃ الآرا تصانیف ہیں۔
(چالیس بڑے مسلمان ۱/۳۳۴)

بے مثال مضمون

علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں جمعیت الانصار کا (پہلا) بہت بڑا جلسہ مراد آباد میں ہوا جس میں علی گڑھ اور ندوہ اور دیوبند کے اکثر رجال علم و عمل جمع ہوئے اور تمام ہندوستان سے مسلمانوں کا بڑا مجمع اس میں شریک تھا۔ ندوہ سے حضرت الاستاذ مولانا شبلی مرحوم شریک ہوئے تھے اس جلسے میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے اسلام کے نام سے اپنا ایک کلامی مضمون پڑھ کر سنایا حاضرین نے بہت داد دی۔ (چالیس بڑے مسلمان ۱/۳۳۶)

زبردست تقریر

جمعیت الانصار کا دوسرا اجلاس ۶ تا ۷ اپریل ۱۹۱۲ء کو میرٹھ میں ہوا شیخ الہند سرپرستی فرما رہے تھے اور مولانا عبید اللہ سندھی کنوینر تھے۔ علامہ عثمانی نے اس اجلاس میں الدار الآخرۃ کے عنوان پر علماء کے بھرے جلسے میں جس میں پبلک کا بہت بڑا ہجوم تھا زبردست تقریر فرمائی میرٹھ کے بعد جمعیت کا جلسہ شملے میں دوبارہ ہوا اور اس میں بھی حضرت عثمانی نے تقریر فرمائی جس

سے لوگ بہت متاثر ہوئے اور دوبارہ تقریر کی فرمائش کی۔ (چالیس بڑے مسلمان ۱/ ۳۴۷)

تحریک خلافت

علامہ عثمانی نے تحریک خلافت میں بھی بڑا کام کیا اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں آپ کی زبردست تقریریں ہوئیں تحریک خلافت میں حصہ لینے اور جلسوں میں تقریریں کرنے سے علامہ مرحوم کی ملک میں دھوم مچ گئی اور جب تحریک خلافت شباب پر آئی تو جمعیت علماء ہند کی بنیاد ۱۹۱۹ء میں ڈالی گئی اس میں ہندوستان کے ہر فرقے اور طبقے کے علماء شامل ہوئے علامہ عثمانی کی شخصیت کے پیش نظر ان کو جمعیت علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی اور مجلس منتظمہ کے لئے منتخب کیا گیا آپ جمعیت علماء کے جلسوں میں شرکت فرماتے اور تقریریں کرتے۔ (چالیس بڑے مسلمان ۱/ ۳۴۷)

تحریک ترک موالات

۱۹۲۰ء کے دہلی کے سالانہ جلسے میں علامہ عثمانی نے ترک موالات پر اپنا زبردست خطبہ دیا جو اس وقت خطبات عثمانی میں چھپ چکا ہے۔ یہ جلسہ حضرت شیخ الہند کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا جو ابھی ابھی مالٹا کی اسارت سے آزاد ہو کر ہندوستان واپس ہوئے تھے۔ ملک میں تحریک خلافت اس وقت زوروں پر تھی۔ (چالیس بڑے مسلمان ۱/ ۳۴۷)

شیخ الہند کی ہمراہی

جامعہ ملیہ کے افتتاح کے موقع پر حضرت شیخ الہند سخت علیل تھے اسی عالم میں علی گڑھ پہنچے علامہ عثمانی مرحوم نے ہی خطبہ لکھا اور حضرت علامہ ہی نے شیخ الہند کی طرف سے پڑھا۔
(چالیس بڑے مسلمان ۱/ ۳۴۷)

جمعیت علماء اسلام کا قیام

۱۹۴۵ء میں جمعیت علماء ہند کے مقابلہ میں تحریک پاکستان کے حامی علماء نے کل ہند جمعیت علماء اسلام کی بنیاد ڈالی اور اس کا شاندار اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا یہ اجلاس اپنی نوعیت کا نہایت ہی عظیم الشان اور تاریخی اجلاس تھا بے شمار عوام و خواص اس میں شامل تھے۔ علامہ عثمانی

علالت کی وجہ سے خود تشریف نہ لے جا سکے البتہ آپ نے اپنا ایک تحریری پیغام بھیجا جو جلسہ میں پڑھا گیا۔ (چالیس بڑے مسلمان ۱/۳۴۹)

مسلم لیگ کی کامیابی

میرٹھ میں لیگ کانفرنس منعقد ہوئی اس کی صدارت علامہ شبیر احمد عثمانی نے کی آپ نے اس میں ایک زبردست خطبہ صدارت پڑھا جس نے ملک کی سیاسی کایا پلٹ کر رکھ دی اور آپ نے مسلم لیگ کو ووٹ دے کر کامیاب بنانے کا فتویٰ دیا جس کے نتیجہ میں لیگ کو زبردست کامیابی ملی اور لیاقت علی خان مرحوم بھی آپ کی کوششوں کے نتیجے میں الیکشن میں کامیاب ہوئے۔ (چالیس بڑے مسلمان ۱/۳۴۹)

ہمارا پاکستان

۱۹۴۶ء میں علامہ عثمانی کی صدارت میں جمعیت علماء اسلام کا اجلاس اسلامیہ کالج لاہور کے گراؤنڈ میں ہوا یہ اجلاس اس لئے زبردست اہمیت کا حامل تھا کہ پنجاب میں یونی نسٹوں کی وزارت تھی اور وزیر اعظم خضر حیات تھے علامہ عثمانی نے اس اجلاس میں ہمارا پاکستان کے نام سے ایک بسیط و طویل خطبہ صدارت پڑھا جس سے مسلمانان پنجاب کو صحیح راہ نظر آئی اور ان کا جوش مسلم لیگ کے حق میں ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

(چالیس بڑے مسلمان ۱/۳۴۹)

سرحد کا ریفرنڈم اور علامہ عثمانی

سوال یہ تھا کہ جس جگہ خان برادران یعنی عبدالغفار خان کا اثر ہو اور ان کے بھائی ڈاکٹر خان کی وزارت ہو وہاں مسلم لیگ کی کامیابی کی کیا شکل ہے۔ موقع کی نزاکت نہایت ہی مقابلہ چاہتی تھی پیر مانکی شریف نے قائد اعظم کو لکھا کہ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں رائے عامہ کے حصول کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی کا دورا کرنا نہایت ہی ضروری ہے کیونکہ ملک میں ان کا مذہبی حیثیت سے بہت کچھ اثر قائم ہو چکا ہے چنانچہ ان حالات کے پیش نظر قائد اعظم نے حضرت علامہ عثمانی سے اس مہم کو سر کرنے کی درخواست کی اور علامہ عثمانی اس بڑھاپے اور

کمزوری نیز دائم المرضی میں صوبہ سرحد کے دورے کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ علامہ عثمانی نے اس موقع پر قائد اعظم کو یاد دلایا کہ ہم لوگوں کی تمام جدوجہد صرف اس لئے ہے کہ آپ کے وعدے کے مطابق پاکستان کا نظام و قانون اسلامی ہوگا اس وعدے کی میں پھر تجدید چاہتا ہوں اس پر قائد اعظم نے نہایت واضح الفاظ میں جواب دیا کہ مولانا! یقیناً پاکستان میں اسلامی قانون رائج ہوگا اور آپ صاحبان ہی اس مسئلے کو طے کریں گے اس تجدید وعدہ کے بعد علامہ عثمانی سرحد کے دورے پر سخت گرمی کے زمانہ میں روانہ ہوئے اور آپ نے علالت و کمزوری کے باوجود نہایت جفاکشی محنت اور مشقت و صعوبت کو برداشت کر کے پوری جانفشانی کا ثبوت دیا۔ علامہ عثمانی نے پشاور، ایبٹ آباد، کوہاٹ، بنوں، مردان، مانسہرہ میں بھی اپنی جوشیلی تقریر سے مسلمانوں کو گرمایا اور پاکستان کے ساتھ الحاق کی تلقین کی جس کا بہت اچھا اور نمایاں اثر مسلمانوں پر پڑا۔ ۸ جولائی ۱۹۴۷ء کو صوبہ سرحد میں ریفرنڈم شروع ہوا اور ۱۸ جولائی کو ختم ہوا آخر کار اللہ تعالیٰ نے نہایت نازک مرحلے پر پاکستان کو کامیابی بخشی اور کانگریس اور سرخ پوش لیڈر منہ تکتے رہ گئے۔ (چالیس بڑے مسلمان ۱/۳۵۳)

قائد اعظم کی طرف سے مبارکباد

صوبہ سرحد کا ریفرنڈم پاکستان کے حق میں نتیجہ خیز ہو چکنے کے بعد علامہ عثمانی قائد اعظم سے دہلی میں ملے اور انہیں اس کامیابی پر مبارکباد دی تو قائد اعظم نے جواب میں فرمایا اس مبارک کے مستحق آپ ہیں خواہ میں سیاست دان سہی لیکن آپ نے بروقت مدد کر کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی۔ (چالیس بڑے مسلمان ۱/۳۵۳)

خوف و گریہ

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں جدہ سے مکہ معظمہ تک ہم سب ایک لاری میں آئے جب مکہ معظمہ قریب آیا تو علامہ مرحوم پر عجیب کیفیت تھی انہوں نے قران کا احرام باندھا تھا اور ہم سب تمتع کے احرام میں تھے جیسے جیسے مکہ معظمہ قریب آتا جاتا تھا ان پر گریہ کا غلبہ ہوتا جاتا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ (چالیس بڑے مسلمان ۱/۳۵۷)

تقویٰ

علامہ ندوی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ۱۹۱۶ء-۱۹۱۷ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی اعظم گڑھ آئے ٹھہرے کہیں اور جگہ تھے مجھ سے ملنے آئے میں نے چائے پیش کی تو پینے سے انکار کیا انکار کی وجہ معلوم نہ ہوئی مگر بعد میں خیال آیا تو قیاس ہوا کہ چائے کی پالیاں جو جاپانی تھیں ان پر جانوروں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اس لئے ان میں پینے سے انکار کیا اس سے ان کی تقویٰ و طہارت اور بزرگوں کی صحبت کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ (معارف اپریل ۱۹۵۰ء)

حق گوئی و بیباکی

۱۹۳۸ء میں حافظ محمد ابراہیم نگینوی وزیر حکومت متحدہ آگرہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے دارالعلوم کی طرف سے شایان شان استقبال کیا گیا۔ مفتی کفایت اللہ کی زیر صدارت جلسہ ہوا جس میں حافظ صاحب کی شان میں تقاریر کے علاوہ مدحیہ قصیدے بھی پڑھے گئے غالباً کسی طالب علم نے اپنے قصیدے میں وزیر صاحب کو ابراہیم ثانی تک کہہ دیا کو صدر مہتمم کی حیثیت سے علامہ عثمانی کی ذمہ داریاں اہم تھیں لیکن جب آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو ابراہیم ثانی کے لفظ پر علامہ کے جذبہ ایمانی و حق گوئی میں ہیجان پیدا ہوگیا اور قصیدہ گو کو مخاطب کر کے فرمایا مولوی صاحب! ایک حافظ ابراہیم نہیں ان جیسے ہزاروں ابراہیم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہو سکتے تجدید ایمان کرنا چاہیے اور توبہ کرنی چاہیے۔ (چالیس بڑے مسلمان ۱/۳۶۱)

مولانا ہماری کرسی نہیں چھیننا چاہتے

ایک مرتبہ کراچی میں علامہ عثمانی کے قیام کے لئے ایک بنگلہ الاٹ ہوا اس لئے کہ شہید ملت لیاقت علی خان کی یہ خواہش تھی کہ مولانا کسی کے پاس قیام نہ کریں بلکہ الگ اپنے مکان میں رہیں۔ ایک مکان الاٹ ہوگیا اتفاقاً اس مکان کے الاٹمنٹ میں کوئی قانونی دشواری تھی اس لئے وہ الاٹمنٹ کینسل ہوگئی مولانا عثمانی کو کسی نے اطلاع دی کہ آپ کے بنگلے کی الاٹمنٹ منسوخ ہوگئی ہے جہاں نیو ٹاؤن کی مسجد بنی ہوئی ہے یہ میدان تھا وہاں ایک جلسہ ہوا اور مولانا

عثمانی صاحب ماشاء اللہ جب بولنے پر آتے تو خوب بولتے تھے مولانا نے فرمایا جب جنگوں کی الاٹمنٹ منسوخ ہو سکتی ہے تو وزارتوں کی الاٹمنٹ بھی منسوخ ہو سکتی ہے اگلے روز اخبارات میں پہلے صفحہ پر موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ یہ بات شائع ہوئی صبح کو میں (مولانا احتشام الحق تھانوی) کسی کام سے لیاقت علی خان کے پاس گیا اخبارات سامنے میز پر پڑے تھے کہنے لگے آپ نے یہ خبر دیکھی ہوگی کہا دیکھی کیا میں تو خود جلسہ میں موجود تھا اس پر لیاقت علی خان کہنے لگے اگر مولانا ہمیں اس سے بھی زیادہ سخت باتیں کہیں تو ہم برا ماننے والے نہیں اس کی وجہ بھی انہوں نے بتائی کہنے لگے کہ ہمیں یقین ہے کہ اگر کہیں کل پبلک ہمیں جوتے مارنے لگے تو پھر بچانے والے بھی مولانا ہی ہوں گے آپ نے کیا سمجھا؟ پھر انہوں نے کہا مولانا اصل میں یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا دین قائم ہو جائے مولانا ہماری کرسی نہیں چھیننا چاہتے مولانا اصول چاہتے ہیں۔ (چالیس بڑے مسلمان ۳۳۱)

ترک موالات کا فتویٰ

مالٹا سے واپسی پر جب ترک موالات کا استفتاء حضرت شیخ الہند کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اپنے تین شاگردوں مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کو جمع کر کے فرمایا یہ فتویٰ آپ لوگ لکھیں ان حضرات نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کی موجودگی میں ہم کیا لکھیں گے' فرمایا کہ مجھ میں انگریزوں سے نفرت کا جذبہ شدت لئے ہوئے ہے مجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں کہ حدود کی رعایت ہو سکے گی؟ اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا کسی قوم کی عداوت تمہیں عدل سے نہ ہٹادے۔ (سوانح قاسمی چالیس بڑے مسلمان ۱/۲۶۹)

☆☆☆

شیخ التفسیر

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

ولی کامل

تحریک ریشمی رومال اور تحریک آزادی ہند کے عظیم مجاہد

جمعیت علماء اسلام کے امیر اول

مفسر قرآن

وفات	پیدائش
۱۹۶۲ء	۱۸۸۷ء

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

ایبٹ آباد کے ایک ولی اللہ

سید امین علی گیلانی لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت شیخ نے جمعہ کے روز مجمع میں ذکر فرمایا تھا۔ فرمایا، لاہور والو! تم بد قسمت ہو، اللہ والے تم سے ملنا نہیں چاہتے۔ وہ بزرگ چند دن ہوئے وفات پا گئے اس لئے تمہیں اب بتاتا ہوں، میرا ان سے وعدہ تھا کہ ان کی زندگی تک یہ راز مخفی رکھوں گا۔

پھر فرمایا کہ ایک روز میں بازار جا رہا تھا کہ اچانک ایک بزرگ بڑھ کر ملے اور مصافحہ کیا اور کہا، مجھے تین روز ہو گئے تمہارے شہر میں آیا ہوں مگر عجیب حال ہے، دکانوں پر سور بیٹھے نظر آتے ہیں، کچھ کھانے پینے کو جی نہیں چاہتا، آج تم نظر آئے ہو، شکر ہے کوئی انسان تو ملا۔

حضرت نے کہا، میں نے انہیں مہمانی کے لئے کہا تو وہ کہنے لگے، ایک شرط پر کہ کسی کو بھی میری اطلاع نہ دو تو چلنے کو تیار ہوں کیونکہ لوگ دنیا کے طالب ہیں، آ کر تنگ کرتے ہیں، اللہ کا نام کوئی نہیں پوچھتا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے ان کی شرط منظور کر لی اور ساتھ لے آیا۔ میرے ہاں تین دن قیام رہا، پھر رخصتی چاہی۔ میں نے اتا پتا چاہا تو ایبٹ آباد پہاڑی کے دامن میں بتایا۔ حضرت کہنے لگے، میں بھی کبھی جا کر مل آتا تھا۔ اب چند روز ہوئے وہ وفات پا گئے ہیں۔ لاہور والو! افسوس ہے، اللہ والے تم سے خوش نہیں۔

(ماخوذ دو بزرگ ص ۲۹)

اس سلسلہ میں قاضی مظہر حسین صاحب نے مزید بتایا کہ حضرت نے فرمایا، ایک دفعہ میں ان کو ملنے کے لئے ایبٹ آباد گیا تو وہ اپنی جھونپڑی میں بیٹھے تھے۔ مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا تو مجھ سے فرمایا، تم نماز پڑھاؤ۔ میں نے اس خیال سے نماز پڑھا دی کہ الحمد للہ ان کی نظر میں مسلمان تو ہوں۔ (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۲۹)

حق پر کون ہے؟ مسلک کی غائبانہ تائید

جناب حافظ اقبال احمد تھانوی ایک اور خواب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ فیض باغ

لاہور کا ایک راج عبدالقادر ایک دن رمضان المبارک میں جامع مسجد شیرانوالہ میں سویا ہوا تھا، وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ حضرت شیخ التفسیر قدس سرہ العزیز کے پاس دفتر خدام الدین کے اوپر والے حجرے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے دوزانو بیٹھے ہیں اور حضرت شیخ التفسیرؒ کے زانو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو مبارک سے ملے ہوئے ہیں۔

عبدالقادر راج کہتے ہیں کہ میرا ایک دوست اکثر مجھ سے جھگڑا کرتا، وہ بھی میرے پاس ہے اور ہم دونوں بھی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے حجرے میں اس مبارک مجلس میں بیٹھ گئے۔ میرے دوست نے سرگوشی کے انداز میں کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لو۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں، اے عبدالقادر کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ فرقوں میں سے کون حق پر ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں، حق ہے۔

حافظ اقبال احمد صاحب فرماتے ہیں کہ اس خواب کی تحقیق کے لئے میں خود فیض باغ گیا اور پھر یہ خواب لکھ کر حضرت اقدسؒ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

(خدام الدین صفحہ ۲۶، ۲۲ فروری ۱۹۶۳ء صفحہ ۵۲۰ کتاب الحسنات)

(مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۳۷)

مسلسل مصروفیت، نشان ولایت

حضرت اقدس مولانا لاہوریؒ کی پوری عمر اور ہر دن کے چوبیس گھنٹے اس طرح بے پناہ مصروفیات میں گزرتے۔ درس و تدریس، امامت و خطابت، تعلیم و تربیت، تصنیف و تالیف، انجمن خدام الدین کی امارت، تبلیغی پمفلٹوں کی اشاعت و طباعت، ذکر و فکر، مساجد کی تولیت، قرآن مترجم کی اشاعت، مدرسۃ البنات کی نگہداشت، علماء کی ٹریننگ، ذاتی مجاہدے و اوراد، تربیت اولاد، یتیموں و بیواؤں کی دیکھ بھال، بیرونی لوگوں سے ملاقات، جمعیت العلمائے اسلام کی صدارت، ختم نبوت کی امارت، انفرادی تقاضے، جماعتی ضروریات، خطوط کے جوابات، ذاتی عبادات روزانہ کے عام مشاغل تھے جو کوئی بھی یہ سب دیکھتا، بے ساختہ پکار

الغنا کہ یہ سب کچھ ایک عام آدمی کے بس کا نہیں، ایک ولی اللہ ہی اتنا معروف پروگرام انجام دے سکتا ہے۔ (صفحہ ۲۹، ۳۳ ماخوذ از خدام الدین شیخ التفسیر نمبر ۲۲ فروری ۱۹۶۳ء)

جناب ایم اے تاجی فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کے لئے وقت کا Frame of Reference کچھ اور ہوتا ہے؟ کیا وہ ہماری Glaxy کے نظام شمسی کے اصولوں کے تحت زندگی بسر نہیں کرتے کیونکہ چھ منٹ اور چھ گھنٹوں میں تو ایک اور ساٹھ کا تناسب ہے۔ ذرا مولانا احمد علی لاہوریؒ کی دن بھر کی مصروفیات کے بعد رات کے وظائف پر نظر ڈالئے۔

حضرتؒ مندرجہ ذیل وظائف پڑھا کرتے تھے:

(۱) استغفار ۱۲۵۰۰۰ دفعہ

(۲) یا ستار یا غفار ۱۲۵۰۰۰ دفعہ

(۳) لا الہ الا اللہ ۱۲۵۰۰۰ دفعہ

(۴) یا رحمان یا رحیم ۱۲۵۰۰۰ دفعہ

(۵) سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم ۱۲۵۰۰۰ دفعہ

(۶) رب اغفرلی بفضلک ۱۲۵۰۰۰ دفعہ

میں نے ان میں سے چند وظائف کو انتہائی برق رفتاری سے پڑھنے کے بعد ان پر صرف ہونے والے وقت کا حساب کیا تو مندرجہ ذیل نتائج سامنے آئے۔

نام وظیفہ	عام رفتار	غیر معمولی رفتار	تعداد	اندازاً
لا الہ الا اللہ	۶۰ دفعہ فی منٹ	۱۰۰ دفعہ فی منٹ	۱۲۵۰۰۰	۲۰ گھنٹے
یا ستار یا غفار	۶۰ دفعہ فی منٹ	۱۰۰ دفعہ فی منٹ	۱۲۵۰۰۰	۲۰ گھنٹے
یا رحمن یا رحیم	۸۰ دفعہ فی منٹ	۱۲۰ دفعہ فی منٹ	۱۲۵۰۰۰	۱۷ گھنٹے
سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم	۹۰ دفعہ فی منٹ	۱۵۰ دفعہ فی منٹ	۱۲۵۰۰۰	۱۳ گھنٹے
استغفار	۵۰ دفعہ فی منٹ	۸۰ دفعہ فی منٹ	۱۲۵۰۰۰	۲۶ گھنٹے

صرف پانچ مختلف وظیفوں کو پڑھنے میں وہ بھی انتہائی تیز رفتاری سے جو عام آدمی کے بس کی

بات نہیں، ۹۶ گھنٹے لگتے ہیں جبکہ ہمارے دن رات چوبیس گھنٹوں پر محیط ہوتے ہیں۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ عموماً عشاء کے بعد گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ نماز تہجد کے بعد حفظ کی ہوئی سورتوں کو دوہراتے تھے۔ نماز فجر کے بعد تفاسیر اور مجموعہ احادیث کا مطالعہ فرماتے تھے۔ ہر روز درس قرآن بھی ہوتا تھا۔ پھر حجرہ میں آنے والے مہمانوں سے بھی ملاقات ہوتی تھی۔ ان تمام معمولات کو بجالانے کے بعد ۹۶ گھنٹوں کے وظائف پورا کرنا اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب وقت کی اکائی ہماری اکائی سے مختلف ہو۔

امام غزالیؒ کے انتقال کے بعد اہل علم نے ان کے لکھے ہوئے صفحات کو ان کی عمر کے دنوں سے تقسیم کیا تو روزانہ لکھے جانے والے صفحات کی تعداد انسانی ذہن اور انسانی ہاتھوں سے ممکن نہ تھی۔ یہ جبھی ممکن تھا جب امام غزالیؒ کے پاس عمر طبعی کے علاوہ اور بھی وقت ہوتا۔ پس بات پھر وہی آجاتی ہے کہ اہل اللہ کے پاس وقت کے اپنے پیمانے ہوتے ہیں۔

(ہفت روزہ خدام الدین ۱۱ اگست ۱۹۹۵ء) (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۸۷)

علامہ اقبال کی نگاہ میں آپ روشن ضمیر تھے

انجمن حمایت اسلام لاہور کے وقتاً فوقتاً اجلاس کی شمولیت نے علامہ کو حضرت لاہوریؒ کے کردار اور سیرت کے مطالعہ کا موقعہ فراہم کیا۔ علامہ مرحوم کا آئینہ دل توحید و رسالت اور مقامات ولایت کا جائزہ لینے کا مافوق الفطرت منبہ رکھتا تھا۔ ادھر حضرت لاہوریؒ کو خالق کائنات نے ان فطری اور وہبی عطیات سے نوازا تھا کہ آپ عہد حاضر کے بیک وقت مفسر، محدث، فقیہہ، مجاہد فی سبیل اللہ، خطیب اور مرشد روشن ضمیر تھے۔

خواجہ نذیر احمد مرحوم نے جو علامہ اقبال مرحوم کے خصوصی حلقہ احباب کے ممتاز ممبر تھے اور ادھر حضرت لاہوریؒ پر جان و دل سے فدا تھے، ارشاد فرمایا کہ حکومت برطانیہ کے نصف النہار کے موقعہ پر مغربی تہذیب کا عروج اس حد تک بڑھ گیا کہ بڑے بڑے گھرانے اسلامی روایات کو فراموش کر چکے تھے۔ ہائی اسکولز اور کالجز ایسے لوگوں سے آباد تھے جن کا مذہب اسلام سے صرف پیدائشی اعتبار سے تعلق تھا ورنہ ۹۵ فیصد ان کا معاشرتی و تمدنی رجحان مغربی تہذیب کے اثرات کو قبول کر چکا تھا۔ نوجوان طبقہ کی شبانہ روز زندگی میں اسلامی اقدار کا ذوق بالکل

مفقود ہو رہا تھا۔ لہٰذا ہم نے اس لادینی کے طوفان سے مسلم قوم کے نونہالوں کو بچانے کی یہ تجویز سوچی کہ چند ماہ میں تمام کالجوں کے مسلمان نوجوانوں سے انفرادی طور پر مل کر ان سے وعدہ لیا جائے کہ وہ علامہ محمد اقبالؒ کے ہاتھ پر بیعت ہو جائیں تاکہ ان کے قلوب مغربی زہریلے اثرات سے محفوظ رہیں۔

تقریباً تین ماہ کی جدوجہد سے ایک فہرست تیار کی گئی اور ہم چند احباب علامہ مرحوم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ تہذیب نو کے سیلاب کی روک تھام کا مسئلہ زیر بحث رہا اور علامہ مرحوم نہایت دردمندانہ انداز سے شامل گفتگو رہے۔ مگر جب ہم نے اپنی تجویز پیش کی تو آپ نے نوجوانوں سے بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ ہم نے ہر لحاظ سے آپ کو مجبور کرنے کی کوشش کی مگر آپ نے اپنے موقف سے ایک انچ بھی انحراف نہ کیا۔ آخر کار علامہ مرحوم نے فرمایا کہ میں نفس بیعت کا منکر نہیں ہوں بلکہ اس تجویز سے جو جماعت میں پختہ اخلاق و تعاون پیدا ہوتا ہے، اس کا بدل و جان قائل ہوں۔ لیکن میں آپ کو اپنے سے بہتر شخصیت کا پتہ دیتا ہوں کیونکہ میں برسوں سے ان کے کردار، عزیمت، للّٰہیت، اخلاص اور مخلصانہ جذبہ کا بغور مطالعہ کر رہا ہوں۔ میری بصیرت کا فیصلہ ہے کہ اس روحانی اور علمی قیادت کی اہلیت حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ صاحب میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

تمام اہل محفل نے چند ساعت کے بعد اسی فیصلہ پر اتفاق کیا اور اسی بنا پر حضرت لاہوریؒ نے نماز عشاء کے بعد گریجویٹ حضرات کے لئے درس قرآن کا کام جاری فرمایا۔

حضرت لاہوریؒ نے ایک مرتبہ علامہ مرحوم کے متعلق فرمایا کہ جب ہمارے حضرت سید تاج محمود امروٹیؒ لاہور تشریف لائے تو آپ کی چارپائی رات کو تالاب کے پاس بچھائی گئی۔ سحری کے وقت جو سب سے پہلے آپ کی چارپائی کے پاس زانوئے ارادت تہہ کئے بیٹھا تھا وہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم تھے۔

باطل کی تمام تر طاقتوں نے پایائے حریت کی پچاس سالہ مجاہدانہ زندگی میں بارہا حملے کئے مگر ہر موقعہ پر منہ کی کھائی۔ ہزاروں جھگڑوں نے اس شمع رشد و ہدایت کے علمبردار کو شکست دینے کی کوشش کی مگر منہاج نبوت پر چلنے والے اس اولوالعزم نے اپنی الہامی قوتوں سے اپنے

قافلے کو رواں دواں رکھا اور منزل مقصود تک پہنچا کر ہی دم لیا۔ علامہ اقبال مرحوم نے انجمن حمایت اسلام کے ایک اجلاس میں اس مجاہد کبیر حضرت لاہوریؒ کی جبین موسوی پر نگاہ ڈال کر بے ساختہ فرمایا تھا:

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو بخشے ہیں حق نے انداز خسروانہ

(صفحہ ۲۰۵ کتاب الحسنات) (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۸۰)

حضرت امروٹیؒ کا حکم خطابت

حضرت دین پوریؒ نے ایک دفعہ حضرت امروٹیؒ کو کسی تقریب پر اپنے ہاں مدعو فرمایا۔ حضرت امروٹیؒ کے تمام جسم پر اس وقت پھوڑے نکلے ہوئے تھے اور یہ اس لئے اثر تھا کہ آپ کو انگریزی حکومت کے ہوا خواہوں کے ذریعے سے زہر دلوایا گیا تھا۔ اس علالت میں سفر کا وہم و گمان بھی مشکل تھا مگر ہمیشہ ہوتا آیا ہے جلالی قوتوں نے جمالی انوار کے اشاروں کی تعمیل میں ہی اپنی سعادت سمجھی ہے۔ لہذا حضرت امروٹیؒ عازم دین پور شریف ہوئے۔ حضرت دین پوریؒ نے حضرت امروٹیؒ کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر آدمی بھیجے ہوئے تھے۔ مگر آپ دوسرے چار آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ مسجد میں معتقدین کا بڑا اجتماع تھا۔ حضرت امروٹیؒ کو حسب ارشاد منبر کے پاس لانے کے لئے چند خدام نے سعادت حاصل کی اور آپ نے منبر پر بیٹھ کر محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار ... الخ آیت تلاوت فرمائی اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: بھائیو! آپ حضرات کو خیال ہوگا کہ میری بیوی اور بچے فوت ہو چکے ہیں، مجھ کو ان کی جدائی کا غم ہوگا۔ خدا شاہد ہے کہ مجھ کو اپنی بیوی کا غم نہیں ہے بلکہ دین احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غم ہے۔

بے کس شد دین احمد ﷺ ہیچ کس او را یار نیست
ہر کسے در کار خود با دین احمد ﷺ کار نیست

اللہ، اللہ! اس وقت اس انہائی آواز کے بلند کرنے والے مجاہد اسلام نے مجمع پر طائرانہ نگاہیں ڈالیں۔ اور تمام حاضرین چشم زدن میں بے ہوش پڑے تھے۔ کچھ وقت کے بعد جب

چار آدمیوں نے آپ کو منبر سے اتارا تو آپ حضرت لاہوری کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے علی! تم پان پشو (بیٹا احمد علی! شروع میں نے کر دیا ہے اب تکمیل تم کرو)۔ بالفاظ دیگر حضرت امروٹی اور حضرت دین پوری جیسے وحید العصر اجمالی ظہورات کے حامل اپنے مناصب جلیلہ کی تکمیل کے لئے حضرت لاہوری قدس سرہٗ کو منتخب فرما رہے تھے۔

سبحان اللہ! حضرت امروٹی دین پور شریف میں حاضر ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ میرا جلال دین پور شریف کے جمال افروز ماحول میں مات پڑ جاتا ہے۔ (ماخوذ از صفحہ ۱۰۱ خدام الدین امام الاولیاء نمبر) (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۸۳)

اللہ کا خصوصی انعام: نقش پا ابراہیم سے زمزم پینا

۲۰ جون ۶۸ء کی مجلس ذکر میں حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ نے فرمایا کہ حضرت اقدس کے پہلے یا دوسرے حج کا واقعہ ہے کہ چاشت کے طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم پر نوافل ادا کر رہے تھے کہ اسی وقت کسی نے آکر مقام ابراہیم کا تالا کھول کر نقش پا کو کپڑے سے صاف کیا اور زمزم شریف لا کر نقش کے اندر انڈیل دیا اور حضرت اقدس سے کہا، یا شیخ اشرب۔ حضرت اقدس نے اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام سمجھتے ہوئے فوراً بلی کی طرح اثر قدم پر منہ لگا کر اپنی پی لیا۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ خدا معلوم وہ فرشتہ تھا یا جن یا انسان۔ (حوالہ صفحہ ۹ خدام الدین ۲۰ ستمبر ۹۶) (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۸۶)

تزکیہ نفس کے انکار پر رسول اللہ ﷺ کا دل زخمی ہے

سید امین علی گیلانی لکھتے ہیں کہ مولانا سید امین الحق صاحب مرحوم "طورو" ضلع مردان کے رہنے والے تھے اور علامہ انور شاہ صاحبؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ یہاں شیخوپورہ کی جامع مسجد میں چالیس سال کے قریب خطیب رہے۔ انہیں اپنی تحقیق اور علم پر اتنا اعتماد تھا کہ کسی دوسرے عالم کو کم ہی مانتے تھے۔ مجھ سے بے تکلف بھی تھے۔ ایک روز میرے ہاں شریف لائے تو چہرے سے کچھ پریشانی کے آثار ظاہر تھے۔ میں نے عرض کیا، مولانا! خیر تو ہے۔ کہنے لگے، امین! دو تین دن سے ایک عجیب پریشانی میں مبتلا ہوں، میں اسی سلسلے میں آج

مولانا ادریس صاحب کاندھلوی (مرحوم) کے پاس بھی گیا تھا مگر دل مطمئن نہیں ہوا۔

میں نے عرض کیا، اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے بتائیں، میں تو خیر جاہل مطلق ہوں، ممکن ہے کہ کسی ایسی شخصیت کی طرف آپ کی رہنمائی کرسکوں جس سے آپ مطمئن ہوسکیں۔ فرمایا، امین! پرسوں رات میں نے ایک خواب دیکھا، جس کی تعبیر نہ خود سمجھ سکا اور نہ کسی دوسرے کی تعبیر دل کو لگی۔ فرمایا، خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، میں نے محسوس کیا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کچھ افسردہ سے ہیں۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ افسردہ کیوں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے ابن سعود نے زخمی کردیا ہے۔ یہ سن کر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا غور سے دیکھا مگر مجھے جسم اقدس پر کوئی زخم نظر نہ آیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا چاہتا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ یہی پریشانی ہے۔

میں نے کہا، مولانا! آپ میری ایک بات مان لیں، انشاء اللہ پریشانی دور ہوجائے گی۔ فرمایا، کون سی بات؟ میں نے کہا، مولانا محمد نعمان علی پوری پر مرزائیت کے خلاف تقریر پر مقدمہ چل رہا ہے، اس سلسلہ میں حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ اسی جج پر مرزا کے خلاف فتویٰ دینے تشریف لا رہے ہیں گے۔ آپ ان سے خواب بیان کرکے تعبیر پوچھیں۔

غرض جب حضرتؒ تشریف لائے، عدالت کی کارروائی کے بعد مولانا امین الحق صاحب حضرت کو اپنی رہائش گاہ پر لے آئے، میں بھی ساتھ تھا۔ فراغت میزبانی ادا کرنے کے بعد مولانا نے اپنا خواب بیان کیا تو حضرت نے بے ساختہ کہا، بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا، مگر یہ زخم جسمانی نہیں روحانی ہے۔ مولوی صاحب! دیکھئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم ایتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔

مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ نے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چار کام بتائے ہیں۔ اول یتلوا علیھم ایتہ، دوسرا ویزکیھم، تیسرا ویعلمھم الکتاب اور چوتھا والحکمۃ۔ مگر مولوی صاحب! وہاں کی حکومت تین باتوں کو تو مانتی ہے یتلوا علیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ مگر یزکیھم کے قائل نہیں، تزکیہ نفس ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا، وہ

سلسلہ بیعت وارشاد کو تسلیم نہیں کرتے، اس سلسلہ کے تمام لوازمات کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر وہاں کوئی دلائل الخیرات کی تلاوت کرے تو کتاب چھین لیتے ہیں۔ بس حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی تکلیف ہے اور اسی کے باعث افسردگی ہے۔

اتنا کہنا تھا کہ مولانا چیخ مار کر رو پڑے، انشراح صدر ہو گیا۔ اس سے اگلے دن لاہور جا کر حضرت سے بیعت ہو گئے اور دنوں میں کایا پلٹ گئی، خلافت بھی مل گئی۔ (ماخذ دو بزرگ صفحہ ۳۵، ۳۶) (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۹۷)

ڈاکو مومن بن گئے

جناب ابوالحسن ہاشمی تاندلیانوالہ والے فرماتے ہیں: غالباً فروری ۱۹۵۷ء میں حضرت اقدس مولانا لاہوری نور اللہ مرقدہ دوآنہ (یا انو والا) چک نمبر ۴۸۲ حکیم علی محمد صاحب کے ہاں تشریف لائے۔ بندہ بھی چند ہمراہیوں کے ساتھ سٹیشن روڈ الہ روڈ پر استقبال کے لئے حاضر تھا۔ حکیم بابا سلطان نامی شخص چک شاہد تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد کا رہنے والا علاقہ کے زمینداروں کا پروردہ ڈاکو تھا، چوروں کے ساتھ کہیں ڈاکہ ڈالنے جا رہا تھا کہ ہجوم دیکھ کر اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ کسی نے بتایا کہ لاہور سے مولانا احمد علی صاحب آ رہے ہیں۔ کہا دیکھتا ہوں کیسے مولوی ہیں۔ ٹھہر گیا۔ حضرت اقدس تشریف لائے تو حضرت سے نظر ملتے ہی اس کی دنیا بدل گئی۔ جب حضرت تانگہ میں سوار ہو گئے تو ساتھ ہی چل دیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ تانگے کو پکڑے ہوئے دوڑ رہا تھا۔ حکیم صاحب کے ہاں حضرت کے تشریف فرمانے کے بعد سب سے پہلے تائب ہو کر شرف بیعت حاصل کیا۔ (ماخوذ از صفحہ ۲۱۹ خدام الدین امام الاولیاء نمبر، نمبر ۱۲۲ انوار ولایت حصہ دوم) (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۱۱۲)

چوروں کا سردار بال بچوں سمیت سلام کرنے حاضر ہو گیا

۲ ستمبر ۱۹۴۸ء جمعرات کی مجلس ذکر میں سندھ کے حر ڈاکوؤں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں اور مولانا عبدالعزیز تانگہ پر جا رہے تھے، گھوڑا اڑتا جا رہا تھا، اس لئے تین چار میل میں ہی ظہر سے شام ہو گئی۔ تانگہ والے نے بتایا کہ آگے سارا چوروں کا علاقہ ہے اور خطرہ ہے۔ وہیں ایک آدمی آیا،

پاؤں پر گر پڑا اور مصلیٰ لایا اور اپنے بال بچوں کو بھی سلام کرنے کے لئے لایا۔ تانگہ والے نے بتایا کہ یہ چوروں کا سردار ہے، پتہ نہیں آپ کے آگے کیسے رام ہو گیا۔ پھر ہم نے وہاں نماز پڑھی۔ (ماخوذ از صفحہ ۱۳ جلد ۱۴ شمارہ ۳ بابت ۳ جون ۱۹۶۲)

(مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۱۱۳)

جادوگر تائب ہو گیا

جناب ابوعبدالرحمٰن ریاض الحسن قادری سرکولیشن منیجر ہفت روزہ خدام الدین لاہور نے بتایا کہ ان کے والد حضرت شیخ المکرم امام الدین قادری مرحوم کے ماموں جادوگر تھے اور اپنی جادوگری کے زعم میں یہ بات مشہور کر رکھی تھی کہ امام الدین قادری وہابی ہیں، اپنی ہمشیرہ سے کہتے تھے کہ تمہارا بیٹا پیروں فقیروں کا منکر ہے، وہابی ہے، اس سے بزرگ ناراض ہیں اور آپ کے چھوٹے بھائی چوہدری محمد یوسف کو اپنا معمول بنا رکھا تھا۔ ہر تو چندی جمعرات کو اس کو زیر اثر کر کے اس سے کھیلتا، کبھی واو کرو کے، کبھی بھگوان کے واسطے ڈالتا، اس کو زنجیروں سے مارتا زمین پر پٹختا، اگر میرے چچا بھینس کا دودھ دوہنے بیٹھتے تو بھینس کے تھنوں سے دودھ کے بجائے خون آنے لگتا، کوئی اور دودھ دوہتا تو ٹھیک دودھ ہوتا۔

میرے والد محترم نے اپنے شیخ حضرت لاہوریؒ سے تمام حالات بیان کئے۔ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ نے ایک آیت ارشاد فرمائی اور طریقہ کار بھی سمجھا دیا۔ والد محترم گھر گئے، تو چندی جمعرات کو جب ان کے ماموں نے اپنے بھانجے کیساتھ ان کو زمین پر گرا کر زنجیر دھونی دے کر حقہ میں الائچی ڈال کر اپنا عمل شروع کیا اور میرے چچا سے کھیلنا شروع کر دیا اسے کبھی زنجیروں سے مارتا اور کبھی پٹخ پٹخ کر زمین پر گرا دیتا۔ کبھی حقہ سر پر رکھ کر کہنے لگتا میں تیری روح جلاتا ہوں، مختلف واسطے ڈالنے شروع کر کے اسے معمول بنا کے اس کی زبان سے کہلوایا کہ میں انڈیا سے آیا ہوں، فلاں جگہ سے آیا ہوں، اس نے ہمیں ناراض کیا ہے، کے ماموں اس سے پہلے اپنی ہمشیرہ یعنی میری دادی سے کہہ چکے تھے کہ آج اپنے وہابی بیٹے کو گھر نہ رہنے دینا اس سے بزرگ ناراض ہو جائیں گے جبکہ والد محترم اپنے شیخ حضرت لاہوری کی ہدایت کے مطابق دروازے کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئے اور ان کی والدہ سمجھیں باہر۔

گئے ہیں۔

والد محترم اپنے بھائی کے یہ الفاظ سن کر کہ میں انڈیا کے فلاں شہر سے آیا ہوں، کھڑے ہو کر اپنے ماموں کے پاس پہنچ گئے اور کہا کہ پاسپورٹ کہاں ہے؟ (سرحد) کیسے پار کی؟ تو ان کے ماموں نے بہن سے کہا، کہ دیکھا؟ ہے نا بزرگوں کا منکر۔ اس پر میری دادی ڈنڈا لے کر والد محترم کو مارنے کے لئے بڑھیں۔ والد محترم ادباً دور ہٹ گئے کیونکہ حضرت اقدس لاہوریؒ نے والدین کے ادب کی تاکید فرمائی تھی۔ اور تھوڑی دیر بیٹھ کر حضرت اقدسؒ کا بتایا ہوا عمل پڑھ کر اپنے ماموں پر دم کیا جس سے ان کا گلا پکڑا گیا اور آنکھیں باہر نکل آئیں۔ تو اس نے اپنی بہن کی طرف اشارہ کر کے اپنی تکلیف بتائی۔ دادی صاحب نے میرے والد محترم کو کہا کہ میرا بھائی مر رہا ہے۔ تو آپ نے اپنے چھوٹے بھائی کی طرف اشارہ کر کے کہا، روزانہ میرے بھائی کو مارتا ہے، اس وقت منع نہیں کیا۔

ایک ہنگامہ سا شروع ہو گیا۔ سب خاندان والے، رشتہ دار، بھائی بند وغیرہ جمع ہو گئے۔ میری دادی مرحومہ نے قرآن منگوا کر سر پر رکھ کر دہائی دی۔ تو میرے والد نے پڑھنا چھوڑ دیا۔ چھوٹتے ہی بھاگنے لگا تو بھائیوں نے پکڑ لیا کہ آج فیصلہ کرو۔ روزانہ کہتے تھے کہ مولوی امام دین وہابی ہے، پیروں بزرگوں کو نہیں مانتے۔ اس پر والد محترم نے فرمایا کہ یہ میرے پیر کی ایک پھونک کا اثر ہے۔ پھر چھوٹے بھائی کو مخاطب کر کے کہا کہ یوسف! بھینس کا دودھ نکالو۔ ان کی والدہ صاحبہ اور دوسرے بھائی کہنے لگے کہ اس کے نکالنے پر تو بھینس کے تھنوں سے دودھ کی بجائے خون آتا ہے، ظلم نہ کرو۔ تو والد محترم نے فرمایا کہ آج یوسف ہی دودھ نکالے گا۔

اس پر چچا نے دودھ نکالنا شروع کیا تو سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے، دودھ صحیح آ رہا تھا اور بہت زیادہ تھا۔ گھر کے برتن بھرنا شروع ہو گئے۔ والد مکرم فرماتے رہے، اور برتن لے آؤ، وہ بھر جاتا تو پھر کہتے، اور برتن لے آؤ۔ آخر کار ان کی والدہ محترمہ نے کہا کہ اب بس کرو۔ شام کو مسجد میں جا کر یوسف چچا نے اذان دی تو گاؤں کے لوگ پکار اٹھے کہ چودھری صادق علی کے بیٹے یوسف کی آواز ہے، یہ تو بیمار تھا، اس پر جاننے والوں نے بتایا کہ ان کے بھائی مولوی امام دین صاحب آئے ہیں اور یہ واقعہ ہوا ہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں والد صاحب کے ماموں

بھی تائب ہو گئے۔ پورا قرآن با ترجمہ سنا، خاندان کے چالیس افراد نے مشرکانہ افعال سے توبہ کی۔ (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۱۱۵)

آپ کی نظر کرم سے شیعہ سنی ہو گیا

جناب ابو عبدالرحمن ریاض الحسن قادری سرکولیشن مینیجر ہفت روزہ خدام الدین فرماتے ہیں کہ اجنیانوالہ ضلع شیخوپورہ میں اہل تشیع زور میں تھے۔ انہوں نے دو سید زادوں کو گمراہ کر کے شیعہ بنا لیا اور کہا کہ اب تم اصلی سید ہوئے ہو۔ سنیوں کی مسجد پر قبضہ کر کے اس میں گدھے باندھنے شروع کر دیئے۔ میرے والد حضرت شیخ المکرم ابو الحسن امام الدین قادری ڈاکٹر مناظر حسین نظر کے ہمراہ حضرت لاہوریؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور تمام واقعات سے آگاہ فرمایا اور بتایا کہ مسجد کا چبوترہ تو ہم نے خالی کرا لیا ہے، اب ہم چاہتے ہیں کہ وہاں وعظ ہو جائے جس سے لوگوں کو سمجھایا جا سکے۔

ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ مولانا لال حسین اختر تشریف لے آئے۔ حضرت لاہوریؒ نے مولانا لال حسین اختر سے پوچھا کہ کیا پروگرام ہے؟ جناب لال حسین اختر صاحب نے جواب دیا کہ عراق سے شیعوں کی کتابیں لایا ہوں، آج فلاں فلاں جگہ میری تقریر ہے۔ حضرت لاہوریؒ نے فرمایا کہ وہاں میں اطلاع بھیج دیتا ہوں کہ کل کی نشست میں آپ کی تقریر ہے، آج آپ ان کے ساتھ اجنیانوالہ تشریف لے جاویں۔

غرض مولانا لال حسین اختر والد صاحب کے ساتھ اجنیانوالہ تشریف لائے اور تقریر فرمائی کہ سید نسل در نسل سید ہوتے ہیں، کسی دوسری نسل کا سید نہیں ہو سکتا۔ جس طرح یہودی ہندو وغیرہ نسلاً ہوتے ہیں، اسی طرح سید بھی نسلی ہوتے ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ اگر یہ پہلے سید نہ تھے تو اب کیسے ہو گئے؟ اگر پہلے نقلی تھے تو اب اصلی کیسے ہو گئے؟ پوری وضاحت سے تفصیلاً بیان فرمایا جس سے دونوں سید زادے تائب ہوئے۔ مسجد کو گدھوں سے پاک کیا، نماز پنجگانہ شروع کی، نماز جمعہ کے لئے خطیب کی ضرورت محسوس ہوئی تو میرے والد مرحوم دوبارہ اپنے شیخ حضرت لاہوریؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کہ ایسا شخص چاہئے جو اہل تشیع سے نبرد آزما ہو سکے، اپنا مدعا بیان کیا۔ حضرت اقدس لاہوریؒ نے فرمایا کہ آپ شروع کر دیں۔

والد محترم نے پھر عرض کیا کہ حضرت! شیعوں کا مقابلہ ہے، میرے اندر تو قوت گویائی ہی نہیں ہے۔ اس پر حضرت اقدس لاہوریؒ نے ان کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑا اور فرمایا:

نہ کتابوں سے نہ واعظوں سے نہ زر سے پیدا

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

پھر فرمایا کہ جاؤ اللہ کا نام لے کر شروع کر دو۔

بس، پھر کیا تھا، اللہ رب العزت نے سات سال تک توفیق عطا فرمائی۔ شیعوں کے مقابلے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسے ایسے عقدے کھولے کہ شیعوں کی زبانیں گنگ ہو کر رہ گئیں۔ قتل کے منصوبے بنے، لیکن جو حملہ کرنے آیا، تائب ہو کر گیا، آلۂ قتل سامنے رکھ کر معافی مانگی۔ مدرسہ قائم ہوا، جس سے سینکڑوں حفاظ و قراء پیدا ہوئے۔ حضرت اقدس کی دعا کے نتیجے میں شیعوں اور عیسائیوں سے زندگی بھر بار ہا مناظرے ہوئے اور بڑی ہدایت کا ذریعہ بنے۔

(مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۱۱۵)

گناہ گار عورت سے لاتعلقی

سید امین گیلانی لکھتے ہیں کہ ایک معزز خاندان کے فرد نے جو احقر کا بہت دوست ہے، اپنا ایک واقعہ بتایا کہ اس کا ایک عورت کے ساتھ ناجائز تعلق تھا، وہ اگرچہ عقلاً اخلاقاً شرعاً اس گناہ سے یکسر کنارہ کرنا چاہتا تھا مگر اس عورت کی توجہ اور اس کے جذبات کا اشتعال پھر گناہ پر مجبور کر دیتا۔ اس لئے وہ بہت پریشان تھا۔ آخر اس نے مجھ پر راز فاش کیا اور کہا کہ خدا کے لئے کسی بزرگ سے اس کا مداوا معلوم کیجئے۔ میں نے حضرت کی خدمت میں اشارتاً معاملہ کا اظہار کر دیا۔ آپ نے تحریر فرما کر دیا: اللّٰھم انا نجعلک فی نحورھم و نعوذ بک من شرورھم۔ اور فرمایا صبح و شام تنہائی میں دس منٹ کے لئے اس عورت کا تصور کیا جائے پھر تصور میں اسے مردہ اور ایک لاش سمجھا جائے، پھر سوچے کہ قبر کے گڑھے میں عورت کی لاش سے خون اور پیپ بہہ رہا ہے اور نہ حسن ہے نہ جوانی، نہ جذبات، بدبو دار لاش ہے۔ دس منٹ مسلسل اس تصور میں رہے۔ پھر نہایت خشوع و خضوع اور معافی چاہنے کے عاجزانہ انداز میں یہ لکھا ہوا صبح شام ایک ایک تسبیح پڑھے۔ ان شاء اللہ اس گناہ سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

میں نے یہ عمل اس دوست کو بتایا، اس نے باقاعدہ عمل شروع کیا۔ مہینہ سے کچھ دن اوپر ہوئے تو اس نے بیان کیا کہ مجھے اس عورت اور اس کام دونوں سے نفرت بڑھ رہی ہے اور پھر قطعاً وہ بات جاتی رہی اور اس نے مکمل توبہ کر لی۔

(مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۱۷۱)

ایک توجہ سے پکا نمازی بنا دیا

جناب ایم اے تاجی صاحب پروفیسر ایچی سن کالج لاہور فرماتے ہیں کہ جناب نذیر صاحب ٹوبہ ٹیک سنگھ کے قرب وجوار کے رہنے والے ہیں، تقریباً چالیس سال پہلے بسلسلہ ملازمت لاہور آئے، حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ سے رابطہ ہوا تو بیعت ہو گئے۔ نذیر صاحب کے والد جناب لال بخش صاحب گاؤں میں ہی تھے لیکن نماز سے غفلت تھی۔ نذیر صاحب والد صاحب کے اس عمل سے بہت کڑھتے تھے اور بے حد بے چین اور متفکر تھے۔ ایک دن ان کے والد صاحب لاہور آئے تو یہ انہیں حضرت اقدس کی خدمت میں لے گئے۔ بعد درس حضرت اقدسؒ سے اپنے والد لال بخش صاحب کا تعارف کراتے ہوئے نماز سے غفلت کا بھی ذکر کیا۔

حضرت لاہوریؒ نے غور سے لال بخش صاحب کو دیکھ کر فرمایا:

'بزرگو! ہم دونوں کی داڑھیاں سفید ہو گئی ہیں اور دونوں موت کے دہانے پر کھڑے ہیں، نماز پڑھا کرو۔''

اتنا فرما کر چند لمحے آپ خاموش رہے اور پھر دوسرے شخص کی جانب متوجہ ہو گئے۔

نوجوان نذیر صاحب سمجھتے تھے کہ حضرت اقدس قرآن وحدیث کے حوالے دے کر والد صاحب کو سمجھائیں گے اور نماز پڑھنے کا وعدہ لیں گے لیکن ادھر یہ کچھ بھی نہ ہوا۔ حضرت اقدس محفل سے اٹھنے لگے تو نذیر صاحب نے دل گرفتہ آواز میں پھر عرض کیا کہ حضرت ان کے لئے دعا فرما دیجئے گا۔ حضرت اقدس نے مسکرا کر جواب دیا، ہاں بھائی دعا بھی کریں گے اور چل پڑے۔

نذیر صاحب کچھ افسردہ اور ان کے والد انتہائی خوش وخرم محفل سے رخصت ہوئے۔

ایک دو دن بعد لال بخش صاحب گاؤں واپس چلے گئے اور جاتے ہوئے نذیر صاحب سے فرمایا کہ بیٹا جب لاہور آؤں گا تو تمہاری مولوی صاحب سے ضرور ملوں گا۔

نذیر صاحب نے اداسی کی وجہ سے گاؤں جانا بھی ترک کر دیا۔ تقریباً دو ماہ بعد گاؤں سے ان کا ایک ملنے والا آیا اور ان کے پاس مہمان رہا۔ گاؤں کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے تعجب سے کہا کہ یار تمہارے والد تو لاہور سے جانے کے بعد بڑے پکے نمازی ہو گئے ہیں، میں تو بتانا ہی بھول گیا تھا۔ نذیر صاحب نے بڑی حیرانی سے سنا اور یقین نہ کرتے ہوئے بار بار اس بارے میں سوال کئے اور کئی بار اقرار کرانے پر بھی تسلی نہ ہوئی تو مہمان نے جھنجھلا کر کہا کہ میں کوئی مذاق تو نہیں کر رہا ہوں، وہ اب اکثر اپنا وقت مسجد میں گزارتے ہیں، یقین نہیں آتا تو خود گاؤں جا کر دیکھ لو۔ نذیر صاحب خوشی اور حیرانی کے عالم میں رات بھر کروٹیں بدلتے رہے، سو نہ سکے۔ اگلے اتوار کو گاؤں پہنچ گئے۔ واقعی بڑے صاحب کی کایا پلٹ چکی تھی۔ ان کے اوقات اب چوپال کی بجائے مسجد میں گزرتے تھے۔

کچھ دنوں بعد لال بخش صاحب لاہور آنے تو حضرت اقدس لاہوریؒ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ ان کی زبان دیہاتی اور موٹی تھی، الفاظ زبان پر نہیں چڑھتے تھے، اس لئے حضرت اقدسؒ نے صرف اسم ذات اللہ کا ورد کہنے کے لئے فرمایا، اور یہی ان کا حال و قال بن گیا، داڑھی بھی رکھ لی اور ہر وقت ذکر میں مشغول رہنے لگے۔

صوفی جمیل احمدؒ میواتی دہلی والوں سے جو حضرت اقدس رائے پوریؒ اور جناب مفتی بشیر احمد پسروریؒ سے مجاز تھے، نذیر صاحب کی اچھی یاد اللہ تھی، اپنے والد لال بخش صاحب کی وفات کے بعد جمیل احمد صاحب سے دعائے مغفرت کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ نذیر صاحب جائے شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد صاحب کا خاتمہ ایمان پر فرمایا ہے۔

کچھ عرصے کے بعد نذیر صاحب جناب جمیل احمد صاحب کو میانی صاحب کے قبرستان لے گئے تو لال بخش صاحب کے قبر کے پاس کچھ رک کر جمیل احمدؒ نے فرمایا: "میں ان کو جس حال میں دیکھ رہا ہوں، اگر آپ دیکھ لیں تو شاید تمنا کر بیٹھیں کہ ابھی موت آ جائے اور ان کے پہلو میں دفن ہو جائیں۔" (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۱۱۸)

سینما کی محبت نفرت میں بدل گئی

شیخ محمد شریف صاحب نے ذکر کیا کہ ایک نوجوان مسمّی عبدالستار قدم بوسی کا ملتجی ہوا اور اس نے عرض کی کہ حضرت! سینما کو بہت ہی چاہتا ہے طبیعت قطعاً نہیں رکتی۔ حضرت نے چند منٹ خاموشی اختیار کی اور توجہ فرمائی۔ پھر پوچھا تو عبدالستار نے فوراً عرض کیا کہ حضرت اب تو دل میں نفرت پیدا ہو چکی ہے۔ (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۱۲۱)

جیل کا افسر اعلیٰ روحانیت کا قائل ہو گیا

مولوی عبدالمجید صاحب مرحوم سوہدروی کا بیان ہے کہ قادیانی ایجی ٹیشن کے سلسلے میں دوسرے علماء کی طرح میں اور حضرت بھی ملتان جیل میں الگ الگ کمروں میں مقید تھے۔ سر فیروز خان نون صوبے کے وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے تو انہوں نے حضرت کو لاہور تبدیل کر دیا۔ بعد ازاں افسر اعلیٰ جیل نے مجھ سے پوچھا کہ اس کمرے میں کون بزرگ رہتے تھے۔ میں نے بتایا۔ تو انہوں نے کہا کہ میں جیل میں ہر عالم و طرح کے لوگوں سے تنگ کیا کرتا تھا مگر جب ان کے کمرے میں آتا تو دروازے میں داخل ہوتے ہی میرے آنسو جاری ہو جاتے۔ ایک دو دفعہ میں نے اسے اتفاق سمجھا لیکن متواتر ایسا ہونے سے میں ان کی روحانیت کا قائل ہو گیا اور اس کے بعد ان کو پریشان کرنے کا خیال تک دل میں نہ لایا۔

(مرد مومن صفحہ ۹۲) (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۱۱۸)

تبلیغی دوروں میں بھی اپنا کھانا ساتھ رکھتے

۱۔ ایک بار حضرتؒ سوات کے علاقے میں تبلیغ کرنے کے لئے گئے اور وہاں کے لوگوں سے شرط رکھی کہ تمہارے ہاں کچھ نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ اپنے دستور کے مطابق میٹھی روٹیاں پکوا کر ساتھ لے گئے۔ مگر اتفاقاً داڑھوں میں درد شروع ہو گیا اور وہ روٹی نہ کھا سکے اس لئے آٹھ دن تک صرف دو پیسے کے فروٹ لے کر کھاتے رہے۔

۲۔ ایک بار حضرتؒ بہاولپور کے علاقے میں تبلیغی دورے پر گئے لیکن باوجود اصرار کے کھانا نہیں کھایا۔ بھوک زیادہ ستاتی تو تھیلے میں سے بھنے ہوئے چنے تھوڑے سے گڑ کے ساتھ

کھا لیتے اور پانی پی کر اگلے گاؤں چلے جاتے۔ بعض جگہ لوگ روپوں کی تھیلیاں پیش کرتے لیکن حضرتؒ لینے سے انکار کر دیتے۔ (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۱۳۴)

کار لینے سے انکار

حضرت کے ایک مخلص مرید (جناب عبدالحمید خان صاحب فیروز سنز والے جو آپ کی سوانح حیات مرد مومن کے مصنف بھی ہیں) نے ایک مرتبہ ایک نئی کار حضرت کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے یہ عرض کیا کہ کار کے ڈرائیور، مرمت، پٹرول وغیرہ کے تمام مصارف میں ادا کرتا رہوں گا۔ مگر حضرتؒ نے اپنی شان استغناء کو برقرار رکھتے ہوئے نئی کار قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔ (ماخوذ از صفحہ ۵۲۸ امام الاولیاء نمبر)

(مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۱۳۵)

پانچ دن کے فاقے کے باوجود عطیہ لینے سے انکار

(۱) حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوریؒ نے فرمایا کہ ایک دن میرے ایک دوست بڑی شاندار موٹر کار میں نکاح پڑھوانے کے لئے لے گئے۔ میرے گھر میں پانچ دن کا فاقہ تھا اور مجھ سے چلنا بھی بڑا مشکل تھا لیکن یہ اصول تھا کہ جہاں نکاح پڑھانے جاتے وہاں نہ کھانا کھاتے تھے اور نہ ایک گھونٹ پانی پیتے۔ خدا کی شان! فرمانے لگے کہ جب نکاح سے فارغ ہوا ۱۹۲۴ء کی بات ہے، سستے زمانے تھے اور اس مالدار آدمی نے مجھے پچاس روپے دیئے تو میں نے کہا، اللہ آپ کو برکت دے، میں نے اللہ کی رضا کے لئے نکاح پڑھانا اپنا معمول بنا لیا ہے، میں اس کو قبول نہیں کرتا۔

حضرت اقدسؒ فرماتے تھے کہ میرا نفس مجھے کہنے لگا، احمد علی! تو نے مانگے تو نہیں، خود ہی دے رہا ہے۔ مگر میں نے اپنے نفس کو فوراً ڈانٹا کہ آج تو ایک دفعہ اصول سے ہٹا تو ساری زندگی کبھی بھی اصول پر عمل پیرا نہیں ہو سکے گا۔ اپنے رب کی ذات پر بھروسہ کر کہ وہ مجھے بذریعہ بلا واسطہ دینے پر قادر ہے، جو اللہ پاک نکاح پڑھوانے والے کے واسطے سے دے سکتا ہے، وہ بلا واسطہ بھی دے سکتا ہے۔

حضرت لاہوریؒ فرماتے ہیں کہ میں کوٹھی سے باہر آیا تو میں نے کہا کہ میں پیدل ہی چلا جاؤں گا۔ مزنگ سے شیرانوالہ کا فاصلہ پانچ میل ہے۔ پانچ دن کا فاقہ اور پیدل چلنا۔ میں چوک میں پہنچا تو ایک تانگہ میرے قریب آ کر رکا اور ایک ہندو انسان بڑے ادب اور احترام سے اترا اور اس نے میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں، یہ اپنی امانت وصول کیجئے اور مجھے آگیا (اجازت) دیجئے۔ میں نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا، میرا نام رام چند ہے۔ اب آپ دیکھئے، اللہ پاک نے اس کے ہاتھوں خود پہنچا دیئے۔ حضرت اقدسؒ نے اس کی کلائی پکڑ کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ مجھے جانتے کیسے ہیں؟ اس نے کہا کہ کافی عرصہ ہوا کہ ایک مسلمان بزرگ آئے اور میرے پاس پچاس روپے امانت رکھوا گئے۔ میں نے سال بھر انتظار کیا، وہ بزرگ نہ آئے، میں نے پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ بہت دن ہوئے وہ وفات پا چکے ہیں۔ میں نے معلوم کیا کہ ان کا کوئی بیٹا، کوئی پوتا، کوئی عزیز، کوئی رشتہ دار؟ کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ کوئی ہے۔ ایک دن خواب میں مجھے آپ کی شکل دکھائی گئی کہ وہ پچاس روپے اس مسلمان کو دینے ہیں۔ اس آدمی کو دے آؤ۔ تو کہنے لگا کہ میں آپ کا حلیہ ایک مسلمان قلی سے اسٹیشن سے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ حلیہ تو مولانا احمد علیؒ کا ہے جو شیرانوالہ میں ہوتے ہیں۔ آج میں دکان سے فارغ ہوا اور آپ کی مسجد میں پہنچا تو وہاں معلوم ہوا کہ آپ مزنگ نکاح پڑھانے فلاں کے گھر گئے ہیں۔ تو میں اس کوٹھی پر آیا، کوٹھی والوں نے بتایا کہ ابھی نکل کر گئے ہیں، سو میں آپ کے پیچھے پیچھے آ پہنچا۔ (ماخوذ از خدام الدین ۶ تا ۱۳ جولائی ۱۹۹۰، جلد ۳۵ شمارہ ۵۱/۵۲)

(۳) حضرت مولانا عبداللطیف صاحب (جہلم) والے فرماتے ہیں کہ باتوں باتوں میں ایک دفعہ حضرت نے فرمایا کہ ایک روز عصر کا وقت تھا، مجھے بھوک لگی ہوئی تھی، گھر پہنچ کر کھانے کو کچھ مانگا تو بیوی نے بتایا کہ آج گھر میں کھانے کو تو کچھ بھی نہیں۔ اتنے میں ایک صاحب آئے اور کہا، حضرت تشریف لے چلئے اور نکاح پڑھا دیجئے۔ انہوں نے نکاح پڑھانے کے بعد پانچ روپے پیش کئے، مگر میں نے قبول نہیں کئے۔ واپس آ کر مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہا تھا کہ ایک شخص نے پانچ روپے ہدیتاً پیش کئے، وہ میں نے قبول کر لئے

جن سے خورد و نوش کا بندوبست کیا۔ (ماخذ دو بزرگ صفحہ ۱۵)

پولیس کو تلاشی میں گھر میں کھانے پینے کا سامان بھی نہ ملا

پروفیسر محمد یوسف سلیم چشتی شارح اقبالیات فرماتے ہیں کہ انجمن حمایت الاسلام لاہور نے ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کی فرمائش پر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ''اشاعت اسلام کالج'' قائم کیا تھا تاکہ آریوں اور عیسائیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمان مبلغین اور مناظرین تیار کئے جاسکیں۔ کالج کی کمیٹی کے صدر مولانا احمد علی لاہوریؒ اور سیکرٹری شیخ عظیم اللہ مرحوم ایڈووکیٹ منتخب ہوئے۔ بحیثیت پرنسپل میرا تقرر کیا گیا۔ کالج نیا نیا قائم ہوا تھا، اس لئے انتظامی معاملات میں ہدایات لینے کے لئے مجھے اکثر اوقات حضرت لاہوریؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔

یہ ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے، حسب معمول دن کے دس ساڑھے دس بجے کالج کی ڈاک لے کر احکامات لینے کے لئے حضرت کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ سینکڑوں لوگ حضرت کے گھر کے سامنے جمع تھے۔ کئی چارپائیاں سڑک پر بچھی ہوئی تھیں۔ معلوم ہوا کہ کسی نے مخبری کی ہے کہ حضرت کا تعلق بھگت سنگھ اور دت کی دہشت پسند انقلابی تنظیم سے ہے۔ حضرتؒ کے گھر میں اس تنظیم نے بم چھپائے ہیں جو گھر میں کسی کوٹھڑی میں چھپا رکھے ہیں۔ چنانچہ ایک سکھ انسپکٹر سی آئی ڈی اپنے ماتحت اسٹاف کو ساتھ لے کر خانہ تلاشی کر رہے ہیں۔

حضرت لاہوریؒ اپنے فرزند مولوی عبید اللہ انور سلمہٗ کو، جن کی عمر اس وقت غالباً دو تین سال تھی، گود میں لئے ٹہل رہے تھے۔ میں نے سلام کیا تو فرمایا، تم ذرا بچے کو گود میں لے لو تو میں اندر ہو آؤں۔ میں نے صاحبزادہ بلند اقبال کو اپنی گود میں لے لیا اور ٹہلنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد حضرتؒ آگے آگے اور سی آئی ڈی کا اسٹاف پیچھے پیچھے مکان سے برآمد ہوئے اور سب لوگ چارپائیوں پر بیٹھ گئے۔ سکھ انسپکٹر نے حضرتؒ سے کہا، مولوی صاحب! مجھے ندامت ہے، اس مخبر نے بالکل جھوٹی اطلاع دی تھی۔ دوبارہ اسے مغلظات دینے کے بعد اس نے کہا، آپ مجھے معاف کر دیں۔

حضرتؒ نے فرمایا، مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے، تم نے تو اپنا فرض منصبی انجام دیا

ہے۔ لیکن تمہیں مطمئن کرنے کے لئے کہتا ہوں کہ ''معاف کیا''۔ اس پر سکھ افسر نے شکریہ ادا کیا اور کہا مولوی صاحب! میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، شوق سے پوچھو۔ اس نے کہا، میں نے آپ کے سارے گھر کی تلاشی لی ہے، اس کے باورچی خانے کی تلاشی بھی لی ہے۔ نہ تو آپ کے گھر میں کھانے پینے کی کوئی چیز ہے اور نہ باورچی خانے میں نمک و مرچ، ہلدی، گرم مصالحہ، ادرک و پیاز یا دال کی بات کی ہوتی ہے، آپ کے گھر میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ہے (اس نے واقعی تلاشی لی تھی، ہر چیز ٹٹول کر دیکھ لی تھی) ۔ تو آپ کھاتے کہاں سے ہیں؟ اور زندگی کیسے بسر کرتے ہیں؟

یہ سن کر حضرت مسکرائے اور فرمایا، ''ہم فقیروں کا قانون حیات یہ ہے کہ اگر اللہ بھیج دیتا ہے تو کھا لیتے ہیں ورنہ روزہ رکھتے ہیں۔ ہمارے بچے بھی اس کے عادی ہیں۔ چنانچہ جس دن گھر میں کچھ نہیں ہوتا تو یہ بچہ (عبیداللہ انور) بھی اپنی ماں کی طرح صرف پانی پر گزارہ کر لیتا ہے۔ فقیر تو آخرت کی فکر کرتا ہے، روٹی کی فکر نہیں کرتا۔ ہم تو فقیر ہیں، ہمارا رزاق اللہ ہے۔''

یہ سن کر اس سکھ انسپکٹر اور اس کے غیر مسلم سٹاف کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے کہا، واہ گرو نے کرپا سے آج ایک رشی مہاتما کے درشن ہو گئے۔ اور اس نے اپنے کوٹ کے بٹن کھول کر دس روپے کا نوٹ نکال کر حضرت کے چرنوں میں ارپن کر دیا۔ یہ اسی کے الفاظ ہیں، یعنی رقم آپ کے قدموں میں بطور نذر پیش کر رہا ہوں۔

حضرت نے مسکرا کر فرمایا، ''انسپکٹر صاحب! تم نے دیکھ لیا میرے اللہ کی کارسازی اور غریب نوازی!'' یہ کہہ کر آپ نے اپنے مرید سے کہا، او بھائی! یہ نوٹ لے جاؤ اور کھانے پینے کا سامان لے آؤ۔ یہ فرما کر آپ نے یہ شعر پڑھا:

کارساز ما بفکر کار ما
فکر ما در کار ما آزار ما

''ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب''

ایک دن غالباً ۱۹۶۰ء میں مجھ سے فرمایا، ''اللہ کا معاملہ میرے ساتھ بڑا عجیب ہے، میں کلمہ حق کہنے کی پاداش میں ۱۳ مرتبہ جیل جا چکا ہوں اور اللہ ۱۳ بار ہی مجھے اپنے گھر (خانہ

کعبہ) پلا چکا ہے۔ (ایک حج بعد میں کیا)۔ (ماخوذ از صفحہ ۴۹۰ کتاب انکشافات صفحہ ۴۹۵ خدام الدین امام الاولیاء نمبر) (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۱۳۸ تا ۱۴۰)

تحویل مسجد نور گوجرانوالہ اور بھٹو حکومت کی ذلت

مفسر قرآن استاذ محترم مولانا عبدالحمید سواتی مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسٹر بھٹو کے دور اقتدار میں جب محکمہ اوقات کے عاقبت نا اندیش حضرات نے مسجد نور کو اوقاف کی تحویل میں لینے کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا تو گوجرانوالہ کیا تمام ملک سے دیندار طبقہ کے لوگوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طبقہ کے لوگوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا حتیٰ کہ کالجز اور مدارس اسلامیہ کے طلباء نے بھی اس کے خلاف ایجی ٹیشن شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں قید و بند کے علاوہ مار پیٹ، ظلم و تشدد اور ہر طرح سے اذیتیں اور تکالیف برداشت کیں۔ اس میں نیم پاگل وزیر اوقاف کا بھی بہت بڑا حصہ تھا اور محض انتقامی کارروائی کے لئے یہ اقدام کیا گیا تھا۔

انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت اقدس لاہوری مدرسہ نصرۃ العلوم تشریف لائے ہیں اور مسجد نور کے شمال کی طرف کی دیوار کے ساتھ قبلہ رخ کھڑے ہیں، اپنے روایتی کھدر کے لباس میں ہیں، سر مبارک پر کھدر کا عمامہ ہے، چہرہ مبارک سرخ ہے جیسا کہ غصہ کی حالت ہوتی ہے، اسی حالت میں دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی ہوئی ہے اور جوش میں فرما رہے ہیں: "میں تو صرف اسی کے سامنے درخواست کروں گا، میں تو خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے سامنے بھی عرض نہیں کروں گا۔"

میرے دل میں فوراً خیال آیا کہ آپ ﷺ تو رحمۃ للعالمین ہیں اور اعداء کے ساتھ بھی مہربانی فرماتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: "میں تو اس بات کا انصاف صرف بارگاہ خداوندی سے چاہتا ہوں۔"

اسی خواب میں میں نے یہ بھی دیکھا کہ مسجد نور کے اندر سے سیاہ رنگ کا چھوٹا سا کتا نکلا اور بھاگتے ہوئے مدرسہ کے شمالی دروازے سے نکل گیا، جس سے مجھے خیال آیا کہ پیپلز پارٹی کی حکومت کا شر ملک سے رفع ہو گیا۔

مسجد نور کی تحریک ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی کہ خدا تعالیٰ نے پیپلز پارٹی کے خلاف بڑی تحریک شروع کرادی جس میں بے شمار قربانیوں، مصائب شدیدہ اور شہادتوں کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مستبد حکومت اور پیپلز پارٹی کو ذلت اور خواری کے ساتھ اقتدار سے محروم کر دیا جس کی مثال شاید ہی تاریخ میں ملے۔ یہ حضرت اقدس کی کھلی کرامت ہے۔

(ماخوذ از صفحہ ۳۰۳ خدام الدین اور امام اولیاء نمبر)

(مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۱۵۹)

بزرگوں سے سوءِ ظن آخرت تباہ کر دیتا ہے

حکیم آزاد شیرازی صاحب مدیر تذکرہ لاہور فرماتے ہیں کہ میرے ایک اہل حدیث دوست تھے جو کسی زمانے میں مولانا ابوالکلام آزاد کے شیدائی، جمعیت علماء ہند کے فدائی اور مجلس احرار کے سپاہی تھے۔ لیکن قیام پاکستان سے چند سال پہلے مودودی صاحب سے متاثر ہو کر جماعت اسلامی کے نہایت پر جوش اور مخلص رفیق بن گئے۔ وہ اکثر حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحب کی شان میں گستاخیاں کیا کرتے تھے۔ میں انہیں دبے لفظوں میں اس سے روکا کرتا تھا۔ حضرت کے وصال پر جب حضرت کی قبر کی مٹی سے خوشبو آنے کی خبریں پھیلیں تو ان صاحب نے اس کا بھی مذاق اڑایا اور یہ مذاق اپنے ہر ملنے والے سے کرتے تھے۔ اب میں کسی اور کیفیت سے دوچار تھا۔ اس لئے انہیں بہت سمجھایا کرتا کہ آپ دوسروں کے اعمال پر تنقید کرنے کی بجائے اپنی عاقبت کی فکر کیا کیجئے۔ لیکن وہ اس روش سے باز نہ آئے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے خودکشی کر کے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔

(مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۱۶۱)

سکندر مرزا کی جلاوطنی کا اعلان

سکندر مرزا صدر پاکستان نے اقتدار کے نشے میں چور ہو کر علمائے حق کو للکارا اور کہا تھا کہ ان دو پیسے کی ملاؤں کو بھی میں پکڑ کر ہندوستان بھجوا دیا جائے گا۔ اس کے جواب میں حضرت

اقدس ترجمان حق حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے واشگاف الفاظ میں علی الاعلان فرمایا تھا کہ:

اے سکندر مرزا! گوش ہوش سے سن، تو نے ایوان حکومت میں بیٹھ کر اور طاقت کے بل بوتے پر علمائے حق کے بارے میں یہ اعلان کیا ہے کہ انہیں چاندی کی کشتی میں سوار کر کے ملک بدر کر دیا جائے گا اور ہندوستان پہنچا دیا جائے گا۔ احمد علی، جو اللہ کے در کا ادنیٰ فقیر ہے، مسجد کی ٹوٹی پھوٹی چٹائی پر بیٹھ کر یہ جوابی اعلان کرتا ہے کہ ہمارا بھی اللہ نہیں اگر وہ لوہے کی کشتی پر سوار کر کے تجھے ملک سے باہر نہ دھکیل دے اور انگلستان نہ پہنچا دے جو تیری جائے پناہ ہے۔

یہ اعلان حضرت لاہوریؒ نے جا بجا ملک کے طول وعرض میں مختلف مقامات پر پے در پے کیا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ کچھ ہی عرصہ بعد اور گنے چنے دنوں میں سکندر مرزا کو بہ یک بینی دو گوش اقتدار سے دھکیل کر نظر بند کر کے جہاز میں سوار کر کے انگلستان بھیج دیا گیا جہاں کسمپرسی کے عالم میں سسک سسک کر مر گیا اور ترجمان حق ولی اللہ کی زبان سے نکلی ہوئی بات من وعن پوری ہوئی۔ (بحوالہ خدام الدین شمارہ ۷ جلد ۳۶، ۷ ستمبر ۱۹۹۰ء)

(مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۱۷۱)

کینسر ٹھیک ہو گیا

حضرت مولانا عبید اللہ انور کا بیان ہے کہ بیگم محمود وہ انصاری نے خود مجھ سے بیان کیا کہ میرے پیٹ میں کینسر تھا، ایکسرے کیا گیا اور میو ہسپتال میں داخلے کا فیصلہ ہوا، اس کا علاج آپریشن تجویز کیا گیا۔ میں حضرتؒ کی خدمت میں دعا کرانے کے لئے حاضر ہوئی تو حضرت نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے، بیماری بھی اس کے ہاتھ میں ہے اور شفا بھی اسی کی جانب سے ہے، اور صحت کے لئے دعا فرمائی۔

حضرت کے ان کلمات کے بعد میری پریشانی ختم ہو گئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے شفا دے دیں گے۔ میں نے آپریشن کرانے سے انکار کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے مرض بڑھنے کے خطرہ سے مجھے خبردار کیا لیکن جب میں کسی طرح تیار نہ ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ ٹھیک ہیں تو پھر ضرورت نہیں، پھر ایکسرے کرا لیا جائے۔ جب ایکسرے کا نتیجہ سامنے آیا

تو اس پھوڑے کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا اور میں پہلے ہی دن سے تندرست ہو چکی تھی۔ (ماخوذ صفحہ ۳۵ کتاب الحسنات، صفحہ ۲۰۰ امام الاولیاء نمبر، انوار ولایت صفحہ ۲۳۲) (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۲۰۷)

مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا

خطیب پاکستان قاضی احسان احمد مرحوم شجاع آبادی نے یہ واقعہ بیان فرمایا:

''ایک دفعہ میرا بازو ٹوٹ گیا اور علاج کے بعد درد وغیرہ جاتا رہا لیکن میرا ہاتھ منہ تک نہیں پہنچتا تھا۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں گرفتاریاں ہوئیں تو ملتان جیل میں میرے بعد حضرت لاہوری بھی گرفتار ہو کر تشریف لائے۔ اور علماء کرام بھی وہاں موجود تھے لیکن حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا کہ قاضی صاحب! آپ نماز پڑھایا کریں۔ میں نے تعمیل حکم میں نمازیں پڑھانی شروع کر دیں۔

ایک دن جماعت میں حضرت مولاناؒ میرے پیچھے کھڑے تھے۔ جب سجدے میں گئے تو آپ کی مبارک ٹوپی کی نوک میرے پاؤں کے تلوے میں لگی۔ مجھ پر یہ واقعہ بڑا شاق گزرا۔ میں نے اگلی نماز کی جماعت نہ کرائی۔ ایک دو دن کے بعد حضرت نے مجھ کو دوبارہ فرمایا: ''قاضی صاحب! آپ نماز پڑھایا کریں۔'' میں نے ہاتھ کی تکلیف کا عذر کیا اور کہا کہ میرا ہاتھ منہ تک نہیں جاتا۔ یہ سن کر حضرتؒ نے نہایت شفقت سے میرا بازو پکڑا، اپنے دست مبارک کو میرے ٹوٹے ہوئے بازو پر پھیرا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ قادر ہے، شفاء اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ اور اسی قسم کے چند ایمان افروز کلمات آپ کی زبان سے صادر ہوئے۔ میں خاموشی سے سنتا رہا۔ نماز عشاء پڑھی گئی، سونے کا وقت آیا، سب سو گئے۔

پروردگار عالم کی قسم! اگلی صبح کو میں نے نماز کے لئے وضو کیا تو میرے دونوں ہاتھ بالکل ٹھیک تھے۔ جبکہ سول سرجن ڈاکٹر امیر الدین صاحب فرما چکے تھے کہ بغیر آپریشن ٹھیک نہیں ہو گا۔ (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۲۰۷)

سانپ کے ڈسے ہوئے کو آپ کے دم سے فوری آرام

امام الہدیٰ حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ مسجد لسوڑے والی جو

ہمارے گھر کے قریب ہی چونے منڈی کی طرف ہے۔ اس کے مؤذن کو، جو فجر کی نماز کی اذان دینے کے لئے سیڑھیوں پر چڑھ کے جا رہا تھا، سانپ نے کاٹ لیا۔ حضرت لاہوریؒ کے پاس سانپ کے کاٹنے کا عمل تھا۔ وہ فوراً حضرتؒ کے مکان پر آ گیا۔ حضرتؒ نماز فجر کے لئے نیچے تر رہے تھے۔ اس سے یہاں آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ پنڈلی پر سانپ نے کاٹ کھایا ہے۔ حضرتؒ نے گھر سے فوراً نمک منگوا کر دم کر کے دیا۔ اس کے چاٹنے اور زخم پر لگانے سے خدا نے فوراً شفا دے دی۔ مؤذن جی نے جا کر اذان دی، نماز پڑھی اور پھر آئے اور پوچھا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا: کسی علاج کی ضرورت نہیں۔ پھر وہ کافی عرصہ تک اسی مسجد میں قیام پذیر رہا۔ (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۱۸۳)

دودھ میں بدبو آرہی ہے

ایک شخص نے حضرتؒ کی دعوت کی۔ حضرتؒ نے فرنی سونگھ کر فرمایا کہ دودھ میں سے خوشبو کی بجائے بدبو آرہی ہے، یقیناً دودھ ناجائز طریقہ سے حاصل کیا گیا ہے۔ تحقیق کے بعد حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔

(مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۱۹۸)

دوسرے کی باری کا پانی چرا کر باغ کو دیا ہے

ایک دن حضرتؒ صبح ہی صبح گھر سے کہیں باہر تشریف لے گئے۔ آپ کی غیر موجودگی میں آپ کا ایک مرید سرگودھا سے مالٹوں کا ایک ٹوکرا لے آیا۔ اس نے ٹوکرا دروازے پر رکھ دیا اور حضرتؒ کے متعلق دریافت کیا، جواب ملا کہ باہر گئے ہوئے ہیں، ظہر کے وقت آئیں گے۔ اس شخص نے ٹوکرا گھر میں رکھوا دیا اور خود مسجد میں جا کر بیٹھ گیا۔

حضرتؒ تشریف لائے تو پوچھا کہ یہ ٹوکرا کیسا ہے؟ جواب ملا کہ ایک شخص لایا تھا جو مسجد میں بیٹھا ہے۔ حضرت سیدھے مسجد تشریف لے گئے۔ اس شخص نے اٹھ کر سلام کیا، آپ نے جواب دیا اور کہا: "یہ حرام میرے لئے لائے ہو؟ اس کو اور کوئی کھانے والا نہیں تھا؟"

وہ شخص پریشان ہو کر بولا: "حضرت! یہ حرام کا مال نہیں، میں اپنے باغ سے توڑ کر لایا

ہوں۔'' حضرت نے فرمایا، ''لائے تو اپنے باغ سے ہی ہو مگر تمہیں یاد ہے کہ ایک دفعہ پانی کی باری کسی اور باغ والے کی تھی لیکن تم نے چوری چھپے اپنے باغ کو پانی دے لیا تھا۔ کیا اس کے بعد بھی یہ مال حلال ہے؟''

وہ شخص خاموش ہو گیا اور عرض کی، ''حضرت آپ درست فرماتے ہیں۔''

(مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۲۰۳)

تانگہ پلٹنے کا پہلے ہی کشف ہو گیا

غالباً فروری ۱۹۵۷ء میں داؤ آنہ چک نمبر ۲۸۲ حکیم علی محمد صاحب کے ہاں تشریف لائے، واپسی پر ایک جگہ کیچڑ تھا۔ حضرت اقدس لاہوریؒ تانگے سے اتر گئے۔ سب نے کہا، حضرت یہ تو کوئی خاص کیچڑ نہیں ہے، آپ بیٹھے رہیں۔ لیکن حضرت اقدس اصرار کے باوجود تانگہ سے اتر گئے۔ ایک حافظ صاحب محمد عیسیٰ تانگہ میں رہ گئے۔ تانگہ چلا تو تھوڑا آگے جا کر پلٹ گیا۔ حافظ صاحب کیچڑ میں لت پت ہو گئے۔ سب نے حضرت کی کرامت کو مان لیا۔

(مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۲۰۷)

ہذا حلال و ہذا حرام

ڈاکٹر لال دین اخگر لکھتے ہیں کہ ایک دن احقر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دو پیالوں میں دودھ اور گھی رکھا تھا۔ حضرتؒ چٹائی پر چارپائی سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، مجھے تنہا دیکھ کر فرمایا، فلاں تکلیف تھی، معالج نے گائے کا گھی اور دودھ تجویز کیا تھا۔ حافظ حمید اللہ دونوں چیزیں لے آئے لیکن گھی میں حرام کی آمیزش ہے، میں استعمال نہیں کروں گا۔ (ماخذ صفحہ ۲۵۲ انوار ولایت (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۲۰۸)

بے نمازی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانے سے گریز

ماسٹر فقیر محمد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت اقدس میرے گھر تشریف لائے، کھانا تیار کیا گیا، آپ کے سامنے رکھا گیا تو آپ نے صرف ایک لقمہ ایک پلیٹ سے اور ایک لقمہ دوسری پلیٹ سے اٹھایا اور خاموش ہو گئے۔ مولوی محمد عیسیٰ صاحب موجود تھے، انہوں نے تنہائی

میں پوچھا تو فرمایا کہ کھانا بے نمازی عورت نے پکایا ہے۔ دراصل کھانا ماسٹر فقیر محمد صاحب کی ماں نے پکایا تھا اور وہ نمازی نہیں تھی۔ (ماخذ صفحہ ۲۵۴ انوار ولایت)

۱۹۳۶ء میں حضرت اقدسؒ معہ اہل و عیال بحری جہاز کے ذریعے حج کے لئے تشریف لے گئے۔ جہاز میں کھانا پکانے والا عملہ بے نمازی تھا۔ حضرتؒ ہر روز درس قرآن مجید دیا کرتے تھے۔ جہاز میں سندھی حجاج کرام بھی تھے، اس لئے سندھی میں بھی درس قرآن ہوتا تھا۔ چونکہ افغانی بھی جہاز میں شریک سفر تھے اس لئے اکثر و بیشتر فارسی میں بھی بیان کرنا پڑتا تھا۔ علاوہ ازیں آپؒ اپنے اوراد و وظائف میں مستغرق رہتے۔

آپؒ نے کھانا پکانے والوں سے بارہا تاکید کی کہ نماز پڑھیں لیکن کوئی بھی نہ مانا۔ حضرتؒ بے نمازی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہیں کھاتے تھے، اس لئے پورے سفر میں مسلسل بھوکے رہے اور نہایت کمزور ہو گئے۔ اس بحری جہاز کا نام ایس ایس انگلستان تھا۔ جہاز جدہ پہنچا تو آپؒ بھوک سے نڈھال تھے۔ ساحل پر اتر کر ایک بھنی ہوئی مچھلی کھائی جس سے پیچش کا عارضہ لاحق ہو گیا اور تقریباً ایک ماہ اس تکلیف میں مبتلا رہے لیکن اس بات پر آپؒ خوش تھے کہ اس سفر پر ہم کچھ حاصل کرنے آئے ہیں، کھونے نہیں آئے۔ الحمد للہ بے نمازیوں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہ کھانے سے دل مردہ ہونے سے بچ گیا۔ عبادت الٰہی میں خشوع و خضوع محفوظ رہا۔

(مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۴۰۸)

اللہ تعالیٰ کسی کو جہنم میں نہیں پھینکتے

سید امین گیلانی نے لکھا ہے کہ مولانا محمد لقمان صاحب مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت پر شیخوپورہ میں مرزائیت کے خلاف ایک تقریر کی بنا پر مقدمہ چلا۔ مرزا غلام احمد دعویٰ نبوت کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے۔ اس فتویٰ کے لئے عدالت میں حضرت شیخ التفسیرؒ کو تشریف لانے کے لئے عرض کیا۔ حضرت بخوشی اس تاریخ کی پیشی پر عدالت تشریف لائے۔ عدالت سے فارغ ہو کر مولانا سید امین الحق صاحب حضرت کو اپنے ساتھ لے آئے۔ ان کے حجرے میں حضرت لاہوری خود مولانا امین الحق صاحب اور تیسرا میں تھا۔

حضرت شیخ مولانا امین الحق صاحب سے مصروف گفتگو تھے اور میں حضرت کے سامنے

روزانہ بیٹھ کر موقع پر کر حضرت شیخ کے چہرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ جی میں خیال آیا کہ میں سید ہو کر جہنم کے کنارے کھڑا ہوں اور حضرت خیر مسلم کی اولاد تھے لیکن اللہ اللہ یہ مرتبہ اور مقام گویا ایک جہنمی ایک جنتی کی زیارت کر رہا ہے۔ اچانک حضرت نے میری طرف دیکھا اور فرمانے لگے نہیں بیٹا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی جہنم میں نہیں پھینکنا چاہتے۔ لوگ تو خود کوشش کر کے جہنم میں کودتے ہیں۔ میں فوراً سنبھلا اور سمجھ گیا کہ حضرت پر راز افشا ہو گیا۔ (ماخذ دو بزرگ ص ۴۲) (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۱۲۶)

مریدہ کے بیٹوں کا حال

حضرتؒ کی ایک مریدہ کے دو بیٹے فوت ہو چکے تھے۔ اس نے حضرت سے دونوں بیٹوں کی قبروں کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ایک بیٹا جنتی ہے اور دوسرا عذاب میں مبتلا ہے۔ اس پر عورت نے کہا کہ واقعی جنتی بیٹا شہادت کی موت مرا ہے اور دوسرے نے خودکشی کی تھی۔ (صفحہ ۱۹۰ مرد مومن) (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۲۲۸)

عذاب میں مبتلا ہے

انگلستان میں تعلیم پانے والے ایک پاکستانی طالب علم کی موت پر حضرتؒ نے اس کی والدہ سے فرمایا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہے۔ اس وقت تو اس کی والدہ بڑی متفکر ہوئی مگر چند دنوں کے بعد جب وہاں سے کالج کے پرنسپل کا تفصیلی خط آیا تو اس میں درج تھا کہ وہ لڑکا باغ میں مردہ پایا گیا اور اس کی لاش کے پاس زہر کی خالی شیشی پڑی تھی جو کہ اس نے خودکشی کی تھی۔ (صفحہ ۱۹۳ مرد مومن) (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۲۲۸)

حضرت علی ہجویری کی قبر

جناب احسان قریشی صابری پرنسپل گورنمنٹ کالج کمرشل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ سیالکوٹ کے اپنے بیان کا جو کہ آپ نے محولہ بالا حضرت علی ہجویریؒ واقعہ کے ضمن میں ہفت روزہ خدام الدین میں ۱۵ مارچ ۱۹۶۳ء کے شمارے میں شائع کروایا تھا خلاصہ درج ذیل ہے:

راقم الحروف (احسان قریشی) کو حضرت شیخ التفسیر سے عمر بھر میں صرف ایک ہی دفعہ

ملنے کا اتفاق ہوا اور وہ ملاقات ہی ایسی ملاقات ہے جس پر ہزاروں ملاقاتیں قربان کی جاسکتی ہیں۔ چھ سات سال ہوئے کہ احقر نے اخبارات میں یہ خبر پڑھی کہ حضرت شیخ التفسیر نے اپنے کشف کی بناء پر فرمایا ہے کہ حضرت علی ہجویری کی قبر لاہور کے قلعہ میں ہے۔ میں اس خبر کو پڑھ کر بڑا حیران ہوا اور دل میں ٹھان لی کہ کسی جمعرات کو لاہور جا کر حضرت مولانا احمد علی صاحب سے ضرور ملاقات کروں گا۔ حضرت کی زیارت بھی ہو جائے گی اور اپنے دل کے شکوک بھی رفع کروں گا۔

چنانچہ اگلی جمعرات کو لاہور روانہ ہو گیا۔ حضرت اقدس مفتی حسن محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ احقر ان کے ہاتھ پر بیعت تھا۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ مولانا احمد علی صاحبؒ سے ملنا ہے اور فلاں بات کے متعلق دریافت کرنا ہے۔ مفتی صاحب نے میری عرض سن کر فرمایا کہ "میاں احسان! وہاں شوق سے جاؤ لیکن ادب ملحوظ خاطر رہے۔ جتنا تم میرا ادب کرتے ہو، اس سے دس گنا زیادہ ان کا ادب کرنا۔ یاد رکھو! اس وقت سلسلہ عالیہ قادریہ کا کوئی اور ایسا شیر روئے زمین پر زندہ انسانوں میں موجود نہیں جیسے مولانا احمد علی صاحبؒ ہیں۔ تمہاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے جیسے تمہیں ان کی باتوں کا یقین نہیں ہے۔ تم شوق سے ان سے سوالات پوچھو مگر ادب ملحوظ رہے۔ مولانا احمد علی صاحب کی آواز سے اونچی آواز مت نکالنا۔ تم انگریزی خواں انسانوں میں میں نے ایک کمی دیکھی ہے کہ جب کوئی شیخ پکڑتے ہو تو اس کا ادب تو بہت کرتے ہو لیکن دوسرے سلاسل کے بزرگوں کا ادب کما حقہ نہیں کرتے ہو۔"

میں نے مفتی صاحب سے دست بستہ عرض کیا کہ حضرت! مولانا صاحب کی جوتیوں کی خاک کو بھی اپنے سے افضل سمجھتا ہوں، آپ اطمینان رکھیں۔ احقر بڑے ہی ادب سے گفتگو کرے گا۔

القصہ! احقر نماز عصر کے وقت شیرانوالہ دروازہ کی مسجد میں حاضر ہوا اور حضرت سے پانچ منٹ تخلیہ میں بات کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ جب میں نے آپ کی خدمت میں سوال کیا تو آپ نے جواب دیا:

"قلعہ میں مدفون بزرگ اور بھاٹی گیٹ میں دفن شدہ بزرگ دونوں ایک ہی نام، ایک

ہی شہر اور ایک ہی محلے کے رہنے والے ہیں اور میں دونوں کو اہل اللہ سمجھتا ہوں۔"

میں نے سمجھا کہ حضرت اس کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتے، چنانچہ میں نے اجازت چاہی۔ لیکن حضرت نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو میری بات کا اعتبار نہیں آیا کہ ایک اور علی ہجویری بھی قلعہ میں مدفون ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اگر میں ہاں میں جواب دیتا ہوں تو سوء ادب ہے جس سے میرے مرشد نے منع فرمایا ہے، اگر نہ میں جواب دوں تو کذب بیانی ہے۔

فرمانے لگے، آپ کس کے مرید ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ مفتی حسن محمد صاحب سے ارادت رکھتا ہوں۔ فرمایا، آپ کے شیخ بڑے بزرگ ہیں، ان کے مدارج بحمد اللہ بڑے بلند ہیں۔ پھر فرمایا کہ میری بات صحیح تھی یا آپ کو میری بات میں شک ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت سوء ادب کی شناعت کی امان پاؤں تو عرض کروں؟ فرمایا، نہیں نہیں صاف بات کریں، اس میں کوئی سوء ادب نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے شک ہے کہ علی ہجویری نامی کوئی اور بزرگ موجود ہیں۔ حضرت نے فرمایا، آپ نے سچ کہا ہے، اپنے دل کی بات کھول کر کہی ہے۔ اب آپ اس طرح کریں کہ دو تین منٹ مراقبہ میں بیٹھیں اور دل میں اس بات پر غور کریں کہ علی ہجویری نامی کوئی اور بزرگ لاہور کے قلعہ میں مدفون نہیں ہیں۔

چنانچہ احقر نے آنکھیں بند کر لیں اور مراقبہ میں چلا گیا۔ ناگہاں دیکھتا ہوں کہ میں قلعہ لاہور میں بیٹھا ہوں، ایک قبر شق ہوئی اور ایک سفید لباس نورانی صورت بزرگ وہاں سے نمودار ہوئے اور فرمانے لگے: "وہ علی ہجویری میرے ہم نام ہیں، ہم شہر اور ہم وطن ہیں۔" اتنا فرما کر وہ بزرگ غائب ہو گئے اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔ حضرت اقدس لاہوری نور اللہ مرقدہ کے دست مبارک چومے اور واپس آ گیا۔

فی الواقع حضرت اقدس کا کشف کامل تھا کہ بیداری میں ہی احقر کو قلعہ والے بزرگ کی زیارت کرا دی۔ (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۲۲۹/۲۳۲)

قبر اندر سے خالی ہے

حضرت مولانا بشیر احمدؒ خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ فرماتے

ہیں کہ دودھو چک تحصیل شکر گڑھ میں ایک تبلیغی جلسہ کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہ شرکت کے لئے تشریف لے جارہے تھے۔ تانگہ میں اگلی سیٹ پر حضرت اقدس تشریف فرما تھے جبکہ میں پیچھے بیٹھا تھا۔ کوچوان اگلی طرف نچلے حصہ میں بیٹھا تھا کہ تانگہ کا وزن برابر رہے۔ راستہ میں ایک سادہ اور پرانا مقبرہ آیا جس پر قبہ نما گنبد بنا ہوا تھا۔ جب تانگہ اس قبہ کے برابر سے آگے نکل گیا تو حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ نے فرمایا! "مولوی بشیر! یہ قبر بالکل خالی ہے، اس کے اندر کوئی میت نہیں ہے، یہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے نہیں معلوم کہ یہ کس کا مقبرہ ہے اور کتنی مدت سے ہے۔

جب دودھو چک پہنچ گئے تو میں نے پیر بھائی مولوی حکیم عبدالحق صاحب سے دریافت کیا کہ فلاں دائرے میں جو قبر ہے اس میں کون صاحب ہیں اور قبر کتنی پرانی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ نزدیک والے پنڈ (گاؤں) کا ایک بے دین بھنگی چرس پوست افیونی ملنگ تھا جس کی موت ضلع لائل پور (فیصل آباد) کے کسی چک میں ہوئی تھی اور وہ وہیں دفن بھی کیا گیا تھا۔ اس کے پیچھے چاہتوں نے باہمی مشورہ کر کے یہاں بھی اس ملنگ کی ایک ڈھیری بنا کر اس پر یہ قبہ نما گنبد بنالیا اور اس پر اب میلہ کرتے ہیں، یہاں کوئی بھی دفن نہیں ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب سے یہ واقعہ سن کر حضرت اقدسؒ کے اس بلند مقام کشف پر حیران رہ گیا۔ (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۲۳۲)

مزارات بالاکوٹ کی حقیقت

مولانا سید گل بادشاہ صاحب (مرحوم) کا بیان ہے کہ انہوں نے ڈیرہ اسماعیل خان میں حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی اور حضرت مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی کی موجودگی میں شہدائے بالاکوٹ کی بابت پوچھا تو حضرت نے فرمایا۔

وہاں میں نے مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مزار پر مراقبہ کیا تو واقعی انہی کا مزار تھا لیکن جب سید احمد بریلویؒ کی قبر پر مراقبہ کیا تو صاحب قبر نے بتایا کہ میں سید احمد بریلوی نہیں ہوں، لوگ غلطی سے مجھے سید احمد بریلوی سمجھتے ہیں، میرا نام سید احمد ہے۔"

مرد مومن میں سید احمد لکھا گیا ہے۔ اول الذکر نام درست معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں اس قسم

کے نام ہوتے ہیں۔ سید احمد اور سید احمد میں فرق بھی بہت کم ہے، جس سے اشتباہ ہونا بعید نہیں۔ (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۲۳۵)

پاؤں ننگے ہیں

سید امین گیلانی لکھتے ہیں کہ مرزا غلام نبی جانباز صاحب مرحوم نے بتایا کہ ان سے حاجی دین محمد صاحب مرحوم نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک شخص محمد حسین جو حضرت کے مخلص عقیدت مندوں میں سے تھا اور ایک بار حضرت کے ہمراہ عمرہ کرنے کا شرف بھی حاصل کر چکا تھا، لاہور میں اچانک بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔ ہم نے دوسرے روز حضرت سے اس کی وفات کا ذکر کیا۔ حضرت نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے بعد فرمایا کہ مجھے بروقت اطلاع کیوں نہ دی؟ ہم نے عرض کیا کہ آپ کی ضعیفی اور ناسازی طبع کے پیش نظر۔ فرمایا، چلو مجھے اس کی قبر پہ لے چلو۔

قبر پر پہنچ کر حضرت نے دعا فرمائی اور مراقبہ کیا۔ پھر فرمایا، محمد حسین کی حالت تو اچھی ہے مگر پاؤں ننگے ہیں۔ عرض کیا، وہ جو بیت اللہ سے کفن لایا تھا، اتفاق سے چھوٹا نکلا، اس لئے سر ڈھانپ دیا اور پاؤں ننگے رہنے دیئے۔

(مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۲۳۶)

اکرام حضرت مولانا سید داؤد غزنویؒ

اہل حدیث عالم حضرت مولانا سید داؤد غزنویؒ نے ایک دفعہ اطلاع بھجوائی کہ فلاں روز وہ اپنے رفقاء کے ساتھ شیرانوالہ تشریف لائیں گے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے اپنے مریدین تلامذہ اور عقیدت مندوں کو حکم فرمایا کہ مولانا سید داؤد غزنوی صاحب اور ان کے ساتھی جس نماز میں ہمارے ساتھ شامل ہوں تو آپ سب لوگ ان کے مسلک کے احترام میں رفع یدین کریں اور آمین بالجہر کہیں تاکہ ہمارے مہمانوں کو یہاں کوئی اجنبیت محسوس نہ ہو۔

جبکہ مولانا سید داؤد غزنوی پہلے ہی اپنے ساتھیوں کو تاکید فرما چکے تھے کہ شیرانوالہ میں میرے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے آپ لوگ نہ رفع یدین کریں اور نہ اونچی آواز سے آمین کہیں

کیونکہ مولانا احمد علی حنفی مسلک ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اس رواداری اور احترام مسلک کا یہ عجیب منظر دیکھا گیا کہ حنفی مسلک کے نمازی رفع یدین کر رہے ہیں اور آمین بلند آواز سے پڑھ رہے ہیں جبکہ اہل حدیث مہمانوں نے اپنے میزبانوں کے اکرام میں نہ رفع یدین کیا نہ آمین بالجہر پڑھی۔

(مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۲۵۹)

مظاہرہ حق گوئی و بے باکی

۱۹۳۹ء میں خاکسار تحریک نے پنجاب کے تمام شہروں میں زور پکڑا تو گورنمنٹ نے اس کی سرکوبی کے لئے قدم اٹھایا۔ اس کے جلسے جلوسوں پر پابندی لگا دی۔ خاکساروں نے حکومت کی خلاف ورزی میں لاہور میں جلوس نکالا تو حکومت نے ان کو روکا۔ نوگزے کی قبر کے پاس خاکسار رضا کاروں اور پولیس کے درمیان تصادم ہوا۔ لاہور شہر کا انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس اس حادثہ میں زخمی ہوا۔ خاکساروں پر گولی چلائی گئی جس سے کئی خاکسار شہید ہو گئے۔ حکومت کے رویہ میں تشدد پیدا ہوا، عام گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ خاکساروں نے گرفتاری سے بچنے کے لئے شہر کی مساجد میں پناہ لے لی۔ حضرت لاہوریؒ کی مسجد شیرانوالہ کے دروازہ میں بھی کچھ خاکسار آ گھسے۔

وزیر اعظم پنجاب سر سکندر حیات خان نے لاہور شہر کے علماء کو بلایا تاکہ خاکساروں کی تکفیر کے لئے فتویٰ حاصل کر سکیں۔ وفد حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوریؒ کی قیادت میں وزیر اعظم سے ملا۔ وزیر اعظم سر سکندر حیات خان نے خاکساروں کے خلاف ایک فتویٰ دستخط کے لئے حضرت اقدس لاہوریؒ کے سامنے رکھ دیا اور حاکمانہ انداز میں کہا کہ مولانا! آپ نے ہماری سرکار کے باغیوں کو اپنی مسجد میں پناہ دے رکھی ہے۔

حضرت نے نہایت متانت اور بے باکی سے فرمایا کہ خاکسار آپ کی سرکار کے باغی ہوں گے، میری سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی تو نہیں ہیں۔

یہ فرما کر حضرت اقدس ناراضگی کی صورت میں وہاں سے احتجاجاً اٹھ کھڑے ہوئے۔ وزیر اعظم کے چائے کی دعوت میں بھی شرکت نہیں فرمائی۔ آخر کار وزیر اعظم سر سکندر حیات

خان سے واپسی پر سواری کے لئے کار پیش کی تو آپ نے اسلامی غیرت سے فرمایا: ”آپ کی کار میں پاؤں رکھنا میرے جوتے کی توہین ہے۔“

حکومت نے اگلے دن آپ کو نظر بند کر کے سی پی برار کی طرف بھیج دیا۔ لیکن علی الصبح لاہور سے شائع ہونے والے تمام اخبارات میں حضرت اقدس کا فتویٰ جلی حروف میں شائع ہو گیا کہ: ”مسلمان مصیبت کے وقت مساجد کو بطور قلعہ استعمال کر سکتے ہیں“

علامہ عنایت اللہ مشرقی کی عبادات وخیالات سے اختلاف کے باوجود اسلام دوستی اور حق نوازی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ (مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات: ۲۴۳)

درس قرآن کا شوق

حضرت شیخ التفسیر خواجہ یاقی باللہ والے قبرستان میں تشریف لے جاتے تھے وہاں کئی ایک غیر آباد مساجد موجود تھیں آپ کسی مسجد کے ممبر پر کھڑے ہو جاتے اور تصور میں حاضرین کو سامنے بٹھا کر درس قرآن مجید شروع کر دیتے اور اسی طرح ہر روز آپ حضرت سندھی کے درس کی تقریر از بر فرمایا کرتے تھے اور اپنے جسم کی تمام قوتوں کو قرآن حکیم کو سمجھنے میں وقف کر چکے تھے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۱۵۲)

دارورسن کی آزمائشیں

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی نے کابل سے چند شخصیتوں کے نام خطوط ارسال کئے یہ خطوط حضرت لاہوری کے پاس دہلی پہنچائے گئے آپ نے حضرت سندھی کی ہدایات کے مطابق مکتوب الیھم کو پہنچانے کا خفیہ انتظام فرمایا چھ ماہ بعد حضرت سندھی نے ایک آدمی کے ذریعے پھر اسی نوعیت کے خطوط ارسال فرمائے سوئے اتفاق سے وہ خطوط پکڑے گئے اور اس لانے والے آدمی کی وساطت سے سابقہ خطوط کا راز بھی افشاء ہو گیا چنانچہ ان خطوط کے پکڑے جانے کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا نے ایک ہی دن میں اور ایک ہی وقت پر حضرت سندھی کے تمام متعلقین کو گرفتار کر لیا اور ایک دن حضرت لاہوری حسب معمول نماز صبح کے بعد مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ میں درس قرآن مجید دے رہے تھے اور تعلیم یافتہ نوجوان آپ

کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس اور آنریری مجسٹریٹ درس گاہ میں آدھمکے۔ سپرنٹنڈنٹ ایک انگریز تھا آگے بڑھا اور وارنٹ گرفتاری حضرت کے ہاتھ میں دے کر تمام لوگوں کو مدرسہ سے باہر نکال دیا اور کمرے کو مقفل کر کے حضرت کو حراست میں لے لیا پھر آپ کے ساتھ آپ کے مکان پر پہنچے اہل و عیال کو مکان کی چھت پر چڑھا کر خانہ تلاشی شروع کی حضرت کی وہ قلمی تحریرات جو قرآن مجید سے متعلق تھیں اور وہ کتب جن کو اس عملے نے مخدوش سمجھا ایک ٹرنک میں بھر لیا چند دنوں بعد آپ کو ہتھکڑی لگا کر رات کے وقت دہلی ریلوے اسٹیشن لایا گیا اور وہاں سے شملہ لے گئے اور شملہ کی حوالات میں نظر بند کیا۔ کچھ عرصہ تک آپ کو شملہ جیل میں رکھا گیا بعد ازاں آپ کو ہتھکڑی لگا کر لاہور لے آئے حضرت ان دنوں عربی لباس پہنا کرتے تھے ریلوے اسٹیشن لاہور سے آپ کو پیدل امرت دھارا روڈ پر میاں عبدالعزیز پولیس افسر کے مکان پر لائے اب حکم ہوا کہ آپ کو ریلوے اسٹیشن لاہور کی حوالات نولکھا میں محصور کیا جائے آپ کو کئی دن وہاں رکھا گیا یہاں سے ہتھکڑی لگا کر جالندھر پہنچا دیئے گئے اور جالندھر شہر کے ریلوے اسٹیشن کی جیل میں بند کر دیئے گئے۔ پچیس دن بعد آپ کو جالندھر شہر کی جیل میں منتقل کیا گیا۔ نماز عصر کے بعد جب آپ جیل کی کوٹھڑی سے باہر آئے تو کچھ فاصلے پر داروغہ جیل کے پاس اپنے مربی و محسن اور مرشد حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوری نور اللہ مرقدہ کو دیکھا اس وقت یہ راز کھلا کہ حضرت دین پوری بھی اسی مقدمے میں ماخوذ ہیں دور ہی سے اپنے مرشد کا دیدار کیا کیونکہ قدم بوسی کی اجازت نہیں تھی حضرت شیخ المشائخ مولانا غلام محمد دین پوری کی زیارت کے بعد آپ جب وضو کرنے کے لئے نلکے کے پاس آئے تو مولانا عبدالحق لاہوری رفاہ عام سٹیم پریس کے مالک کو دیکھا معلوم ہوا کہ وہ بھی اسی مقدمہ میں گرفتار ہو کر آئے ہیں وہاں سے راہوں ضلع جالندھر کے جیل میں منتقل کر دیئے گئے اور دورے پر آئے ہوئے ڈپٹی کمشنر کے سامنے پیش کر دیئے گئے۔ وہاں سے حکم ملا کہ گورنمنٹ آپ کو اس مقدمہ کے جرم میں راہوں ضلع جالندھر میں نظر بند کرتی ہے آپ اس قصبہ کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے اور نہ ہی کوئی بیرونی آدمی آپ کو یہاں آ کر مل سکتا ہے اگر آپ نے کوئی خط لکھنا ہو تو خط لکھ کر سب انسپکٹر پولیس کے حوالے کیجئے سرکاری افسر معائنہ کے بعد مکتوب الیہ کو

بھیج دیا کریں گے علاوہ ازیں آپ کو گورنمنٹ کی طرف سے پندرہ روپے وظیفہ ملے گا راہوں پولیس اسٹیشن کے پاس واقع ایک شاہی مسجد آپ کے اوراد و اشغال اور قرآن پاک میں تدبر وتفکر کا مرکز بن گیا پورا دن اسی مسجد میں یاد الٰہی اور تفکر فی القرآن میں گزرتا رات کے وقت تھانہ تشریف لے جاتے کھانے کا انتظام پولیس کے ساتھ ہی تھا ایک کرتہ اور ایک عربی عبا آپ کا لباس اور بستر تھا مسجد میں آنے والے نمازیوں میں سے ایک شخص نے بستر لانے کی بڑی کوشش کی مگر حضرت نے منع فرما دیا آخر کار ایک شخص نے عشاء کے بعد بستر لا کر درخواست کی کہ آپ اس ناچیز کا تحفہ قبول فرمائیں یہ بستر فقط آپ کے لئے تیار کیا گیا ہے کھانے کا انتظام چونکہ سپاہیوں کے ذریعے کیا گیا تھا وہ بازار سے کچا راشن لاتے اور خود پکاتے چار دن کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ کھانا پکانے میں جو ایندھن استعمال ہوتا ہے وہ رشوت کا ہوتا ہے اس لئے آپ نے کھانا تناول فرمانا بند کر دیا فاقہ کشی کا دور شروع ہوا جب آپ کے کھانے کا بظاہر کوئی انتظام نہ رہا تو ایک اجنبی عورت مسجد سے باہر کھڑے ہو کر آپ کو مکئی کے بھنے ہوئے دانے دے جاتی اور اس کے ساتھ کچھ گڑ بھی حالانکہ وہ عورت حضرت سے بالکل ناواقف تھی آپ یہ دانے چبا لیتے اور پانی پی لیتے راہوں کے ایام اسیری اسی رزق پر بسر ہوئے راہوں میں ایک دن ایک بزرگ تشریف لائے وہ اس قصبہ کے باشندے نہیں تھے حضرت اس وقت اکیلے اور یاد خدا میں مستغرق تھے اس بزرگ نے آپ کو وظیفہ بتایا اور کہا کہ اگر آپ یہ وظیفہ پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس نظر بندی کی مصیبت سے نجات دے گا حضرت نے یہ وظیفہ سات دن پڑھا تو علم غیبی نے رات کو خواب میں آپ کو رہائی کا مژدہ سنایا اور حضرت کو راہوں سے لاہور لایا گیا اور سی آئی ڈی کے ایک انگریز افسر کے سامنے جس کے ساتھ ایک مسلمان افسر بھی تھا پیش کیا گیا اس افسر نے آپ سے کہا کہ حکومت آپ کو صوبہ سندھ یا دہلی واپس بھیجنے کے لئے تیار نہیں ہے کیونکہ اس کا یقین ہے کہ صوبہ سندھ یا دہلی میں آپ کا واپس جانا کسی لحاظ سے ٹھیک نہیں لہٰذا آپ کو لاہور ہی میں رہنا ہوگا آپ اپنے دو ضامن پیش کر دیں اور دو ہزار ہزار روپے کی ضمانت دیں تب گورنمنٹ آپ کو رہا کرنے کے لئے تیار ہے حضرت نے فرمایا پنجاب میں میرا کوئی واقف نہیں میں دہلی یا صوبہ سندھ میں ضامن پیش کر سکتا ہوں مگر انہوں

نے کہا کہ وہاں سے ضامن لینے کے لئے ہم تیار نہیں چنانچہ آپ نے غور کیا تو قاضی ضیاء الدین مرحوم ایم اے فاضل دیوبند ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ کا نام یاد آیا قاضی صاحب آپ کی اہلیہ محترمہ کے چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی میں علماء کی جماعت کو انگریزی پڑھانے کے استاد تھے دوسرے ضامن ملک لال خان (مینیجر انجمن اسلامیہ گوجرانوالہ) کو تجویز کیا گیا ان کی زرضمانت جمع کرنے پر حضرت مولانا احمد علی لاہوری کو قید فرنگ سے رہائی ملی لاہور کی فضاؤں نے ہجوم کر آپ کا استقبال کیا۔

(تیس بڑے مسلمان ۱۵۷)

بحمداللہ میری بستی میں فخر اولیاء آئے
مثیل بایزید آئے امام الاتقیاء آئے
تجھے تہلیل کے نغمات کا سننا مبارک ہو
کتاب اللہ کی آیات کا سننا مبارک ہو
ہزاروں اس جگہ حسن عبادت آ کے سیکھیں گے
ہزاروں اس جگہ درس صداقت آ کے سیکھیں گے

☆☆☆

امام انقلاب

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

بچپن میں سکھ مذہب چھوڑ کر اسلام لانے والے خوش قسمت انسان تحریک ریشمی رومال کے روح رواں، آزادی وطن کے لئے ۲۴ سال جلاوطنی کی زندگی گزارنے والے تحریک آزادی کی صف اول کے بے باک مجاہد، افکار شاہ ولی اللہ کے امین

وفات	پیدائش
۱۹۴۴ء	۱۸۷۲ء

کفر کے دامن میں پائی جس نے ایمان کی جھلک
آشکارا جس پہ علم و عشق کا عرفان تھا
حلقہ محمود میں رمز ولی اللہ کو
جس نے سمجھا تھا یقیں وہ پختہ دل انسان تھا

پیدائش اور یتیمی

میں بشب جمعہ قبل صبح ۱۲ محرم ۱۲۸۹ھ (۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء) میں پیدا ہوا۔ میرا باپ چار ماہ پہلے فوت ہو چکا تھا۔ دو سال بعد دادا بھی مر گیا تو میری والدہ مجھے ننھیال میں لے آئی۔ یہ ایک خالص سکھ خاندان تھا۔ میرے نانا کی ترغیب پر ہی میرا والد سکھ بن گیا تھا۔ میرے دو ماموں جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان میں پٹواری تھے۔ جب نانا فوت ہوا تو ہم ان کے پاس چلے آئے۔ میری تعلیم ۱۸۷۸ء سے جام پور کے اردو مڈل سکول میں شروع ہوئی۔ ۱۸۸۷ء میں مڈل کی تیسری جماعت میں پڑھتا تھا کہ اظہار اسلام کے لئے گھر چھوڑ دیا۔ اس دوران میں دو سال کے لئے میں ضلع سیالکوٹ میں رہا، اس لئے اپنی جماعت سے پیچھے رہ گیا، ورنہ اپنے سکول میں شروع سے ممتاز طالب علم مانا جاتا تھا۔ (خطبات ومقالات: ۲۱۲)

مطالعہ اسلام

۱۸۸۴ء میں مجھے اسکول کے ایک آریہ سماجی لڑکے کے ہاتھ سے ''تحفۃ الھند'' ملی۔ اس کے مسلسل مطالعہ میں مصروف رہا اور بالتدریج اسلام کی صداقت پر یقین بڑھتا گیا۔ ہمارے قریب کے پرائمری سکول (کوٹلہ مغلاں) سے چند دوست بھی مل گئے جو میری طرح ''تحفۃ الہند'' کے گرویدہ تھے۔ انہی کے توسط سے مجھے مولانا اسماعیل شہید کی ''تقویۃ الایمان'' ملی۔ اس کے مطالعہ پر اسلامی توحید اور ''پرائک شرک'' اچھی طرح سمجھ میں آ گیا۔ اس کے بعد مولوی محمد صاحب لکھوی کی کتاب احوال الآخرت (پنجابی) ایک مولوی صاحب سے ملی۔ اب میں نے نماز سیکھ لی اور اپنا نام مؤلف تحفۃ الہند کے مصنف کے نام پر عبیداللہ تجویز کیا۔

''احوال الآخرت'' کا بار بار مطالعہ اور ''تحفۃ الہند'' کا وہ حصہ جس میں نومسلموں کے حالات لکھے ہیں۔ یہی دو چیزیں جلدی اظہار اسلام کا باعث بنیں۔ ورنہ اصلی ارادہ یہ تھا کہ جب کسی ہائی سکول میں اگلے سال تعلیم کے لئے جاؤں گا تو اس وقت اظہار اسلام کروں گا۔

(خطبات ومقالات: ۲۱۳)

اظہار اسلام

۱۵ اگست ۱۸۸۷ء کو تو کلا علی اللہ نکل کھڑا ہوا۔ میرے ساتھ کوٹلہ مغلاں کا ایک رفیق عبدالقادر تھا۔ ہم دونوں عربی مدرسہ کے ایک طالب علم کے ساتھ کوٹلہ رحیم شاہ ضلع مظفر گڑھ پہنچے۔ ۹ ذی الحجہ ۱۳۰۴ھ (۲۹ اگست ۱۸۸۷ء) کو میری سنت تطہیر ادا ہوئی۔ اس کے چند روز بعد جب میرے اعزہ تعاقب کرنے آئے تو میں سندھ کی طرف روانہ ہو گیا۔ عربی صرف کی کتابیں میں نے راستہ میں اس طالب علم سے پڑھنا شروع کر دی تھیں۔

(خطبات و مقالات: ۲۱۵)

سید العارفین کی صحبت

اللہ کی خاص رحمت سے جس طرح ابتدائی عمر میں اسلام کی سمجھ آسان ہو گئی، اسی طرح کی خاص رحمت کا اثر یہ بھی ہے کہ سندھ میں حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھر چونڈی والے کی خدمت میں پہنچ گیا، جو اپنے وقت کے جنید اور سید العارفین تھے۔ چند ماہ میں ان کی صحبت میں رہا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لئے طبیعت ثانیہ بن گئی، جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے۔

حضرت نے ایک روز میرے سامنے اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا (غالباً مولانا ابوالحسن امروٹی اس میں موجود تھے) کہ عبید اللہ نے اللہ کے لئے اپنے ماں باپ کو چھوڑا، اس لئے اب اس کے ماں باپ ہم ہیں۔

اس کلمہ مبارک کی تاثیر خاص میرے دل میں محفوظ ہے۔ میں انہیں اپنا دینی باپ سمجھتا ہوں اور اسی لئے سندھ کو مستقل وطن بنایا بن گیا۔ میں نے قادری راشدی طریقہ میں ان سے بیعت کر لی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ محسوس ہوا کہ بڑے انسان سے بہت کم مرعوب ہوتا ہوں۔ تین چار ماہ بعد میں طالب علمی کے لئے رخصت ہوا۔ مجھے بتایا گیا کہ حضرت نے میرے لئے خاص دعا فرمائی '' خدا کرے عبید اللہ کا کسی راسخ عالم سے پالا پڑے۔'' میرے خیال میں خدا نے یہ دعا قبول فرمائی اور اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل سے مجھے حضرت مولانا شیخ الہند کی

خدمت میں پہنچا دیا۔ (خطبات و مقالات: ۲۱۵)

دارالعلوم دیوبند

صفر ۱۳۰۶ھ (اکتوبر ۱۸۸۸ء) کو میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا۔ تخمیناً پانچ مہینے میں قطبی تک منطق کے رسائل متفرق اساتذہ اور شرح جامی مولانا حکیم محمد حسن صاحب سے پڑھی۔ ایک فاضل استاد کی مہربانی سے طریقہ مطالعہ سیکھ لیا اور محنت سے ترقی کا راستہ کھل گیا۔

حکمت و منطق کی کتابیں جلدی ختم کرنے کے لئے چند ماہ مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کے مدرسہ میں چلا گیا اور پھر چند ماہ مدرسہ عالیہ رام پور میں رہ کر مولوی ناظر الدین صاحب سے کتابیں پڑھ لیں۔ اسی طرح میں ۱۳۰۷ھ (اکتوبر ۱۸۸۹ء) کو پھر دیوبند واپس آ گیا۔ (خطبات و مقالات: ۲۱۷)

حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

دیوبند میں دو تین مہینے تک مولانا حافظ احمد صاحب سے پڑھتا رہا۔ اس کے بعد مولانا شیخ الہندؒ کے دروس میں شامل ہو گیا۔ ۱۳۰۷ھ کو ہدایہ، تلویح، مطول، شرح عقائد اور مسلم الثبوت میں امتحان دیا اور امتیازی نمبروں میں کامیاب ہوا۔ مولانا سید احمد صاحب دہلوی مدرس اول نے میرے جوابات کی بہت تعریف کی اور فرمایا، اگر اس کو کتابیں ملیں تو شاہ عبدالعزیز ثانی ہو گا۔

چند دوستوں نے مبشر اخواب دیکھے۔ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بھی خواب میں دیکھا۔ رمضان شریف میں اصول فقہ کا ایک رسالہ لکھا جسے حضرت شیخ الہندؒ نے پسند فرمایا۔ اس میں بعض مسائل اس طرح پیش کیے کہ جہاں اہل علم محققین کی رائے کو ترجیح دی تھی، مثلاً تاویل المتشابہات ناممکن الحصول نہیں بلکہ راسخین فی العلم بھی علم سے جانتے ہیں۔

شوال ۱۳۰۷ھ (مئی ۱۸۹۰ء) سے تفسیر بیضاوی اور دورہ حدیث میں شریک ہوا۔ جامع ترمذی حضرت مولانا شیخ الہندؒ سے پڑھی اور سنن ابی داؤد کیلئے حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ

(گنگوہی) کی خدمت میں گنگوہ پہنچا۔ (خطبات ومقالات: ۲۱۷)

میرے افکار وقفِ عام ہیں

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی ۲۴ سالہ جلاوطنی کے بعد ہندوستان پہنچنے پر اپنے خطاب میں فرماتے ہیں کہ:

حضرات! محض وطن اور خاندان کی محبت مجھے اس عمر میں ہندوستان کھینچ کر نہیں لائی۔ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں۔ زندگی کے معلوم نہیں کتنے دن اور ہیں۔ مجھے اگر آرام اور سکون کی خواہش ہوتی تو عمر کے یہ آخری دن حرم پاک ہی میں اطمینان سے گزارتا اور اس مقدس سرزمین میں سپرد خاک ہونا پسند کرتا۔ میں اس بڑھاپے میں اور اس قدر ضعف اور کمزوری کے باوجود آپ لوگوں کے پاس اس لئے پہنچا ہوں کہ آپ سے کچھ کہنا ہے۔

آپ کے بزرگوں نے مجھے باہر بھیجا تھا۔ باہر رہ کر جو کچھ بھی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کر سکتا تھا، میں نے کی۔ اسی اثناء میں میں نے بہت کچھ دیکھا اور عجیب عجیب حالات سے مجھے گزرنا پڑا۔ میں جو کچھ تم سے کہنا چاہتا ہوں، اسے غور سے سنو۔

میں نے اپنی زندگی کے چوبیس برس ہندوستان سے باہر گزارے ہیں۔ اس طویل مدت میں میں نے محض ملکوں کی سیاحت نہیں کی اور چیزوں کو صرف ایک تماشائی کی حیثیت سے نہیں دیکھا، بلکہ بڑی بڑی مہموں میں خود شریک رہا ہوں۔ اس جدوجہد میں کبھی اپنے ارادوں میں کامیاب رہا، تو اکثر بڑی تلخ اور جان گداز ناکامیوں کا منہ بھی دیکھنا پڑا۔ مجھے سلاطین اسلام کے مشوروں میں شریک ہونے کا بھی موقع ملا اور میں ان سپہ سالاروں کا رفیق بھی رہا جو بڑی بڑی سلطنتوں کے رکن رکین تھے اور جن کے ہاتھوں دنیا کے عظیم الشان معرکے سر ہوئے۔

بادشاہوں اور سپہ سالاروں کے علاوہ میں جس ملک میں گیا اور جہاں بھی رہا، میں نے وہاں کی ہر چیز آنکھیں کھول کر دیکھی۔ میں نے ان ملکوں کی پچھلی تاریخ کا مطالعہ بھی کیا اور وہاں کے رہنے والوں کے موجودہ حالات کو بھی سمجھنے کی کوشش کی۔ میرا یہ مطالعہ سرسری نہیں اور میری باتوں کو تم وقتی تاثرات اور عارضی ہیجانات کا نتیجہ نہ سمجھنا، میرے پیچھے تجربات اور مشاہدات کی ایک وسیع دنیا ہے اور میں نے اقوام کی تاریخ کی گہرائیوں میں جانے کی کوشش کی

ہے۔ میرے حالات مجھ سے کرید کرید کر پوچھو اور میرے اخذ کردہ نتائج کو توجہ سے سنو اور ان پر غور کرو۔ میں کوئی بات تم سے چھپانا نہیں چاہتا، میرا علم، میرا مطالعہ، میرے تجربات اور میرے افکار وقف عام ہیں۔

میری آنکھوں نے زندگی کے بڑے بڑے نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ میرے سامنے بڑی بڑی سلطنتیں تباہ ہوئیں۔ بادشاہ، سپہ سالار اور امراء بری طرح قتل کئے گئے۔ وہ طبقے جو علم و حکمت اور عزت و دولت کے نشے میں ذاتی مسرتوں اور جسمانی آسودگیوں میں مست تھے، زمانے کی ایک ٹھوکر میں ذلت کے عمیق گڑھوں میں گرے ہوئے نظر آئے۔ نہ کوئی ان کے علم کا قدردان رہا اور نہ ان کی عزت کا پرسان حال رہا۔ میں نے پرانے تمدنوں کی بنیادوں کو اپنی نظروں سے کھدتے دیکھا اور وہ نظام فکر جن کو ان کے ماننے والے لازوال جانتے تھے اور ان میں ایک ذرا سی تبدیلی ان پر گراں گزرتی تھی، میں نے ان نظاموں کے محترم و معتقد علمبرداروں کو اپنے وطنوں سے دور محرومی و بے کسی میں در بدر خاک چھانتے دیکھا ہے۔ میں نے انسانی نسلوں کو فنا ہوتے، بستیوں کو اجڑتے، تمدنوں کو مٹتے اور مذہب اور اہل مذہب کو بڑی سفاکی سے کچلے جاتے دیکھا ہے۔

میں ایک عالمگیر انقلاب کے سیلاب کو اپنی آنکھوں سے اٹھتا دیکھ آیا ہوں۔ انقلاب کے اس سیلاب نے کئی ایک ملکوں کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے جو اب تک بچے ہوئے تھے۔ اور جو بچے ہوئے ہیں وہ بھی اس سیلاب کے ریلے سے زیادہ عرصہ تک محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ یہ سیلاب موسمی جھکڑ نہیں کہ آیا اور نکل گیا۔ یہ عصر حاضر کے تاریخی تقاضوں کا قدرتی نتیجہ ہے۔ انقلاب کا یہ سیلاب پیچھے ہٹنے والا نہیں، دیوار چین ہو یا سد سکندری، یہ سیلاب سب کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا۔ دنیا ایک نئے طوفان نوح سے دوچار ہوا چاہتی ہے، بادل گرج چکے ہیں، گھٹائیں برسنے ہی کو ہیں، طوفان اٹھے اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں نہ تو ان طوفانوں کی خبر ہے اور نہ تم یہ جانتے ہو کہ اگر یہ طوفان بہہ نکلے تو تمہارا کیا حشر ہوگا۔ (خطبات و مقالات: ۲۳۵)

اپنے حقوق حاصل کرو

پسے ہوئے طبقات کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ:

یہ انقلاب جسے میں اپنی آنکھوں سے برسرِ کار دیکھ کر آیا ہوں، انسانیت کے ان پس ماندہ طبقوں کو للکار رہا ہے کہ اٹھو! غاصبوں سے اپنا حق چھین لو اور جو ظلم پر تلے رہے ہیں انہیں نیست و نابود کر دو۔ اس انقلاب کا نعرہ یہ ہے کہ "مزدورو! کسانو! محنت کشو! مستقبل تمہارا ہے، تم محنت کرتے ہو اور تمہاری محنت ہی کا نتیجہ ہیں یہ سربفلک عمارتیں، رزق کی یہ فراوانی، آرام و آسائش کے یہ ذرائع اور دنیا کی یہ ساری ثروت اور دولت تمہاری ہے، جس سے تم اب تک محروم رکھے گئے ہو، دراصل یہ کل متاع تمہاری ہے۔ اٹھو! اپنے آپ کو منظم کرو، آگے بڑھو اور جو تمہارا حق ہے، اس پر قبضہ کر لو۔ اس میں جو شخص آڑے آئے اسے مٹا دو۔ جو علم، کلچر، مذہب اور اخلاق تمہارا سدِ راہ ہو، اس کا انکار کر دو، وہ علم ناقابلِ اعتبار ہے، وہ کلچر بے کار اور فرسودہ ہے، وہ مذہب غلط ہے، اور اخلاق کا وہ نظام بے معنی ہے۔ (خطبات و مقالات: ۲۳۸)

دنیا سے بے رغبتی

مولانا سعید احمد اکبر آبادی رقمطراز ہیں:

مولانا عبید اللہ سندھی کا نام بچپن سے سنتا آیا تھا۔ ان کے علم و فضل اور مجاہدانہ کارناموں کا ذکر لوگ بڑے جوش و خروش سے کرتے تھے اور ان کو سن سن کر دل میں جذبہ اور ولولہ اٹھتا تھا کہ اے کاش مولانا اس زندگی میں کہیں مل جائیں اور آنکھیں ان کے دیدار سے شاد کام ہوں۔ آخر خدا نے دل کی یہ مراد پوری کی اور ۳۹ء میں اچانک سنا کہ مولانا تیس برس کی جلا وطنی کے بعد ہندوستان تشریف لا رہے ہیں اور جہاز سے کراچی اتر کر سیدھے دلی تشریف لائیں گے۔

اب ایک ایک گھڑی گنی شروع کر دی اور مولانا کی آمد کا سخت بے چینی سے انتظار ہونے لگا۔ آخر وہ دن بھی آگیا۔ ہم سب لوگ مولانا کے استقبال کے لئے دلی اسٹیشن پر پہنچے۔ علماء اور ملک کے زعماء جس طرح رہتے تھے، اس کے پیش نظر میں نے اس وقت مولانا کی نسبت جو تخیل قائم کیا تھا، وہ یہ تھا کہ عمامہ سر پر ہوگا، جبہ زیب تن ہوگا، فرسٹ کلاس میں سفر کر رہے

ہوں گے، ایک خادم کم از کم ہمراہ ضرور ہوگا، دو تین بھاری بھاری سوٹ کیس، ایک بھاری بیڈنگ، دو تین تھرماس کی بوتلیں، تین چار بھاری اور وزنی ناشتہ دان ساتھ ہوں گے۔ چہرہ پر تمکنت اور وقار ہوگا۔

لیکن جب ٹرین پہنچی تو یہ تمام تخیلات اوہام باطلہ ثابت ہو کر رہ گئے۔ لوگ پلیٹ فارم پر ادھر ادھر فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کے درجوں میں گھومتے پھر رہے ہیں کہ اتنے میں دیکھا کہ ایک صاحب ننگے سر، صرف کھدر کا کرتہ اور پاجامہ پہنے اور ایک سفید کھدر کی چادر گلے میں ڈالے ہوئے ایک دم میں تھرڈ کلاس سے پھدک کر پلیٹ فارم پر آ کھڑے ہوئے۔ پہچاننے والوں نے پہچانا اور ان کی طرف لپکنا شروع کر دیا۔ معلوم ہوا کہ یہی مولانا عبید اللہ سندھی ہیں۔ سر اور داڑھی کے بال بالکل سپید تھے۔ عمر پینسٹھ اور ستر سال کے درمیان ہوگی۔ مگر جسم مضبوط اور گٹھا ہوا۔ آنکھوں میں غیر معمولی چمک، پیشانی پر مجاہدانہ عزم و ہمت کے کس بل، آواز میں طنطنہ اور چہرہ پر بزرگانہ معصومیت کے ساتھ ایک ایسا جلال کہ گویا ایک سپاہی ایک میدان جنگ سے منتقل ہو کر ایک دوسرے میدان جنگ کی طرف آ گیا اور اس نے ایک دوسرا اور نیا مورچہ سنبھال لیا ہے۔ لوگوں کو تلاش ہوئی کہ مولانا کا سامان اتاریں مگر وہاں سامان کہاں تھا۔ جو کچھ مولانا کے جسم پر تھا، بس وہی ان کا سامان تھا اور باقی خدا کا نام۔ میں نے دنیا میں علماء بھی دیکھے ہیں اور درویش بھی، تارکین دنیا بھی دیکھے اور کسانوں اور مزدوروں کے غم میں مرنے والے بھی۔ لیکن دنیا اور اس کی چیزوں سے اس درجہ بے تعلقی، بے نیازی اور مکمل قسم کا قلندر آج تک نہ کوئی دیکھا ہے اور نہ شاید دیکھوں گا۔ (تین بڑے مسلمان: ۳۱۰)

کراچی روانہ ہوئے

دلی پہنچنے کے بعد مولانا نے ابتداءً قیام جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مہمان خانہ واقع قرول باغ میں کیا تھا۔ یہ جگہ میرے پڑوس میں تھی۔ اس لئے مغرب کے بعد اکثر مولانا کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی۔ ایک روز میں مولانا کی خدمت میں حسب معمول حاضر ہوا، کچھ دیر ادھر ادھر کی گفتگو ہوتی رہی۔ جب میں رخصت ہوا تو مولانا بھی ساتھ باتیں کرتے ہوئے کمرہ سے نکل آئے اور سڑک پر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک سبز کار ہمارے

پاس آ کر رکی۔ موٹر کار کا دروازہ کھلا تو اس میں سے کراچی کے سیٹھ عبداللہ ہارون باہر نکلے۔ انہوں نے مولانا کو سلام کیا اور کہا کہ مولانا! کراچی میں ایک ضروری کام ہے جس کے لئے آپ کو میرے ساتھ کراچی چلنا ہوگا۔ مولانا نے پوچھا، کب سیٹھ صاحب نے کہا: "بس ابھی۔"

سیٹھ صاحب کا یہ کہنا تھا کہ مولانا فوراً ایک کر ان کے ساتھ موٹر میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ نہ کمرہ میں واپس گئے اور نہ وہاں سے کوئی چیز لی اور نہ کمرہ کا دروازہ بند کیا۔ میں ان کے اس انداز پر حیران رہ گیا مگر واقعہ یہ ہے کہ مولانا اگر کمرہ میں واپس جاتے بھی تو لیتے کیا۔ وہاں ان کا سامان تھا ہی کیا؟ وہاں جو بستر پڑا ہوا تھا یا کچھ برتن تھے تو وہ جامعہ کے مہمان خانہ کے تھے، مولانا کا کچھ نہ تھا۔

قرول باغ کے مہمان خانہ میں چند روز قیام فرمانے کے بعد مولانا جامعہ نگر اوکھلا میں منتقل ہو گئے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۱۱)

حجۃ اللہ البالغہ کا درس

اس زمانہ میں مولانا کا معمول یہ تھا کہ جمعہ کی نماز پابندی کے ساتھ اوکھلے سے آ کر دہلی کی جامع مسجد میں ادا کرتے تھے۔ جامع مسجد کے مغرب جنوب میں حکیم نابینا مرحوم کا مشہور مطب تھا، اور اس مطب سے بالکل متصل ہمارے ایک دوست مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی کا بڑا مکان تھا جس کے ایک وسیع کمرہ میں ادارہ شرقیہ کے نام سے مولانا موصوف نے ایک تعلیمی ادارہ قائم کر رکھا تھا۔ اس ادارہ شرقیہ میں جمعہ کی نماز کے بعد سے لے کر عصر تک احباب کا اچھا خاصا اجتماع رہتا تھا۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ بھی جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر سیدھے یہیں تشریف لاتے تھے اور عصر تک رہتے تھے۔ چند روز کے بعد ہم لوگوں کی درخواست پر مولانا نے اس مجلس میں حجۃ اللہ البالغہ کا درس دینا شروع کر دیا۔ درس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ کتاب کی کوئی اہم بحث نکال لی اور اس پر تقریر شروع کر دی۔ تقریر کے ختم ہونے کے بعد ہم لوگ سوالات کرتے تھے اور مولانا ان کے جوابات دیتے تھے۔ اس مجلس میں دیوبند کے فضلاء جو دلی میں مقیم تھے، وہ اور ان کے علاوہ جامعہ ملیہ کے کچھ اساتذہ اور چند اور ارباب علم شریک ہوتے تھے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۱۱)

اہتمام نماز

اس سلسلہ میں ایک مرتبہ کیا ہوا کہ مولانا سندھیؒ حسب معمول اوکھلے سے دلی آئے۔ جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کی اور پھر ادارہ شرقیہ میں تشریف لا کر حسب معمول حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیا۔ اس وقت چہرہ پر نہ تکان کا کوئی اثر تھا اور نہ آواز میں کسی قسم کا اضمحلال اور ضعف۔ کمال بشاشت اور توانائی سے تقریر کی اور اس کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا تو اس میں بھی پوری توجہ اور حاضر حواسی کے ساتھ حصہ لیا۔ اتنے میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تو ہم سب کے ساتھ نماز ادا کی۔ اس کے بعد مولانا رخصت ہو گئے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد کسی ضرورت سے چتلی قبر کی طرف گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا ایک بھٹیارہ کی دکان پر بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔ کھانا بھی بہت معمولی یعنی دو آنہ کا سالن ایک آنہ کی روٹی۔ میں نے کہا: "حضرت یہ بے وقت کھانا کیسا؟" فرمایا: "اوکھلے میں کھانا تیار نہ تھا، اگر انتظار کرتا تو جامع مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکتا تھا، اس لئے کھانا کھائے بغیر ہی چلا آیا تھا۔" (بیس بڑے مسلمان: ۳۹۱)

امام انقلاب کی غربت

یہ تو خیر ہوا ہی، اس سے بھی زیادہ عجیب اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جس واقعہ کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے، یہ گرمیوں کے کسی مہینہ میں پیش آیا تھا اور چونکہ مولانا کے پاس اوکھلے اور دلی کی آمد و رفت کا بس کا کرایہ ادا کرنے کے لئے پیسے نہ تھے، اس لئے اس روز مولانا سخت تپش اور گرمی کے عالم میں اوکھلے سے دلی پاپیادہ آئے اور اسی طرح آٹھ میل پاپیادہ واپس تشریف لے گئے۔ اس کے متعلق بھی مولانا نے نہ از خود ہم سے کچھ کہا اور نہ چہرہ دیکھ کر کوئی سمجھ سکا بلکہ جامع نگر کے ایک صاحب نے جو بس میں سفر کر رہے تھے، مولانا کو پیدل آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ان سے جب مجھ کو یہ معلوم ہوا تو میں نے مولانا سے دریافت کیا اور مولانا نے اس کی تصدیق کی تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ چونکہ اس روز مولانا کو پیدل آنا تھا، اس لئے اوکھلے سے ان کو بہت پہلے روانہ ہونا تھا۔ اور چونکہ اس وقت کھانا تیار ہوا نہیں تھا، اس لئے دلی میں عصر کے بعد کھانا کھایا اور چونکہ جیب میں صرف تین آنے پیسے تھے جو بس کے کرایہ کے

لئے کافی نہیں ہو سکتے تھے، اس لئے ان پیسوں سے کھانا کھایا اور اوکھلے سے دلی تک کا سفر پیدل کیا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۳۱۱)

انسان بھی انسان کا نوکر ہو سکتا ہے؟

ایک مرتبہ میری موجودگی میں مولانا عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ نے مولانا سے پوچھا، "حضرت! آپ نے اپنی زندگی میں کبھی نوکر بھی رکھا ہے؟" حسب عادت بگڑ کر بولے۔ "مفتی جی! آپ یہ کیا پوچھتے ہیں؟ کیا کوئی انسان بھی کسی انسان کا نوکر ہو سکتا ہے؟ ہاں ایک انسان دوسرے انسان کی مدد کرتا ہے۔ میری خدمت بھی میرے دوست احباب کرتے تھے اور میں ان کی خدمت کرتا تھا۔" (بیس بڑے مسلمان: ۳۱۱)

تیس برس تک چین و آرام سے نہیں سو سکا

اسی نشست میں مفتی صاحب نے پوچھا کہ حضرت! تیس برس کی جلاوطنی کے زمانہ میں آپ پر عیش و مسرت کے بھی کچھ دن آئے ہیں؟" فرمایا، "مفتی صاحب! یقین کیجئے، اس پوری مدت میں ایک شب بھی ایسی نہیں آئی جس میں میں چین اور آرام سے سویا ہوں۔ ہندوستان پہنچنے پر تیس برس کے بعد پہلی مرتبہ سکون کی نیند سو سکا ہوں۔"

(بیس بڑے مسلمان: ۳۱۱)

ننگے سر رہنے کی وجہ

مولانا ہمیشہ ننگے سر رہتے تھے۔ ایک مرتبہ میں اور مولانا دلی کی جامع مسجد کے جنوبی دروازہ کے نیچے کھڑے ہوئے تھے کہ میں پوچھ بیٹھا، "مولانا! آپ ہمیشہ ننگے سر رہتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟" فوراً لال قلعہ کی طرف اشارہ کر کے کچھ غصہ اور کچھ حسرت کے ملے جلے لہجہ کے ساتھ فرمایا، "میری ٹوپی تو اسی دن سر سے اتر گئی جس دن کہ یہ لال قلعہ میرے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اب جب تک یہ مجھ کو واپس نہیں مل جاتا، میری غیرت اجازت نہیں دیتی کہ میں ٹوپی سر پر رکھوں۔" (بیس بڑے مسلمان: ۳۱۱)

مولانا عبیداللہ سندھی اور شیر

مولانا عبدالشکور دین پوری فرماتے ہیں کہ:

عبیداللہ سندھی پچیس سال جلا وطن رہے مگر انگریز کے ہاتھ نہ آئے۔ لکھا ہے کہ افغانستان میں جا رہے تھے تو سڑک پر تین شیر کھڑے تھے۔ شیر غرانے لگے، کچھ ڈر محسوس کیا، پھر ان کو کانوں سے پکڑ کر فرمایا:

او شیرو! میں اسلام کے مشن کے لئے آزادی کی جنگ لڑ رہا ہوں اور تم انگریز کے کتے کی طرح میرا راستہ روک کر کھڑے ہو۔ ہٹ جاؤ، محمد ﷺ کے غلام کو جانے دو۔"

اتنا کہنا تھا کہ شیر گدھے کی طرح راستہ سے ہٹ گئے۔ عبیداللہ کلمہ پڑھتا ہوا وہاں سے گزر گیا۔ یہ کرامت نہیں تو کیا ہے؟ (خطبات دین پوری ص ۵۱۳ ج ۱)

تمہارے لئے نصیحت موت ہے موت

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ایک دفعہ ہم دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں تھے شیخ الاسلام حضرت مدنی سبق پڑھانے کے لئے گھر سے تشریف لائے آپ دارالحدیث میں داخل ہونے سے قبل اہتمام سے دفتر میں حاضری لگا کر سبق پڑھاتے تھے دیکھا کہ آگے آگے حضرت مدنی ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے حضرت سندھی آ رہے ہیں دارالحدیث دوسری منزل پر تھا سامنے کی قدر شمال مشرق کی طرف سے مفتی ریاض الدین صاحب کی درس گاہ تھی ان کے سامنے سے گزر کر حضرت مدنی دارالاہتمام میں حاضری لگا کر واپس ہوئے حضرت مدنی تو گزر گئے پیچھے تقریباً ڈیڑھ صد طلباء ہوں گے انہوں نے حضرت سندھی کو گھیر لیا اچھی طرح یاد ہے کہ افغانستان کا ایک طالب علم مولوی عبدالعزیز تھا اس نے آگے بڑھ کر حضرت سندھی سے عرض کیا کہ حضرت ہمیں کچھ نصیحت فرمائیں راستے میں حضرت سندھی جوش میں آ گئے چہرہ سرخ ہو گیا غصے میں کہا کہ تمہارے لئے نصیحت موت ہے موت! پھر مولانا سندھی کچھ دیر خاموش رہے پھر جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو آپ فرمانے لگے اگر تم زندہ رہنا

چاہتے ہو تو قربانی سیکھو جب تک مرنا نہیں سیکھو گے جینا نہیں آئے گا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان لوگوں سے فرمایا ہے جو موت سے ڈرتے تھے۔ قل ان الموت الذی تفرون منه فانه ملاقیکم اور جو موت سے ڈرتے تھے انہیں قرآن نے منافق کہا ہے تم اگر قربانی اور موت سے ڈرو گے تو تم کیسے پکے اور سچے مسلمان ہو سکتے ہو حضرت مدنی تشریف لائے اور سبق شروع ہو گیا اور حضرت سندھی اپنے ٹھکانہ پر چلے گئے حضرت سندھی یا تو حضرت مدنی کے مکان پر رہتے تھے یا حضرت لاہوری کے بڑے فرزند مولانا حبیب اللہ اور منجھلے صاحبزادے مولانا عبیداللہ انور جو زیر تعلیم تھے ان کے کمرے میں جو باب ظاہر کی طرف تھا اس میں چلے جاتے تھے اور وہاں ہی آرام کرتے تھے۔ (الاکابر ۲۴۴)

اگر میں ان کی تربیت نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا

حضرت صوفی صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

۱۹۴۱ء میں جمعیت علماء ہند کا سالانہ کانفرنس جب لاہور میں منعقد ہوئی تھی دارالعلوم دیوبند سے تقریباً آٹھ سو طلباء کرام میں لاہور پہنچ کر کانفرنس میں شریک ہوئے خطبہ صدارت حضرت شیخ مدنی نے پڑھا تھا اور مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی تقریر کی تھی۔ اس کانفرنس کی تیاری کے سلسلے میں مختلف جگہوں پر جلسے ہو رہے تھے اس سلسلہ کا ایک جلسہ گوجرانوالہ میں بھی ہوا تھا جس میں مولانا حفظ الرحمان ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند اور مفتی محمد نعیم صاحب پنجاب بھی آئے تھے اور مولانا سندھی بھی تشریف لائے تھے۔ ان حضرات نے تقریریں کیں حضرت مفتی محمد نعیم لدھیانوی نے چند جملے ہی کہے تھے کہ اب آپ کے سامنے بزرگ امام سیاست زعیم انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی اپنے خیالات سے ہمیں مستفید فرمائیں گے اتنے میں دیکھا تو حضرت پیچھے بیٹھے ہوئے تھے آگے آ کر مفتی صاحب کا کندھا پکڑ کر ان سے کہا کہ پیچھے ہٹ جاؤ میں خود اپنا تعارف کرا لوں گا اور تقریر شروع کر دی جب تقریر ختم ہوئی تو مولانا اٹھ کر جامع مسجد شیرانوالہ باغ کی دائیں طرف مولانا عبدالعزیز صاحب کے کمرہ میں جا بیٹھے وہاں حضرت نانوتوی کی کوئی کتاب پڑی ہوئی تھی اسے اٹھایا ادھر ادھر پلٹ کر مولویوں پر برسنا شروع ہو گئے وہاں انجمن کے صدر شیخ غلام رسول صاحب جو عبادت گزار آدمی تھے اور وہ

آنریری مجسٹریٹ بھی تھے انہوں نے موقع پا کر مولانا سندھی سے عرض کیا کہ حضرت ہم تو ان علماء کی عزت کرتے ہیں دین کے وقار کی خاطر اور آپ ان کو گالیاں دے رہے تھے۔ مولانا سندھی بولے خاموش رہو تمہیں کیا پتہ ہے کہ اگر میں ان کو گالیاں نہیں دوں گا تو اور کون ان کو گالیاں دے گا اگر میں ان کو ملامت نہیں کروں گا تو اور کون ان کو ملامت کرے گا اگر میں ان کی تربیت نہیں کروں گا تو اور کون ان کی تربیت کرے گا۔ پھر سب خاموش ہو گئے۔

(الاکابر ۳۲۵)

ایثار کی عجیب مثال

حضرت صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک دفعہ مولانا کسی کام سے مظفر گڑھ کی طرف گئے تھے واپسی میں جیب میں صرف کرایہ ہی تھا آپ نے ٹکٹ لیا اسٹیشن پر ابھی گاڑی آنے میں کچھ دیر تھی پلیٹ فارم پر گھوم رہے تھے کہ ایک بوڑھا آدمی آیا اور اس نے سوال کیا کہ میں نے فلاں جگہ جانا ہے لیکن میرے پاس کرایہ نہیں مولانا نے اپنی جیب سے وہ ٹکٹ نکال کر اس بوڑھے کو دے دیا کہ اس گاڑی پر سوار ہو جاؤ اور خود وہاں سے پیدل منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے اس قسم کا ایک اور واقعہ سندھ میں بھی پیش آیا تھا جو مولانا عبید اللہ انور نے بتایا تھا۔ (الاکابر ۳۲۷)

حضرت سندھی کی تربیت کا اثر

حکیم محمد معاذ مرحوم لکھتے ہیں میں ۱۹۱۳ء کے اوائل میں طب کی تعلیم کی غرض سے دہلی روانہ ہو گیا اور وہاں جا کر حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کی خدمت میں حاضر ہوا دہلی میں مسجد فتح پوری کے شمال میں مسجد کے شمالی دروازے کی طرف دو منزلہ عمارت حضرت مولانا نے مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ کے لئے کرایہ پر لی تھی شمال کی جانب ٹرام کی پٹڑی تھی اس مدرسہ میں اعلیٰ تعلیم کا انتظام تھا۔ یہ مدرسہ بالکل انقلابی مدرسہ تھا یہاں انقلابی طالب علم تیار کئے جاتے تھے دو قسم کے طلبہ مدرسہ میں رکھے جاتے تھے ایک مولوی فارغ التحصیل اور دوسرے گریجویٹ دونوں کو قرآن شریف کی تفسیر اور حجۃ اللہ البالغہ کی تعلیم دی جاتی تھی اور ہر ایک شاگرد کو پچاس روپے ماہانہ بطور وظیفہ دیئے جاتے تھے۔ انگریزی کے گریجویٹ قدرے زیادہ تھے ابتداء

میں ان کا طرز معاشرت انگریزی طرز کا ہوتا تھا سگریٹ پیتے تھے داڑھیاں منڈواتے تھے سوٹ بوٹ میں نظر آتے تھے اور حضرت مولانا صاحب کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے اور تعلیم حاصل کرتے تھے چند دنوں کے بعد ان کا مغربی طرز معاشرت بدل جاتا تھا داڑھی رکھنا شروع کر دیتے تھے سگریٹ چھوڑ دیتے تھے اور مشرقی سادہ لباس پہننا شروع کر دیتے تھے اور وہ سب بطیب خاطر رضا کارانہ ہوتا تھا۔ مولانا صاحب انہیں مغربی تہذیب ترک کرنے کا اشارہ تک نہ کرتے تھے چنانچہ ایک دن مولانا صاحب نے مجھے کہا کہ معاذ! تمہیں تعجب ہوا ہوگا کہ ہم ان کو داڑھی منڈانے اور سگریٹ پر کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے اب تم نے دیکھ لیا کہ انہوں نے خود بخود مغربی تہذیب ترک کرنا شروع کر دی ہے خواجہ عبدالحئی فاروقی مسٹر انیس احمد اور دیگر گریجویٹ عربی کی تعلیم اور مولانا کی تقریر پر نہایت غور و خوض کرنے لگے۔ ۱۹۱۳ء سے مدرسے کا یہ دوسرا دور دہلی میں شروع ہوا تھا اس وقت مولانا محمد علی جوہر ڈاکٹر انصاری اور دیگر مدبر دہلی میں موجود تھے۔ حضرت شیخ الہند دو ہفتے میں ایک دفعہ تشریف لاتے تھے مولانا سندھی کے درس میں جو صبح کو شروع ہوتا تھا سی آئی ڈی والوں کی ایک تعداد ہوا کرتی تھی۔

(مولانا عبیداللہ سندھی حیات و خدمات ۸۵)

انقلابی استاد و شاگرد کا انقلابی پروگرام

۱۹۰۹ء میں حضرت شیخ الہند نے مولانا سندھی کو دیوبند بلایا اس سفر میں مولانا سندھی کے ساتھ مولانا عطا محمد صادق بھی تھے ایک اور رفیق سفر مولانا عبداللہ لغاری تھے۔ لغاری مرحوم نے حضرت شیخ الہند اور مولانا سندھی کی ملاقات کی روداد ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ اس ملاقات کے موقع پر مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا محمد صادق دونوں حضرات شیخ الہند کے سامنے بیٹھے تھے اور میں ان دونوں حضرات کے پیچھے بیٹھا تھا حضرت شیخ الہند نے فرمایا یہ مدرسہ ۱۸۶۶ء میں قائم کیا گیا میں پہلا شاگرد تھا حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے اس موقع پر جو تقریر فرمائی تھی وہ مجھے یاد ہے انہوں نے فرمایا تھا یہ مدرسہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی شکست کی تلافی کی جائے۔ حضرت شیخ الہند نے فرمایا لیکن اب یہ مدرسہ اصل مقصد سے ہٹ گیا ہے صرف تدریس کے لئے تو اس قسم کے کئی مدارس قائم کئے گئے ہیں اب کیا کرنا

چاہیے جس سے اس مدرسے کے قیام کا اصل مقصد پورا ہو۔ اسی ادھیڑ بن میں ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ سندھ سے ایک شخص آیا ہے جس کی داڑھی خوب گھنی ہے اس نے آ کر اس اصل مقصد کی طرف رہنمائی کی ہے۔ بیداری کے بعد میں نے غور کیا تو اس وضع قطع کے سندھ میں دو شخص نظر آئے ایک مولانا عبید اللہ سندھی اور دوسرے مولانا محمد صادق اس لئے میں نے آپ دونوں کو مشورہ کے لئے بلایا ہے۔ یہ سن کر مولانا عبید اللہ سندھی نے کہا میری رائے یہ ہے کہ اس مدرسہ کے تمام فارغ شدہ طلباء کو خواہ وہ اندرون ہند کے ہوں یا بیرون ہند کے دستار بندی کے جلسہ میں شرکت کے لئے بلایا جائے۔ اس اجتماع کے ذریعے اس مدرسہ کی مرکزی حیثیت اور اہمیت بھی واضح ہو گی اور مدرسہ کی اصل مقصد والی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے تجاویز بھی سوچی جا سکیں گی۔ تب حضرت شیخ الہند نے فرمایا آپ حضرات یہاں ٹھہریں اور اس جلسہ کی تدبیر کریں چنانچہ شیخ الہند کی ہدایات کے مطابق مولانا سندھی اور مولانا محمد صادق نے دیو بند میں رہ کر کام کا آغاز کیا دیو بند میں مولانا نے تقریباً چار سال قیام کیا انہوں نے جمعیت الانصار کے نام سے ایک جماعت قائم کی اور دیو بند کے قدیم طلبہ کی سیاسی تربیت اور دیگر قومی و سیاسی کاموں میں مصروف رہے مولانا محمد صادق کے علاوہ مولانا ابو محمد احمد اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری جمعیت الانصار کی تحریک تاسیس میں مولانا سندھی کے شریک و معاون تھے۔ (مولانا سندھی حیات و خدمات ۴۳)

مولانا سندھی روس میں

مولانا سندھی مرحوم نے روس میں اپنے تئیں ایک ہندوستانی انقلابی اور کانگریس مین کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا اور اسی حیثیت میں حکومت روس نے انہیں اپنے ملک میں داخلے کی اجازت دی تھی اور اپنا مہمان بنایا تھا ان کی اس حیثیت سے بھی حکومت روس واقف تھی کہ وہ ایک مذہبی اسکالر ہیں اس لئے ان کے لئے اپنے فرائض اعمال مثلاً نماز پڑھنے وغیرہ پر کوئی پابندی نہ تھی لیکن جن حضرات کی حیثیت یہ نہ تھی یا وہ مشرقی یونیورسٹی میں حکومت روس کے خرچ پر تعلیم حاصل کر رہے تھے ان کے لئے اپنے مذہبی اعمال علی الاعلان بجا لانا یا اپنے مذہبی عقیدے کا اعلان کرنا ہرگز ممکن نہ تھا چنانچہ (مولانا کے رفیق سفر) نماز کی ادائیگی کے بارے

میں اپنی اس مجبوری کا اظہار کیا ہے کہ ماسکو یونیورسٹی میں تو نماز روزے کا نام لینا بھی ممکن نہ تھا میں بڑی مشکل سے چارپائی پر لیٹ کر اور سر کے اشارے سے نماز ادا کیا کرتا تھا اور کبھی کبھار اگر موقع مل جاتا تو فضل الٰہی قربان سے جس کو یونیورسٹی کے بورڈنگ ہاؤس میں ایک چھوٹا سا کمرہ الگ ملا ہوا تھا اجازت لے کر اس کے کمرے میں نماز پڑھ لیا کرتا تھا ماسکو جیسے دشمن مذہب شہر میں فضل الٰہی قربان کا جو اپنے کو کمیونسٹ کہا کرتا تھا مجھے نماز پڑھنے کے لئے اپنے کمرے میں موقع دینا ایک بہت بڑی جرات کا کام تھا۔ کیونکہ اگر کسی کمیونسٹ کو اس کا پتہ چل جاتا تو نہ صرف فضل الٰہی قربان کی پوزیشن خراب ہوتی بلکہ اس کی جان بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ اس نے کبھی کبھی ایسا موقع دے کر مجھ پر بڑا احسان کیا تھا لیکن جب وہ یونیورسٹی کی تعطیلات میں سیر و تفریح کے لئے لینن گراڈ گئے اور مولانا سندھی کے ساتھ علامہ موسیٰ جاراللہ کے مکان پر قیام کیا اور آزادی کے ساتھ نماز پڑھنے کا انہیں موقع ملا تو انہیں بڑی خوشی ہوئی تھی لینن گراڈ کے مقام پر قیام کے دوران مختلف مسائل میں موسیٰ جاراللہ اور مولانا سندھی سے استفادہ کیا تھا اور بعد میں جب مولانا مکہ میں تھے تو انہوں نے باقاعدہ ان سے قرآن پڑھا تھا اور امالی مرتب کئے تھے۔ (مولانا سندھی حیات و خدمات ۱۷۴)۔

مولانا سندھی اور موسیٰ جاراللہ

یونیورسٹی کا تعلیمی سال ختم ہونے والا تھا کہ طلبہ کو اپریل ۱۹۲۳ء کے آخر میں لینن گراڈ کی سیر کو جانے کی اجازت مل گئی اس موقع پر مولانا سندھی سے بھی کہا گیا کہ وہ اگر چاہیں تو لینن گراڈ کی سیر کو جا سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا نے بھی عزیز احمد (مولانا احمد علی لاہوری کے چھوٹے بھائی) کے ساتھ سفر کا ارادہ کر لیا لیکن انہوں نے وزارت خارجہ کو یہ اطلاع بھیج دی کہ وہ لینن گراڈ میں حکومت کے مہمان بننے کی بجائے روسی مسلمانوں کے مذہبی لیڈر موسیٰ جاراللہ کے مہمان ہوں گے حکومت نے اس سے کچھ تعرض نہیں کیا چنانچہ مولانا اور عزیز احمد لینن گراڈ میں موسیٰ جاراللہ کے مہمان بنے ظفر حسن نے بھی انہیں کے ساتھ قیام کرنے کی اجازت لے لی موسیٰ جاراللہ کے بارہ میں ظفر حسن لکھتے ہیں موسیٰ جاراللہ صاحب ایک بڑے جید عالم اور خدا پرست سیاسی لیڈر تھے جن کی قدر و منزلت نہ صرف روسی مسلمانوں کی نظر میں بہت زیادہ تھی

بلکہ سارا عالم اسلام ان کو جانتا تھا۔ انہوں نے شروع شروع میں بالشویکوں کے ہاتھوں کافی ایذائیں اٹھائی تھیں لیکن چونکہ بالشویکوں کی سیاست میں دخل نہ دیتے تھے اس لئے ان کو قید سے رہا کر دیا گیا تھا۔ بعد میں ان کو حج پر جانے کی بھی اجازت مل گئی تھی اس طرح ان کو اپنے ضمیر کے مطابق کام کرنے کا پھر موقع مل گیا۔ وہ حج پر ۱۹۲۳ء میں قبلہ مولانا صاحب سے حجاز میں ملے تھے اور ان کے حلقہ روس سے بھی مستفید ہوئے تھے میں نے سنا بہت بعد میں وہ حیدر آباد دکن بھی گئے لیکن ان کو وہاں انگریزوں نے آرام سے بیٹھنے نہ دیا پھر وہ ترکی آئے میں ان سے استنبول میں اس وقت ملا تھا وہ بیمار تھے اور ان میں کان کی سکت باقی نہ رہی تھی وہ بعد میں ترکی سے مصر چلے گئے تھے اور وہیں انہوں نے وفات پائی تھی مولانا سندھی کی وفات پر انہوں نے مولانا محمد مدنی کو ایک تعزیتی خط بھی لکھا تھا۔ (مولانا سندھی حیات و خدمات ۱۷۶)

مولانا سندھی مکۃ المکرمہ میں

امام انقلاب حضرت مولانا سندھی اگست ۱۹۲۶ کو ترکی سے مکۃ المکرمہ پہنچے جہاں آپ کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں تھی مگر اس کے باوجود حجاز کے قیام کے دوران مولانا سندھی کو بعض سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلی مشکل جس نے ہر وقت مولانا کو بے چینی میں مبتلا کر رکھا تھا وہ برٹش حکومت کے مخبروں اور جاسوسوں کی تھی جو ہر وقت کسی نہ کسی شکل میں مولانا کے ارد گرد موجود رہتے تھے اقبال شیدائی کے نام ایک خط میں مولانا اس کا اظہار یوں کرتے ہیں: میں یہاں ایسے سیاسی مراقبے میں رہتا ہوں جس میں ہمارے ہندوستانی عزیزوں کی ایک بڑی جماعت حکومت کے مقرر کردہ فرائض ادا کرتی ہے وہ یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ میں کسی چین اسلامسٹ سے یہاں ملوں اور میں انہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا اس لئے کہ وہ میرا یہاں رہنا ناممکن بنا دیں گے۔ دوسری مشکل مسلک کے اختلاف کی بناء پر پیش آئی یہ مشکل ایک اعتبار سے پہلی مشکل سے بھی سخت تھی جس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں ہندوستان کے اہل حدیث مکہ جاتے اور وہاں کے اہل اختیار کو ہمارے خلاف اکساتے وہ لوگ ہم سے بگڑ جاتے اور ہمیں پریشان کرتے ہیں میں ان سے اکثر یہ کہتا کہ دیوبندی حنفی بھی حنفیت کو نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ وہ تحقیق کے بعد حنفی ہے وہ اپنی حنفیت کو کتاب و سنت کے مطابق ثابت کر سکتا ہے اور

واقعیہ بھی یہی ہے اور تو اور اگر میں اپنی حنفیت کو چھوڑ کر اہل حدیث بھی بن جاؤں تو یہی اہل حدیث آپ سے کہیں گے کہ یہ شخص بناوٹی اہل حدیث ہے ورنہ دل سے یہ برابر حنفی ہے بس خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو اور مجھے بلاوجہ پریشان نہ کرو۔ (مولانا سندھی حیات وخدمات ۲۴۱)

مولانا سندھی کی وطن واپسی

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی تقریباً ربع صدی کے بعد ۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو اپنے وطن واپس لوٹے' وہ ۱۹۱۵ء کے اوائل میں اپنے استاد محترم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن محدث دیوبندی کے ایماء پر ایک سیاسی منصوبے کی تکمیل کے لئے کابل روانہ ہوئے تھے۔ ۱۵ اگست ۱۹۱۵ء کو مغرب کی نماز انہوں نے افغانستان کی حدود میں پڑھی تھی۔ ۱۵ اکتوبر کو وہ کابل پہنچ گئے تھے آج چوبیس سال کے بعد وہ دوبارہ اپنے وطن لوٹ رہے تھے' کراچی کے ساحل پر ہر مذہب وملت اور سیاسی وسماجی خیالات رکھنے والے مختلف جماعتوں کے نمائندے اور مذہبی راہنما اور تعلیم وصحافت کے خدمت گزار ہزاروں کی تعداد میں ان کے استقبال کے لئے بشمول وزیر اعظم سندھ خان بہادر اللہ بخش اپنی حکومت کے اراکین کے ساتھ بہ نفس نفیس موجود تھے۔ حضرت سندھی نے جدہ سے کراچی کا سفر المدینہ نامی بحری جہاز سے کیا تھا جہاز ٹھیک آٹھ بجے بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا بندگاہ پر ہزاروں لوگ جمع تھے۔ مولانا سندھی ہر کسی سے نہ مل سکتے تھے نہ مصافحہ کر سکتے تھے اور نہ ان کے لئے ہر کسی کا شکریہ ادا کرنا ممکن تھا مولانا نے مختصر خطاب کرتے ہوئے فرمایا' عزیزان گرامی ۱۹۱۵ء میں مجھے شیخ الہند نے افغانستان بھیجا تھا باہر رہ کر اسلام کی جو کچھ خدمت کر سکتا تھا میں نے کی اب میں پھر آپ سے آملا ہوں میرے پچھلے تجربات کی ایک وسیع دنیا ہے میں آپ سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا میرے افکار وقف عام ہیں اب میں چراغ سحری ہوں چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے اس پیغام کو ہندوستان کے نوجوانوں تک پہنچا دوں میں انقلاب کا پیامبر بن کر ہندوستان لوٹا ہوں وہ دن دور نہیں کہ برطانیہ اور امریکہ والوں کو اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا اس انقلاب کو قیامت سے کم نہ سمجھنا اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو اسے فلسفے کو قبول کرلو جس کی ترجمانی امام ولی اللہ دہلوی نے کی ہے اگر تمہارے امراء نے غرباء کی خیر خواہی نہ کی تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو بخارا کے

مسلمانوں کا ہو چکا ہے۔ بخارا کے اندر ایک ایک مدرسہ عربی کی یونیورسٹی تھی ترکی کی جو سیاسی طاقت ہے آپ کے ملک کی وہ وسیاسی طاقت نہیں جس انقلاب کے سامنے بخارا کی مذہبیت نہ ٹھہری ترکی کی سیاست نہ ٹھہری اس کے سامنے تم کیسے ٹھہر سکتے ہو اگر میں مر گیا اور میرے مرنے کے تین سال بعد انگریز ہندوستان سے نہ گیا تو میری قبر پر آ کر کہنا کہ انگریز یہاں اب بھی ہے میں قبر سے جواب دوں گا میں نے انگریز کی بیخ و بنیاد کو اکھیڑ دیا ہے اب وہ ہندوستان میں نہیں رہ سکتا عنقریب تم مجھے یاد کرو گے۔ میں اپنے معاملہ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

(مولانا عبید اللہ سندھی حیات و خدمات ۳۲۹)

کامیابی کا راز

مولانا (عبید اللہ سندھی) کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الہند نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اگر ساری دنیا بھی تمہاری مخالف ہو جائے لیکن تم اپنے ارادے میں ثابت قدم رہو تو تم ہی کامیاب ہو گے مولانا کا کہنا ہے کہ یہ اعتماد نفس اور انقلاب کے لئے ہی اعتماد نفس پہلی شرط ہے۔ (مولانا عبید اللہ سندھی از پروفیسر محمد سرور ۲۷ مولانا عبید اللہ سندھی کے علوم و افکار ۳۶)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے غافل نہیں

مولانا کو مکہ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں سخت معاشی پریشانیوں میں سے گزرنا پڑا آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہ تھا ہندوستان سے بعض احباب کچھ بھیج دیتے تھے لیکن وہ ناکافی ہوتا تھا بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ان کے پاس صرف اللہ کا نام رہ گیا اور فاقوں تک نوبت آ گئی ایک مرتبہ دو تین دن تک کھانے کو کچھ میسر نہ آیا شاید عید الفطر کا دن تھا مولانا نے اپنے عزیز سے جو زندگی بھر ان کی خدمت میں رہے فرمایا کہ میں نماز کے لئے خانہ کعبہ جاتا ہوں خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے غافل نہیں ہے وہ کچھ دے گا تو کھائیں گے مولانا فرماتے ہیں کہ اس طرح کے فاقے کئی بار آئے ہیں لیکن طبیعت کبھی بددل نہیں ہوئی اور دل کو ہمیشہ یہ یقین رہا کہ ایک ذات ہے جو سب کا خیال رکھتی ہے اس یقین نے سخت سے سخت مصیبتوں میں بھی مجھے اطمینان اور سکون بخشا اور اس کی رحمت سے کبھی بھی اپنی زندگی میں نا امید نہیں ہوا۔

(مولانا عبید اللہ سندھی ۱۱۸) (مولانا عبید اللہ سندھی کے علوم و افکار ۳۶)

دونوں میں تطبیق ہو گئی

ایک دفعہ کسی جلسے اور اجتماع میں حضرت سندھی اور حضرت مدنی دونوں موجود تھے حضرت سندھی نے کوئی بات فرمائی تو حضرت مدنی نے اس کی تردید کر دی حضرت بھڑک اٹھے اور تردید شروع کر دی اتنے میں حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی اٹھے اور انہوں نے دونوں بزرگوں کی باتوں کو اس طرح بیان کیا کہ دونوں میں تطبیق ہو گئی گویا کوئی تعارض تھا ہی نہیں اور لوگ بڑے مطمئن ہوئے اس پر مولانا سندھی بڑے خوش ہوئے اور مولانا حفظ الرحمان کی تحسین و آفرین کرنے لگے اور فرمانے لگے کہ ہمیں ایسے لوگوں کی اور ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو بات سمجھ بھی سکتے ہیں اور سمجھا بھی سکتے ہیں۔ (مولانا عبید اللہ سندھی کے علوم و افکار: ۱۱۱)

مجھے شرک میں مبتلا کرنا چاہتے ہو

ایک موقع پر مولانا سندھی کو شدید طور پر کچھ مال کی ضرورت تھی کسی شخص نے عین موقع پر کچھ نقدی پیش کی حاضرین میں سے بعض کا خیال تھا کہ حضرت سندھی اس کی کچھ تعریف کر دیں اور حوصلہ افزائی فرمائیں لیکن حضرت سندھی فرمانے لگے کہ تم مجھے شرک میں مبتلا کرنا چاہتے ہو یہ سب اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے اور اسی نے اس شخص کے دل میں یہ بات ڈالی ہے میں صرف اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں گا۔ (مولانا عبید اللہ سندھی کے علوم و افکار ۱۱۱)

شکست کا افسوس

کابل میں جب انگریز کے خلاف جنگ ہوئی اور کابل کو فتح حاصل ہوئی اس کے نتیجے میں افغانستان انگریز کے تسلط سے آزاد ہو گیا لیکن اثنائے جنگ ایک محاذ پر جس میں مولانا سندھی بھی شریک تھے اس محاذ پر شکست ہوئی تھی جس کا مولانا سندھی کو بڑا افسوس تھا وہ خیال کرتے تھے کہ شاید اس میں ہماری کوتاہی کو دخل ہے اس لئے اس کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو سزا دے رکھی تھی رات کو چارپائی پر نہیں سوتے تھے جن کے ہاں مہمان ہوتے تھے ان کے خاطر داری کے لئے تھوڑی دیر تک چارپائی پر لیٹ کر پھر زمین پر اتر کر سوتے تھے۔

(مولانا عبید اللہ سندھی کے علوم و افکار ۱۱۱)

احترام

مولانا سندھی کس قدر متواضع اور خلوص سے بھرے ہوئے تھے ایک دفعہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی مولانا سندھی سے ملنے جامعہ ملیہ تشریف لائے مولانا سندھی نے انہیں بڑی محبت اور عزت و احترام سے ارد گرد ماحول دکھایا (اس مقام سے ہمایوں کا مقبرہ پرانا قلعہ اور دوسری تاریخی عمارتیں نظر آتی تھیں) پھر دونوں بزرگوں نے ہاتھ پھیلا کر دعا مانگی مولانا مدنی جانے لگے تو مولانا سندھی دروازے کی طرف لپکے اور آپ کے جوتے سیدھے کرنا چاہتے تھے مولانا مدنی نے فرمایا حضرت! آپ کیا کرتے ہیں مجھے گناہگار نہ کیجئے لیکن مولانا سندھی ان کے جوتے سیدھے کئے بغیر نہ رہے۔ (مولانا عبید اللہ سندھی کے علوم و افکار ۱۱۱)

ہم تمہیں کام کرنے کا ڈھنگ بتا دیں گے

مولانا انور شاہ کشمیری کے بڑے فرزند مولانا ازہر شاہ لکھتے ہیں کہ مولانا عبید اللہ سندھی دار العلوم دیو بند تشریف لانے کے بعد دوسرے دن صبح کے وقت راقم الحروف کے گھر پر تشریف لائے میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا انسان سب سے آگے ہے اور اس کے پیچھے پچاس ساٹھ آدمیوں کا ہجوم ہے میں نے مولانا کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس لئے پہچان نہ سکا مولانا نے میری حیرت کو ختم کرنے کے لئے پیش قدمی فرمائی اور ارشاد ہوا' عبید اللہ سندھی' اور پھر مجھے سینے سے لگایا پیشانی پر بوسہ دیا مجھے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا آپ میرے رفیق درس اور رفیق فکر مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کی نشانی ہیں میری والدہ محترمہ مولانا سے اس وقت سے نیاز رکھتی تھیں جب مولانا دیو بند تشریف فرما تھے۔ والدہ نے چائے کا انتظام کیا چائے کے وقت مولانا شبیر احمد عثمانی اور کئی اور بزرگ بھی موجود تھے۔ مولانا بڑی بے تکلفی اور سادگی سے چائے پیتے جاتے تھے اسی مجلس میں انہوں نے بڑی شفقت سے مجھ سے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں اردو کے ایک رسالہ میں تمہارا مضمون ہم نے پڑھا تھا تم ہمارے ساتھ رہو ہم تمہیں کام کرنے کا ڈھنگ بتا دیں گے۔ میں نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت! یہ جھگڑا میرے بس کا نہیں آپ خانہ بدوش ہیں ۲۵ سال کے بعد اب گھر واپس آئے ہیں کابل روس ترکی اور حجاز کی

زمین ناپتے رہے فقر و فاقہ میں آپ کی بسر ہوتی ہے اپنا عیش و عشرت و آرام آپ نے تج دیا ہے۔ میں غریب ان مصیبتوں کو جھیلنے کے لئے حوصلہ کہاں سے لاؤں گا۔ مولانا اس پر ہنس دیئے اللہ اللہ عجیب لوگ تھے جو خود کو مٹا کر قوم کو بنا گئے جنہوں نے اپنی ساری زندگی کی ساری راحتیں زندگی کے سارے ولولے زندگی کا سارا عیش اپنے مقصد پر قربان کر دیا۔

(مولانا عبید اللہ سندھی کے علوم و افکار ۱۵۰)

☆☆☆

قطب الارشاد حضرت مولانا

شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے جانشین

شیخ الہند کے رفیق کار

ہزاروں انسانوں کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے والے پیر و مرشد

تحریک آزادی وطن کے عظیم مجاہد

پیدائش	وفات
۱۸۷۸ء	۱۹۶۲ء

ہم ہی چراغ کی لو ہیں، ہم ہی ہیں پروانے
یہ اور بات ہے کہ محفل ہمیں نہ پہچانے

سیاسی بصیرت، عالی دماغی اور سلامت فہم

حضرت نے اپنی مومنانہ فراست سے ہمیشہ سیاسی زعماء کی رہبری فرمائی۔ جمعیۃ العلماء، مجلس احرار اسلام اور کانگریس وغیرہ کے لیڈروں کو بروقت نہایت مفید اور قیمتی مشورے دیئے۔ گو خود عملاً سیاست کے میدان میں کبھی نہیں اترے تاہم سیاسی معاملات میں ہمیشہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی ہمنوائی کی اور بارہا فرمایا کہ "ہم تو حضرت مدنیؒ کے ساتھ ہیں۔" حضرت مدنیؒ کو بھی حضرت کے ساتھ ایسا اخلاص تھا کہ ہر اہم قدم اٹھاتے وقت حضرت سے مشورہ لیتے اور اکثر حالات میں اس پر عمل کرتے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۲۰۹)

فنائیت

حضرت کا ایک امتیازی وصف اپنے آپ کو بالکل مٹا دینے کا ہے۔ جن لوگوں نے اپنی عمریں حضرت کے ساتھ بسر کی ہیں، ان کا بیان ہے کہ حضرتؒ کے کسی قول و فعل سے یہ کبھی ظاہر نہیں ہوا کہ حضرت اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہیں۔ تمام عمر میں کبھی بھولے سے بھی اپنی کسی خوبی یا وصف کا ذکر نہیں فرمایا۔ حتیٰ کہ تحدیث نعمت کے طور پر بھی کبھی کوئی بات بیان نہیں فرمائی جیسا کہ بعض بزرگ بعض مصالح کے پیش نظر اپنے خصوصی حالات بیان فرمایا کرتے ہیں۔ جاننے اور پرکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ دل و دماغ کے ایک ایک گوشہ سے حب جاہ کو نکال کر حضرت نے صدیقین کے مقام میں رسوخ حاصل کر لیا تھا۔

ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔ (بیس بڑے مسلمان ۲۱۰)

امتیازی کارنامے

مذکورہ بالا بے مثال اوصاف کے باوجود اور سینکڑوں طالبین حق کی اصلاح و تربیت اور ہزاروں گم گشتگان بادیہ ضلالت کی رہنمائی و دستگیری کرنے کے علاوہ حضرت کے چند ایسے امتیازی کارنامے بھی ہیں جن کا ذکر کرنا حضرت کے سوانح نگار کا فرض ہے۔

اول یہ کہ تقسیم ملک کے بعد ملک کے دونوں حصوں میں ایک عام افراتفری اور بے چینی

پھیلی ہوئی تھی، بالخصوص علماء دین پر ایک مایوسی و بددلی کی سی کیفیت طاری تھی۔ حضرت نے انہی ایام میں ہندوپاکستان کے مسلسل دورے کر کے علماء کو تسلی وتشفی دی اور جس جگہ اور جس حال میں کوئی بیٹھا تھا، اس کو اسی جگہ اور اسی حال میں اللہ پر توکل کر کے کام کرنے کی تلقین فرمائی۔ اس سے علماء کی ہمتیں بڑھیں اور جگہ جگہ نئے دینی مدارس قائم ہو گئے۔ دیکھا دیکھی پرانے دینی مدارس کے بے جان و مردہ نظام میں بھی زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ اور اس طرح اشاعت دین کا کام وسیع تر ہو گیا۔

دوسرے یہ کہ تقسیم ملک کے ساتھ ہی پاکستان میں چند پامال مذہبی فرقوں نے سر اٹھایا۔ مرزائیت، شیعیت، عیسائیت اور بدعت کے علمبرداروں نے چاروں طرف ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ حضرت نے ایک طرف تو احرار کے رہنماؤں کو مناسب ہدایات دے کر ایک کام پر لگایا اور اس طرح مرزائیت کے بڑھتے ہوئے فتنے کا سدباب ہوا۔ ساتھ ساتھ دوسرے علماء سے شیعیت، عیسائیت، پرویزیت اور بہائیت وغیرہ کی تردید کروائی۔

دوسری طرف اہل قلم علماء سے باطل فرقوں کے رد میں کتابیں لکھوائیں۔ مولانا سید ابوالحسن ندوی سے "قادیانیت" اسی سلسلہ میں لکھوائی جس کا علمی اور سنجیدہ حلقوں میں خاطر خواہ اثر ہوا۔ یہ حضرت کے وہ کارنامے ہیں جن کی وجہ سے حضرت نے اہل حق و صداقت کے دلوں میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا ہے اور اب ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ:

اولئك آبائي فجئني بمثلهم
اذا جمعتنا يا جرير المجامع

(بیس بڑے مسلمان: ۴۱۰)

محبت رسول ﷺ

ایک مرتبہ حضرت مسجد نبوی ﷺ میں تشریف رکھتے تھے۔ اس خادم نے عرض کیا کہ حضرت اس مسجد میں بعد کے لوگوں نے بڑی زیب و زینت پیدا کر دی اور قیمتی قالین بچھائے۔ کاش یہ مسجد اپنی پہلی سادگی پر ہوتی۔

معلوم نہیں اس وقت حضرت کس حال میں تھے۔ جوش آ گیا۔ فرمایا:

حضرت اور زیب و زینت ہو، دنیا میں جہاں کہیں جمال اور زیب و زینت ہے، انہی کے صدقہ میں تو ہے۔"

مجھے شرمندگی ہوئی اور احساس ہوا کہ یہ حضرات کس قدر محبت سے بھرے ہوئے ہیں۔

مرض وفات میں مدینہ طیبہ کا ذکر سن کر بے اختیار رقت طاری ہو جاتی اور بعض اوقات بلند آواز سے رونے لگتے۔ مولانا محمد انوری صاحب عمرہ کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔ حضرت سے رخصت ہونے کے لئے آئے۔ مدینہ طیبہ کا ذکر ہوا تو حضرت دھاڑیں مار مار کر روئے۔ مولانا محمد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی حضرت اقدس کو اس سے پہلے بلند آواز سے روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

بابو عبدالعزیز صاحب آئے تو ان سے فرمایا کہ دیکھو یہ مدینہ جا رہے ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت کی چیخیں نکل گئیں۔ (بیس بڑے مسلمان: ۴۲۲)

صحابہ کرامؓ سے تعلق

ایک مرتبہ ان حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے جو سادات کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور تشیع کی طرف مائل ہیں، فرمایا:

بھائی! میں تو سیدوں سے عرض کرتا ہوں کہ مجھے تو آپ حضرات پر اعتبار نہیں رہا۔ ہم تو اچھے خاصے مندروں میں پوجا پاٹ میں لگے رہتے تھے، آپ کے بڑوں نے ہمارے بڑوں کو اسلام کی دعوت دی۔ ہم لبیک کہتے ہوئے ان کے پیچھے ہو لیے۔ اب آپ ہمیں چھوڑ کر کوئی شیعہ ہو رہا ہے، کوئی مرزائی ہو رہا ہے اور کوئی عیسائی اور کوئی منکر حدیث۔ پس بھائی! ہمیں یہی اسلام کافی ہے۔ یہ ہمارے بس کا نہیں کہ تم جہاں جاؤ ہم تمہارے پیچھے پیچھے بھاگے پھریں۔ اگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم مسلمان نہیں ہیں تو ہمیں تو اور کوئی مسلمان نظر نہیں آتا۔ (بیس بڑے مسلمان: ۴۲۳)

میں پروانہ صحابہ دا

مولانا محمد صاحب انوری لکھتے ہیں:

حضرت نور اللہ مرقدہ کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات سننے کا بڑا ذوق و شوق رہتا تھا۔ مولانا محمد یوسف صاحب کی کتاب حیاۃ الصحابہ سن کر بہت روتے تھے۔ اور پنجاب کے اسفار میں لاہور اور لائل پور میں تو ہم نے دیکھا ہے کہ محمد شفیع کبیر والا ضلع ملتان سے آجاتے تو ان سے مناقب صحابہؓ کے متعلق پنجابی نظمیں سنتے اور رقت طاری ہو جاتی۔ اکثر اوقات حضرت اقدس کی زبان مبارک پر پنجابی کا یہ شعر رہتا تھا:

او دیوانے محمد ﷺ دے میں دیوانہ صحابہؓ دا
او پروانے محمد ﷺ دے میں پروانہ صحابہؓ دا

پھر محمد شفیع کے انتظار میں رہتے۔ جب آتے تو یہ شعر ضرور سنتے۔

(تین بڑے مسلمان:۲۲۴)

اکابر کی عظمت

ایک دفعہ ڈھڈیال میں شام کا کھانا ہو رہا تھا۔ حضرت والا دسترخوان پر تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب سرگودھا سے تشریف لائے جن کا جماعت اسلامی سے تعلق تھا۔ السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گئے۔ حضرت نے ان کو کھانے میں شریک ہونے کو کہا۔ چنانچہ کھانے میں شریک ہو گئے۔ ان کو حضرت کے ساتھ ہی جگہ ملی۔ ابھی ایک ہی لقمہ اٹھایا ہوگا کہ انہوں نے حضرت اقدس سے سوال کیا (سوال بھی بڑے اکھڑ پن سے) کہ حضرت! شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کیوں ناکام ہوگئی تھی؟ ناکامی کی وجوہات کیا تھیں؟

حضرت اقدس نے بڑی ناگواری کے ساتھ بلکہ غصہ کے ساتھ فرمایا:

ہم کوئی بزرگوں کے عیب نکالنے کے لئے تھوڑے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کی سعی بہر حال مشکور ہے۔

اس سے وہ صاحب خاموش ہو گئے۔ (تیس بڑے مسلمان: ۶۲۵)

بے نفسی و فنائیت

ایک دفعہ لائل پور (فیصل آباد) کے دوران قیام میں اس بارے میں خدام و احباب کے درمیان بڑی کشاکش تھی کہ حضرت رمضان کہاں کریں۔ لائل پور کے اہل تعلق لائل پور کے لئے کوشاں تھے، لاہور کے احباب لاہور کے لئے مصر تھے۔ اور قریشی صاحب وغیرہ راولپنڈی کے لئے عرض کرتے تھے۔

حضرت نے ایک روز سحر کے وقت تینوں گروہوں کے خاص خاص اشخاص کو بلایا اور فرمایا کہ:

بھائیو! دیکھو میں ایک غریب کاشتکار کا لڑکا ہوں۔ میرے گھر میں ایسی غربت تھی کہ میں جب طالب علمی میں آیا کرتا تھا تو میری والدہ کو فکر ہوتی تھی کہ تینوں کی روٹی کا انتظام کس طرح کریں؟ نجی ہوں، اول تو کچھ زیادہ پڑھا نہیں، پھر جو کچھ پڑھا وہ بھی بھول گیا۔ اب تم جو مجھے کھینچے کھینچے پھرتے ہو اور کوئی ادھر لے جانا چاہتا ہے اور کوئی ادھر..... تو محض اس کی برکت ہے کہ کچھ روز اللہ کا نام لیا۔ تم خود اخلاص کے ساتھ چند روز اللہ کا نام کیوں نہیں لیتے کہ خود مطلوب بن جاؤ۔

یہ تقریر کچھ ایسی سادگی اور اثر کے ساتھ فرمائی کہ بعض حضرات کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

(تیس بڑے مسلمان: ۶۲۶)

زہد و توکل اور بذل و سخا

ڈاکٹر محمد اختر صاحب (نو مسلم) بیان کرتے ہیں کہ:

ایک دفعہ مجمع لگا ہوا تھا۔ بہت سے حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی شخص نے مصافحہ کرتے وقت بے تکلف عرض کیا کہ حضرت دس روپیہ کی ضرورت ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اللہ سے دعا کرو۔ پھر خاموش ہو گئے۔

تھوڑی دیر میں ایک شخص آیا، سو روپیہ کا نوٹ حضرت کے ہاتھ پر رکھا۔ حضرت نے آواز دے کر فرمایا، ''ارے بھائی! وہ شخص کہاں گیا جو دس روپیہ مانگ رہا تھا۔'' وہ بولا، جی حضرت بیٹھا ہوا ہوں۔ فرمایا، ''لے یہ دس روپیہ''۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو سو روپے ہیں۔ فرمایا، ''لے جا! تیری موج ہوگئی۔''

(تین بڑے مسلمان: ۴۲۸)

حقیقت پسندی اور حالات زمانہ سے باخبری

حضرت کبھی کبھی خبریں سننے کو اپنا وظیفہ کہا کرتے تھے۔ ایک روز جب میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مرحوم حضرت کی چارپائی کے ساتھ لگے حضرت سے باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے کسی نے دور سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ مطلب تھا کہ شاہ صاحب کی حضرت سے مخاطبت میں کوئی خلل نہ ڈالا جائے۔ میں نے سکوت کیا اور حضرت کے سرہانے کی جانب چارپائی کے قریب دبک کر بیٹھ گیا۔

ابھی کچھ دیر بھی نہ ہوئی تھی کہ حضرت نے دوسری جانب منہ پھیر کر فرمایا کہ یہاں کون بیٹھا ہوا ہے؟ دوسرے لوگوں کے ساتھ ہی میرا نام بھی لیا گیا۔ حضرت نے فوراً کہا، ''ارے تم کہاں چھپ کر بیٹھ گئے، ادھر آؤ۔'' پھر شاہ صاحب کی طرف مسکرا کر دیکھا اور فرمایا، ''حضرت! اب ہم اپنا وظیفہ کرنے لگے ہیں۔'' پھر ارشاد ہوا، ''اچھا کوئی خبر سناؤ۔'' (مولانا سید ابوالحسن ندوی، (تین بڑے مسلمان: ۴۳۷)

اسلام کی فکرمندی اور مسلمانوں کے لئے دلسوزی

ایک مرتبہ ایک ایسے اہم اور نازک موقعہ پر جس میں دعا کی سخت ضرورت تھی، یہ خادم شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کی ہمرکابی میں رائے پور حاضر ہوا اور اس موقع کی نزاکت واہمیت کی طرف متوجہ کر کے خصوصی دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے اپنے تعلق خاطر اور فکرمندی کا اظہار فرمایا اور تنہائی میں مجھ سے فرمایا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ تخلیہ میں معلوم نہیں کن عبادات میں معروف رہتا ہوں۔ بعض مرتبہ پورا وقت مسلمانوں کی فکر اور رنج وقلق

میں گزر رہا ہے۔ (مولانا سید ابوالحسن ندوی (تین بڑے مسلمان: ۴۳۸)

ہمیں تو الجمعیۃ دکھلایئے

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ ایک مرتبہ سیوہارہ ہمارے مکان پر تشریف فرما تھے، صبح کا وقت تھا۔ بھائی مولانا خلیل الرحمٰن صاحب ہاتھ میں ایک اخبار لئے ہوئے آئے۔ حضرت رائے پوریؒ نے معلوم کیا کہ کون سا اخبار ہے؟ عرض کیا کہ "انجام" ہے۔ فرمایا کہ ہمارا انجام تو حضرت مدنیؒ کے ساتھ ہے، ہمیں تو الجمعیۃ دکھلایئے۔ (حاجی حبیب الرحمٰن سیوہاروی) (مولانا حسین احمد مدنیؒ واقعات و کرامات کی روشنی میں ۳۲)

مجھے عورتوں سے کبھی مناسبت نہیں ہوئی

حضرت رائے پوری (مولانا عبدالقادر صاحبؒ) فرماتے تھے کہ مجھے عورتوں سے کبھی مناسبت نہیں ہوئی حتیٰ کہ اپنی بہن کو بھی آواز سے پہچانتا ہوں، صورت شکل سے نہیں پہچانتا، اس لئے کہ کبھی جی بھر کے صورت شکل دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ حضرت کے ایک بچی ہوئی تھی، وہ بھی جلدی ہی انتقال کر گئی تھی۔ اہلیہ محترمہ کا بھی اسی عرصہ میں انتقال ہو گیا تھا۔

(ملفوظات فقیہ الامت: قسط ۷/۹۶)

گھٹنوں تک گندا پانی ہے

مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ فرماتے تھے کہ جب میں نے تحصیل علوم سے فراغت کی تو اصلاح باطن کی طرف توجہ کی۔ خیال ہوا کہ کسی سے بیعت ہو جاؤں۔ اس وقت مرزا غلام احمد قادیانی کا شہرہ تھا، اس کے خادم کے ذریعے وہاں تک پہنچا اور مرزا سے بیعت کی درخواست کی۔ اس نے بیعت کرنے سے تو منع کر دیا البتہ اهدنا الصراط المستقیم دعا کثرت سے پڑھنے کی تاکید کی۔ نیز کہا کہ خط کے ذریعہ یاد بھی دلاتے رہنا۔

چنانچہ یہ دعا بھی پڑھتے رہے اور خط بھی لکھتے رہے۔ کسی کسی خط کا جواب بھی آیا کہ تمہارے لئے دعا کی گئی۔ پھر ایک رات خواب میں دیکھا کہ میں ایک جگہ کھڑا ہوں اور گھٹنوں تک گندا پانی ہے، اس سے باہر نکل آئے۔ خواب سے بیدار ہوئے تو طبیعت مرزا کی طرف

سے بچی ہوئی تھی۔ اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے گندے پانی سے نکال دیا۔

(ملفوظات فقیہ الامت قسط: ۳/ ۸۸)

فلاں کتاب میں تو مسئلہ اس طرح نہیں

اس کے بعد مولوی احمد رضا خان کے یہاں تشریف لے گئے کہ اس کا بھی چرچا تھا۔ وہاں پہنچ کر ان کے بچوں کے اتالیق مقرر ہوئے۔ یہ چاہتے تھے کہ پاس رہ کر خوب ٹھوک بجا کر دیکھ لوں تب بیعت ہوں گا۔ ان کی مخصوص عربی فارسی کی گالیاں تھیں جن کو ان کے لوگ سمجھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ مثلاً حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا جب نام لیتے تو کہتے اشرِ فعلی وغیرہ وغیرہ۔ ایک روز ان سے ایک صاحب نے مسئلہ معلوم کیا۔ انہوں نے بتلا دیا۔ وہ شخص پوچھ کر چلا گیا۔ میں بھی پاس بیٹھا تھا۔ میں نے کہا کہ فلاں کتاب میں تو مسئلہ اس طرح نہیں دوسری طرح لکھا ہوا ہے۔ تو جواب دیا کہ صحیح وہی ہے جو تم نے کہا مگر وہ سائل اپنے ہی آدمی ہیں، ان کو نقصان ہوتا، اس لئے مسئلہ اس طرح بتا دیا۔

بس میں نے سمجھا کہ میرا مقصود یہاں بھی حاصل نہ ہوگا، اس لئے بغیر ان سے کچھ کہے خاموشی سے استعفیٰ دے کر چلا آیا۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط: ۳/ ۸۸)

وہاں پوچھ ہی غریبوں کی ہوتی تھی

اس کے بعد فرماتے تھے کہ گنگوہ حضرت گنگوہیؒ کے یہاں جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی، یہ سوچ کر کہ بڑی جگہ ہے، وہاں غریبوں کی کیا پوچھ ہوگی؟ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں پوچھ ہی غریبوں کی ہوتی تھی، تاہم ایک مرتبہ وہاں پہنچ ہی گیا، مگر یہ کہنے کی جرأت نہ ہوئی کہ بیعت کے لئے آیا ہوں۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط۔ ۳/ ۸۹)

سمجھا، میری اصلاح اسی میں ہے

پھر رائے پور اعلیٰ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے قیام کی اجازت دے دی اور اپنے یہاں سے میرا کھانا مقرر کر دیا جس میں مکی کی روٹی ہوتی۔ مجھے اس سے قبض ہوتا، تکلیف ہوتی مگر میں نے کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

کچھ دن بعد حضرت نے میرا کھانا اپنے یہاں سے موقوف کرا کے مہمان خانہ سے مقرر فرما دیا۔ میں خوش ہوا کہ اب مکئی کی روٹی سے نجات مل جائے گی۔ مگر حضرت نے باورچی سے فرما دیا کہ ان کو مکئی کی روٹی دی جائے۔ اس نے مکئی کی روٹی دینی شروع کی، وہ بھی مکئی، پہلے سے گئی گذری کہ آٹے کو اچھی طرح گوندھے بغیر روٹی بنائی اور توے پر ڈال دی، پھر پلٹنے کا نام نہیں۔

کچھ دن اس پر صبر کیا۔ کسی سے نہیں کہا، یہاں تک کہ میرے پیٹ میں اس کی وجہ سے بڑے بڑے کیڑے پیدا ہو گئے۔ تب مجبوراً باورچی سے کہا کہ اللہ کے بندے! روٹی ذرا اچھی طرح تو پکا دیا کر۔ اس پر اس نے کہا کہ نوابی کرنی ہے تو جاؤ یہاں سے، یہاں تو اس طرح کی روٹی ملے گی۔

میں نے اس سے کہا، بس بھائی! میں تو ایسی ہی کھاؤں گا۔ اور دل میں سوچا کہ میری اصلاح اسی میں ہے۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط: ۳/۸۹)

بعد رمضان دیکھی جائے گی

یہاں تک کہ شعبان کا مہینہ آیا اور ختم ہو گیا۔ تو بڑے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کا معمول یہ تھا کہ اخیر شعبان میں سب سے مصافحہ کر لیا کرتے تھے کہ بس اب عید کو ملیں گے۔ پھر نہ کسی سے ملتے نہ کسی سے بات کرتے، خط و کتابت کا سلسلہ بھی موقوف فرما دیتے۔ بعض مخصوص خدام سادی چائے کے ایک دو فنجان پلانے کے دوران کچھ گفتگو کر لیتے تو کر لیتے، دوسرے اوقات میں ان سے بھی گفتگو نہ فرماتے۔ سارا رمضان یکوئی اور تنہائی میں گزارتے۔ مجھ سے فرمایا کہ دیرآید درست آید۔ بعد رمضان دیکھی جائے گی۔

(ملفوظات فقیہ الامت قسط: ۳/۹۰)

حضرت رائے پوری ثانی کا حال ولباس

مولانا عبدالقادر صاحبؒ رائے پور گئے تو بھنے روٹی کے درختوں کے پتے کھاتے۔ ایک مرتبہ کسی نے گھر کی صفائی کی اور گھر کا پھٹا پرانا کمبل بالکل بے کار سمجھ کے کباڑ میں ڈال دیا۔ وہ مولانا عبدالقادر صاحبؒ نے اٹھا لیا اور دھو کر پاک کر کے اس کو پندرہ برس تک استعمال

گیا۔ اسی کو بچھاتے، اسی کو اوڑھتے اور اسی کو مصلّٰی بناتے۔

(ملفوظات فقیہہ الامت قسط: ۵/۲۲)

کپڑے سوکھنے میں دیر ہوگئی

حضرت اپنی انتہائی تواضع کی ہی وجہ سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی نگاہوں میں بڑھتے چلے گئے اور ساری خصوصی خدمات اعلیٰ حضرت کی حضرت رائے پوری کی طرف منتقل ہوتی چلی گئیں۔ اعلیٰ حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے اپنے کپڑے بھی حضرت رائے پوری ثانی کو ہبہ کر دیئے تھے کہ اپنی ملک میں کچھ نہ رہے لیکن غایت تواضع سے حضرت اپنے شیخ کے کپڑوں کو استعمال نہیں کرتے تھے اور چونکہ امامت بھی حضرت ہی کے سپرد تھی، اس کا ایک قصہ خود بیان فرمایا کہ میں ایک دفعہ نہر پر کپڑا دھونے گیا، ایک ہی جوڑا کپڑوں کا تھا، اسی کو دھو سکھا کر پہن لیتا، اس دن سوکھنے میں ذرا دیر ہوگئی۔ جمعہ کا وقت ہوگیا، جمعہ میں ہی پڑھایا کرتا تھا۔ حضرت میرے انتظار میں تھے۔ جب حاضر ہوا، فرمایا مولانا کہاں رہ گئے تھے؟ میں نے سکوت کیا۔ دوبارہ پھر دریافت فرمایا، میں نے سکوت کیا۔ بار بار اصرار سے پھر دریافت فرمایا تو عرض کیا، حضرت! کپڑے نہیں سوکھے تھے، اس لئے حاضری دیر ہوگئی۔ حضرت نے غصہ سے فرمایا، آپ کے پاس میرے کپڑے موجود نہیں ہیں، ان کو کیوں نہیں استعمال کرتے، کیا ان کو آگ لگانا ہے، مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے۔

اس کے باوجود کبھی حضرت کے کپڑے پہننے کی جرأت نہ ہوئی۔

(آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ: ۲۶۹)

☆☆☆

امیر شریعت

سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

خطیب اعظم

مجلس احرار کے قائد

انگریز سے بے باکانہ ٹکر لینے والے سرفروش

تحریک آزادی کے مجاہد

ناموس پیغمبر ﷺ کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے والے عظیم انسان

وفات	پیدائش
۱۹۶۱ء	۱۸۹۱ء

یوں تو جادوگر مقرر بھی مکمل عزم بھی
عشق کی تفسیر کامل کے سوا کچھ بھی نہیں
میری نظروں میں اگر مجھ سے کوئی پوچھے
درد سے لبریز اک دل کے سوا کچھ بھی نہیں

شاہ صاحبؒ کی شان استغناء

ایک مخلص خادم کا بیان ہے کہ میں نے آپ کے اس بیان کی تحقیق کے لئے ایک دفعہ جب کہ شاہ صاحب وضو کر رہے تھے، آپ کی اچکن سے چالیس روپے نکال لئے۔ بعد میں منتظر رہا کہ شاہ صاحبؒ مجھ سے چوری کی شکایت کریں مگر معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کو اس گمشدگی کا پتہ نہیں۔ چند ماہ گزرنے کے بعد میں نے وہ رقم پھر آپ کی جیب میں ڈال دی تو بھی آپ کو اس اضافے کا پتہ نہ چل سکا۔ میں نے جب پوری بات بتائی تو آپ نے بڑے تعجب سے فرمایا:

> بھائی! پچیس سال سے جماعت کے ساتھ ہو، ابھی تک تمہیں میرے ایمان کا پتہ نہیں چلا۔ دولت انسان کی خدمت کے لئے ہے مخدوم بننے کے لئے نہیں۔ مال جمع کرنے اور گننے میں لذت محسوس کرنا اہل جہنم کا نشان ہے۔ جمع مالاً و عددہ اچھے لوگوں کے حق میں نہیں۔ (بیس بڑے مسلمان:۸۶۶)

امیر شریعت کی کانفرنس میں آمد اور تقریر

اس کانفرنس کے صدر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھے۔ چنانچہ رات جب اپنا پورا سایہ ڈال چکی، لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہو چکے تو اس کانفرنس کے صدر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تشریف لائے۔ ہزارہا انسانوں کا ہجوم اور امیر شریعت کی پنڈال میں آمد...... اور کون سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ..... ملتان کی سرزمین میں جب دفن ہونے والا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نہیں ... وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نہیں جس کی زبان گنگ ہو گئی تھی، جس کے چہرے کا جھریوں نے احاطہ کر لیا تھا، جس کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی آ گئی تھی ۔ یہ وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھا جس کا شباب اور شعلہ بیانی دونوں اپنے عروج پر تھے، جو لاؤڈ اسپیکر کے بغیر لاکھوں کے مجمع کو مسخر کر سکتا تھا، جس کا حسن اور بیان دونوں الگ الگ جادو جگاتے تھے۔ پچاس ہزار کا مجمع، رات کی خاموشی، قمقموں کی روشنی اور راستے میں حسن و نور کے پیکر شعلہ بیان

خطیب اور شریعت کے امیر کی آمد: ع

تم آگئے تو از سرِ نو زندگی ہوئی

بس پھر کیا تھا۔ مجمع میں کہاں ایک خاموشی اور ہو کا عالم تھا اور اب وارفتگی اور دیدار یار کی بے تابی نے سب کو آن گھیرا ہے۔ اور اس بے تابی اور وارفتگی کا اظہار نعروں کی گونج میں ہوتا ہے۔

شاہ صاحبؒ ہیں کہ مسکراتے ہوئے، مجمع کو چیرتے ہوئے اسٹیج کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اسٹیج پر پہنچے، چاروں طرف نگاہ مست انداز سے دیکھا۔ بس پھر کیا تھا، نعروں کا ایک سیل رواں ٹوٹ پڑا۔ اور امیر شریعت فاتحانہ انداز میں مسکرا رہے تھے۔ مجمع خاموش ہوا۔ تلاوت ہوئی۔

اب سے پچیس برس پہلے کی تفصیلوں کو دہرایئے اور انہی تفصیلوں کو جن پر شاہ صاحبؒ کی تقریر کی دبیز تہیں چڑھی ہوئی ہوں۔ شاہ صاحب نے بھی کوئی ساڑھے نو بجے تقریر شروع کی ہوگی اور رات تھی کہ دم بخود گزر رہے جا رہی تھی۔ لیکن شاہ صاحبؒ کی شعلہ بیانی بڑھتی جا رہی تھی۔ اور اس شعلہ بیانی اور آتش نوائی کو قدم قدم پر نعروں، قہقہوں اور آنسوؤں کے ذریعے خراج عقیدت پیش ہو رہا تھا۔ یہی وہ تقریر ہے جس میں شاہ صاحب نے اپنا مشہور جملہ کہا تھا کہ:

> وہ (مرزا محمود) نبی کا بیٹا ہے اور میں نبی ﷺ کا نواسا ہوں۔ وہ آئے اور مجھ سے اردو، پنجابی، فارسی، عربی ہر زبان میں بحث کرے۔ یہ جھگڑا آج ہی طے پا جاتا ہے۔ وہ پردے سے باہر نکلے، نقاب اٹھائے، کشتی لڑے، مولا علی کے جوہر دیکھے، ہر رنگ میں آئے۔ میں ننگے پاؤں آؤں اور وہ حریر و پرنیاں پہن کر آئے۔ میں موٹا جھوٹا پہن کر آؤں اور وہ مزعفر کباب یا قوتیاں اور اپنے ابا کی سنت کے مطابق پلومر ٹانک وائن پی کر آئے۔ میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کر آؤں۔ ہمیں میدان ہمیں کو۔

یہ تقریر جو رات کی خاموشی میں شروع ہوئی تھی، جو عشاء کی نماز کے بعد جب ابھی رات کا آغاز تھا، لوگوں نے سننا شروع کی تھی۔ یہ تقریر پوری رات ہوتی رہی اور مجمع پر ہو کا عالم

طاری۔ ایک بھی ذی نفس ایسا نہیں تھا جس نے تھکن کا اظہار کیا ہو، جس کے چہرے سے اکتاہٹ کی غمازی ہوئی ہو۔

اتنے میں صبح کا نور پھیلنا شروع ہو گیا اور مؤذن نے اذان دے دی۔ تقریر تھی کہ اس وقت بھی اپنے عروج پر تھی۔ لیکن مؤذن نے اس سیل رواں کو روک دیا اور خطابت کے دریا کو بند مار دیا۔

ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ میں بہت کم خطیب اور مقرر ایسے گزرے ہیں جنہوں نے رات رات بھر تقریر کی ہو، جنہوں نے لوگوں کو اس قدر مسحور کیا ہو جیسا کہ امیر شریعت نے کیا ہے۔

کوئی آیا نہ آئے گا لیکن
کیا کریں گر نہ انتظار کریں

(تین بڑے مسلمان: ۷۶۔۸۷)

انجینئرنگ کالج لاہور پر یلغار

یہ ایک رات کا واقعہ ہے۔ تیس اکتیس برس پہلے کی ایک رات کا۔ نصف شب کو جب چاروں طرف خاموشی تھی تو تقریباً دس بارہ ہزار افراد کا ہجوم نعرہ تکبیر اللہ اکبر اور نعرہ رسالت محمد رسول اللہ دہرا کر باغبانپورہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس سے آگے آگے سرخ و سفید نورانی چہرے، گھنی داڑھی اور لمبے بالوں والا چالیس برس کا ایک بزرگ قدم بڑھا رہا تھا۔ یہ تھا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھے۔ اس رات وہ اپنی شعلہ بیانی کا ادنیٰ کرشمہ دکھا رہے تھے۔ وہ موچی دروازہ کے باغ سے پورے جلسے کو مغلپورہ انجینئرنگ کالج کی طرف لے نکلے تھے۔

اس زمانے میں مغل پورہ انجینئرنگ کالج لاہور کے پرنسپل کے خلاف تحریک زوروں پر تھی۔ آج اس تحریک اور اس قسم کی دوسری تحریکوں پر کوئی قلم نہیں اٹھاتا۔ اور ان تحریکوں کے پس پردہ ہاتھوں کی نشاندہی کرنے والے اب بھی خاموش ہیں ورنہ کئی پر لطف داستانیں سننے میں آئیں اور کئی دلچسپ محرکات کا پتہ چل سکے۔

بہر حال یہ تحریک مغل پورہ انجینئرنگ کالج کے پرنسپل کے خلاف تھی۔ یہ پرنسپل انگریز

تھا اور اس پر الزام یہ تھا کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ اس پر مسلمان طلبہ میں اشتعال پیدا ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا؟ شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہ تحریک چل نکلی۔ شہر کے کئی ایک علماء نے آگے بڑھ کر اس تحریک کی قیادت سنبھالی اور گرفتار کر لیے گئے۔ ان میں مولانا احمد علیؒ، مولانا داؤد غزنویؒ اور مولانا مخدوم مرشدؒ بھی تھے۔

ان گرفتاریوں کے بعد موچی دروازے کے باہر ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔ عشاء کی نماز کے بعد جلسہ شروع ہوا اور تقریباً نو بجے کے قریب شاہ صاحبؒ جلسہ گاہ میں تشریف لائے۔ ان کی آمد نے پورے جلسے میں ہیجان برپا کر دیا۔ ابھی لاؤڈ اسپیکر عام نہیں ہوا تھا اور مقرر کو اپنے گلے اور پھیپھڑوں کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ چنانچہ جلسہ گاہ میں بلا کی خاموشی تھی۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اپنی تقریر کا آغاز کیا۔ یہ خاموشی، یہ ہجوم اور ناموس رسول ﷺ کا موضوع۔ پھر کیا تھا؟ شاہ صاحب کی شعلہ نوائی انتہا پر تھی۔ ایک ایک لفظ سحر بنتا چلا گیا۔ اور جب تین چار گھنٹے گزر گئے تو دس بارہ ہزار کا یہ ہجوم سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار تھا۔ رات کے ایک بجے وہ مسحور مجمع کو اپنے ساتھ لئے مغل پورہ انجینئرنگ کالج کی طرف بڑھنے لگے تاکہ جب مؤذن فجر کی نماز کے لئے دعوت دے تو یہ ہجوم مغل پورہ کالج کے سامنے ہی نماز ادا کرے اور وہیں ناموس رسول ﷺ کی حفاظت کے لئے پکٹنگ شروع کر دے۔ اس ہجوم میں ایک ذی نفس بھی ایسا نہ تھا جس نے شاہ صاحبؒ کی آواز پر لبیک نہ کہی ہو یا اس کے قدم مغلپورہ کالج کی طرف اٹھنے کی بجائے گھر کی طرف اٹھے ہوں۔ (عبداللہ ملک) (بیس بڑے مسلمان: ۸۷۷)

مارشل لاء کے قیدیوں سے ملاقات

لاہور سنٹرل جیل میں شاہ جی کی آمد کی اطلاع جب مارشل لاء کے قیدیوں کو ملی تو انہوں نے حکام جیل کی اجازت سے شاہ جی سے ملاقات کا پروگرام بنایا۔ ایک دن صبح سویرے ہم اسیران قفس ناشتہ کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ دیوانی احاطہ کے انچارج نے آکر شاہ جی سے درخواست کی کہ مارشل لاء کے چند قیدی باہر کھڑے ہیں اور وہ آپ کی زیارت کے مشتاق ہیں۔ اگر اجازت ہو تو انہیں اندر بلا لوں۔

ابھی اس کی بات مکمل نہ ہو پائی تھی کہ شاہ جی ننگے سر اور ننگے پاؤں ان قیدیوں کے استقبال کے لئے دیوانہ وار کمرے سے باہر نکل گئے۔ دیوانی احاطہ کے دروازے پر قیدی خراماں خراماں آرہے تھے۔ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کی جھنکار اور شاہ جی کا استقبال۔ ایک عجیب پر کیف منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔ شاہ جی نے سب کو گلے لگایا۔ ایک ایک کی بیڑی اور ہتھکڑی کو بوسہ دیا۔ پھر آپ نے اشکبار آنکھوں اور غمناک لہجہ میں فرمایا:

تم لوگ میرا سرمایۂ نجات ہو۔ میں نے دنیا میں لوگوں کو روٹی اور پیٹ یا کسی مادی مفاد کے لئے نہیں پکارا۔ لوگ اس کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کرتے ہیں۔ میں نے تو اپنے نانا حضرت خاتم النبیین ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کی دعوت دی ہے اور تم لوگ صرف اور صرف اسی مقدس فریضہ کے لئے قید و بند اور طوق و سلاسل کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہو۔ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ سیاسی شہرت یا ذاتی وجاہت جس کا مقصود ہو۔ تم یہاں جیل میں بھی غیر معروف ہو اور جب تم اس دیوار زنداں سے پرے جاؤ گے تو باہر تمہارا استقبال کرنے والا اور گلے میں پھولوں کے ہار ڈال کر نعرہ لگانے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔ نیت اور ارادے کے اعتبار سے جس کی آمد اس مقصد کے لئے ہوئی ہے، وہ یہی مقصد لے کر واپس چلا جائے گا۔ میرے لئے اس سے بڑا سرمایۂ افتخار اور کیا ہو سکتا ہے؟

شاہ جی یہ چند جملے فرما چکے تو کسی نے ایک قیدی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ تحریک میں اس کا بھائی گولی کا نشانہ بن چکا ہے، اس کے لئے دعا فرمائیں۔ شاہ جی نے تحریک کے دوران تشدد کارروائیوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

بھائی! ہم ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ حکومت یا عوام تشدد پر اتر آئیں اور کوئی ناخوشگوار صورت نمودار ہو جائے۔ میں نے کراچی جیل میں جب لاہور اور دوسرے مقامات پر گولی چلنے کے واقعات سنے اور معلوم ہوا کہ کئی بوڑھے باپوں کی لاٹھیاں ٹوٹ گئی ہیں، ماؤں کے چراغ گل ہو گئے ہیں اور کئی سہاگ

اجڑ گئے ہیں تو مجھے اس کا بڑا صدمہ پہنچا۔ میں نے وہاں کہا تھا کہ کاش مجھے کوئی باہر لے جائے یا ارباب اقتدار تک میری یہ آرزو پہنچا دی جائے کہ تحفظ ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں اگر کسی کو گولی مارنا ضروری ہو تو گولی میرے سینے میں مار کر ٹھنڈی کر دی جائے اور کاش اس سلسلہ میں اب تک جتنی گولیاں چلائی گئی ہیں، وہ مجھے ٹکٹکی پر باندھ کر میرے سینے میں پیوست کر دی جائیں۔

(مجاہد الحسینی) (بیس بڑے مسلمان: ۸۷۸)

مالی مفاد سے لاپرواہی

کئی دفعہ ایسا ہوا کہ کسی جلسہ میں شرکت کیلئے میں اور امیر شریعتؒ ایک ساتھ گئے ہیں۔ منتظمین نے مجھ سے مشورہ کیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں سفر خرچ کتنا پیش کیا جائے۔ شاہ صاحب نے اپنی فراست سے سمجھ لیا کہ میں نے کوئی رائے دی ہے۔ ناراض ہو کر فرمایا:

محمد علی! آخری عمر میں مجھے بے ایمان کر کے مارنا چاہتے ہو۔ تم نے مقدار رقم کی رائے دی ہے حالانکہ میں تمام عمر اس کا خیال بھی نہیں کیا۔ آمدورفت کا کرایہ گھر سے لے کر چلتا ہوں اور خیال بھی نہیں کرتا کہ کوئی ضرور دے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کے ذریعے سے دے بھی دیا تو میں نے دیکھا بھی نہیں کہ کیا دیا۔ (مولانا محمد علی) (بیس بڑے مسلمان: ۸۸۴)

شاہ جی کے کردار کا ایک حسین پہلو

ایک جلسہ میں بعض منتظمین کو شک ہوا کہ جس کے سپرد شاہ صاحب کا سفر خرچ ادا کرنا تھا، اس نے پورا نہیں دیا بلکہ خیانت کی ہے۔ اب انہوں نے تحقیق کی یہ صورت نکالی۔ عرض کیا کہ جو سفر خرچ پیش کیا گیا ہے، اس میں ایک نوٹ کو جعلی لگا ہوا ہے، لایئے ہم اسے بدل دیں۔ مسکرا کر فرمایا:

اللہ نے پردہ دری کی اجازت نہیں دی۔

سب خاموش ہو گئے۔ (مولانا محمد علی) (بیس بڑے مسلمان: ۸۸۴)

شاہ جی کے کردار کا ایک پہلو

میرا عمر بھر کا تجربہ ہے کہ آپ میں حسد، عجب، کبر نام کو نہ تھا۔ البتہ خودداری کے پہاڑ تھے۔ کوئی شخص جس فن میں کمال رکھتا ہو، اس فن میں سوائے اپنی اولاد کے کسی اور کو برداشت نہیں کرتا۔ لیکن حضرت شاہ صاحب فن تقریر میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ مگر جب دوسرے شخص کو تقریر کرتے سنتے تو خوشی سے جھومتے اور چہرہ مبارک چاند کی طرح چمکتا۔ "ماشاء اللہ" فرماتے اور فرماتے، "اب میری ضرورت نہیں۔"

چنانچہ دو دفعہ ایسا ہوا۔ آپ کی تقریر کا اعلان تھا۔ جلسہ میں ہجوم کی وجہ سے تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ لوگ چشم براہ تھے اور ان سے پہلے میری تقریر تھی۔ میری تقریر کے بعد اعلان کر دیا کہ اس تقریر کے بعد میں تقریر کرنا مناسب نہیں سمجھتا، جلسہ برخاست کرتا ہوں۔

انہوں نے ایسا ایک دفعہ نسبت روڈ لاہور اور دوسری بار کمپنی باغ سرگودھا میں کیا۔

(مولانا محمد علی) (بیس بڑے مسلمان: ۴۸۴)

شاہ جی کی سحر بیانی

شاہ جیؒ کی تقریر کا رنگ اور روغن ہی کچھ ایسا تھا کہ ان کے بعد اس فن کے بعض نامی گرامی لوگوں کی تقریریں بھی عوام کو متاثر نہ کرسکیں۔ چنانچہ مولانا محمد علی جوہر نے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا:

بخاریؒ! تم اپنی تقریر میں لوگوں کو جب قورمہ اور پلاؤ فراہم کرتے ہو تو بعد میں انہیں یہ بھی کہہ دیا کرو کہ محمد علی کی روکھی سوکھی روٹی بھی قبول کر لیا کریں۔

اس پر شاہ جیؒ فوراً بولے:

حضور! ایک جرنیل ایک سپاہی کے بارے میں یہ بات کہہ رہا ہے۔ سپاہی کی شہرت تو دراصل جرنیل کی عظمت کا آئینہ ہوتی ہے۔

یہ الفاظ سن کر مولانا محمد علی نے مزید بحث و تمحیص کی گنجائش نہ پاتے ہوئے یکسر چپ سادھ لی بخاریؒ جیسے خطیب کو یہ فخر حاصل ہے کہ مولانا محمد علی جوہر جیسے جادو بیان مقرر نے اپنے

اخبار "ہمدرد" میں شاہ جی کے بارے میں نہایت جلی طور پر لکھا تھا کہ:

"یہ شخص مقرر نہیں، ساحر ہے۔" (شیخ حسام الدین) (بیس بڑے مسلمان: ۴۸۷)

تماشائی بھائیو!

۱۹۳۸ء میں لاہور کے ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا:

صدر محترم اور تماشائی بھائیو! لاہور آئے ہوئے مجھے بیس سال ہو گئے ہیں۔ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ بال سفید ہو چکے ہیں۔ آج تک مجھے یہ پتہ نہیں چلا کہ آپ ہیں کیا؟ غوث ہیں، قطب ہیں، ابدال ہیں، ولی ہیں۔ کیا ہیں؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کس خطاب سے مخاطب کروں۔ کیا میری بیوی کے حق مہر میں جیل جانا لکھا ہوا ہے؟ اگر تم نہیں چاہتے کہ ہم تمہارے سامنے آئیں تو پھر تم ہمارے سامنے کیوں آتے ہو؟ کچھ کرنی ہے تو کچھ کر لو۔ یہ کیا کہ عطاء اللہ نے کی تقریر، تم نے کہا واہ شاہ جی واہ۔ عطاء اللہ ہو گیا قید۔ تم نے کہا آہ شاہ جی آہ۔ تمہاری آہ اور واہ میں شاہ جی ہو گئے تباہ۔ (بیس بڑے مسلمان: ۴۸۸)

سچے بیٹے ماں پر کٹ مرا کرتے ہیں

(اس جلسہ میں مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید موجود تھے۔ یہ جلسہ راجپال کی کتاب (خاکم بدہن) رنگیلا رسول کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا)۔

"آج مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید کے دروازے پر ام المومنین عائشہؓ اور ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ آئیں اور فرمایا کہ ہم تمہاری مائیں ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کافروں نے ہمیں گالیاں دی ہیں .... (پھر اس زبردست کروٹ کے ساتھ لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا کہ جلسہ دہل گیا)۔

ارے دیکھو تو ...... ام المومنین عائشہ صدیقہؓ دروازے پر تو نہیں کھڑی ہیں۔ (جلسہ میں کہرام مچ گیا لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے) دیکھو دیکھو..... سبز گنبد میں رسول اللہ ﷺ تڑپ رہے ہیں، خدیجہؓ و عائشہؓ پریشان ہیں۔ امہات المومنین تم سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی

ہیں۔ عائشہؓ پکار رہی ہیں۔ وہ عائشہؓ جنہیں رسول اللہ ﷺ پیار سے حمیرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کہا کرتے تھے۔ جنہوں نے رسول اللہ (فداہ امی وابی) ﷺ کی رحلت کے وقت مسواک چبا کر دی تھی۔ ان کے ناموس پر قربان ہو جاؤ، بچے بیٹے ماں پر کٹ مرا کرتے ہیں۔ (۷ جولائی ۱۹۲۷ء) (بیس بڑے مسلمان: ۸۸۹)

میں پہاڑوں سے مخاطب ہوتا

چوالیس برس لوگوں کو قرآن سنایا، پہاڑوں کو سناتا تو عجب نہ تھا کہ ان کی سنگینی کے دل چھوٹ جاتے۔ غاروں سے ہم کلام ہوتا تو جھوم اٹھتے، چٹانوں کو جھنجھوڑتا تو چلنے لگتیں، سمندروں سے مخاطب ہوتا تو ہمیشہ کے لئے طوفان بلند ہو جاتے۔ درختوں کو پکارتا تو وہ دوڑنے لگتے، کنکریوں سے کہتا تو وہ لبیک کہہ اٹھتیں، صرصر سے گویا ہوتا تو وہ صبا ہو جاتی، دھرتی کو سناتا تو اس کے سینہ میں بڑے بڑے شگاف پڑ جاتے، جنگل لہرانے لگتے، صحرا سرسبز ہو جاتے۔ میں نے ان لوگوں کو خطاب کیا جن کی زمینیں بنجر ہو چکی ہیں، جن کے ہاں دل و دماغ کا قحط ہے، جن کے ضمیر عاجز آ چکے ہیں، جو برف کی طرح ٹھنڈے ہیں، جن کی پستیاں انتہائی خطرناک ہیں، جن کا ٹھہرنا المناک اور جن سے گزر جانا طربناک ہے، جن کے سب سے بڑے معبود کا نام طاقت ہے۔ (۱۹۴۵ء، (بیس بڑے مسلمان: ۸۸۹)

بغاوت کی ترغیب

راقم الحروف نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ شاہ جی زمانہ بہت بڑھ چکا ہے۔ اپنے بچوں کو انگریزی کی مدرسوں میں داخل کرا دیں، انگریزی کے بغیر تعلیم مکمل نہیں ہوتی، زمانہ کا تقاضا ہے۔ فرمایا: ''بابا مجھے معاف رکھو، میں اس زمانہ کا آدمی نہیں۔ تم مجھے محمد قاسم نانوتوی اور محمود الحسن دیوبندی کی روحوں سے بغاوت کرنے کی ترغیب دیتے ہو؟ یہ کیوں نہیں کہتے کہ تمہارے بچے مر جائیں یا اپنے ہاتھوں بچوں کو قتل کر دو۔'' (شورش کاشمیری، (بیس بڑے مسلمان: ۸۹۱)

پرانی سنت

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کبھی تقریر نہیں فرمائی۔ ان جیسا انسان جو

خطابت کے سحر سے وقت کو گوش برآواز کر لیتا تھا، سانحہ کربلا پر بولنے سے طرح دیتا رہا۔ کئی دفعہ دوستوں نے اصرار کیا کہ عاشورہ کے دنوں میں سانحہ کربلا پر تقریر فرمایئے، انکار ہی کرتے رہے۔ ایک دن میں نے سبب پوچھا تو کہا:

کس طرح بیان کروں؟ کہ نانا کا کلمہ پڑھنے والوں کے ہاتھوں نواسوں پر کیا بیتی؟ مجھ میں حوصلہ نہیں کہ اس سانحہ کو بیان کر سکوں۔ اپنے اندر طاقت نہیں پاتا۔ البتہ اپنے حال پر غور کر کے دل کو تسلی دے دیتا ہوں کہ مسلمانوں کی ''پرانی سنت'' ہے۔ (چیں بڑے مسلمان: ۸۹۴)

دفاع صحابہؓ

جن دنوں بعض سیاستین کی بدولت مدح صحابہ اور تبرا ایجی ٹیشن کا زور بندھا ہوا تھا، شاہ جی نے دہلی دروازہ کے باہر ایک عظیم الشان جلسہ کو خطاب کیا اور فرمایا:

قدح صحابہ کرنے والو! خدا کے خوف سے ڈرو۔

اتنے میں کسی نے دور کونے سے آواز دی:

شاہ جی! خدا کا خوف کریں، سید ہو کر خلافت کے غاصبوں (معاذ اللہ) کی مدح کرتے ہو؟

بس یہ ایک جملہ بخاریؒ کو جلال پر لے گیا۔ فرمایا:

کیا کہتے ہو؟ میں علی کا بیٹا ہوں اور صدیق، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کی مدح کرتا ہوں۔ پہلے بھی کرتا ہوں اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا۔ تم کون ہو؟ ہائے وہ لوگ جنہیں رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں جگہ ملی ہو تم انہیں گالیاں دیتے ہو۔ ظالمو! حشر کے دن آقا ﷺ کو کیا جواب دو گے؟

پھر اس کے بعد خلفائے راشدینؓ کے فضائل و مناقب پر وہ تقریر کی کہ جیسے شہپر جبریل ان کی خطابت کا ہالہ کیے ہوئے ہو۔ (چیں بڑے مسلمان: ۸۹۴)

نوریوں سے وفا کی امید

صاحبزادہ فیض الحسن شاہ ایک زمانے میں جماعت احرار کے اکابر میں سے تھے۔ آج

کل بریلوی عقائد کے مبلغ ہیں اور نوری و خاکی کے چکر میں محصور۔۔۔۔۔۔۔۔ کسی نے سوال کیا،
"شاہ جی! صاحبزادہ صاحب آپ کو کیوں چھوڑ گئے؟ فرمایا:

بھائی! وہ نوری ہیں ہم خاکی ہیں۔ ان نوریوں سے وفا کی امید ہی کیا۔ سب سے بڑے نوری (جبریل علیہ السلام) میرے نانا کو (شب معراج) راستہ میں چھوڑ گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ آگے چلو۔ کہا کہ اس سے آگے پر جل جائیں گے۔ نتیجتاً وہ نوری رہ گیا، خاکی آگے نکل گیا۔ ہائے نہ ہوا بخاری، میاں صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مان لیتا، خواہ پر ہی جل جاتے۔ میاں صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دہلیز پر تو جلتے۔ اس سے بہتر کون سا موقع تھا۔

چوں رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر
کہ مبادا بار دیگر نہ رسی بدیں تمنا

(بیس بڑے مسلمان: ۸۹۵)

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں تو پھر ہم کس کی اولاد ہوئے؟

۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منکرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

بھائی لوگو! آپ کے کبوتروں کی بھی نسل ہو اور بٹیروں کی بھی لیکن ایک ہم سید ایسے ہیں کہ جن کی نسل نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تم بشر نہیں مانتے ہو تو پھر ہم کس کی اولاد ہوئے؟ (بیس بڑے مسلمان: ۸۹۵)

کیا تمہارے باپ دادا نہیں؟

موچی دروازے کے باہر کندن شاہ کا تکیہ ہے جسے عام لوگ گدو شاہ کہتے ہیں۔ اس سے پیوست بھی ایک باغ تھا۔ جہاں کانگریس کے جلسے ہوتے تھے۔ سائمن کمیشن کے زمانے میں شاہ جی نے یہاں ایک تقریر کی۔ سرکاری لوگوں نے اس تکیے کے چرسیوں، بھنگیوں اور ملنگ بازوں کو رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لئے اکسایا۔ وہ ملنگ کا کش کھینچ کر یا علی مدد کے نعرے لگانے لگے۔ شاہ جی نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا:

او چمچو! یہ غلاظت پی کر میرے باپ علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا نعرہ کیوں
لگاتے ہو؟ کیا تمہارے باپ دادا نہیں ہیں؟

کیا بات کس شگفتگی سے کہی ہے۔ (تیس بڑے مسلمان:۸۹۶)

روزہ نہیں ٹوٹے گا

ایک وکیل نے رمضان کے دنوں میں شاہ جی سے بزعم خویش مذاق کرتے ہوئے کہا:
حضرت علماء تعبیر و تاویل میں ید طولیٰ رکھتے ہیں، کوئی ایسا نسخہ تجویز فرمایئے کہ
آدمی کھاتا پیتا رہے اور روزہ بھی نہ ٹوٹے۔

فرمایا:

سہل ہے، قلم و کاغذ لے کر لکھو! ایسا مرد چاہئے جو اس وکیل کو صبح صادق سے
مغرب تک جوتے مارتا جائے۔ یہ جوتے کھاتے جائیں اور غصے کو پیتے
جائیں، اس طرح کھاتے جائیں اور پیتے جائیں۔ جاؤ اس طرح کھاتے پیتے
رہو، روزہ بھی نہ ٹوٹے گا۔ (تیس بڑے مسلمان:۸۹۶)

ایک طنز کا جواب

پاکستان بن جانے کے فوراً بعد راولپنڈی میں کسی دینی جماعت کا ایک جلسہ تھا،
شاہ جی بھی مدعو تھے۔ راجہ غضنفر علی خان وزیر تھے اور جلسے کے صدر۔ انہوں نے شاہ جی کو دعوت
تقریر دیتے ہوئے کہا کہ شاہ جی جس لیگ کے مخالف تھے، اسی لیگ نے انہیں پناہ دی ہے۔
ظاہر ہے کہ یہ طنزیہ جملہ تھا۔ شاہ جی نے اٹھتے ہی جواب دیا۔

ہاں بھائی! یہ پناہ آج سے نہیں مل رہی، اس کی بڑی لمبی تاریخ ہے۔ میرے ابا
کو بھی پٹنے کے بعد تمہارے ابا کے گھر ہی پناہ ملی تھی۔

اور مجمع پر ایک سناٹا چھا گیا۔ (تیس بڑے مسلمان:۸۹۷)

میں کبھی لوگوں کے لیے جیل نہیں گیا

ختم نبوت کی تحریک کے دنوں میں سندھ کی کسی جیل میں محبوس تھے۔ ایک بہت بڑا

سرکاری افسر ملنے کیلئے گیا۔ باتوں باتوں میں کہنے لگا:

شاہ جی! اب اسلامی حکومت ہے، پہلے جیل جاتے تھے تو لوگ قدر کرتے تھے۔ اب تو وہ دن نہیں رہے، لوگ بھول جائیں گے، چھوڑ دیجئے اس قضیہ کو، باہر آ کر کوئی اور کام کیجئے۔

فرمایا:

ٹھیک ہے بھائی! لیکن میں کبھی لوگوں کے لئے جیل نہیں گیا۔ میں تو اسلام اور آزادی کے لئے جیل جاتا رہا ہوں۔ رہا اسلامی حکومت کا سوال تو مجھے تم سے اتفاق ہے مگر یہ نہ بھولو کہ اسلامی حکومتوں میں کچھ لوگ جیل میں رہا کرتے ہیں اور کچھ لوگ تخت پر، کچھ گوالیار کے قلعہ کچھ دہلی کے قلعہ میں۔

(بیس بڑے مسلمان: ۸۹۷)

مدینہ کا مزار کافی ہے

۱۰۔ کسی نے ایک بڑی گدی کے سالانہ عرس پر سوال کیا کہ مزاروں کے بارے میں کیا رائے ہے؟ فرمایا:

میں اس سوال کی بنیاد کو سمجھتا ہوں۔ بہر حال ایک مزار اقدس میرے آقا، میرے ہادی حضور ﷺ کا مدینہ طیبہ میں بن چکا ہے، اب دوسرا مزار میرے نزدیک شرک فی النبوۃ ہے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۸۹۷)

اوہو! ساری رات ختم ہوگئی

خان غلام محمد خان لوند خوڑ نے سنایا کہ میں نے نہ تو شاہ جی کو دیکھا ہوا تھا اور نہ ان کا خاص معتقد تھا۔ میرا سیاسی مسلک بھی ان سے جدا تھا۔ ایک دفعہ عشاء کے وقت دلی دروازہ کے باہر سے گزرا تو شاہ جی تقریر کر رہے تھے۔ میں بڑے ضروری کام میں تھا۔ اس خیال سے رک گیا کہ جس مقرر کی اتنی شہرت ہے، اسے پانچ منٹ سن لوں۔ میری عادت یہ ہے کہ میں جلسہ میں ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتا، خود اپنے جلسے میں بھی گھوم پھر کر دیکھتا اور سنتا ہوں۔

میں پانچ منٹ تک شاہ جی کی تقریر سنتا رہا۔ پھر سوچا تھوڑی دیر اور سن لوں۔ ان کا سحر تھا کہ کھڑے کھڑے بیٹھ گیا۔ بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو لیٹ گیا۔ اور لیٹے لیٹے ساری رات تقریر سنتا رہا۔ اور ایسے حواس گم ہوئے کہ اپنا کام ہی بھول گیا۔ یہاں تک کہ صبح کی اذان بلند ہوئی۔ شاہ جی نے تقریر کے خاتمہ کا اعلان کیا تو مجھے خیال آیا کہ او ہو، ساری رات ختم ہو گئی، یہ شخص تقریر نہیں کر رہا، جادو کر رہا ہے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۸۹۸)

قتل کرنے کے لئے آنے والا بے ہوش ہو گیا

حاجی قائم دین لائکپور میں کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دین و دنیا دونوں بڑی فیاضی سے عطا کی ہیں۔ شاہ جی کے مخلص دوستوں میں سے تھے۔ تقسیم سے قبل آگرہ میں تھے۔ انہوں نے واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ شاہ جی آگرہ میں مارکیٹ کی چھت پر منعقد جلسہ میں تقریر کر رہے تھے۔ حجازی لہجے میں قرآن مجید کی آیات پڑھیں تو ایک نوجوان تڑپ کر چھت کے کنارے کی دیوار سے چھت پر آن گرا۔ مرنے سے تو بچ گیا لیکن وجد اور جذب کی حالت میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔

لوگوں نے اٹھایا تو اس سے چھرا برآمد ہوا۔ اسے شاہ جی کے پاس لایا گیا۔ شاہ جی نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا، کچھ پڑھ کر پھونکا اور محبت سے پاس بٹھا لیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے انکشاف کیا کہ مجھے تو شاہ جی کے قتل کے لئے بھیجا گیا تھا۔ لیکن شاہ جی کا خطبہ اور قرآن مجید سن کر میں بے تاب اور بے ہوش ہو کر گر پڑا، پھر اس کے بعد کا مجھے کچھ ہوش نہیں۔ (بیس بڑے مسلمان: ۸۹۸)

کبھی پھر آؤں گا تو تقریر سناؤں گا

ایک دفعہ شاہ جی علی گڑھ کے کسی جلسہ میں تقریر کرنے تشریف لے گئے۔ کالج کے طلباء نے تقریر سننے سے انکار کر دیا، ہنگامہ برپا کیا کہ تقریر سننا محال ہو گیا۔ شاہ جی نے دیکھا کہ بچے برافروختہ ہیں، کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوتی تو فرمایا:

اچھا بیٹا! قرآن مجید کا ایک رکوع پڑھ لیتا ہوں اور جلسہ تمہارے احترام میں ختم

کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔

طلبہ خاموش ہو گئے۔ شاہ جی نے انتہائی دلسوزی سے نیم خوردہ آواز میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ چشم و گوش و در و دیوار جھوم گئے۔ تلاوت ختم ہوئی تو فرمایا: "بیٹا! کیا خیال ہے، اس کا ترجمہ بھی کروں؟" آواز آئی ضرور! ترجمہ بھی کر دیجئے۔

اب ترجمہ شروع ہوا، پھر ترجمے کی تفسیر و تشریح کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ شاہ جی نے تقریر ختم کی۔ طلبہ نے شور مچایا: "شاہ جی! خدا کے لئے کچھ اور بیان کیجئے۔" فرمایا: "بیٹا! کبھی پھر آؤں گا تو تقریر سناؤں گا۔" (تیس بڑے مسلمان: ۹۹۰)

لدھا رام کی گواہی

گجرات کے مشہور مقدمہ میں جب لدھا رام رپورٹر سی آئی ڈی نے حقیقت حال کا انکشاف عدالت عالیہ میں کیا اور شاہ جی کی رہائی ہو گئی تو لدھا رام سے پوچھا گیا کہ آخر تو نے سرکاری ملازم ہوتے ہوئے یہ جھوٹی شہادت دینے سے گریز کیوں کیا اور سچی شہادت سے اپنے آپ کو خطرے میں کیوں ڈالا؟ تو اس نے بتایا کہ میں نے سرکاری ملازمت میں ہمیشہ جھوٹی شہادتیں دی ہیں۔ اور اس دن بھی شاہ جی کے خلاف جھوٹی شہادت دینے کے لئے تیار ہو کر آیا تھا۔ ڈائری میں رد و بدل اگرچہ اعلیٰ حکام کے حکم سے کیا تھا، لیکن اس میں بہرحال میری رضامندی بھی شامل تھی۔ ہوا یہ کہ جب میں گواہی دینے کے لئے عدالت میں آیا تو شاہ جی کو دیکھا کہ رشیوں اور منیوں کی شکل و صورت کا ایک سچا انسان کھڑا ہے۔ مجھے کسی مخفی طاقت نے ٹوکا کہ یہ شخص اب میری جھوٹی شہادت پر پھانسی کی سزا پائے گا، میرا دل لرز گیا۔ میں نے دل ہی دل میں توبہ کی اور عہد کر لیا کہ دنیا کی ہر مصیبت برداشت کر لوں گا لیکن اس عظیم انسان کے خلاف جھوٹی شہادت دینے کا پاپ نہیں کماؤں گا۔ تب میں نے شاہ جی کے وکیل کو علیحدگی میں سارا ماجرا بیان کیا۔ ساتھ ہی اپنا ارادہ بھی بتایا۔

لدھا رام نے ہائی کورٹ میں شہادت دی، اس کی ملازمت گئی۔ تین سال سخت کی سزا ہوئی، لیکن شاہ جی کی معجزانہ رہائی کا باعث بن گیا۔

اس مقدمہ میں شاہ جی نو ماہ کے قریب جیل میں رہے۔ جب رہا ہو کر آئے تو تقریروں

میں اکثر فرمایا کرتے کہ:

ایک طرف میں بے نوا تھا، میرے غریب ساتھی جیلوں میں مقید تھے، میری اولاد کمسن اور والد ضعیف العمر تھا۔ دوسری طرف فرنگی کی صولت و حشمت تھی، خزانے اس کے، پولیس اس کی، عدالتیں اس کی، جیل خانے اس کے، سب اختیار و اقتدار اسی کا تھا۔ پھر ترنم سے پڑھتے:

روح بخت ملاقی ان کا چرخ ہفت طبقاتی ان کا

محفل ان کی ساقی ان کا آنکھیں میری باقی ان کا

حضرت یوسف علیہ السلام کے زندانی ہونے کا واقعہ دہراتے، زلیخا کی الزام تراشیوں کا تذکرہ کرتے، قرآن مجید کی آیت شریفہ۔۔۔ وشهد شاهد من اهلها...... پڑھ کر لدھارام کو انگریزوں کا گھر یلو گواہ قرار دیتے۔ اس مقدمہ سے رہائی کو وہ اللہ کا عظیم احسان کہتے۔ آخر میں فرماتے:

اے اللہ! اس نعمت کے شکرانے میں میں تیری خدمت میں کیا پیش کروں؟ کیونکہ جو نعمت سوچتا ہوں وہ سب تیرے خزانوں میں موجود ہے۔

ایک دن تقریر کرتے کرتے جھولی پھیلا دی اور فرمایا:

میرے پاس ایک چیز ہے جو تیرے شکر نعمت کے لئے پیش کرتا ہوں اور وہ میرے گناہ ہیں، میرے پاس ان کے سوا کچھ نہیں۔

پھر یہ بیان کچھ اس عجز و انکسار اور رقت آمیز منظر میں پیش کیا کہ لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔

(بیس بڑے مسلمان: ۸۹۹)

عشق نبوی ﷺ

حضور سرور دو عالم ﷺ کی ذات کے سلسلہ میں ان کا اخلاص کس درجے کا تھا، اس کا اندازہ ان کی سولہ فروری ۱۹۵۳ء کی تقریر سے ہوتا ہے، جو انہوں نے لاہور (بیرون دہلی دروازہ) میں کی تھی۔ اس دن خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان لاہور آئے ہوئے تھے۔ شاہ جی نے تقریر کرتے ہوئے اپنی ٹوپی اتار لی اور فرمایا:

کوئی ہے جو میری یہ ٹوپی خواجہ ناظم الدین کے پاؤں پر رکھ دے اور انہیں میری
طرف سے یقین دلا دے کہ وہ مجھے اپنا سیاسی حریف نہ سمجھیں۔ اگر وہ محسن
کائنات جناب رسالت مآب ﷺ کے ناموس اور عزت کا تحفظ کر دیں تو میں
اپنی زندگی ان کا خدمتگار رہوں گا، حتیٰ کہ ان کے گلے میں اگر سؤر بھی ہوں
گے تو انہیں بھی چراتا رہوں گا۔

اس سے مجمع میں ایک کہرام مچ گیا۔ (تین بڑے مسلمان: ۴۰۰)

ایک شعر میں پورا بیان دے دیا

حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کو جب انگریز نے گرفتار کیا اور بیان لینا چاہا
تو موصوف نے ایک شعر میں پورا بیان دیدیا۔ وہ شعر یہ ہے:

مجھ سے لا حاصل ہے میری حسرتوں کا پوچھنا
تم تو آخر وہ کرو گے جو تمہارے دل میں ہے

(ملفوظات فقیہ الامت قسط ۷/۹۴)

شاہ جی اور بھنگی

یہ ۱۹۳۹ء کی بات ہے کہ شاہ جی لاہور مجلس احرار اسلام کے دفتر میں تشریف لائے۔
جب وہ نیچے سے اوپر آنے لگے تو بھنگی اوپر سے گندگی لے کر نیچے آ رہا تھا۔ سیڑھیوں کے
درمیان دونوں میں مڈبھیڑ ہو گئی۔ بھنگی سمٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گیا کہ شاہ جی آسانی سے گزر
سکیں۔ جب اللہ کے ولی کی نظر اس بھنگی پر پڑی تو اس سے کہا کہ یہ ٹوکری نیچے رکھ کر اوپر آ جاؤ،
میری ایک بات سن جاؤ۔

بھنگی ٹوکری نیچے رکھ کر اوپر چلا آیا اور شاہ جی سے کہا کہ میرے لئے کیا حکم ہے؟ شاہ جی
نے فرمایا کہ یہ صابن لو اور منہ ہاتھ دھو کر میرے پاس آ جاؤ۔ اس نے ایسے ہی کیا۔ شاہ جی نے
اسے اپنے پاس بٹھا لیا، کھانا منگوایا اور ایک لقمہ توڑ کر سالن میں ڈبویا اور اس کے منہ میں ڈال
دیا اور پھر اس سے کہا: "میاں ایک لقمہ تم توڑ کر سالن لگاؤ اور میرے منہ میں ڈال دو۔" وہ بھنگی
بڑی حیرانگی سے شاہ جی کی طرف دیکھنے لگا۔ شاہ جی نے اسے کہا۔

بھائی! انسان ہونے کے ناطے آپ میں اور مجھ میں کیا فرق ہے؟ گندگی اٹھانا
تمہارا کام ہے، تم اس مکان کی گندگی صاف کر رہے ہو، جبکہ میں پوری قوم کی
گندگی صاف کر رہا ہوں۔

اس نے لقمہ اٹھایا اور شاہ جی کے منہ میں ڈال دیا اور کہا، "شاہ جی! یہیں بیٹھیں رہیں۔" وہ گھر گیا اور بیوی بچوں کو ساتھ لے کر آیا اور کہنے لگا، "یہی اسلام ہے، تو پھر ہم سب کو مسلمان کر دو۔" شاہ جی نے سب کو کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا۔ جب یہ مرا تو اس کا جنازہ بھی دفتر سے اٹھایا گیا۔

اخلاق حقیقتاً بڑا ہتھیار ہے کہ اس سے جس کو چاہیں اپنا بنالیں۔

(تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک: ۵۸)

شاہ جی...... انگریز کے باغی

فوجی بھرتی کے خلاف تحریک چلانے پر شاہ جی قتل اور بغاوت کا مقدمہ بن گیا۔ ہر زبان پر یہ لفظ تھا کہ اب شاہ جی زندہ جیل سے واپس نہیں آئیں گے۔ اللہ کے فضل و کرم سے شاہ جی سمیت تمام لیڈر سزا بھگت کر باہر آ گئے۔ شاہ جی پر عدالت میں جب مقدمہ چل رہا تھا تو انگریز جج نے پوچھا، "تم نے گورنمنٹ آف برطانیہ کے خلاف بغاوت کی ہے؟" شاہ جی نے پنجابی میں جواب دیا۔ "میں انگریز دے جہازاں نوں جتاں مار دیا رہیا واں؟ میرے کول تے اسلحہ کوئی نئیں۔" (میں انگریز کے جہازوں کو جوتیں مار رہا ہوں کیونکہ میرے پاس اسلحہ جو نہیں ہے۔")

سوال ہوا۔ "تم فوجی بھرتی کے خلاف تھے؟"

جواب ملا، "میں تو صرف فوجی بھرتی کہتا تھا اور لوگ بائیکاٹ کہتے تھے، فوجی بھرتی کا نام لینا کوئی جرم نہیں ہے۔" (تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک: ۷۳)

جناح مجھے پاکستان سمجھا دیں

تاریخی روایات، عروج و زوال کی داستانوں اور غداری و جاں نثاری کے انگشت واقعات اور مکافاتی سازشوں کی امین اور دہلی کے حسن و جلال جامع مسجد دہلی کے سامنے کھلے میدان میں

۲۲ جولائی ۱۹۴۶ء کو لوگوں کا جم غفیر جمع ہے اور امیر شریعتؒ دہلی میں اپنی آخری اور تاریخ ساز تقریر کرنے جا رہے ہیں۔ انکی تقریر جو ماضی کے کرب، حال کی بے حالیوں اور مستقبل کے خطرات سے بھی ہوئی ہے۔ جو انکشافات ہی انکشافات اور حقائق ہی حقائق کا مظہر ہے۔ یہ وقت تھا کہ مرد قلندر کی اس صدائے قلندرانہ پر کان دھرا جاتا، مگر استعماری ہتھکنڈوں، سامراجی عزائم، قادیانی سازشوں اور اپنوں کی خود غرضی و غداری نے رہنمایان قوم کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم کر کے رکھ دیا اور انہوں نے ابدی غلام اور مستقل جنگ و جدل اور قتل و غارت کا اپنا لیا اور ایسا اپنایا کہ آنے والی کئی نسلیں ان بھیانک عفریتوں میں جکڑی ہوئی ہیں۔ وہ قوم بہت بد قسمت ہوتی ہے جو اہل بصیرت کی رائے کو نظر انداز کر کے ہیجان انگیزی اور جذبات کی رو میں بہہ جائے۔

شاہ نے فرمایا:

اے لوگو! وقت آئے گا کہ تمہارے دریا تمہارے پاس نہیں رہیں گے، مشرقی بنگال بھی تمہارا ہمنوا نہ ہوگا۔"

اور پھر فرمایا:

اگر آپس میں مل بیٹھ کر تم کوئی فیصلہ کر لیتے تو بہتر ہوتا۔ تم نے فرنگی کو اپنا ثالث مقرر کیا ہے۔ یاد رکھو! آج اینٹوں سے، لاٹھیوں سے اور تلواروں سے لڑتے ہو آنے والے کل کو توپوں اور جنگی جہازوں سے لڑو گے اور کوئی تمہارا پرسان حال نہیں ہوگا۔ میں تمام عمر انگریز سے برسرِ پیکار رہا ہوں، عمر کا بیشتر حصہ جیل خانوں میں گزار دیا ہے، مگر اپنی ٹوپی اتار کر اس کے قدموں میں میں نے نہیں رکھی۔ آج آپ کے سامنے اپنی ٹوپی اتار کر قائداعظم محمد علی جناح کے قدموں میں رکھتا ہوں کہ وہ مجھے پاکستان اور اس کا مستقبل سمجھا دیں۔ اگر ان کی بات میری سمجھ میں آ گئی تو پھر قائداعظم محمد علی جناح صاحب! آپ بمبئی میں آرام سے بیٹھئے، میں اکیلا ہندو اور انگریزوں سے لڑ کر پاکستان حاصل کر کے آپ کے قدموں میں لا دوں گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ خون کے دریا میں تیر کر حاصل کردہ وطن عزیز آج کن سوداگروں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔ دنیا کی سپر طاقتیں کس انداز سے پاکستان کی بساط پر اپنے مہرے چلا رہی ہیں۔ اقوام یورپ کے سیاستدانوں کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں۔ ان کی کوئی حکمت عملی اپنے فائدے سے خالی نہیں ہوتی۔ وہ چال چلنے میں دیر ضرور کرتے ہیں مگر ان کا مہرہ بساط پر جب ٹھیک بیٹھتا ہے، تو چال چلنے میں دیر نہیں کرتے۔ ان ہاتھوں کی حرکتوں کو سمجھنے والے نیک نیت سیاستدان اور پاک فطرت لوگ خریدے نہ جاسکے۔ اگر ایسا ہو سکتا تو برصغیر کا خطیب اعظم سید عطاء اللہ شاہ بخاری تیس روپے ماہوار کرایہ کے مکان میں انتقال نہ کرتا۔

لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے، نہ اپنی خوشی سے چلے

(تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک: ۸۲)

امیر شریعت اور لیاقت علی خان ملاقات

وزیراعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خان لاہور تشریف لائے تو انہوں نے دفتر احرار دہلی دروازہ میں اپنا ایلچی بھیجا اور کہلا بھیجا:

شاہ جی کی خدمت میں عرض کرنا کہ مجھ سے ایک مرتبہ مل لیں، میں ان کا بہت مشکور رہوں گا۔

جب ایلچی پیغام لے کر آیا تو اس وقت سالار معراج بھی موجود تھے۔ انہوں نے شاہ جی سے کہا:

شاہ جی! موقع اچھا ہے۔ یہ سپاسنامہ بھی اپنے ساتھ لیتے جائیے۔

تو شاہ جی نے انکار کر دیا اور کہا:

نہیں بھائی! میں نے کبھی کسی حکمران سے ملاقات نہیں کی اور نہ ہی کروں گا۔

سالار معراج مایوسی کی حالت میں پیچھے ہٹ گئے اور وہ سپاسنامہ لیاقت علی خان کو سالار معراج نے پیش کیا۔ شاہ جی سے جب پوچھا گیا کہ شاہ جی! آپ کا کیا حرج تھا، اگر آپ ملاقات کر لیتے؟ لیاقت علی خان نے خود ہی آپ کو بلایا تھا۔ تو شاہ جی گویا ہوئے:

بابو! میرا ضمیر نہیں مانتا، کل ہی اخبار والوں نے لکھ دینا تھا کہ عطاء اللہ لیاقت

علی خان سے مل کر پتہ نہیں کیا سودا کر آیا ہے؟ میں اپنے دامن پر کیوں ایسا دھبہ لگنے دوں۔ (تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک: ۱۲۸)

احرار والے جھوٹے ہیں، مٹ گئے ہیں

ناساعد اور ناموافق فضا کی وجہ سے مجلس احرار نے رکنے کا فیصلہ کیا تھا کہ میعنڈی کوبھی زکام ہونے لگا۔ ۱۹۵۰ء کے اوائل کا ذکر ہے کہ قادیانی جماعت کے پوپ آنجہانی مرزا بشیر الدین محمود کو خبث باطن نے نشہیر نے دیا اور اس نے سوئے ہوئے شیر پر وار کرنے کو بہادری گردانتے ہوئے بیان داغ دیا کہ:

کہاں ہے مجلس احرار اور عطاء اللہ شاہ بخاری؟ وہ جھوٹے مٹ گئے، ہم سچے ہیں، اس لئے زندہ ہیں۔

روزنامہ زمیندار کی یہ خبر جب مولانا محمد علی جالندھریؒ نے پڑھی تو تلملا اٹھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ:

میں نے یہ خبر پڑھی تو فوراً شاہ جیؒ کے پاس پہنچا، انہیں خبر پڑھائی۔ شاہ جیؒ خبر پڑھ رہے تھے اور میری آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ شاہ جیؒ نے خبر پڑھ کر میری طرف دیکھا اور فرمایا: "محمد علی! آپ رو رہے ہیں؟ میں ابھی زندہ ہوں۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ سیاست کو خیر باد کہتے ہوئے اب تردید مرزائیت پر کام کروں گا۔ جاؤ منادی کرادو کہ آج رات جلسہ ہوگا جس میں عطاء اللہ تقریر کرے گا۔ پہلا جلسہ ملتان میں ہوگا۔

(تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک: ۱۳۲)

ہمیں غدار ثابت کرو

دہلی دروازہ لاہور میں ہونے والے جلسے کی بات ہے۔ شاہ جیؒ نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

ہم پر غداری کا الزام لگانے والو سن لو! اگر ہم غدار ہیں تو ہم پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلاؤ، تاکہ عوام دیکھیں اور ہمیں غدار ثابت کرو، پھر پشاور سے لے کر

کراچی تک مجھے اور میرے ساتھیوں سمیت رضا کاروں کو پھانسی دے دو اور
کراچی سے پشاور تک ہماری لاشیں درختوں کیساتھ لٹکا دو تا کہ آنے والی
نسلوں کو پتہ چلے کہ غداروں کا یہ حشر ہوتا ہے۔

لیکن کسی ماں کے لال کو انہیں غدار ثابت کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اس کے باوجود کہ حکومتیں آج تک مرزائیوں کی پشت پناہی کر رہی ہیں، مگر یہ مرد مجاہد حکومت اور مرزائیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہا تھا۔ اتنی مشکلات کے باوجود ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ہوا ہے گو تیز و تند لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

(تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک: ۱۳۹)

کافر نے کہاں لا کھڑا کیا؟

ایک محفل میں جوہر جہلمی نے کئی واقعات سنائے، جن میں ایک واقعہ یہ تھا:
شاہ جیؒ اور مولانا ابوالحسناتؒ بریلوی ایک دوسرے کی بہت عزت و احترام کرتے تھے یہاں تک کہ مولانا ابوالحسنات بیت الخلاء جاتے تو شاہ جیؒ پانی کا لوٹا لے کر باہر کھڑے رہتے تھے۔ ایک روز شاہ جیؒ دیوار کیساتھ کھڑے تھے اور مولانا ابوالحسناتؒ بیٹھے سپاری (چھالیہ) کاٹ رہے تھے۔ شاہ جی مولانا ابوالحسنات کو دیکھ دیکھ کر مسکرانے لگے۔ مولانا ابوالحسنات نے کہا، "شاہ جی! آج بہت خوش ہیں، کیا بات ہے؟"۔ شاہ جی نے فرمایا: "حضرت! آپ نے تحریک مسجد شہید گنج میں مجھ پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا، دیکھئے آج اسی کافر نے آپ کو کہاں لا کھڑا کیا ہے؟"

مولانا ابوالحسناتؒ فوراً گویا ہوئے۔ "شاہ جی! میں نے آپ کو دور سے دیکھا تھا اور مجھے آپ سے متعلق غلط رپورٹ دی گئی تھی۔ جب میں نے آپ کو قریب ہو کر دیکھا تو وہ سب باتیں غلط نکلیں، وہ سب جھوٹ تھا۔"

مولانا ابوالحسنات ؒ دو کاموں کے ماہر تھے۔ ایک تو وہ باورچی بہت اچھے تھے۔ دوسرے ہاتھ سے کرتا بہت اچھا سیتے تھے۔ مولانا ابوالحسنات ؒ نے شاہ جی سے کہا، "شاہ جی! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کوئی کپڑا لائیں تو میں اپنے ہاتھوں سے آپ کو کرتا سی کر دوں۔"

شاہ جیؒ نے اس پر باہر سے کھدر منگوایا اور مولانا ابوالحسنات ؒ کو پیش کیا۔ مولانا ابوالحسنات نے اسی طرح شاہ جی کو کرتا سی کر دیا۔ (تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک: ۲۰۱)

علم غیب اور نور بشر کا مسئلہ

ان دنوں کی بات ہے، جب شاہ جیؒ بھی کراچی جیل ہی میں تھے۔ ایک روز ناشتہ سے فارغ ہو کر سب اکٹھے ہو گئے۔ شاہ جیؒ نے مولانا ابوالحسنات ؒ سے پوچھا:

حضرت! آپ ماشاء اللہ بہت بڑے عالم دین ہیں۔ آج ایک مسئلہ تو بتائیں، ایک آدمی نبی کریم ﷺ کو حاضر و ناظر مانتا ہے، دوسرا نہیں مانتا۔ دوسرا کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ بشر ہیں، پہلا نہیں مانتا۔ ایک کہتا ہے کہ نور ہیں، دوسرا کہتا ہے بشر ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ علم غیب جانتے ہیں، دوسرا کہتا ہے کہ نہیں۔ بتائیے کہ ان دونوں میں سے کون جہنم میں جائے گا؟

دو منٹ تک مولانا ابوالحسنات ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

ان دونوں میں سے کوئی نہیں۔

شاہ جی فرمانے لگے:

حضرت! یہ بتائیے کہ ایسے مسئلے ہیں کہ جنہیں اگر ہم بیان نہ کریں تو ہمیں قیامت کے دن پوچھا جائے گا؟

تو مولانا ابوالحسنات ؒ نے فرمایا، "ایسے مسئلے ہیں۔"

شاہ جی نے پھر فرمایا:

حضرت! یہ بتائیں کہ حاضر و ناظر، علم غیب اور نور و بشر والے مسئلے ایسے ہیں کہ جن کی بابت قیامت کے روز پوچھ گچھ ہوگی کہ تم نے بیان کیا تھا یا نہیں؟

مولانا ابوالحسنات قادریؒ نے فرمایا، "جی نہیں۔"

تو شاہ جیؒ فرمانے لگے:

یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ قیامت کے روز جس مسئلہ کے متعلق ہم سے پوچھا نہیں جائے گا، وہ تو ہم بیان کرتے ہیں اور جو مسئلہ ہم سے پوچھا جائے گا وہ ہم بیان نہیں کرتے، یہ کیا بات ہوئی؟

اس موقعہ پر مولانا ابوالحسنات قادریؒ نے فرمایا:

شاہ جی! آپ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں، اگر میری زندگی رہی تو ان شاء اللہ حاضر و ناظر اور علم غیب کے مسئلہ میں نہیں پڑوں گا۔

(تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک: ۲۰۷)

مجھے بھی پھانسی لگواؤ گے

ایک انگریز انجینئر جو کسی مقدمہ میں سزایاب ہو کر جیل کاٹ رہا تھا، وہ جیل کی فیکٹری میں کام کرتا تھا اور صبح و شام شاہ جیؒ کے پاس آ کر بیٹھا کرتا تھا۔ ایک عرصہ سے یہاں رہنے کی وجہ سے عام انگریزوں کی نسبت اچھی اردو بول لیتا تھا۔ عصر کی نماز کے بعد معمول کے مطابق ایک روز محفل گرم تھی۔ احباب جمع تھے اور لطیفہ بازی ہو رہی تھی۔ عام کارکنوں کے علاوہ مولانا سید ابوالحسنات احمد قادریؒ، مولانا عبدالحامد علی بدایونیؒ، ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، صاحبزادہ پیر فیض الحسنؒ، مظفر علی شمسیؒ اور نیاز لدھیانویؒ بھی تشریف فرما تھے۔ وہ انگریز آیا اور اس نے السلام علیکم کی بجائے "باپ السلام علیکم" کہا۔

شاہ جیؒ نے اس انگریز سے پوچھا "تم مجھے باپ کیوں کہتے ہو؟" اس نے جواب دیا کہ میں آپ کو باپ اس لئے کہتا ہوں کہ آپ کی شکل ہمارے باپ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے ملتی ہے۔ شاہ جیؒ نے یہ سنتے ہی فوراً گرجتی ہوئی آواز میں کہا "خبردار! آئندہ مجھے باپ نہ کہنا۔"

وہ انگریز گھبرا گیا اور اس نے کہا "کیوں باپ، کیا ہوا؟" تو شاہ جیؒ فرمانے لگے، "اس باپ کو تو تم نے پھانسی دی تھی، کیا مجھے بھی پھانسی دو گے؟"

انگریز نے کہا "نہیں باپ! ہم ان میں سے نہیں۔" اور "باپ السلام علیکم" کہہ کر چلتا

تھا۔ (تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک: ۲۰۸)

مرزا قادیانی جھوٹا، کذاب اور دجال ہے

جسٹس منیر نے شاہ جیؒ سے پوچھا، ”شاہ جی! آپ بتایئے کہ آپ مرزا غلام احمد قادیانی کو کیا سمجھتے ہیں؟“

مولانا میکش نے بتایا کہ اس وقت عجیب سماں تھا۔ شاہ جی کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ کرسی سے اٹھ کھڑے ہو گئے اور جسٹس منیر سے مخاطب ہو کر کہا:

سنو! کوئی سال پہلے اسی عدالت میں مجھے پیش کیا گیا تھا اور میں اسی جگہ کھڑا تھا جہاں آج کھڑا ہوں اور جس کرسی پر آپ بیٹھے ہیں، یہاں ایک انگریز بیٹھا تھا۔ اس وقت اس نے مجھ پر یہی سوال کیا تھا۔ اس وقت تو کچھ بچ جانے کی امید تھی، لیکن اب نہیں ہے۔ میں اب بھی وہی بات دہراتا ہوں جو اس وقت کہی تھی ..... میں مرزا غلام احمد قادیانی کو جھوٹا، بے ایمان، کذاب اور کافر سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد عام جلسوں میں کہتا رہا ہوں اور اب آپ کے سامنے بھی کہتا ہوں کہ وہ جھوٹا، بے ایمان، کذاب اور کافر تھا اور کہتا رہوں گا۔

اس کے ساتھ ہی کمرہ عدالت نعرہ تکبیر، ختم نبوت زندہ باد، مرزائیت مردہ باد، امیر شریعت زندہ باد، عطاء اللہ شاہ بخاریؒ زندہ باد اور اس طرح کے دوسرے نعروں سے گونج اٹھا۔ شاہ جی نے لوگوں کو خاموش کرایا اور کہا، ”بھائی یہ عدالت ہے، اس کا احترام ضروری ہے۔“ اس طرح لوگ خاموش ہو گئے۔

جسٹس منیر بری طرح گھبرا گیا اور اس نے شاہ جیؒ سے کہا، ”شاہ جی! آپ بیٹھ جائیں۔“ اس وقت شاہ جی کے چہرے پر عجیب جلال اور آنکھوں میں چمک تھی کہ جسٹس منیر اور سوال کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ (تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک: ۲۳۶)

میں دہریہ ہونا چاہتا ہوں

چوہدری غلام نبی لکھتے ہیں کہ یہ خدا کا خاص فضل اور اس کی عنایت ہے کہ مجھے شاہ جیؒ

سے تنہائی میں ملاقاتوں کا بہت موقع ملا ہے۔ گوجرانوالہ دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت سیالکوٹی گیٹ میں ایک دن شاہ جی بیٹھے ہوئے تھے، تو میں نے کہا: "شاہ جی! میں دہریہ ہونا چاہتا ہوں۔"

شاہ جی چونکے اور میری طرف دیکھ کر فرمانے لگے: "کیا بکواس کرتے ہو؟"

میں نے عرض کی: "لوگوں کے پیر آتے ہیں، کوئی دوا، کوئی تعویذ دے جاتے ہیں، آپ جب آتے ہیں ہمیں جیل لے جاتے ہیں۔ میری شادی کو بیس سال ہو گئے ہیں، کوئی بچہ نہیں ہے۔ آپ کی بیٹی اکیلی بیٹھی روتی رہتی ہے، آپ نے کبھی پوچھا نہیں کہ کیا تکلیف ہے؟"

تو فرمانے لگے: "صبح نماز کے بعد آنا۔"

حضرت امیر شریعت نماز کے بعد ایک گھنٹہ تک وظیفہ کرتے رہتے تھے۔ یہ ان کا معمول تھا۔ میں صبح ان کی خدمت میں پہنچ گیا تو فرمانے لگے: "میں ایک وظیفہ بتاتا ہوں، یہ اکتالیس دن پڑھو، اللہ پاک اپنی رحمت فرمائیں گے۔"

میرا بھی اس وقت لڑکپن تھا، میں نے بغیر سوچے سمجھے کہا: "اگر وظیفوں سے ہی کام بنتا ہے تو حضرت امیر شریعت کا کیا فائدہ؟"

آپ مسکرا کر کہنے لگے: "اچھا! اللہ سے دعا کروں گا، اللہ فضل فرمائیں گے۔"

وہ تشریف لے گئے تو میں نے سارا واقعہ مولانا عبدالقیوم ہزارویؒ کے گوش گزار کیا تو انہوں نے مجھے ڈانٹا اور کہنے لگے: "لوئے بندے دیا پترا، ایہہ کیہہ کیتا ای؟" (اے انسان کے بچے! یہ تو نے کیا کیا ہے؟) اگر تم وظیفہ یاد کر لیتے تو کتنوں کا بھلا ہوتا، ولی اللہ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بے سود نہیں ہوتے۔"

ان کے خفا ہونے پر میں بھی بڑا پچھتایا، لیکن اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا۔ اس مرد قلندر کی دعا سے سال بعد اللہ تعالیٰ نے بچی عطا کی۔ اس کے بعد ملتان گیا، بیٹھک میں شاہ جی چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میرا چہرہ خوشی سے جھلک جھلک کر رہا تھا۔ شاہ جی مجھے دیکھ کر فوراً بول پڑے: "کوئی خوشی کی خبر سناؤ۔"

میں نے عرض کیا: "شاہ جی! اللہ پاک نے بچی عطا کی ہے۔"

شاہ جی نے سن کر اپنا دامن پھیلا لیا اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا:

اے اللہ! میں نے اس کے لئے بہت دعائیں کی تھیں۔ اے اللہ! آپ نے اس فقیر کی دعائیں قبول فرمائیں، میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں؟
(تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک: ۲۶۵)

جاؤ! اللہ بیٹا دے گا

پھر میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمانے لگے: "جاؤ بیٹا! اللہ تعالیٰ آپ کو بیٹا بھی دے گا۔"

میں نے کچھ وقت شاہ جیؒ کے ہاں گزارا اور پھر اجازت لے کر گوجرانوالہ چلا آیا۔ شاہ جیؒ کی دعاؤں کے طفیل دو بیٹے معاویہ اور بلال کے علاوہ دو بیٹیاں خدا کی عطا ہیں۔
(تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک: ۲۶۷)

ایک لطیفہ

خطیب اسلام سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نور اللہ مرقدہ نے 1936ء میں گجرات تحصیل کھاریاں گاؤں ٹیبل میں خطاب کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں بیان فرمایا کہ جنت میں اہل جنت جو مانگیں گے، وہ ملے گا، جو چاہیں گے، حاضر کر دیا جائے گا۔ تو ایک سیدھے سادے دیہاتی نے سوال کیا کہ شاہ جی! آپ فرماتے ہیں کہ جنت میں میری ہر چاہت پوری کر دی جائے گی تو میں حقے کا عادی ہوں، میرا اس کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا، تو اگر میرے دل میں حقہ کا کش لگانے کی خواہش پیدا ہوئی تو کیا مجھے حقہ دیا جائے گا؟

شاہ جی نے جواب دیا، کیوں نہیں بابا جی! آپ کو حقہ ضرور دیا جائے گا مگر اس کے لئے آگ آپ کو جہنم سے جا کر لانی پڑے گی۔

اس جواب پر پورا مجمع کشت زعفران بن گیا۔ (شاہراہ عشق کے مسافر: ۱۹۱)

شاہ جیؒ کی تلاوت سے دشمن چوکڑی بھول گئے

صوفی واحد بخش صاحب دوائی فروش گلروالی (مظفر گڑھ) کے بروایت مولوی سلطان محمود بدھیرہ نے ذکر کیا کہ گڑھی اختیار خان علاقہ خان پور ضلع رحیم یار خان کے ایک شخص نے

شاہ جیؒ کو تقریر کی دعوت دی جو اس علاقہ کے مشہور بدعتی واعظ مولوی یار محمد فریدی کے لئے ایک زبردست چیلنج کی حیثیت اختیار کر گئی اور اس کا آرام حرام ہو گیا۔ اس نے کثیر تعداد افراد کی ایک باقاعدہ پلٹن تیار کی جس کے ذمہ جلسہ گاہ میں کنکروں اور ڈھیلوں کے تھیلے لے جا کر بیٹھنا اور تقریر کے دوران شاہ جیؒ پر انہیں پھینکنا تھا۔

جلسہ کا آغاز ہوتے ہی ان لوگوں نے اپنی پوزیشن لے لی لیکن شاہ جیؒ نے کسی موضوع پر تقریر کرنے سے قبل نصف گھنٹہ تک مجمع کو تلاوت کلام پاک سے مسحور کیا۔ جس کا معجزانہ اثر یہ ہوا کہ حملہ آور اپنی چوکڑی بھول گئے۔ پھر کوئی دو گھنٹہ تک تقریر ہوتی رہی اور جب تقریر کا اختتام ہوا تو کم و بیش ۹۰ کی تعداد میں آدمی کنکروں وغیرہ کے تھیلوں سمیت شاہ جیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت خواہ ہوئے۔

(ناقل: مرزا محمد حسن چغتائیؒ، ناموس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاسبان: ۱۷۴)

عظیم انعام

حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے فرمایا کہ حضرت مولانا رسول خانؒ نے جو بہت بڑے محدث تھے، فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جماعت صحابہ میں تشریف فرما ہیں،

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (ایک سنہری طشت میں آسمان سے) ایک دستار مبارک لائی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب صدیق اکبرؓ کو حکم دیا کہ اٹھو اور میرے بیٹے عطاء اللہ شاہ کے سر پر باندھ دو، میں اس سے خوش ہوں کہ اس نے میری ختم نبوت کے لئے بہت سارا کام کیا ہے۔

(تقاریر مجاہدملت ص ۷، ناموس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاسبان: ۱۸۲)

سرمایہ آخرت

مخدوم محترم حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری (امیر شریعتؒ کے مرشد) ان دنوں لاہور ہی میں تھے جب مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری لاہور آئے۔ انہیں جب اطلاع ہوئی تو خود ملنے کے لئے تشریف لائے۔ پیر اور مرید کے مابین کافی دیر محفل رہی۔ حضرت لاہوریؒ بھی مجلس میں موجود تھے۔ امیر شریعت نے دونوں حضرات سے دعا کے لئے درخواست کی تو

حضرت رائے پوری نے فرمایا:

آپ کے لئے دعا نہیں کریں گے شاہ جی! تو اور کس کے لئے کریں گے؟

آپ تو ہمارے لئے آخرت کا سرمایہ ہیں۔

یہ سن کر امیر شریعت زاروقطار رونے لگے اور کافی دیر روتے رہے۔ اس دن کی یہ مجلس آنسوؤں کے طوفان میں بہہ گئی۔

بچھڑنے والے تو ہم سے بچھڑ گئے تابش
لبوں پہ ان کے لئے ہوں سداء دعا کے چراغ

(حیات امیر شریعت ص۳۱۲ از جانباز مرزا، کاروان تحریک ختم نبوت کے چند نقوش:۱۴۶)

بہادری کا کوہ ہمالیہ

مولانا لال حسین اختر فرماتے ہیں کہ تقسیم سے قبل صوبائی الیکشن میں تحصیل ڈسکہ سے ایک مرزائی امیدوار بھی تھا اور مرزائی امیدواروں کے خلاف ہمارا محاذ خصوصیت کے ساتھ تھا۔ اسی اثناء میں چودھری عبدالغنی گھمن نے صاحبزادہ فیض الحسن صاحب سے جو اس وقت گوجرانوالہ میں کسی علالت کے سبب صاحب فراش تھے، ملاقات کی اور کہا کہ ڈپٹی کمشنر نے مجھے بلا کر ہدایت کی ہے کہ تم اپنے موضع کے تمام ووٹ مرزائی امیدوار کو لے کر دینا اور میں نے ان سے پکا وعدہ کرلیا ہے کہ ان کے حکم کی پوری تعمیل ہوگی۔ لہٰذا آپ بخاری صاحب کو کہہ دیں کہ وہ ہمارے گاؤں میں مرزائی امیدوار کی مخالفت کرنے نہ آئیں، نہ وہ وہاں جا کر اس کے خلاف ووٹ مانگیں۔ اگر انہوں نے میری بات نہ مانی تو نتائج خطرناک ہوں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک عالم اور سید کے خون سے ہمارے ہاتھ بھریں۔ مگر میرے اس مشورے کو اگر نہ مانا گیا تو پھر بات صاف ہے۔ دنیا پہلے ایک سید کی شہادت پر آج تک رو رہی ہے، پھر اسے بھی روئے گی۔ بہتر یہی ہے کہ وہ میری بات مان لیں اور میرے موضع کا رخ نہ کریں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبزادہ صاحب نے مجھے بلوا بھیجا اور سارا واقعہ من وعن سنا دیا اور کہا کہ اب سوچ لو، ساتھیوں سے مشورہ کر کے جیسا مناسب ہو، قدم اٹھائیں۔

مولانا بتاتے ہیں کہ شاہ جی کہیں دورہ پر تھے۔ ہم نے مشورہ کر کے یہی طے کیا کہ ہمیں

ان کی دھمکی سے مرعوب نہ ہونا چاہئے ورنہ مرزائی امیدوار کامیاب ہو جائے گا۔ ہم نے گردونواح کے تمام رضا کاروں کو پیغام پہنچا دیا کہ وہ جمعہ اس موضع میں پڑھیں اور باوردی آئیں۔ ادھر ہم نے شاہ جی کو تار دے کر بلا لیا اور اس موضع میں اعلان کروا دیا کہ یہاں جمعہ مولانا لال حسین اختر پڑھائیں گے اور اس کے بعد شاہ جی اور کچھ دیگر احباب کار میں بیٹھ کر ڈسکہ کی طرف اس موضع کو روانہ ہو گئے۔ میں نے راستے میں شاہ جیؒ کو سارے حالات سے آگاہ کیا۔ شاہ جیؒ خاموشی سے سنتے رہے۔ جب میں بات ختم کر چکا تو میں نے پوچھا کہ شاہ جی! کیا خیال ہے ہم نے وہاں جانے کا فیصلہ صحیح کیا یا غلط؟ فرمایا، مولوی صاحب! جو رات قبر میں آنی ہے وہ باہر نہیں آسکتی۔

بہر حال جب ہم وہاں پہنچے تو ہمارے سینکڑوں رضا کار باوردی پہنچ چکے تھے اور سارے گاؤں میں گہما گہمی تھی۔ رضا کاروں نے استقبال کیا۔ ہم اترے اور اسٹیج کی طرف چلے۔ وہاں پہنچے تو خاصا مجمع ہمارے انتظار میں تھا۔ رضا کاروں نے چاروں طرف سے جلسہ کو گھیر لیا اور اسٹیج کے گرد بھی بہت سے رضا کار پہرہ دے رہے تھے۔ جب میں خطبہ کے لئے کھڑا ہوا تو پہلی تین صفیں ساری کی ساری مخالفین کی تھیں۔ سب مسلح تھے۔ بندوقیں، کلہاڑیاں، ٹکوے ہاتھوں میں لیے بیٹھے تھے۔ اس وقت معاً مجھے خیال آیا کہ ہم سے غلطی ہو گئی۔ چاہئے تھا کہ پہلی صفوں میں اپنے رضا کاروں کو بٹھاتے تا کہ مخالف آسانی سے حملہ آور نہ ہو سکتا۔ میں نے آہستہ سے یہ بات شاہ جیؒ کے کان میں کہی۔ شاہ جی نے فرمایا کہ اب چھوڑ و، اللہ کے سپرد کرو اور خطبہ دو۔

میں نے ابھی خطبہ کے چند الفاظ کہے تھے کہ چودھری عبدالغنی پہلی صف کے درمیان سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پکار کر کہا کہ مولوی صاحب! وعظ بے شک کہو، جمعہ کی نماز پڑھاؤ، ہم وعظ سنیں گے، نماز تمہارے پیچھے پڑھیں گے۔ مگر یاد رکھو! اگر الیکشن کے متعلق یا ہمارے امیدوار کے خلاف ایک لفظ بھی کہا تو یہ بندوقیں، کلہاڑیاں اور ٹکوے تمہارے سروں اور سینوں پر ہوں گے۔ ہم نے پہلے بتا دیا ہے، بعد میں کوئی یہ نہ کہے کہ ہم نے زیادتی کی ہے۔

یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا تو شاہ صاحبؒ نے ایک دم میرا ہاتھ کھینچ کر مجھے بٹھا دیا اور ایسے جوش اور جلال سے کھڑے ہوئے کہ میں نے نہ کبھی پہلے اور نہ کبھی بعد میں ان کو ایسے جوش اور جلال

میں دیکھا۔ شاہ جیؒ نے بغیر کچھ کہے خطبہ مسنونہ شروع کر دیا۔ خطبہ کے بعد چند آیات قرآنی تلاوت فرما کر ان کا ترجمہ کیا۔ پھر ایسے جوش اور والہانہ انداز سے تقریر جاری رکھی کہ کسی کو کچھ ہوش نہ تھا۔ حتیٰ کہ الیکشن کے موضوع پر آ گئے اور جانی دشمن بیٹھے سن رہے ہیں۔

تقریر کرتے کرتے شاہ جیؒ نے ایسی بے خودی اور بے ساختگی کے انداز میں گرج کر فرمایا:

> وہ دیکھو! ملائکہ ہاتھوں میں قلم لئے اور رجسٹر سامنے رکھے بیٹھے ہیں۔ جو مسلمان امیدوار کو ووٹ دے گا، اس کا نام جنتیوں میں لکھیں گے اور جو مرزائی امیدوار کو ووٹ دے گا، اس کا نام دوزخیوں میں لکھیں گے۔ لوگو! تمہیں خدا کی قسم ہے، بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ جو چاہتا ہے کہ ملائکہ اس کا نام جنتیوں میں لکھیں تو وہ ہاتھ کھڑا کر دے۔

یکدم تمام مجمع نے ہاتھ کھڑے کر دیئے۔

جب شاہ جیؒ نے غور سے دیکھا تو پہلی تین صفیں جو مخالفین کی تھیں، ان میں سے کسی نے ہاتھ کھڑا نہیں کیا تھا۔ شاہ جیؒ نے فوراً للکارا:

> عبدالغنی! ہاتھ اٹھا دے ورنہ مارا جائے گا، تیرا اور تیرے ساتھیوں کا نام دوزخیوں میں نہ آ جائے۔

شاہ جیؒ نے کچھ ایسے پارعب انداز میں یہ جملے کہے کہ عبدالغنی نے جھٹ اپنا ہاتھ بلند کر دیا۔ اسے دیکھتے ہی اس کے باقی ساتھیوں نے بھی ہاتھ کھڑے کر دیے۔ تمام پنڈال اللہ اکبر کے نعروں سے گونجنے لگا اور ہم لوگ بہ ہزار خاطر و مدارات وہاں سے کامیاب واپس آ گئے۔

(بخاری کی باتیں ص ۱۰۹ تا ۱۱۱، کاروان تحریک ختم نبوت کے چند نقوش: ۱۴۰)

ڈم ڈم جیل کا ایک واقعہ

شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر خیر سے مجھے ڈم ڈم جیل کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ۱۹۳۰ء کے ایام اسیری میں ایک شب میں سورہ یوسف کی تلاوت کر رہا تھا۔ چودھویں چاند کی چاندنی، رات کا سناٹا، فضا خاموش، بارش اور ژالہ باری کے بعد سرد موسم

اور ماحول دم بخود۔

اپنی خاص کیفیت اور وجد میں تلاوت کرتے کچھ وقت گزر گیا کہ اتنے میں باہر سے ہچکیوں کے ساتھ رونے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دینے لگی۔ میں نے سلسلہ تلاوت ختم کر کے باہر دیکھا تو دروازے کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ جیل پنڈت رام جی لال کھڑے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی رندھی ہوئی آواز میں گلوگیر لہجے میں کہا:

> شاہ جی! خدا کے لئے بس کرو، میرا دل بے قابو ہو رہا ہے، اب تو مجھ میں رونے کی بھی سکت نہیں رہی۔

امیر شریعت تلاوت کر رہے تھے
پرندے خاموش اور سانپ جھوم رہے تھے

میاں عبدالصمد لاہور اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان آنکھوں نے پو پھٹتے سورج کی چمک بھی دیکھی، چڑھتے ماہتاب کو بھی دیکھا مگر جو لطف بخاری کے چہرے میں تھا، کہیں بھی نہیں تھا۔ چہرہ کیا تھا، جعلہ نور تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے لئے سب سے مشکل تقریر رسالت پر ہے۔ ایک دن جوش میں کہا، عربی مجھ سے ہے اور میں عربی سے ہوں، گھر کا ہر فرد قرآن مجید کا حافظ ہے۔

۳۶ء میں جب الیکشن کا زمانہ تھا، مجلس احرار کے جنرل سیکرٹری مولوی مظہر علی اظہر تھے۔ شاہ صاحب کشمیر میں تھے۔ شاہ صاحبؒ الیکشن کے سخت مخالف تھے۔ وہ الیکشن کو فرنگ کی دی ہوئی لعنت سمجھتے تھے۔ ہم لوگ شاہ صاحب کو لینے کشمیر گئے۔ رات کو ملاقات ہوئی، بات کوئی نہ ہوئی۔ صبح ہم نے تلاش کیا۔ پتہ چلا کہ فلاں جھیل کی پہاڑی کے اوپر صبح کی نماز پڑھ کر چلے جاتے اور کافی دیر بعد واپس آتے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ہم نے کیا نقشہ دیکھا کہ پہاڑی کی چوٹی پر تشریف فرما ہیں، ابھی پو اچھی طرح پھٹی نہ تھی، چھ بجے کا وقت تھا۔ پہاڑ کے درمیان جھیل کی دوسرے طرف ایک اور پہاڑی ہے جہاں سے پانی بہتا ہے، مگر خاموشی کے ساتھ۔ زمین، آسمان سب خاموش ہیں، شاہ صاحب محو تلاوت ہیں، با آواز بلند۔

کوئی انسان نہیں، ہم نے ان آنکھوں سے نظارہ کیا۔ سامنے کی پہاڑی پر جم غفیر سانپ ہی سانپ تھے۔ چھوٹے بڑے، درمیانے، ایک بہت بڑا سانپ بھی پھن پھیلائے جھوم رہا تھا۔ ہم وہیں رک گئے۔ سانپوں نے بھی روک لیں اور بیٹھ گئے۔ شاہ صاحب قرآن پڑھتے رہے، سانپ جھومتے رہے۔ ہم نے درختوں پر نگاہ ڈالی، جانور بھی خاموش تھے۔

ادھر شاہ صاحب نے پون گھنٹے بعد تلاوت ختم کی اور سانپوں نے پہلے سر کو پہاڑی پر رکھا جیسے سجدہ ریز ہوں، پھر آہستہ آہستہ چلے گئے۔ پرندے بھی خدا کی حمد و ثناء کے گیت گاتے اڑ گئے۔

اب جب بھی میں کبھی مری اور آزاد کشمیر کی پہاڑیوں پر نظر ڈالتا ہوں، سیاہ پہاڑوں پر شام سرمئی آنچل پھیلاتی ہے، سورج اپنے تمام در و بام پر لٹا دیتا ہے تو وہ نورانی چہرہ بھی میری آنکھوں کی پتلیوں میں اور دماغ و دل کے گوشوں میں چمکتا نظر آتا ہے۔

شاہ صاحب نے ہماری طرف دیکھا اور کہا:

کامریڈ! دیکھا تم نے؟ میں اگر پہاڑوں کو قرآن سناؤں تو ریزہ ریزہ کر دوں، سمندر کو برف بنا دوں، ہوا کو ساکت کر دوں۔ مگر میری قوم نے میرے سر کے بالوں کی سیاہی سفیدی میں بدل دی، مگر میں ان کے دلوں کی سیاہی کو نہ دھو سکا۔

ہم نے آنے کا مقصد بیان کیا۔ بادل نخواستہ تحسین کے بعد تیاری کر لی۔

(ہفت روزہ ختم نبوت جلد ۷، شمارہ ۱۱، ختم نبوت کے محافظ: ۴۰۰)

اے دم بریدہ سگان برطانیہ

خلافت عثمانیہ کی تباہی مقامات مقدسہ کی بربادی جزیرۃ العرب پر برطانوی قبضہ کے بعد پنجاب کے پیرزادوں گدی نشینوں اور بعض روحانی پیشواؤں نے لاہور میں غیر سرکاری دربار کے موقع پر پنجاب کے سفاک گورنر مسٹر اڈوائر کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا جس میں برطانوی سرکار کو مبارک باد کے علاوہ اس کی انصاف پسندی کی لن ترانیاں ہانکی گئیں اور ان الفاظ میں برطانوی عدل و انصاف کو بیان کیا گیا کہ جب ہم بے نظیر برطانوی انصاف کو دیکھتے

تھا جس کی حکومت میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پی رہے ہیں تو پھر ہر طرف احسان ہی احسان دکھائی دیتا ہے اور مجاہدین آزادی کی ان الفاظ میں مذمت کی گئی کہ ہم ان گمراہ لوگوں کی مجنونانہ و جاہلانہ حرکات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ ہمارے قرآن میں یہی تلقین کی گئی ہے۔ لاتفسدوا فی الارض یعنی دنیا میں فساد اور بدامنی مت پیدا کرو۔ اور اپنی وفاداری کا اظہار ان الفاظ سے کیا گیا کہ ہم ان کی خدمت میں یقین دلاتے ہیں کہ ہم مثل سابق اپنی عقیدت و وفاداری کا ثبوت دیتے رہیں گے امیر شریعت کو جب پہلی دفعہ ملتان جانے کا موقع ملا اور شاہ جی کو پیران عظام کا سپاسنامہ دکھایا گیا جس کو پڑھ کر شاہ جی کو انتہائی صدمہ ہوا کہ دنیا کی روحانی اصلاح کرنے والے کافر حکومت کے سامنے سجدہ ریز ہیں چنانچہ شاہ جی نے باغ لانگے خان کے جلسہ عام میں پیران عظام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ' اے پیران طریقت! یہ سپاسنامہ فرنگی کے حضور میں پیش کر کے آپ نے اپنے اجداد کی تعلیم ان کے اصول ان کی روحانی زندگی پر وہ کالک مل دی ہے کہ قیامت تک یہ داغ نہیں دھویا جا سکتا۔ اور نہ ہی یہ سیاہی مٹ سکتی ہے اگر میں ابن سعود کی حمایت کروں تو کافر تم ترکوں کے قتل پر دستخط کرو تو مومن؟ تم فتح بغداد پر چراغاں کرو تو مسلمان اور میں فرنگی سے آزادی کے لئے لڑوں تو مجرم؟ تمہارے تعویذ تمہاری دعائیں کافر کی فتح کی آرزو مند ہیں اور میں سلطنت برطانیہ کی بنیاد اکھاڑنے کے درپے رہا تم نے انسانوں سے زیادہ کتوں اور سوروں کی قدر کی اور گناہ کو ثواب کا درجہ دیا تمہاری قبائیں خون مسلم سے داغدار ہیں اے دم بریدہ سگان برطانیہ! صور اسرافیل کا انتظار کرو کہ تمہاری فرد جرم تمہارے سامنے لائی جائے اور تم اپنے نامہ اعمال کو ندامت کے آئینے میں دیکھ سکو تمہاری تسبیح کا ایک ایک دانہ فریب کا آئینہ دار ہے تمہاری دستار کے پیچ و خم میں ہزاروں باپ جنم لیتے ہیں اور تم انہیں دیکھتے ہو مگر تمہاری زبانیں گنگ ہیں۔۔۔ وقت کا انتظار کرو کہ شاید تمہاری پیشانیوں کے محراب کی سیاہی تمہارے چہروں کو مسخ کر دے اور تمہارا زہد و تقویٰ ہی تمہاری رسوائی کا باعث بن جائے۔ (حیات امیر شریعت ۹۵)

ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی

۱۹۲۸ کا واقعہ ہے امرتسر کا مسلمان پیر کرم شاہ کے آستانے پر سجدہ ریز تھا مسلمان

عورت کا آئینہ عصمت اس دہلیز سے ٹکرا کر چور چور ہو چکا تھا ایمان و توحید کی قندیلیں روندکر کفر کے تار عنکبوت میں الجھ رہا تھا تمیں بتیس کا سن سرخ و سپید رنگت جیسے میدے میں سندور گوندکر بنایا گیا ہو کشادہ پیشانی چشم آہو میں بلا کی چمک جیسے کسی نے موتی کوٹ کر بھر دیئے ہوں تیکھی ناک جیسے تلوار کی دھار عناب کی طرح سرخ ہونٹ سر پہ لمبے اور سنہری بال ایسے جال تھے جن پر راہ چلتی جوانیوں کا پھنس جانا معجزہ نہیں تھا ان سب پہ سیاہ ریشم کے عربی کاٹ کے لباس کی سج دھج یہ تھا پیر کرم شاہ! جس کی شہرت نے گھروں کے گھر اس کے قدموں میں لا ڈالے تھے' یہ اکثر چہرے پہ نقاب رکھتا اور ملنے والوں کو دیدار کی ہوس رہتی تھی کمزور اعتقاد کا مسلمان روحانی پیر سمجھ کر پوجا کرنے لگا اور اکثر کی رائے تھی کہ کرم شاہ درحقیقت وہی کرنل لارنس ہے جس نے عربوں میں انقلاب برپا کیا تھا اس وجہ سے سرکاری خطابات چاہنے والے اس کے گرد زیادہ تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔ امیروں کی بھیڑ دیکھ کر غریبوں کے ایمان بھی متزلزل ہو گئے فریب خوردہ عوام نے آستانہ کرم شاہ پہ جبہ سائی کی انتہا کر دی اولاد سے محروم عورتوں کی ٹولیاں صف باندھے شب و روز کھڑی رہتیں اس طرح جب سارا امرتسر حواس کھو بیٹھا تو شاہ جی خواجہ عبدالرحیم عاجز کی ہمراہ میں کرم شاہ سے ملنے گئے معلوم ہوا کہ آج یوم خواتین ہے مردوں کو آنے کی اجازت نہیں دوسرے دن پھر گئے دو گھنٹے تنہائی میں گفتگو کی اگلے روز چوک خراسیاں (متصل ڈیرہ کرم شاہ) میں اہل امرتسر کو خطاب کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا' راہ مستقیم سے بھٹکے ہوئے مسلمانو! ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی جس آدمی کو تم نے روحانی پیشوا یا انگریزی جاسوس خیال کر لیا ہے یہ دونوں میں سے کچھ نہیں برطانوی جاسوس نہ تو گلی کوچوں میں قیام کرتے ہیں اور نہ اس طرح کی بھیڑ انہیں راس آتی ہے یہ روحانی آدمی بھی نہیں ہے یہ محض نفس پرست انسان ہے ممکن ہے آج میری باتیں تمہیں کڑوی معلوم ہوں لیکن عنقریب سنو گے کہ یہ کسی معصوم لڑکی کو اغوا کر کے بھاگا ہے اگر تم اپنے ایمان نہیں بچا سکتے تو گھروں کی عزت کی حفاظت کرو عورتوں کو وہاں جانے سے منع کر دو' مجھ سے پوچھتے ہو تو میری نظروں نے فسق و فجور کے علاوہ اور کسی چیز کا اندازہ نہیں لگایا وہاں روحانیت کی نہیں معصیت کی تربیت دی جاتی ہے جس شخص کو تم نے پیر بنا رکھا ہے یہ بہت بڑا بدمعاش ہے انشاء اللہ میں بہت جلد اس کا

طلسم ختم کر دوں گا تم جا چاہے آج میرا ساتھ نہ دو لیکن کل میرے ساتھی ضرور ہو گے۔ شاہ جی کی یہ تقریر رات دو بجے تک جاری رہی دوسرے دن اس سے متصل چوک کٹڑہ سفید میں جلسہ ہوا جس میں دو لاکھ سے زائد لوگ شریک رہے۔ صبح کی اذان تک شاہ جی کی تقریر جاری رہی ان تقریروں کے بعد پیر کریم شاہ امرتسر چھوڑ کر بمبئی چلا گیا وہاں چند تاجروں کو اپنے جال میں پھنسایا لیکن بہت جلد شراب نوشی اور دوسری بدمعاشیوں کے انکشاف پر وہاں سے لاہور چلا گیا یہاں بدنامی کے بعد مار کھائی مشکل سے جان بچا کر کشمیر بھاگ گیا (حیات امیر شریعت ۱۱۰)۔

ڈیرہ غازی خان کی حالت زار اور شاہ جی کی جہد مسلسل

۱۹۲۹ء کی بات ہے کہ سردار احمد خان پتافی اس ضلع کے مشہور زمیندار اور اہل دل مسلمان تھے اللہ کا دیا بہت کچھ تھا مگر اپنے ضلع کے مذہبی حالات سے غیر مطمئن تھے جب انہیں شاہ جی کی آمد کا علم ہوا تو اپنے گھر (راجن پور ڈیرہ غازی خان) سے چند مخلص نوجوانوں کا وفد لے کر شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا (۱) اس ضلع کی دور افتادہ بستیوں میں یہ رواج پڑ چکا ہے کہ غریب مسلمان اپنی ضرورتوں کے لئے ہندو ساہوکار کے پاس معمولی رقم کے عوض اپنی بیٹیاں رہن رکھتا ہے اور قرض مع سود کی واپسی تک لڑکی ہندو ساہوکار کے پاس رہتی ہے اور اکثر ایسا ہوا کہ وہاں اس کے ہاں اولاد بھی پیدا ہوئی۔ (۲) ڈیرہ غازی خان کے مسلمانوں نے ۱۸۶۲ء کے بندوبست میں فرنگی عدالتوں میں اپنے آپ کو قرآن کریم کی بجائے رواج کا پابند لکھوایا جس کے باعث انہوں نے اپنی بیٹیوں کو جائیداد سے محروم قرار دیا ہے جب کہ قرآن کریم سورہ نساء میں بیٹی کو بھی باپ کی جائیداد کا وارث قرار دیتا ہے (۳) ضلع کے تمن داروں نے اپنی تفریح طبع کے لئے کتے اور سور پال رکھے ہیں جب یہ لوگ موج میں آتے ہیں تو ان جانوروں کے درمیان لڑائی کا تماشہ دیکھتے ہیں اگر کتا جیت جائے تو اس کا جلوس نکالتے ہیں اور سور کو مار کر اس کے گوشت میں بہترین قسم کے چاول ڈال کر پلاؤ پکا کر کتے کو کھلاتے ہیں۔ مندرجہ بالا واقعات کے بعد سردار احمد پتافی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دل کے ساتھ زبان اور نظر بصیرت عطا کی ہے اگر آپ نے اس ضلع کی ناگفتہ بہ حالت کی طرف توجہ نہ کی تو عند اللہ آپ مجرم ہوں گے۔ میری دولت اس کام کے لئے آپ کی بھرپور معاون

ہو گئی۔ شاہ جی یہ سن کر زار و قطار رونے لگے اور سردار احمد خان سے وعدہ کیا کہ جب تک زندہ رہوں گا اس علاقہ کے مسلمانوں کی اصلاح میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کروں گا۔ چنانچہ شاہ جی ہر سال جون جولائی کے تپتے ہوئے موسم میں جب کہ یہاں کا کسان اور مزدور پیشہ طبقہ فصل کی کٹائی اور بٹائی سے فارغ ہوتا تھا اس ضلع میں تشریف لے جاتے۔ شہری آبادیوں سے دور آباد کاروں کی بستیوں میں دوپہر کے وقت ان کی زبان میں خطاب کرتے دس دس اور بیس بیس کوس سے آئے ہوئے دیہاتی شاہ جی کی باتیں سنتے گھنٹوں خطاب کے بعد شاہ جی ان سے سوال کرتے میںڈی کائی گال سمجھ گدی ہا (میری کوئی بات سمجھ میں آتی ہے) اگر جلسے میں ایک دیہاتی نے بھی کہہ دیا کہ سائیں کو یعنی کوئی نہیں تو پھر شاہ جی اس ایک دیہاتی کو سمجھانے کے لئے سارے مجمع سے اس طرح گھنٹوں خطاب کرتے جب تک پورا مجمع بات سمجھ نہ لیتا۔ تقریر ختم نہ کرتے اسی طرح زندگی کے تیس برس مسلسل ڈیرہ غازی خان کے عوام کو مختلف اوقات میں خطاب کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمن داروں نے کتے اور سوروں کی پرورش سے توبہ کی۔ اس علاقہ کے وڈیروں سے روپیہ لے کر غریب مسلمان لڑکیوں کو ہندو مہاجنوں کے چنگل سے نجات دلائی شہری اور دیہاتی مسلمانوں کو مجبور کیا کہ شریعت کی رو سے اپنی جائیداد سے لڑکیوں کو بھی حصہ دیں۔ گرمی کی شدت سے ان کے جسم پر پھوڑے پھنسیاں نکل آتیں اس کے باوجود دور دراز ایسی بے آب و گیاہ بستیوں میں جاتے جہاں کے لوگ پانی کی قلت کی وجہ سے مجبور ہو کر جوہڑ کا پانی پیتے اور کھانے کے لئے انہیں پیاز اچار یا مسور کی دال میسر تھی۔ جن گھروں میں گوشت یا دوسری بہتر خوراک میسر آ سکتی تھی شاہ جی نے ان گھروں سے یہ کہہ کر ہمیشہ اجتناب کیا کہ میں جن لوگوں کو سمجھانے آیا ہوں اگر ان کے ساتھ گھل مل نہ جاؤں تو ان پر میری بات کا اثر نہیں ہو سکتا (حیات امیر شریعت ۱۲۰)

اب میں تمہیں سمجھاتا ہوں

ڈیرہ غازی خان سے چالیس میل دور حاجی پور نامی گاؤں میں ایک بزرگ کی خانقاہ پر عرس کے دنوں لوگ بڑے افعال کے مرتکب ہوتے تھے اتفاقاً شاہ جی کا گزر ڈیرہ غازی خان سے ہوا تو آپ نے مذکورہ گاؤں میں جانے کا فیصلہ کیا۔ اس ارادے کی اطلاع جب ضلع کے

ڈپٹی کمشنر مسٹر ایلی اسے گل کو ہوئی تو اس نے شاہ جی پر پابندی عائد کر دی کہ وہ حاجی پورہ نہیں جا سکتے شاہ جی نے ڈپٹی کمشنر کا یہ حکم مان لیا لیکن شہر میں اپنی تقریر کی منادی کرا دی اور رات جلسہ میں ڈپٹی کمشنر بھی مع اپنی بیگم کے شاہ جی کی تقریر سننے آیا شاہ جی کو اس کا پتہ چل گیا دوران تقریر ڈپٹی کمشنر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ مسٹر ڈپٹی کمشنر! تم نے مجھے حاجی پورہ جانے سے روک دیا اگر میں وہاں جاتا تو لوگوں کو بھنگ چرس اور اس قسم کی دوسری منشیات سے منع کرتا کہ بزرگوں کے مزارات فاتحہ خوانی کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ اس قسم کی بری چیزوں کے لئے تم اب میں تمہیں اسلام سمجھتا ہوں اگر تم مع اپنی بیوی کے مسلمان نہ ہو جاؤ تو میرا نام بخاری نہیں۔ یہ سن کر ڈپٹی کمشنر خود جلسہ گاہ سے چلا گیا۔ (حیات امیر شریعت ۱۲۱)

نکالو اپنے خنجر سید کا سینہ حاضر ہے

۱۹۳۹ء میں شاہ جی ملتان گئے تو محرم کی تعزیہ داری کو دیکھ کر بے چین ہو گئے تیرہ دن تک شہر کے مختلف محلوں میں اس کے خلاف تقریریں کیں یار لوگ اس قدر مشتعل ہوئے کہ شاہ جی کے خلاف شہر میں باقاعدہ محاذ قائم کر لیا گیا اور اس قدر اشتعال پھیلا کہ آخری دن جب ”عام و خاص باغ“ میں جلسہ کا اعلان ہوا تو شہر کے مجسٹریٹ اور سرکاری قسم کے دوسرے لوگوں نے انگریز ڈپٹی کمشنر سے کہا کہ اگر آج عطاء اللہ شاہ نے ملتان میں تقریر کی تو وہ قتل ہو جائے گا“ اس پر ڈپٹی کمشنر نے خان بہادر سید حسن بخش گردیزی آنریری مجسٹریٹ سے کہا اگر تمہارے اس اشارہ کے بعد عطاء اللہ شاہ قتل ہو گیا تو میں تمہیں بطور مجرم گرفتار کر لوں گا“ ملتان کی فضاء شیعہ سنی منافرت سے گدلی ہو چکی تھی اور واقعی اس دن یہ خوف تھا کہ شاہ جی قتل کر دیئے جائیں گے جماعتی دوستوں نے بھی شاہ جی کی خدمت میں درخواست کی کہ آج شہر میں آپ کے خلاف حالات اس قدر زہریلے کر دیئے گئے ہیں کہ آپ کی جان خطرہ میں ہے لہذا اگر آپ آج کے جلسہ میں کوئی ایسی بات نہ کہیں تو بہتر ہے اس پر شاہ جی نے کہا کہ میرا وہی جواب ہے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زکوۃ کے معاملہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا تھا اگر تم سب ڈرتے ہو تو میں آج اکیلا جلسہ میں جاؤں گا اور وہی بات کہوں گا جو میرا ضمیر کہے گا۔ پولیس چاروں طرف ہر طرح کے کیل کانٹوں سے لیس کھڑی ہے تمام فرقے اپنی اپنی حفاظت

کے لئے تیار ہیں۔ دلوں میں جذبات آنکھوں میں خون سینوں میں انتقام کے شعلے موجزن ہیں شاہ جی اپنے حلقہ احباب کی معیت میں جلسہ گاہ پہنچے شاہ جی نے اسٹیج پر آتے ہی کلام پاک کی تلاوت شروع کی تقریباً پون گھنٹہ قرات کے بعد واستان کربلا اس انداز سے بیان کی کہ سارا مجمع آہ و فغان کرنے لگا جیسے جیسے دھوپ کی تمازت بڑھتی جاتی شاہ جی کا زور بیان نکھرتا جا رہا تھا دوران تقریر آپ نے فرمایا ان پاک ہستیوں کے دن ضرور مناؤ! جو قومیں اپنے آباؤ اجداد کے نشان چھوڑ دیتی ہیں ان کی تاریخ بے نشان ہو کر مٹ جاتی ہے شیعہ حضرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کون بدبخت تمہیں اپنے عقیدے سے منع کرتا ہے لیکن تمہیں میرے عزیزو! میں صرف یہ کہتا ہوں کہ امام حسین فاطمۃ الزہرا بی بی زینب اور معصوم سکینہ کا ماتم کے لئے تمہیں بازاری عورتیں ہی ملتی ہیں' اس طاہر خاندان کے پاک اور صاف لباس پر گندی نالی کے چھینٹے اڑاتے ہو؟ تم کس حسین کے نام لیوا ہو اپنے ہاتھ سینے پر نہیں اللہ کے آگے پھیلاؤ کہ ہمیں ان پاک روحوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے میں تمہیں سچی کی بات بتا رہا ہوں اور تم ہو کہ میرے قتل کا سامان کر رہے ہو' اگر واقعی عطاء اللہ شاہ قتل کے قابل ہے تو یہ سینہ حاضر ہے۔ اس موقع پر شاہ جی نے جذبات سے اپنا گریبان چاک کر لیا بس پھر کیا تھا سارا مجمع بے اختیار چیخیں مارنے لگا اور شاہ جی بار بار فرما رہے تھے نکالو اپنے اپنے خنجر! سید کا سینہ حاضر ہے تم نے پہلے بھی ایک سید مسافر کو قتل کیا تھا آج پھر اس سنت کو تازہ کرو! میں سید بھی ہوں اور مسافر بھی شاہ جی اس وقت قرآن کریم کی بار بار تلاوت کر رہے تھے آخر جب سارا جلسہ اپنے آنسو ختم کر چکا تو آپ نے جلسہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ (حیات امیر شریعت ۱۲۴)

آج ہم مفتی ہیں

۳ مئی کو جمعیت علماء ہند نے امروہہ ضلع مراد آباد میں اپنا ایک اجلاس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا جمعیت علماء کا یہ تاریخی اجتماع تھا جس میں جمعیت کی آئندہ پالیسی پر غور ہونا تھا امیر شریعت پنجاب میں سول نافرمانی کا آغاز کر چکے تھے حکومت ان کے مدمقابل آ چکی تھی اور گرفتاری کی تیاریوں میں تھے مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی جو ان دنوں گرفتار ہو کر لدھیانہ جیل میں تھے امیر شریعت کو حکم دیا کہ راتوں رات پنجاب سے نکل کر امروہہ پہنچنے کی کوشش

کریں تا کہ جمعیت علماء ہند کو مجبور کیا جائے کہ وہ بلا شرط آزادی وطن کی تحریک میں کانگریس سے اشتراک کرے چنانچہ ۲ مئی کو امیر شریعت امروہہ پہنچے مسلم برادران کی جمعیت العلماء کا اجلاس بھی انہی دنوں وہاں میں ہو رہا تھا دونوں جماعتیں اپنی اپنی جگہ بضد تھیں جمعیت علماء ہند کے خلاف امروہہ کے مخالفین نے مشہور کر دیا تھا کہ یہ ہندوؤں کے زر خرید ہیں وہابی ہیں بدعتی ہیں بزرگوں کے دشمن ہیں انگریزوں سے لڑ کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر مقامی رضا کاروں نے جمعیت کے جلوس کا ارادہ ملتوی کر دیا امیر شریعت نے امروہہ پہنچ کر حکم دیا آج ہم متفق ہیں جلوس کے نکالے جانے پر ہمارا فتویٰ چلے گا لہٰذا امروہہ کے بازاروں میں جلوس نکلے گا اور اس کی راہنمائی ہم خود کریں گے جلوس عربی لباس میں جمعیت کے رضا کاروں نے اونٹوں پر نکالا اور جلوس دستے میں امیر شریعت کا اونٹ سب سے آگے تھا اسی رات امروہہ میں امیر شریعت کی تقریر کا بھی اعلان کیا گیا جس میں مخالفین نے اپنی پوری قوت کا مظاہرہ کیا لیکن امیر شریعت کی تقریر جو بعد از نماز عشاء شروع ہو کر رات تین بجے تک جاری رہی کسی کو لب کشائی کا موقع نہ ملا دوران تقریر دو آدمی بے ہوش ہو گئے۔ یہ دونوں رائے میں اختلاف رکھتے تھے لیکن امیر شریعت کی تقریر سے ایسے متاثر ہوئے کہ ان کے اعضاء شل ہو گئے ۳ مئی کو جمعیت علماء ہند کا تاریخی اجلاس مولانا سید معین الدین اجمیری کی صدارت میں شروع ہوا جس میں مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی کی تجویز پر بحث شروع ہوئی کہ جمعیت علماء ہند کو کانگریس کی تحریک سول نافرمانی میں شامل ہونا چاہیے اس تجویز کی تائید مولانا حسین احمد مدنی نے کی اس قرارداد کی مزید تائید میں حضرت امیر شریعت نے تین دن (۰ ے گھنٹے) تقریر کرتے ہوئے دلائل کے انبار لگا دیئے۔ (حیات امیر شریعت ۱۳۲)

قاتلانہ حملہ

امیر شریعت کے خلاف بیس وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے تھے اسی حالت میں شاہ جی آگرہ کے قاتلانہ حملہ سے بچ نکل کر بمبئی پہنچے۔ بمبئی میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے امیر شریعت نے خطبہ مسنونہ کے بعد تقریر شروع کی تو آپ فرما رہے تھے کہ غلامی سب سے بڑا گناہ ہے اگر اس گناہ سے نکلنا ہے تو اس سے بہتر کوئی موقع نہیں کہ ہم انگریزوں کے خلاف

پرامن لڑائی میں شریک ہو جائیں۔ یہ فقرہ ابھی نامکمل تھا کہ مجمع میں سے کسی نے تیز دھار کی چھری امیر شریعت کی طرف زور سے پھینکی جسے ایک نوجوان نے جلدی سے آگے بڑھ کر اپنے سینے پر روک لیا۔ یہ ضرب اس قدر شدید تھی کہ تھوڑی دیر بعد زخمی نوجوان کا انتقال ہو گیا۔ مقتول نورخان نامی کوہاٹ کا رہنے والا اکیس سالہ نوجوان تھا نورخان کی موت سے امیر شریعت کی جان بچی لیکن نورخان کے خون سے غیر ملکی سامراج کا وقار آخر منتشر کر رہا۔ گو قاتل گرفتار نہ ہو سکا مگر تحقیق پر معلوم ہوا کہ چھری زہر آلود تھی اس افراتفری میں امیر شریعت پولیس کی گرفت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ (حیات امیر شریعت ۱۳۸)

زہر دینے والے کو معاف کیا

مئی ۱۹۳۳ء میں امیر شریعت کو مدرسہ عربیہ کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لئے شجاع آباد جانا پڑا خان محمد انور خان کی حویلی میں قاضی احسان احمد کی زیر صدارت امیر شریعت نماز ظہر کے بعد تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو قاضی صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا پان نہیں کھلاؤ گے؟ قاضی صاحب نے حاجی نور محمد کو پان لانے کے لئے کہا' حاجی صاحب تعمیل ارشاد کے لئے چلے ہی تھے کہ برابر کھڑے ایک آدمی نے کہا کہ میں شاہ جی کے لئے پان لے آیا ہوں' یہ کہہ کر پان حاجی نور محمد کے ہاتھ میں دے دیا اور انہوں نے قاضی صاحب کو دیا امیر شریعت نے تقریر کے دوران جب یہ پان منہ میں رکھا تو ایک منٹ کے بعد قاضی جی زہر دے دیا' یہ کہتے ہوئے پان تھوک دیا اور قاضی صاحب نے اسے اپنے ہاتھ پر لے لیا آن کی آن میں امیر شریعت کے چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا اور قاضی صاحب کا ہاتھ بھی پھول کر ڈبل روٹی کی طرح ابھر آیا تقریر سمیٹ لی اور جلسہ ختم کر دیا گیا اس واقعہ نے شہر کے عوام کو پریشان کر دیا اور قاضی صاحب کا تمام گھر پاگل ہو گیا' ڈاکٹر بھگن داس ریٹائرڈ سول سرجن نے امیر شریعت کو دیکھ کر تشخیص کی کہ واقعی زہر دے دیا گیا اس وقت پیاز کا پانی بڑی مقدار میں تیار کرایا گیا ڈاکٹر نے اس پانی سے دوا دینا شروع کی تو جسم سے زہر کا رنگ پیشاب اور پاخانے کے راستے سے خارج ہونا شروع ہوا پیاز کے مسلسل استعمال سے رات تین بجے تک جسم کا تمام زہر خارج ہو گیا اس دوران ڈاکٹر بھگن داس امیر شریعت کے سرہانے بیٹھے رہے آخر ساڑھے تین بجے رات

ڈاکٹر نے قاضی صاحب کو مبارک باد دی کہ اب شاہ جی خطرے سے باہر ہیں زہر دینے والے کو پولیس صبح ہونے تک گرفتار کر چکی تھی۔ اس کا نام سید عنایت اللہ شاہ یا ولایت شاہ تھا جب اسے امیر شریعت کے سامنے لایا گیا تو امیر شریعت نے اپنے زہر دینے والے سے مخاطب ہو کر صرف اتنا کہا بھائی میں نے آپ کا کیا نقصان کیا تھا؟ پھر پولیس افسر سے کہا میں اس سے کوئی انتقام لینا نہیں چاہتا' اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے آپ بھی معاف کر دیں۔

(حیات امیر شریعت ۱۵۳)

تم غلط کہتے ہو

امیر شریعت نے دریائے جہلم کو پار کیا اور پھر کئی میل پیدل سفر کر کے میر پور میں داخل ہو گئے ہمراہی کو متنبہ کیا کہ تم جاؤ لیکن میری آمد کی اطلاع نہ کرنا' میں جلسہ میں پہنچ جاؤں گا' انجمن کے سالانہ اجلاس کا آخری دن تھا ریاستی حکام مطمئن تھے' برطانوی پولیس اپنے کارنامے پر خوش تھی کہ عطاء اللہ شاہ بخاری ریاست میں داخل نہیں ہو سکا' منتظمین نے اس خوف سے کہ انجمن کی بدنامی نہ ہو اور رات کے اجلاس میں لوگوں کی حاضری کم نہ ہو شہر میں منادی کرا دی کہ رات آخری اجلاس میں امیر شریعت عوام سے خطاب کریں گے اجلاس شروع ہوا تو صدر جلسہ نے قوم سے معذرت کی کہ ہمیں افسوس ہے کہ امیر شریعت ریاستی اور برطانوی قانون کی پابندیوں کے باعث تشریف نہ لا...... ابھی یہ فقرہ ادھورا تھا کہ امیر شریعت نے جلسہ کے ایک کونے سے آواز دی" آپ غلط کہتے ہیں یہ فقرہ کہتے ہوئے اور مجمع کو چیرتے ہوئے اسٹیج کی جانب بڑھتے گئے' لوگ حیران تھے کہ یہ کون دیہاتی ہے کہ صدر استقبالیہ کی بات کاٹ رہا ہے اب امیر شریعت اسٹیج پر تھے اور بھاری بھرکم کھدر کی پگڑی اتار کر عوام کے سامنے کھڑے تھے اس وقت مجمع کا حال دیکھنے والا تھا آخر امیر شریعت نے صبح چار بجے تک تقریر کی امیر شریعت کے میر پور پہنچنے کے نتیجے میں پنجاب پولیس اور ریاستی حکام کے کئی آفیسر معطل ہوئے اور انہی دنوں میر پور کے اکثر دیہاتوں میں بغاوت پھیل گئی جس کے نتیجے میں کئی سرکاری عمارات کو نذر آتش کر دیا گیا۔ (حیات امیر شریعت ۱۵۶)

شاہ جی اور مکان

لاہور کے حاجی دین محمد امیر شریعت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کرائے کا مکان دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور کہا شاہ جی اگر آپ چاہیں تو لاہور شاد باغ میں زمین خرید کر مکان تعمیر کرا دوں جواب میں شاہ جی نے فرمایا حاجی صاحب! میرے پاس اتنی رقم کہاں؟ حاجی صاحب نے کہا نہیں تو پھر مجھ سے تیس ہزار روپے لے لیں اور جہاں مناسب سمجھیں مکان بنائیں امیر شریعت نے مسکرا کر جواب دیا نہیں حاجی صاحب شکریہ۔ فیصل آباد کے جے ایم ہوزری کے مالک شیخ محمد طفیل بھی ملتان آئے کہ شاہ جی کے لئے مکان کا انتظام کیا جائے گوجرانوالہ کے دوستوں نے تو زمین بھی خرید لی لیکن ان سب کو امیر شریعت نے ایک ہی جواب دیا میں تمام احباب کا ممنون ہوں جو اپنی اپنی جگہ پر میرے لئے رہائش کا انتظام کر رہے ہیں شاید انہیں نہیں معلوم کہ اس طرح کی کوشش ایک دفعہ نواب بہاولپور نے بھی کی تھی لیکن اگر میں نے مکان ہی بنانے ہوتے تو ہر شہر اور ہر بستی میں سونے کا مکان بنا سکتا تھا لیکن جس نے اپنے امرتسر والے مکان کا تعلیم داخل نہیں کیا جو میرا حق بنتا ہے وہ کسی دوسرے کا ممنون واحسان کیونکر ہو سکتا ہے؟ پٹنہ میں میر تخیل کی خاص جائیداد تھی وہاں گیا تو دیکھا کہ اس پر ہندوؤں نے مندر تعمیر کر لیا ہے اس جائیداد کو میں نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ چلو اللہ کی عبادت ہی کر رہے ہیں میرے عقیدہ پر نہ سہی اپنے رنگ میں ہی سہی۔ (حیات امیر شریعت ۳۲۶)

یہی کام باقی رہ گیا تھا؟

مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے مفتی محمد شفیع صاحب ایک دن امیر شریعت سے ملنے گھر پہنچے تو دیکھا کہ مرغیوں کو دانہ کھلا رہے ہیں مفتی صاحب نے سوال کیا شاہ جی یہ کام باقی رہ گیا تھا؟ جواب میں فرمایا تیس سال تک میں نے آپ لوگوں کو بلایا ہے مگر آپ مجھ سے بھاگتے رہے اب یہ بے زبان ہیں ذرا سی آواز دیتا ہوں تو فوراً چلے آتے ہیں اس دور کے انسانوں سے تو یہ حیوان کہیں بہتر ہیں۔ (حیات امیر شریعت ۳۲۷)

بیٹی کی شادی

انصاف کلاتھ ہاؤس (فیصل آباد) کا مالک شیخ گلزار کا بیان ہے کہ شاہ جی اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلہ میں کراچی آئے اور کہا کہ تمہاری ہمشیرہ کی شادی کے لئے کپڑا خریدنا ہے چلو میں ہزار روپیہ جیب میں ڈال کر شاہ جی کے ساتھ ہولیا پانچ سو سے کچھ کم کا کپڑا خریدے چکے تو کہا بس بیٹا! میں نے عرض کیا حضرت یہ تو کچھ بھی نہ ہوا؟ جواب میں فرمایا بیٹا میری گرہ اسی قدر اجازت دیتی ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا حضرت! پیسے بہت ہیں فرمایا نہیں میرے عزیز! میں تمہیں اس لئے ساتھ نہیں لایا کہ تمہارے پاس پیسے بہت ہیں بلکہ مجھے اس کپڑے کی پہچان نہیں اور دوسرا تمہارے ساتھ ہونے سے کچھ رعایت ہوگی چنانچہ شاہ جی نے تمام رقم اپنی گرہ سے ادا کی۔ رسم نکاح مخدوم محترم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نے ادا فرمائی اور اس طرح مارچ آخر یا اپریل ۱۹۵۲ء کے شروع میں امیر شریعت نے اپنے جگر گوشے کو آنسوؤں کے زیورات سے آراستہ کر کے گھر سے رخصت کیا۔ (حیات امیر شریعت ۳۳۹)

خانساماں کانفرنس

امیر شریعت فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار انگریزوں کے خلاف خانساماؤں کی تحریک عدم تعاون بھی چلائی تھی مجھے جہاں سے اطلاع ملتی کہ اس انگریز افسر کے ہاں کوئی مسلمان ملازم خانساماں کی خدمات انجام دے رہا ہے تو میں اسے عدم تعاون پر آمادہ کرتا چنانچہ اس سلسلہ میں امرتسر میں ایک خانساماں کانفرنس بھی منعقد کی جس کے اچھے اثرات ظاہر ہوئے۔

(حیات امیر شریعت ۳۷۵)

شاہ جی قرآن پڑھو تا کہ آتما کو سکون ہو

شاہ جی فرماتے ہیں ایک دفعہ میں میرٹھ کے جلسے میں تقریر کر رہا تھا پرشوتم داس ٹنڈن صدر کانگریس بھی جلسہ میں موجود تھے انہوں نے کہا شاہ جی! تلاوت قرآن پاک کریں تا کہ آتما کو سکون ہو۔ پھر میں نے اس جلسہ میں ساڑھے آٹھ گھنٹے تقریر کی صبح قریب آ گئی تو یہ شعر پڑھ کر اسٹیج سے اتر آیا۔

شب وصال بہت کم ہے آسمان سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شب جدائی کا

(حیات امیر شریعت ۳۳۶)

لندن جانے سے انکار

۱۹۵۸ء کے آخر میں انٹرنیشنل تبلیغی مشن لندن کے سیکرٹری راؤ شیر علی نے حضرت امیر شریعت اور حضرت مولانا احمد علی لاہوری کو لندن آنے کی دعوت دی اور اس کے لئے تمام امکانی سہولتیں بہم پہنچانے کا وعدہ کیا' یہاں تک کہ خود انجمن کے افراد بھی لندن سے دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن حضرت امیر شریعت نے ان حضرات کی درخواست پر فرمایا بھائی اول تو میں اپنی صحت کے پیش نظر اس سفر کے قابل نہیں ہوں اگر ہوتا تو بھی جس (انگریز) نے ڈیڑھ سو برس میرے ملک کو غلام رکھا' اس کا خون چوسا' اور جاتی دفعہ فتنہ و فساد کا ایسا تخم چھوڑ گیا کہ برصغیر پاک و ہند کے انسانوں کے مابین کبھی امن قائم نہیں ہو سکتا دوسرا میں نے اپنی زندگی کے قریباً چالیس سال ان کی مخالفت کی ہے اس بناء پر میرا ضمیر اس ملک میں جانے کی اجازت نہیں دیتا جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا بھائی میں اصول کا آدمی ہوں اور اسی اصول پر زندگی کے چالیس برس گزارے ہیں حضرت لاہوری نے بھی اسی قسم کا جواب دیا۔

(حیات امیر شریعت ۳۳۸)

صدمہ

ہسپتال میں مولانا یسین نے سوال کیا شاہ جی! حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی عمر اس وقت اسی نوے سال کے قریب ہے اور حضرت لاہوری کی عمر بھی آپ سے زیادہ ہے لیکن آپ بہت جلد کمزور ہو گئے' جواب میں فرمایا' بھائی ان لوگوں کے گھر آباد ہیں اور میں اپنا گھر اجڑا ہوا دیکھ رہا ہوں' یہی صدمہ مجھے موت کے قریب کر رہا ہے۔ (حیات امیر شریعت ۳۵۰)

شاہ جی کی نماز

حضرت شاہ صاحب پر آخری عمر میں فالج کا حملہ ہوا تھا گھنٹوں خطاب کرنے والی

زبان خاموش ہو چکی تھی بات نہیں کر سکتے تھے مگر ان حالات میں نماز سے غافل نہیں رہتے' یہ اللہ تعالیٰ کی ان پر خاص نوازش تھی حالانکہ بول نہیں سکتے تھے لیکن عین نماز کے وقت اگر کوئی آس پاس نہ بھی ہوتا تو کسی چیز سے زمین پر کھٹکا کر دیتے تھے اس آواز سے اہل خانہ فوراً حاضر ہو جاتے تو امیر شریعت ہاتھ کے اشارے سے انہیں نماز کے لئے کہتے' اور نماز باجماعت ہوتی' اکثر ایسا بھی ہوتا کہ نماز کے دوران بے ہوشی طاری ہو جاتی اور صاحبزادہ عطاء المحسن دوبارہ نماز لوٹانے کو کہتے انہی دنوں میں سرگودھا سے مفتی محمد شفیع صاحب امیر شریعت سے ملنے آئے تو کوٹھی کے مالک مولانا محمد اکرم مالک سلطان فونڈری نے مفتی صاحب سے گذارش کی کہ حضرت! یہ فرمایئے کہ شاہ جی اس حالت میں نماز پڑھتے ہیں اور اکثر دیکھا گیا ہے یہ نماز میں بے ہوش ہو جاتے ہیں عزیزم عطاء المحسن شاہ جی پر زور دیتے ہیں کہ وہ اپنی نماز لوٹائیں' اس پر مفتی صاحب نے فرمایا نہ میرے عزیز! شاہ جی کی بے ہوشی کی نماز ہماری ہوش مندی کی نماز سے ہزار درجہ بہتر ہے اس کے بعد پھر کبھی انہیں نماز لوٹانے کو نہیں کہا گیا۔

(حیات امیر شریعت ۳۵۵)

☆☆☆

بانی دعوت تبلیغ

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ

لاکھوں انسانوں کو گمراہی سے نکال کر سیدھی راہ پر لگانے والے
مسلمانوں میں ایمانی قوت بیدار کرنے والے

تبلیغی جماعت کے بانی

وفات	پیدائش
۱۹۴۴ء	۱۸۸۶ء

بہار دمن محمد ﷺ کی تازگی کے لئے
اٹھو سفینہ عالم کی رہبری کیلئے

ہم تم سے کام لیں گے

شوال ۱۳۴۴ھ میں آپ دوسرے حج کیلئے روانہ ہوئے۔ مولانا خلیل احمد صاحب کی ہمرکابی حاصل تھی۔ ایک ہفتہ مولانا کی معیت میں حیدرآباد دکن میں قیام رہا، کیونکہ حیدرآباد کے احباب کا مولانا سہارنپوری سے اصرار تھا۔

مدینہ منورہ کے قیام کا زمانہ جب ختم ہوا اور رفقاء چلنے کے لئے تیار ہوئے تو انہوں نے مولانا کو عجب بے چینی اور اضطراب میں پایا۔ آپ کسی طرح مدینہ منورہ سے جدا ہونے پر راضی نہ تھے۔ کچھ دن توقف کے بعد رفقاء نے مولانا خلیل احمد صاحب سے ذکر کیا۔ آپ نے مولانا کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ تم ان سے چلنے کے لئے اصرار نہ کرو، ان پر ایک حالت طاری ہے، یا تو تم اتنا انتظار کرو کہ یہ از خود تمہارے ساتھ چلے جائیں یا تم خود چلے جاؤ، یہ بعد میں آ جائیں گے۔ چنانچہ رفقاء ٹھہر گئے۔

مولانا فرماتے تھے کہ مدینہ طیبہ کے اس قیام کے دوران میں مجھے اس کام کے لئے امر ہوا اور ارشاد ہوا کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ کچھ دن میرے اس بے چینی میں گزرے کہ میں ناتوان کیا کر سکوں گا؟ کسی عارف سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ پریشانی کی کیا بات ہے؟ یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کرو گے، یہ کہا گیا ہے کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ بس کام لینے والے کام لے لیں گے۔

اس سے بڑی تسکین ہوئی اور آپ نے مدینہ منورہ سے مراجعت فرمائی۔ پانچ مہینے حرمین میں قیام رہا۔ ۱۳ ربیع الثانی ۴۵ ہجری کو کاندھلہ واپسی ہوئی۔

(حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۹۰)

غیبی تائید

صاحبزادہ مولوی محمد یوسف صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ اپنی قیام گاہ پر جو باب العمرہ کے برابر والے مکان میں تھی، بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت کچھ فرما رہے تھے اور

ہم سب سن رہے تھے کہ ایک شخص دروازہ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے اور خطاب کر کے کہا کہ جو کام تم کر رہے ہو، اس میں مشغول رہو، اس کا اجر و انعام اتنا بڑا ہے کہ تمہیں بتا دیا جائے تو برداشت نہ کر سکو، شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو جائے۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلے گئے اور ہمیں کچھ معلوم نہ ہوا کہ وہ کون بزرگ تھے۔ مولانا بدستور اپنی گفتگو میں مشغول رہے اور ادھر التفات بھی نہ کیا۔ (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۱۰۹)

یاس کو آس سے بدل دیا

جماعتیں تھانہ بھون کے ماحول اور آس پاس کام کرتی رہیں۔ اطراف و اکناف سے آنے والے مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جماعتوں کی کارگزاری اور ان کے طرز و اصول اور ان برکات کا ذکر کرتے جو ان کے گشت و قیام سے ان مقامات میں نظر آنے لگے تھے۔ مولانا کو پہلے بڑا شبہ اس میں تھا کہ جب ان علماء کو جنہوں نے آٹھ آٹھ دس دس سال مدرسوں میں تعلیم پائی تھی، تبلیغ میں پوری کامیابی نہیں ہوتی، بلکہ صدہا اور نئے فتنے کھڑے ہو جاتے ہیں تو یہ جاہل میواتی بغیر علم و تربیت کے اتنا نازک کام کیسے کریں گے۔ مولانا کی احتیاط اور دوررس طبیعت اس کی طرف سے غیر مطمئن تھی کہ کہیں اس طریقہ سے کوئی بڑا فتنہ نہ پیدا ہو۔

لیکن ان میواتیوں کے عملی کام اور قرب و جوار کی متواتر خبروں اور تصدیقوں سے اور پھر ان کی آمد کی برکات کو خود ملاحظہ فرمانے سے آپ کو اس کا اطمینان ہوا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر جب مولانا محمد الیاس صاحب نے اس طرز کے متعلق کچھ گفتگو کرنی چاہی تو مولانا نے فرمایا کہ دلائل کی ضرورت نہیں، دلائل تو کسی چیز کے ثبوت اور صداقت کے لئے پیش کیے جاتے ہیں، میرا تو اطمینان عمل سے ہو چکا ہے، اب کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں، آپ نے تو ماشاء اللہ یاس کو آس سے بدل دیا۔ (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۱۳۵)

ایک متحرک جلسہ

اکثر میوات میں ایک مرتبہ میوات کے کسی مقام پر اور سال میں ایک مرتبہ نوح کے مدرسہ میں جلسہ ہوتا تھا۔ دہلی کی تبلیغی جماعتیں اور تجار اور نظام الدین کے مقیم حضرات، نیز مدرسہ

مظاہر العلوم، دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء اور مدرسہ فتح پوری دہلی کے بعض علماء اور مدرسین شرکت کرتے۔ مولانا بار فقاء جماعت کیساتھ تشریف لے جاتے، راستہ بھر اپنی تحریک کی دعوت دیتے جاتے اور اس کے اصول و آداب پر پرجوش اور پر از حقائق تقریر فرماتے اور لاری کے مسافر یا ریل کے ہم سفر (جن میں بڑی تعداد مبلغین اور ہمراہیوں کی ہوتی) مستفید ہوتے۔ گویا یہ ایک متحرک جلسہ ہوتا تھا جو نظام الدین سے ہی شروع ہو جاتا تھا۔

بابرکت اجتماع

۸، ۹، ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۸، ۲۹، ۳۰ نومبر ۱۹۴۱ء کو نوح (ضلع گوڑگانواں) میں ایک عظیم الشان تبلیغی جلسہ ہوا۔ میوات کی سرزمین نے انسانوں کا اتنا بڑا اجتماع ایک جگہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ شرکائے جلسہ کی تعداد کا تحقیقی اندازہ بیس پچیس ہزار کیا جاتا ہے۔ ان شرکاء میں بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جو تیس تیس چالیس چالیس کوس سے پیدل چل کر اپنا سامان کندھے پر لاد کر اور اپنا کھانا باندھ کر آئے تھے۔ خصوصی مہمانوں کی تعداد بھی، جو بیرون میوات سے تشریف لائے تھے اور دونوں وقت مدرسہ معین الاسلام کی عمارت میں پر تکلف کھانا کھاتے تھے، ایک ہزار کے قریب تھی۔

جلسے کے وسیع شامیانے کے نیچے مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ جامع مسجد میں اور قصبے کی تقریباً سب مسجدوں میں نماز ہوئی، پھر بھی ہجوم اتنا تھا کہ چھتوں اور بالا خانوں پر آدمی ہی آدمی تھے، سڑکوں پر بھی نمازیوں کی صفیں تھیں اور آمد و رفت بند ہو گئی تھی۔

نماز کے بعد جلسہ شروع ہوا۔ صبح سے رات تک اجلاس ہوتے تھے لیکن نہ کوئی صدر جلسہ تھا، نہ مجلس استقبالیہ اور صدر استقبالیہ، نہ رضا کار۔ لیکن تمام انتظامات خوش اسلوبی سے ہو رہے تھے، کام کرنے والوں میں ایسی مستعدی اور فرض شناسی تھی جو وردی پوش رضا کاروں کی منظم جماعتوں میں نہیں دیکھی گئی۔ اس اجتماع میں دہلی کے عوام و خواص اور ہر طبقہ کے حضرات بکثرت شریک تھے۔ خان بہادر حاجی رشید احمد صاحب، حاجی وجیہ الدین صاحب، جناب محمد شفیع صاحب قریشی وغیرہ حضرات اپنی اپنی کاروں میں تشریف لے گئے، جن سے

مہمانوں اور علماء کی آمد ورفت میں بڑی سہولت رہی۔

مفتی کفایت اللہ صاحب نے اس جلسہ کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں پینتیس سال سے ہر قسم کے مذہبی اور سیاسی جلسوں میں شریک ہو رہا ہوں، لیکن میں نے اس شان کا ایسا بابرکت اجتماع آج تک نہیں دیکھا۔

یہ اجتماع اور انسانوں کا یہ جنگل ایک جلسہ سے زیادہ ایک زندہ خانقاہ تھی۔ دن کے سپاہی رات کے راہب بن جاتے تھے اور رات کے عبادت گزار دن کے خدمت گزار نظر آتے تھے۔ ان دونوں چیزوں کا جمع کرنا اس دعوت کے مقاصد میں سے تھا۔

اس جلسہ کے باضابطہ اجتماعات کے علاوہ خود مولانا اٹھتے بیٹھتے اور ہر نماز کے بعد اپنی بات کہتے رہتے۔ ہر نماز کے بعد کی خود فراموشانہ دعا بھی ایک پرجوش اور اثر آفرین تقریر سے کم نہ تھی۔ (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ۱۳۲)

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

۱۲ محرم ۶۳ھ (۱۷ جنوری ۴۴ء) کو لکھنؤ کی ایک جماعت دہلی کے لئے روانہ ہوئی۔ شرکائے جماعت میں مولانا حافظ عمران خان صاحب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء اور حکیم قاسم حسین صاحب بھی تھے۔ مولانا کو دیکھا، بہت ضعیف ہو رہے تھے مگر چلتے تھے اور نماز اکثر خود پڑھاتے تھے۔ گفتگو اور تقریر میں کوئی کمی نہیں تھی۔ البتہ بیٹھ جاتے تو اٹھنے کے لئے بعض اوقات سہارا دینا پڑتا۔ مرض کافی ترقی کر چکا تھا اور خطرے کے آثار تھے۔ ان دنوں مولانا محمد یوسف صاحب کشمیری (میر واعظ صاحب) مقیم تھے اور مولانا پوری طاقت کے ساتھ علماء کو اس کام کی اہمیت اور عظمت سمجھانے کی طرف متوجہ تھے اور یہی ان دنوں مولانا کی سب سے بڑی فکر اور موضوع سخن تھا۔ مولانا اس وقت اس کی بڑی ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ اہل فہم اور اہل بصیرت ان کے قریب رہیں، صبر وسکون سے ان کی باتیں سنیں اور اس دعوت کے اصول وقواعد کو اخذ کریں اور اس تحریک کو اپنا لیں۔

علماء کے نام مولانا کا بار بار پیغام تھا کہ یہ تحریک ودعوت آپ ہی کے لائق ہے اور آپ ہی اس کے لائق ہیں اور آپ ہی کے اس کو لے کر کھڑا ہونے سے اس کو صحیح فروغ ہوگا۔ میری

مثال محض اس شخص کی سی ہے جس نے کہیں آگ لگی ہوئی دیکھی تو آگ بجھانے کے لئے لوگوں کو پکارنے لگا۔ اس شخص کا کام لوگوں کو پکارنا تھا، آگ بجھانے والے دوسرے ہی ہیں۔

علالت کا اشتداد

مارچ ۴۴ء میں ضعف بہت بڑھ چکا تھا۔ نماز بھی پڑھانے سے معذور تھے لیکن جماعت میں دو آدمیوں کے سہارے تشریف لاتے تھے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ کئی بار فرمایا کہ میں اس مرض سے جان بر نہیں ہوں گا، ظاہر اسباب میں صحت نہیں معلوم ہوتی، یوں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔

اہل زمانہ کی شکایت فرماتے کہ فروعی اور تکمیلی کاموں اور شاخوں اور پتیوں میں اس قدر مشغول ہیں کہ اصلی اور بنیادی کام کے لئے وقت نہیں رہا۔ انہی دنوں میں دو نہایت لطیف تقریریں فرمائیں جن میں ہند لفظوں میں اس کا اظہار تھا کہ وقت اخیر کچھ دور نہیں ہے اور اس میں بھی اللہ کے بڑے مصالح ہیں۔ (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ۱۵۷)

صحبت یار آخر شد

ایک مرتبہ مولانا کے تقاضے سے مدارس کے علماء اور ارباب اہتمام بھی جمع ہوئے اور اس پر مشورہ کیا کہ ان کے مدارس اس کام میں کیا حصہ لے سکتے ہیں۔ مولانا طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا محمد شفیع صاحب مہتمم مدرسہ عبدالرب دہلی، مولانا حافظ عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، مولانا اعزاز علی صاحب استاد دارالعلوم دیوبند اور شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے اس مجلس مشاورت میں شرکت کی۔ مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری بھی نظام الدین تشریف لے آئے اور نظام الدین کی رونق دوبالا ہو گئی۔

آخر مہینہ میں یہ محفل انجم منتشر ہوئی، بھائی صاحب رخصت ہونے لگے تو مولانا نے فرمایا:

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

(حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۱۵۹)

دعوت کا انہماک

مولانا منظور نعمانی فرماتے ہیں کہ:

اپریل کے آخری ہفتہ میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ زیارت اور مزاج پرسی کے لئے تشریف لائے۔ اس سے دو دن پہلے حضرت پر نہایت سخت دورہ پڑ چکا تھا جس کی وجہ سے ضعف بے حد ہو گیا تھا کہ دو چار منٹ بھی بات کرنے کی سکت نہ تھی۔ شاہ صاحبؒ کی خبر سن کر اس ناچیز کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے ان سے باتیں ضروری کرنی ہیں، لیکن صورت یہ ہو گی کہ تم اپنے کان میرے منہ کے قریب کر دینا اور جو میں کہوں وہ ان سے کہتے جانا۔

چنانچہ جب شاہ صاحبؒ اندر بلائے گئے تو بات شروع تو مجھ ہی سے فرمائی لیکن دو تین ہی منٹ کے بعد اتنی قوت آ گئی کہ خود مخاطب ہو گئے اور تقریباً آدھ گھنٹہ مسلسل تقریر فرماتے رہے۔ (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۱۷۰)

کاش! علماء اس کام کو سنبھال لیتے

مولانا منظور نعمانی فرماتے ہیں:

اسی اپریل کے مہینہ میں جس روز آپ پر وہ شدید دورہ پڑا جس کا ذکر اوپر بھی آ چکا ہے۔ اس دن آپ پر قریب دو گھنٹے کے غشی کی سی کیفیت طاری رہی۔ آنکھیں تک بند تھیں۔ دیر کے بعد یکا یک آنکھیں کھولیں اور زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے:

الحق یعلوا الحق یعلوا الحق یعلوا و لا یعلیٰ

پھر ایک وجد کی سی کیفیت میں ایک گونہ ترنم کے ساتھ (جو عام عادت نہ تھی) تین دفعہ یہ آیت تلاوت فرمائی۔

کان حقاً علینا نصر المؤمنین۔

"ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ حق ہے۔"

جس وقت بلند آواز سے آپ نے یہ آیت تلاوت فرمانی شروع کی، میں صحن مسجد میں تھا، آواز سن کر حضرت کے حجرے کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ جو خاص خدام اندر تھے ان سے

میرا نام لے کر ارشاد فرمایا کہ وہ کہاں ہے؟ میں سنتے ہی اندر حاضر ہوگیا۔ ارشاد فرمایا:

''مولوی صاحب! اللہ کا وعدہ ہے کہ یہ کام ہوگا اور اللہ کی مدد اس کو اتمام تک پہنچائے گی مگر شرط یہ ہے کہ اس کے وعدہ و نصرت پر کامل یقین اور بھروسے کے ساتھ اس سے نصرت مانگتے رہو اور اپنی امکانی کوششوں میں کمی نہ کرو۔''

یہ فرمانے کے بعد پھر آنکھیں بند ہوگئیں۔ تھوڑی دیر کی گہری خاموشی کے بعد صرف اتنا فرمایا:

''کاش علماء اس کام کو سنبھال لیتے اور پھر ہم چلے جاتے۔''

(حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۱۷۰)

دین کے مٹنے کا غم

حاجی عبدالرحمن صاحب راوی ہیں کہ مولانا کے وطن کاندھلہ سے آپ کے کچھ اعزہ عیادت کے لئے آئے۔ مولانا نے پوچھا کس لئے آئے؟ کہنے لگے، آپ کی خیریت دریافت کرنے کے لیے۔ فرمایا:

''جو مٹنے کے نیچے بنا ہے، اس کی خیریت پوچھنے کے لئے کاندھلہ سے یہاں تک آؤ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین عزیز مٹنے والا نہیں، وہ مٹا جارہا ہے اور تم اس کی خبر نہیں لیتے۔'' (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ۱۷۵)

قنوت نازلہ میں

ایک جمعہ کو فجر کی نماز مولانا یوسف صاحب نے پڑھائی اور قنوت نازلہ پڑھی، نماز کے بعد ایک میواتی خادم نے آواز دی کہ حضرت یاد فرماتے ہیں۔ مولانا نے ارشاد فرمایا

''قنوت نازلہ میں دوسرے کفار کے ساتھ ان غیر مسلم فقراء اور اہل ریاضت کی نیت بھی کرلی چاہیے جو اپنی قلبی قوت کو اسلام کے خلاف استعمال کررہے ہیں۔''

سہارنپور کے اس مناظرہ کے واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا جس میں ایک ہندو جوگی مناظر اسلام کے خلاف اپنی قوت قلب استعمال کررہا تھا اور مسلمان مناظر اظہر خیال میں دقت محسوس کررہا تھا۔ مولانا خلیل احمد صاحب تشریف رکھتے تھے، ان کو توجہ دلائی گئی، آپ نے جب توجہ کی تو

سارا مجمع مشوش ہو کر جلسہ سے اٹھ گیا اور مستقر اسلام کی زبان کھل گئی۔

(حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۱۷۵)

مجھے دین پر کیوں مقدم رکھا؟

ایک جمعہ کی صبح کو بڑا مجمع تھا، مرادآباد کی جماعت اور کچھ علماء آئے ہوئے تھے، کہنے کے لئے اس خاکسار کا انتخاب ہوا۔ میں نے تقریر، تقریر کے انداز پر شروع کی اور مضمون کو پھیلایا۔ کچھ دیر کے بعد مولانا کا حکم پہنچا کہ اصل موضوع پر آؤ اور پیغام پہنچاؤ۔ چارپائی حجرہ میں پہنچائی گئی اور میں نے اصل بات کہہ کر تقریر ختم کی۔

عصر کو معمولاً مجمع ہو جاتا اور عموماً مولانا حاضرین کے نام کوئی پیغام دیتے جو لوگوں کو سنا دیا جاتا۔ اس روز حرارت تیز تھی اور غفلت تھی، کچھ نہ فرما سکے۔ میں صبح کا ڈرا ہوا تھا۔ شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا بھی، مگر میں نے کہا کہ کیا کہوں تقریر تو مقصود نہیں اور اس وقت کہنے کی کوئی خاص بات معلوم نہیں۔ ہوش آیا تو فرمایا کہ آج مجمع سے خطاب کیوں نہیں ہوا؟ وقت کیوں ضائع کر دیا گیا؟ عرض کیا گیا کہ جناب نے کچھ کہنے کو فرمایا نہیں۔ ارشاد ہوا کہ مجھ سے پوچھا کیوں نہیں؟ جواب دیا کہ جناب کو تیز حرارت تھی، ایسی حالت میں تکلیف دینا مناسب نہ معلوم ہوا۔ فرمایا، تم نے مجھے دین پر کیوں مقدم رکھا؟ میری تکلیف کا خیال کیوں کیا؟ وقت کے نکل جانے پر بہت افسوس فرماتے رہے۔ (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۱۸۳)

آ مل سے لے، ہم تو چلے

رات سے سفر کا اہتمام تھا، پوچھا کہ کیا کل جمعرات ہے؟ عرض کیا گیا جی ہاں۔ فرمایا کہ میرے کپڑوں کو دیکھ لو، کہیں کوئی نجاست تو نہیں ہے۔ یہ معلوم کر کے کہ نہیں ہے، اطمینان و خوشی ہوئی۔ چارپائی سے اتر کر وضو کے ساتھ نماز پڑھنے کی خواہش کی مگر تیمارداروں نے منع کیا۔ جماعت کیساتھ عشاء کی نماز شروع کی مگر قضاء حاجت کی ضرورت پیش آگئی۔ بعد میں دوسری جماعت سے حجرہ میں نماز پڑھی۔ فرمایا: آج کی رات دعا اور دم کثرت سے کراؤ۔ یہ بھی فرمایا کہ آج میرے پاس ایسے لوگ رہنے چاہئیں جو شیاطین اور ملائکہ کے اثرات میں امتیاز کر

سکیں۔ مولوی انعام الحسن صاحب سے پوچھا کہ وہ دعا کس طرح ہے اللھم ان مغفرتک؟ انہوں نے پوری دعا یاد دلائی۔

اللھم ان مغفرتک اوسع من ذنوبی و رحمتک ارجی عندی من عملی۔

''اے اللہ تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے اور مجھے اپنے عمل سے زیادہ تیری رحمت کا آسرا ہے۔''

یہ دعا ورد زبان رہی۔ فرمایا، آج یوں جی چاہتا ہے کہ مجھے غسل کرا دو اور پیچھا تار دو، دو رکعت نماز پڑھ لوں، دیکھو پھر نماز کیا رنگ لاتی ہے۔

بارہ بجے گھبراہٹ کا ایک دورہ پڑا، جس پر ڈاکٹر کو فون کیا گیا۔ ڈاکٹر آئے اور گولی دی۔ رات کو بار بار اللہ اکبر اللہ اکبر کی آواز آتی رہی۔ پچھلے پہر مولوی یوسف صاحب اور مولوی انعام الحسن صاحب کو یاد فرمایا۔ مولوی یوسف صاحب سے فرمایا ''یوسف! آ مل لے ہم تو چلے۔'' اور صبح کی اذان سے پہلے جان، جان آفرین کے سپرد کی۔ اور عمر بھر کا تھکا مسافر جو شاید کبھی اطمینان کی نیند سویا ہو، منزل پہ پہنچ کر میٹھی نیند سویا۔

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۱۹۴)

کامل یکسوئی اور انہماک

فرماتے تھے کہ:

''میرے لئے کسی دوسری چیز سے اشتغال کب جائز ہے جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک کو (مسلمانوں کی موجودہ حالت اور دین کے ضعف و تنزل اور کفر کے غلبے سے) اذیت ہے۔''

ایک روز ایک خادم نے شکایت کی کہ جو شفقت اور نظر خاص پہلے تھی اس میں کمی معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا:

''میں بہت مشغول ہوں، میں محسوس کر رہا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کو اذیت ہے، میں کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔''

کبھی اپنی مثال اس سپاہی سے دیتے جو چوراہے پر کھڑا سواریوں اور گاڑیوں کو قابو میں رکھتا ہے اور ان کو چلنے اور رکنے کے اشارے کرتا ہے۔ فرماتے کہ دوسرے کام بھی اہم اور مفید ہیں مگر اس کے لئے اپنی جگہ سے ہٹنا ممنوع اور خطرناک ہے۔ دوسری چیزوں سے اسکی توجہ ہٹالی تھی اور اپنے کام میں ایسے مشغول ہو گئے تھے کہ ماحول کی بہت سی چیزوں کی طرف توجہ کا موقع نہیں ملتا تھا۔ (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت :۲۱۱)

مقصد کا عشق

آخری علالت میں ضعف کی وجہ سے بعض مرتبہ اسکی کسی خوشی کا تحمل نہ ہوتا۔ جنوری ۱۹۴۴ء میں جب لکھنؤ کی جماعت گئی تو ایک دن صبح کی نماز کے بعد مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ میرے آنے کے بعد تو کان پور میں کام ختم ہو گیا ہوگا؟ (اس قسم کی اطلاعات غالباً مولانا کو پہنچی تھیں)۔ میں نے عرض کیا کہ لکھنؤ سے ایک جماعت گئی تھی اور الحمد للہ کام پھر شروع ہو گیا ہے۔ حاجی ولی محمد صاحب کی طرف میں نے اشارہ کیا کہ یہ بھی اس جماعت میں تھے۔ مولانا نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے اور ان کے ہاتھ چوم لیے اور فرمایا کہ میرا خوشی سے سرد کھ گیا، مجھے اب بہت خوش بھی نہ کیا کیجئے، مجھ میں خوشی کا تحمل نہیں رہا ہے۔

(حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۲۱۷)

کچھ تو سمجھے خدا کرے کوئی

مولانا کا سا درد اور بے قراری دیکھنے میں نہیں آئی۔ جس شخص نے نہیں دیکھا وہ تصور نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات ماہی بے آب کی طرح تڑپتے، آہیں بھرتے اور فرماتے "میرے اللہ میں کیا کروں، کچھ ہوتا نہیں۔" کبھی کبھی دین کے اس درد اور فکر میں بستر پر کروٹیں بدلتے اور بے چینی بڑھتی تو اٹھ اٹھ کر ٹہلنے لگتے۔ ایک رات والدہ مولانا یوسف صاحب نے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے کہ نیند نہیں آتی؟ فرمایا:

"کیا بتلاؤں؟ اگر تم کو وہ بات معلوم ہو جائے تو جاگنے والا ایک نہ رہے دو ہو جائیں۔"

بعض اوقات دیکھنے والوں کو ترس آتا اور تسکین دیتے۔ بعض مرتبہ اس جوش کے ساتھ گفتگو کرتے کہ معلوم ہوتا سینہ میں تنور گرم ہے۔ حمیت اسلامی اور جذبات کا ایک طوفان برپا ہے۔ زبان ساتھ نہیں دیتی اور الفاظ مساعدت نہیں کرتے۔ بعض مرتبہ پورا دردِ دل کہنے کے بعد غالب کے مشہور شعر کو بڑی لطیف ترمیم کے ساتھ پڑھتے:

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا
کچھ تو سمجھے خدا کرے کوئی

(حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت۔ ۲۱۹)

ہمیں اپنی محرومی پر شرمندہ ہونا چاہئے

کشاج پور میں پہاڑ کی چڑھائی تھی، بیل گاڑی کا سفر تھا۔ گاڑی راستہ میں الٹ گئی، لوگوں کو چوٹ آئی۔ خدا خدا کر کے لوگ اوپر پہنچے لیکن نہایت خستہ، گرد آلود۔ بعض وہ علماء بھی ساتھ تھے جو تکلیفوں کے عادی نہیں تھے۔ لیکن قبل اس کے کہ لوگ تکان اور تکلیف اور خستگی کی شکایت کریں، مولانا نے یہ کہہ کر ان کی طبیعت کا رخ بدل دیا کہ:

''دوستو! ساری عمر میں آج ایک دن تم کو جو حرا کی سی چڑھائی پیش آئی، یہ تو وہ رسول اللہ ﷺ کو کتنے بار پیش آئی تھی، ہمیں اپنی اس محرومی اور کوتاہی پر شرمندہ ہونا چاہئے۔''

اب کون تھا کہ حرف شکایت زبان پر لاتا۔ (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۲۲۸)

ملی غیرت

ایک مرتبہ خاکسار راقم الحروف نے لال قلعہ کے پاس سے گزرتے ہوئے پوچھا کہ کبھی جناب نے لال قلعہ بھی دیکھا ہے؟ فرمایا:

''میں لال قلعہ کی سیر کو بے حسی سمجھتا ہوں۔ ہاں میں نے بچپن میں اس وقت دیکھا ہے جب دکھانے والے رو رو کر دکھاتے تھے۔''

(حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۲۲۹)

حلم و بردباری

کاندھلہ میں تبلیغی جماعت گئی ہوئی تھی، مولانا مسجد میں تھے، جماعت گشت کر کے واپس ہوئی تو اپنے ساتھ ایک نوجوان کو لائی، مولانا مسجد سے نکل رہے تھے۔ جماعت کے لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ شخص ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھتا اور اس کے تمسخر واستہزاء کی شکایت کی۔ وہ مولانا کو دیکھ کر بجائے احترام کے زور سے ہنسا۔ مولانا نے اس کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

"اللہ تجھے ہنساتا ہی رہے۔"

اور بڑی سادگی سے نماز کی نصیحت کی۔ اس نے فوراً اقرار کر لیا اور لوگ اسے مسجد میں لے گئے۔

ایک مرتبہ دوران تبلیغ میں آپ نے ایک شخص پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ آگ بگولہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر اب کے تم نے ہاتھ لگایا تو میں لٹھ ماروں گا۔ آپ نے فوراً اس کے پاؤں پکڑ لئے اور فرمایا "پاؤں کو تو نہیں کہا تھا۔" اس کا غصہ کافور ہو گیا اور فوراً نرم پڑ گیا۔

(حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۲۲۵)

رعایت حقوق

کاندھلہ کے سفر میں ایک مرتبہ کثرت ہجوم کی وجہ سے آپ سیکنڈ کلاس میں بیٹھے اور خیال کیا کہ ٹکٹ چیک کرنے والا آئے گا تو ٹکٹ بنوالیا جائے گا۔ وہ آیا تو اس نے ایسی بے ڈھنگی گفتگو کی کہ مولانا کو غصہ آ گیا اور اس کو ڈانٹ دیا۔ ٹکٹ بنانے کے بعد وہ چلا گیا تو مولوی انعام الحسن صاحب نے، جو ساتھ تھے، کہا کہ حضرت اس کو تو کہنے کا حق تھا ان بصاحب الحق مقالاً "جس کا حق آتا ہو وہ کہنے سننے کا مجاز ہے"۔

مولانا نے فوراً ہی اپنی غلطی کا اعتراف فرمالیا اور واپسی میں اسٹیشن سے اتر کر اس ٹی ٹی آئی سے معذرت کی اور معافی مانگی۔ (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۲۲۸)

آپ برکت کے لئے بیٹھے

لکھنؤ کی تشریف آوری کے موقع پر اسٹیشن سے روانہ ہو کر قیصر باغ میں ایک سبزہ زار پر

نوافل پڑھے اور دعا فرمائی۔ ایک رومال بچھا دیا تھا جس پر مولانا نے نماز پڑھی، جماعت کے دوسرے افراد قریب کھڑے تھے۔ مولانا نے جناب حافظ فخر الدین صاحب کو رومال پر بٹھا لیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ بھائی اہل لکھنؤ کا بھی ایک نمائندہ ہونا چاہئے۔

جماعت میں لکھنؤ کا میں ہی تھا اور میری ہی طرف اشارہ تھا۔ میں نے اتنے معززین کی موجودگی میں خصوصیت کی جگہ بیٹھنے میں تکلف کیا تو فوراً فرمایا کہ یہ رومال حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، آپ برکت کے لئے بیٹھیے۔ اس طرح مجھے بھی ہمت ہوئی اور ارشاد کی تعمیل کی۔ (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۲۵۳)

انکساری

ایک مرتبہ ایک صاحب نے قالین ہدیہ کیا۔ مولانا کی طبیعت پر یہ قیمتی قالین بڑا بار رہا۔ اس پر ایک بڑی لطیف تقریر فرمائی اور شہر کے ایک بڑے عالم کی خدمت میں یہ کہہ کر اس کو پیش کر دیا کہ ہدیہ کرنے والے نے مجھے عالم سمجھ کر پیش کیا تھا، میں جس کو عالم سمجھتا ہوں، اس کی خدمت میں پیش کر کے سبکدوش ہو جاتا ہوں۔

(حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۲۵۸)

دل آزاری سے بچنا

آخری علالت کے آخری ایام میں جب کہ زائرین کی کثرت ہوتی تھی، اور حالت کی نزاکت کی وجہ سے مصافحہ سے آپ کو روک دیا گیا تھا، ایک اجنبی شخص ایک دن ملنے آئے اور حاضرین مجلس کے اوپر سے پھلانگتے ہوئے مصافحہ کے لئے بڑھے۔ ایک میواتی خادم نے بڑھ کر ان کو ہاتھ سے روک دیا، جس سے وہ بہت غضبناک ہوئے اور علماء اور مولویوں کو برا بھلا کہتے ہوئے چل دیئے۔

حضرت مولانا نے اس میواتی خادم کو اشارہ سے قریب بلا کے بہت تنبیہ کی اور فرمایا "کسی مسلمان کا دل دکھانا اللہ کے یہاں بہت مبغوض ہے، جاؤ اس شخص سے معافی چاہو اور اس کو راضی کر کے واپس آؤ۔" چنانچہ اس بیچارے نے ایسا ہی کیا اور راقم السطور نے بھی مسجد

سے باہر یہ تماشا دیکھا کہ وہ صاحب بے تکان گالیاں دے رہے ہیں اور وہ بیچارہ میواتی ہاتھ جوڑے سامنے کھڑا ہے اور صرف یہ کہتا ہے کہ میں نے آپ کا دل دکھایا ہے، یا تو مجھے اس کی سزا دے کر یا ویسے ہی اللہ کے واسطے معاف کر دیجئے۔

(حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۲۶۹)

وسعت قلب

ایک روز میں نے عرض کیا کہ حضرت ندوہ کے لوگوں نے اہل دین کی طرف ہمیشہ عقیدت کا ہاتھ بڑھایا، مگر ان کی طرف سے اس کے جواب میں محبت کا ہاتھ نہ بڑھا، ان کو ہمیشہ بیگانگی اور غیریت کی نگاہ سے دیکھا گیا، خدا کا شکر ہے کہ آپ نے ہمارے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا اور ہمارے ساتھ یگانگت کا معاملہ کیا۔

مولانا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا:

''آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ کی جماعت تو اہل دین کی جماعت ہے۔ میں تو علی گڑھ والوں کو بھی چھوڑنے کا قائل نہیں، ان سے بھی بعد اور وحشت صحیح نہیں۔'' (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۲۷۱)

استقامت

ایک مرتبہ میں ایک سفر سے آیا۔ میرے ساتھ ایک رفیق اور تھے جن کو ریل پر ہجوم کی وجہ سے نماز پڑھنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ملتے ہی دریافت فرمایا، نماز پڑھ لی؟ عرض کیا، میں نے تو پڑھ لی، میرے رفیق پڑھ رہے ہیں۔

بڑا افسوس کیا اور اس سلسلہ میں فرمایا:

''میں جب سے اس کام سے لگا ہوں (تقریباً بیس سال سے) ریل پر کوئی نماز جماعت کے بغیر نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تراویح بھی پڑھوادی، اگرچہ بعض اوقات تراویح دو ہی رکعت پڑھنے کی نوبت آئی لیکن کلیۃً ترک نہیں ہوئی۔''

(حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۲۷۲)

تقویٰ

۱۹۳۸ء کے آخری حج میں کراچی میں دو جہازوں میں مقابلہ ہو گیا۔ ایک جہاز نے چھپن روپیہ کرایہ کر دیا۔ اس جہاز کے مسافروں کو ایک عورت انجکشن لگا رہی تھی۔ مولانا نے غصہ میں فرمایا کہ:

فریضہ ادا کرنے جا رہے ہیں اور حرام کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ میں غیر محرم عورت کے ہاتھ سے ٹیکہ نہیں لگوا سکتا۔

لوگوں نے کہا کہ اگر عجلت نہ کی گئی اور اس سے ٹیکہ لگوا کر اس جہاز پر بیٹھ نہ گئے تو چھپن کا ٹکٹ ۱۸۲ روپے کا ہو جائے گا۔ فرمایا: "چاہے جتنے کا ہو جائے۔"

مولانا نے انکار کر دیا اور جماعت ساری ٹھہر گئی۔ فون پر فون کیا گیا اور ڈاکٹر جھنجھلاتا ہوا آیا اور کہا کہ وہ پیر صاحب کہاں ہیں جو لیڈی ڈاکٹر سے ٹیکہ نہیں لگواتے؟ مولانا نے اس ڈاکٹر سے ٹیکہ لگوایا اور رفقاء نے بھی ٹیکہ لیا اور ٹکٹ بھی چھپن ہی کا ملا۔ مولانا نے فرمایا کہ:

"آج تک غیر محرم نے میرے جسم کو مس نہیں کیا، صرف ایک مرتبہ ایک عورت بیمار تھی، میں گیا تو نزع کی سی کیفیت تھی، اس نے جلدی میں میرے ہاتھ میں ہاتھ دینا چاہا، میں نے ہاتھ کھینچ لئے، صرف میرے پوروں سے اس کا ہاتھ لگ گیا۔" (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۲۲۸)

جلسہ نہ یہاں ہوا نہ وہاں

ایک مرتبہ کھتولی ضلع مظفر نگر میں تبلیغی جلسہ تھا۔ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی ہمرکابی میں وہاں پہنچے۔ اسٹیشن پر معلوم ہوا کہ والی حضرات ہاتھی وغیرہ لے کر آئے ہیں، جلوس کی شکل میں لے جانا چاہتے ہیں۔ ہم نے یہ کہہ کر کہ یہ تبلیغی اصول کے خلاف ہے، جلوس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ ایک معمولی یکہ پر بیٹھ کر قیام گاہ پر پہنچے۔

نظام کے مطابق جلسہ شروع ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ کانگریس کا بھی جلسہ ہو رہا ہے اور حضرت مدنی تشریف لائے ہوئے ہیں اور یہ جلسہ اس کی مخالفت میں کیا گیا ہے۔ حضرت

مولانا الیاس صاحبؒ نے فوراً اپنی تقریر بند کر دی اور فرمایا کہ حضرت مدنیؒ تشریف لائے ہوئے ہیں، سب لوگ چلیں کہ ان کی تقریر سنیں جہاں کانگریس کا جلسہ ہو رہا تھا۔

جب اس جگہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ جب حضرت مدنیؒ کو اس کا علم ہوا کہ تبلیغی جلسہ ہو رہا ہے اور مولانا الیاس صاحب تقریر فرما رہے ہیں تو اپنی تقریر ختم کر دی اور لوگوں کو تبلیغی جلسہ میں شرکت کی ہدایت فرما کر دیوبند روانہ ہو گئے۔

جلسہ یہاں ہوا، نہ وہاں۔ دونوں بزرگ چلی ہیں ٹکرانے والی نسلوں کے لئے اپنے خلوص اور للہیت کی ایک مثال قائم کر گئے۔ (مولانا احتشام الحسن کاندھلوی)
(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۰۴)

حضرت مدنیؒ سے بیعت

حضرت مولانا الیاسؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس تبلیغی کام کی رکاوٹ نہ ہوتی تو میں حضرت مدنیؒ سے بیعت کر لیتا اور ان کے کام میں شریک ہو جاتا۔ اور اگر کسی وقت کسی وجہ سے تبلیغی کام چھوٹ گیا تو پھر حضرت مدنیؒ کے ساتھ مل کر کام کروں گا اور کسی وقت حضرت سے کانگریس کا کام چھوٹ گیا تو وہ بھی وہی کام کریں گے جو میں کر رہا ہوں۔ فرمایا کرتے تھے کہ کانگریس میں شرکت کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ حضرت مدنیؒ اس میں شریک ہیں۔
(مولانا احتشام الحسن کاندھلوی) (مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۰۵)

میاں ظفر! تم اپنی گھڑی کی خیر مناؤ

ایک مرتبہ سہارنپور میں جمعیۃ علماء کا جلسہ تھا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب لیگ اور کانگریس کے ہنگامے شباب پر تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اس جلسہ میں تقریر کرنے والے تھے۔ مولانا ظفر احمد تھانوی نے اس وقت سر اٹھا رکھا تھا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ میں سیاست میں مولانا مدنیؒ سے مناظرہ کروں گا۔ حضرت کے خدام نے عرض کیا کہ مولانا مدنیؒ سے مناظرہ تو آپ کے بڑے کریں گے، آپ تو ہم سے ہی نمٹ لیں۔

مولانا محمد الیاس صاحب امیر التبلیغ نے سنا تو انہوں نے فرمایا کہ میاں ظفر! تم اپنی

گنگوہی کی خیر مناؤ۔ مگر وہ کب سننے والے تھے۔ بہر حال حضرت کو تو آپ کے خدام نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ حضرت آپ کی تقریر کل ہوگی۔ حضرت دیوبند واپس تشریف لے گئے۔ اس کے چند ہی دنوں کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ظفر احمد تھانوی کی خلافت چھین لی۔ اسی چیز کی طرف حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے "گنگوہی کی خیر مناؤ" کہہ کر اشارہ کیا تھا۔ (مولانا احتشام الحسن کاندھلوی)

(مولانا حسین احمد مدنی واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۸۲)

یہ ڈاڑھی سرکاری گھاس ہے

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ تبلیغ میں گئے۔ وہاں ایک نوجوان کا نکاح پڑھایا جو ڈاڑھی منڈاتا تھا اور بوڑھا باپ کتاتا تھا۔ آپ نے نوجوان سے فرمایا کہ تو ڈاڑھی مت منڈا اور بوڑھے سے فرمایا کہ تو ڈاڑھی مت کتا۔ پھر دونوں کو فرمایا کہ یہ ڈاڑھی سرکاری گھاس ہے، جو اسے کاٹے گا، اس کی پکڑ ہوگی۔ اس سے دونوں کی سمجھ میں بات اچھی طرح آگئی اور شاید اس سے بہتر طریقہ ان کے سمجھانے کے لئے کوئی اور تھا بھی نہیں۔

(ملفوظات فقیہ الامت قسط: ۳/ ۹۰)

مولانا الیاس صاحبؒ کی شفقت

ایک دفعہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے ساتھ میوات جانا ہوا۔ سخت ترین گرمی کا زمانہ تھا۔ پھر دوپہر کا وقت پہاڑ اور پتھر کے مکان تھے، ایک مکان میں لے جا کر ٹھہرا دیا۔ ایک چارپائی پر مولانا الیاسؒ اور دوسری چارپائی پر ہم تین آدمی۔ ایک بڑا مجمع مصافحہ کے لئے آ گیا۔ میں نے (مولانا کی تکلیف کی وجہ سے) ان لوگوں کو روکنا چاہا، مولانا کی آنکھ کھل گئی تو فرمایا، "رو کو مت، رو کو مت"۔ اور فرمایا کہ برداشت کرو، آنے دو۔

پھر فرمایا، "مولوی محمود! جب تک طالب کے قلب میں اپنی اتنی قدر پیدا نہ کر دو کہ وہ تمہاری جوتیوں کو چپاتی سمجھنے لگیں، تب تک ان پر سختی کرنے کا حق نہیں ہے۔" اسکے بعد آنے والوں سے مصافحہ کیا۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط: ۵/ ۵۲)

اتنی سی بات

ایک جگہ پر جانا ہوا۔ درمیان میں جمعہ کا دن آیا۔ جمعہ کی نماز راستے میں ایک بستی میں پڑھنی تھی، وہاں ٹھہرنا نہیں تھا۔ صرف جمعہ کی نماز پڑھنی تھی۔ مگر وہاں پہلے سے خبر پہنچ گئی، کچھ بھائی لوگ (مخالفین) بھی وہاں تھے۔ انہوں نے جب (ہم لوگوں کو) دیکھا تو کہنے لگے، او ہو! یہ آ رہے ہیں۔ شور کرنا شروع کر دیا کہ تقریر نہیں ہو سکتی (مولانا الیاسؒ اور ہم لوگوں کی)۔ کسی نے کہا کہ ضرور ہوگی، کسی نے کہا نہیں ہوگی۔

مسجد میں پہنچے تو یہی ہنگامہ۔ وہاں کے امام صاحب کہنے لگے، "آج مولانا صاحب آئے ہیں، یہ تقریر کریں گے اور نماز پڑھائیں گے تو اس سے ان کی شان بڑھ نہیں جائے گی۔ ان کے جانے کے بعد تو میں ہی ہوں، جو کچھ ہوں تو نا پھوٹا قاضی۔" اس پر بھی کسی نے کہا کہ تقریر نہیں ہوگی، کسی نے کہا ہوگی۔

میں نے (حضرت مفتی صاحب نے) کھڑے ہو کر کہا کہ تقریر نہیں ہوگی، مولانا تقریر کرنے کے لئے تشریف نہیں لائے ہیں۔ اور امام صاحب سے کہا کہ نماز آپ پڑھائیں گے، مولانا (الیاس صاحبؒ) نہیں پڑھائیں گے بلکہ وہ آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

اس کے بعد امام صاحب نے نماز شروع کی۔ نماز کے بعد فوراً کسی نے کہا کہ مولانا کا وعظ ہوگا۔ ادھر سے کسی نے کہا کہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس طرح شور و شغب مسجد میں ہوتا رہا۔ مولانا (الیاس صاحب) بڑے اطمینان سے سنتیں پڑھتے رہے۔ سنتوں سے فارغ ہو کر مولانا کھڑے ہوئے اور ہم سے خطاب فرمایا، "کیوں بھئی! تمہیں تقریر کرنے پر اتنا اصرار کیوں ہے؟ کیا تم لوگوں کا کام تقریریں کرنا ہے؟"

میں نے کہا، "حضرت! بالکل نہیں، یہاں تقریر نہیں ہوگی، ہم تقریر کرنے نہیں آئے، ہمارا کام صرف تقریریں کرنا نہیں ہے۔"

اس پر مولانا نے فرمایا، "ہاں! بالکل نہیں، ہمارا کام تقریریں کرنا نہیں ہے اور نہ ہم تقریر کرنا جانتے ہیں، ہم تو صرف اتنی سی بات کہتے ہیں اور اتنی سی بات ہم کو کہنی ہے کہ، وہ یہ کہ ....." اور اس "اتنی سی بات" کو ڈیڑھ گھنٹہ میں بیان فرمایا۔ "لوگ موجود تھے، پولیس بھی

تھی مگر جو حیاء تھا اسی حالت میں ہکا بکا اور ساکت رہ گیا۔ قریب ڈیڑھ گھنٹہ بیان فرمانے کے بعد کہا: "بس اتنی سی بات کہنی تھی اور کچھ نہیں کہنا، ہم جا رہے ہیں والسلام علیکم۔"

(ملفوظات فقیہ الامت قسط: ۵، ۴۳)

ہندو مسلم کا فرق

ایک مرتبہ مولانا الیاس صاحبؒ ایک بستی میں پہنچ گئے۔ دریافت کیا کہ یہاں کون لوگ رہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ مسلمان لوگ رہتے ہیں۔ پوچھا: اس دوسرے گاؤں میں کون رہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہندو رہتے ہیں۔ فرمایا: تم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ کہنے لگے: "فرق صرف یہ ہے کہ ان کا نکاح پنڈت پڑھاتا ہے، ہمارا نکاح قاضی پڑھاتا ہے، بس۔"

غرض کوئی چیز ان میں ایمان و اسلام کی نہیں رہی تھی۔ نام ان لوگوں کے گنگا داس، جمنا داس تھے۔ گھروں میں بت رکھے ہوئے تھے، کسی کسی گاؤں میں مسجد بھی تھی لیکن اس مسجد میں بھیڑ بکریاں بندھتی تھیں، چھپنیوں کے ڈھیر تھے۔ ایسے علاقوں میں کام کیا مولانا الیاسؒ اور ان کی جماعتوں نے۔ جگہ جگہ پر مکتب قائم کئے، پھر کو اسلام تھوڑا تھوڑا کر کے تقسیم کیا۔

(ملفوظات فقیہ الامت قسط: ۵، ۴۵)

اب فاقہ نہیں آئے گا

مولانا یوسف صاحب نے خود ایک موقع پر ایک صاحب کے استفسار پر بیان فرمایا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے دور میں شروع شروع کئی کئی فاقے ہو جاتے تھے اور مدرسہ کاشف العلوم میں کام کرنے والے حضرات بھی اس سے لطف اندوز ہوتے۔ ایک بار مسلسل کئی دن سے فاقہ تھا اور اندر باہر کچھ نہ تھا۔ حضرت اپنے حجرہ سے نکلے اور حوض کے کنارے اہل مدرسہ کو جمع کر کے فرمایا کہ دیکھو تم لوگ میری وجہ سے پریشان مت ہو، تم یہاں سے کہیں اور جا سکتے ہو، کسی اور مدرسہ میں کام کر سکتے ہو، میں اکیلا ہوں، حوض کا پانی پی کر گزارا کر لوں گا، گھر اور مدرسہ کے خزانہ میں کچھ نہیں ہے۔

حضرت کے اس فرمانے پر سب اہل مدرسہ نے ایک زبان ہو کر عرض کیا کہ حضرت! ہم بھی آپ کے پاس رہیں گے چاہے ہم کو بھی حوض کا پانی پینا پڑے۔

حضرت اس جواب پر آبدیدہ ہو گئے، اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد نکل کر باہر آئے اور فرمایا، اللہ برکت دے گا اور آسانی مہیا کرے گا۔

اس کے بعد مولانا یوسف صاحب ہی سے سنا ہوا واقعہ ہے کہ جب بھی کہیں سے آٹا آتا تھا تو ایک صندوق میں جو اسی مقصد سے رکھا رہتا تھا، بھر دیا جاتا تھا اور اندر یا ہر صرف میں لایا جاتا تھا۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ صندوق میں آٹا بالکل نہ تھا اور کوئی روز سے فاقہ کی حالت چل رہی تھی، مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے صندوق کھول کر صندوق کی درازوں سے آٹا نکال کر آٹا جمع کیا، وہ اتنا کم تھا کہ بڑی محنت سے جمع ہوا اور اس کی چند ٹکیاں بن سکیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب کی اس محنت اور عمل کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے حجرہ سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔ حال دریافت کیا اور انکشاف حال سے چہرہ پر ایک خاص قسم کا اثر پڑا اور حجرہ واپس تشریف لے گئے۔ کچھ دیر بعد نکلے اور فرمایا، ''یوسف! اب اس چہار دیواری کے اندر انشاء اللہ فاقہ نہ آئے گا۔'' (سوانح یوسفی ص ۱۹۴) (آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ: ۸۔۱۷)

استغنا کی حقیقت

شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں کہ:

میرے چچا نور اللہ مرقدہٗ اہل مدارس کی طرح سے امراء سے تبلیغ کی وجہ سے ملنے کی نوبت تو بہت آتی تھی مگر بہت ہی استغناء کے ساتھ جو قابل دید تھا۔ جب کوئی تبلیغ کیلئے بھی ہدیہ پیش کرتا تو ان کا مشہور مقولہ تھا کہ مجھے آپ کے پیسے نہیں چاہئیں، مجھے تو آپ کی ذات چاہئے، آپ اس مبارک کام میں شرکت فرماویں اور ان پیسوں کو اپنے اور اپنے رفقاء پر خرچ فرماویں تو وہ میرے لئے زیادہ موجب مسرت ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ بعض اہل دین اور اصحاب علم کو استغناء کے باب میں بڑا سخت مغالطہ ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ استغناء کا مقتضاء یہ ہے کہ اغنیا اور اہل ثروت سے مطلقاً ملاقات نہ کی جائے اور ان کے اختلاط سے کلی پرہیز کیا جائے حالانکہ استغناء کا منشاء صرف یہ ہے کہ ہم ان کی دولت کے حاجت مند بن کر ان کے پاس نہ

جائیں اور طلب جاہ و مال کے لئے ان سے نہ ملیں۔ لیکن ان کی اصلاح کے لئے اور دینی مقاصد کے لئے ان سے ملنا اور اختلاط رکھنا ہرگز استغناء کے منافی نہیں بلکہ یہ تو اپنے درجہ میں ضروری ہے۔ ہاں اس چیز سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے کہ ان کے اس اختلاط سے ہمارے اندر حب جاہ و مال اور دولت کی حرص پیدا نہ ہو جائے۔ (آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریا: ۲۱۶)

صرف دین کے لئے آتا ہوں

تبلیغی کام کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعض حضرات کی چیزیں بعض دینی مصلحتوں سے استعمال فرمائیں تو مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مناسب نہیں جانا۔ وہ خود اپنا ایک واقعہ سناتے ہیں کہ حضرت جی (مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ) بعض دفعہ دہلی کے تاجروں کی کاریں استعمال فرمالیا کرتے تھے، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی کہ امراء کا احسان لیا جائے۔ ایک دن میں نے حضرت سے خلوت میں وقت مانگا۔ حضرت جی نے دے دیا۔ میں نے ادب سے عرض کیا کہ حضرت! امراء کی کاریں آپ استعمال فرماتے ہیں، یہ بات بظاہر استغناء کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ حضرت جی نے فرمایا: "یوسف! جو کچھ کرتا ہوں، سوچ سمجھ کر کرتا ہوں اور صرف دین کے لئے کرتا ہوں۔"
(آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریا: ۲۱۷)

سارے لوگ بیٹھ گئے

میاں جی عبداللہ کو مولانا محمد الیاسؒ نے مراد آباد بھیجا۔ یہ کل چار آدمی تھے۔ انہوں نے سوچا کہ ہم چاروں جاہل اور غریب آدمی ہیں اور مراد آباد بڑے مالداروں اور اہل علم کا شہر ہے۔ سٹیشن سے واپس آکر عرض کیا کہ ہم جاہل اور غریب لوگ ہیں اور مراد آباد بڑے علماء اور مالداروں کا شہر ہے۔ مولانا الیاسؒ نے فرمایا کہ دو دن اعلان کرو۔ اگر کوئی نہ بیٹھے تو تیسرے دن چاروں شہر کے چار رستوں میں جاکر تمام دن روؤ، پھر آکر اعلان کرو۔
انہوں نے ایسا ہی کیا۔ دو دن اعلان کرتے رہے، کوئی نہ بیٹھا۔ تیسرے دن شہر کے کنارے پر جاکر سارا دن روئے۔ پھر شام کو جب اعلان کیا تو کوئی آدمی نہ اٹھا، سارے کے سارے بیٹھ گئے۔ (روایت ڈاکٹر نادر علی خان پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی بھارت)

ایک آم سے مجھے تبلیغ سمجھا دی

مولانا عمران خان مرحوم (پرنسپل ندوۃ العلماء لکھنؤ) فرماتے ہیں کہ جب مولانا محمد الیاسؒ ندوۃ میں آتے تو میں سمجھتا کہ اچھے آدمی ہیں، اچھا کام کرتے ہیں، لیکن میں بھی بڑا آدمی ہوں، بڑا کام کر رہا ہوں (اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء کے پرنسپل تھے)۔

ایک دفعہ میں نظام الدین مولانا الیاس کے پاس آیا، مولانا الیاس نے ایک آم لے کر فرمایا، ''تم نے چکھا ہے؟ بڑا لذیذ ہے، بڑا میٹھا ہے، بڑا خوبصورت ہے، بڑا نفیس ہے، بڑا شیریں ہے۔'' بہت سی صفات بیان کرنے کے بعد فرمایا، ''کیا مزا آگیا؟''۔ میں نے کہا نہیں۔ جیب سے چاقو نکال کر آم کاٹا، مجھے دے کر کھانے کا حکم فرمایا۔ پھر فرمایا، ''کیسا ہے؟''۔ میں نے عرض کیا کہ ان صفات سے بڑھ کر نفیس ہے۔ آپ نے فرمایا، ''یہی مثال تبلیغ کی ہے۔'' (روایت ڈاکٹر نادر علی خان پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی بھارت)

خطرہ کا قرب

مولانا کو اچھی طرح احساس تھا کہ خطرہ قریب ہے اور وقت مقرر ٹل نہیں سکتا۔ بعض مواقع پر کسی دینی مصلحت سے یا کام کی سرگرمی بڑھانے کے لئے اس کا اظہار بھی فرما دیا کرتے تھے۔ مولانا ظفر احمد صاحب ملنے آئے تو فرمایا کہ تم نے مجھے وقت دینے کا وعدہ کیا تھا، ابھی تک اپنا وعدہ وفا نہیں کیا۔ مولانا نے کہا کہ آج کل تو گرمی بہت ہے، انشاء اللہ رمضان کی تعطیل میں آؤں گا اور کچھ وقت صرف کروں گا۔

آپ نے فرمایا: ''تم رمضان کہتے ہیں، مجھے شعبان پکڑنے کی بھی امید نہیں''۔

مولانا ظفر احمد صاحب نے قیام کا فیصلہ کر لیا۔

چودھری نواز خاں سے فرمایا کہ بھائی تم یہیں پڑے رہو، بیس دن کا حساب کتاب ہے، ادھر یا ادھر ہو جائے گا۔ (اللہ کی شان، اس فرمانے سے بیس ہی دن بعد آپ کا وصال ہو گیا)۔

خاکسار سے بھی کئی بار فرمایا کہ:

مجھے اپنے جانبر ہونے کی امید نہیں، اس مرض سے بچتا نظر نہیں آتا۔ یوں اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے، کچھ عجب نہیں ہے۔

(مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۸۱ تا ۱۴۰)

تبلیغی کام کی ابتداء

۲۸ ذی قعدہ ۴۸ھ ۲۸ اپریل ۱۹۳۰ء کو مدرسہ مظاہر العلوم کے سالانہ جلسہ سے فراغت پر مولانا محمد الیاس صاحب نے اکابرین مدرسین مدرسہ کو جمع فرما کر ضرورت تبلیغ پر ایک مبسوط تقریر فرمائی طویل گفت وشنید کے بعد یہ طے پایا کہ مدرسین مدرسہ کو بالخصوص اور طلبہ کو بالعموم اس میں کام کرنا ضروری ہے اور اسی روز سے اس کا افتتاح ہو کر کام شروع ہوا اسی مجلس میں یہ بھی قرار پایا کہ محلہ نیا بانس سے ابتداء کی جائے اور مغرب کی نماز بمعیت مولانا محمد الیاس صاحب ناظم (مولانا عبداللطیف) صاحب صدر مدرس (مولانا عبدالرحمان کامل پوری) ہر دو (شیخ زکریا) کویا مولوی منظور (سہانپوری) مولوی اسعد اللہ مولوی عبدالشکور وغیرہ اس محلہ میں نماز ادا کی اور بے نمازیوں کو جمع کر کے تقریر کی۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن ۱/۳۴۳)

تبلیغی نمبر

مولانا عبیداللہ بلیاوی فرماتے ہیں جب شروع میں مولانا محمد الیاس صاحب نے اس مبارک کام کو شروع کیا تو اس وقت تبلیغی نمبر تمیں اور ساٹھ تک گئے میں نے خود وہ کاغذ دیکھا ہے جس میں مولانا الیاس صاحب نے میوات کے چودریوں کو جمع کر کے ساٹھ نمبر لکھوائے تھے لیکن حضرت مولانا تبلیغ کے ان ساٹھ نمبروں کو کم کرتے کرتے بات چھ نمبروں پر لے آئے کہ ساٹھ زندہ کرنے میں دیر لگے گی آؤ سب مل کر ان چھ باتوں کو جن پر سب کا اتفاق ہو گیا زندہ کرلیں۔ (سوانح مولانا انعام الحسن صاحب ۱/۳۶)

آنکھوں میں آنسو بھر آئے

۱۲ دسمبر ۱۹۳۲ء کو چھیتورا تحصیل فیروز پور میوات میں ایک اجتماع منعقد ہوا جس میں مولانا محمد الیاس کے بیان اور کیفیت کے متعلق الحاج میاں رحیم بخش صاحب اس اجتماع کا

آنکھوں دیکھا حال اس طرح لکھتے ہیں۔ اس اجتماع میں حضرت جی (مولانا محمد الیاس صاحب) نے بہت دیر تقریر فرمائی اور کہا کہ دین سیکھنے کے لئے ایک چلہ کے واسطے جماعت میں نام لکھوا دو یہ سن کر لوگ گھبرا گئے اور ایک نام بھی کسی نے نہیں بولا تو یہ منظر ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے آسمان کی طرف بہت دیر تک نظر فرمائی اور جب سر نیچے کیا تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے مگر انگوٹھے سے آنکھوں میں جذب کر لئے نیچے نہیں گرنے دیئے اس کے بعد مخاطب ہو کر پورے مجمع کو خفگی کے لہجہ میں للکارا کہ آج میرے کہنے سے نام نہیں لکھوا رہے ہو اللہ کی قسم وہ وقت دور نہیں جب تمہاری جماعتیں عرب کو جائیں گی امریکہ کو جائیں گی افریقہ کو جائیں گی حضرت جی کے ان الفاظ کا یہ اثر ہوا کہ ڈیڑھ سو لوگوں نے نام لکھوائے۔ (سوانح مولانا انعام الحسن صاحب ۵۲/۱)

تبلیغی کام سے قبل میوات میں حضرت کی جدوجہد

الحاج میاں رحیم بخش حضرت مولانا الیاس کی قربانیوں جدوجہد اور مدارس قائم کرنے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں میاں جی محمد عمر صاحب کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اگر حضرت جی (مولانا محمد الیاس صاحب) ہمارے علاقہ میوات میں تشریف لے چلیں تو ہماری قوم میں دین پھیل جائے گا اس جذبہ سے حضرت جی کو دعوت دی کہ آپ میوات تشریف لے چلیں اس پر حضرت جی نے فرمایا بھائی دعوت کھانے کے لئے تو چلتا نہیں ہاں اگر کوئی دین کا کام کرو تو میں جانے کے لئے تیار ہوں۔ میاں جی نے فرمایا کہ وہ دین کا کام کیا ہے؟ حضرت جی نے فرمایا اگر قرآن پاک کے مکتب کھولو تو میں چلوں میاں جی صاحب روپڑا کا آئے بات چیت شروع کی مگر لوگ آمادہ نہیں ہوئے میاں جی صاحب سعی کرتے رہے کچھ گاؤں کے لوگوں کو آمادہ کر لیا جو کہ ذمہ دار حضرات کہلاتے تھے ان کو لے کر نظام الدین پہنچے۔ اور حضرت جی کو مدرسہ کھولنے کی دعوت پر روپڑا کا لے آئے یہ وہ موقع ہے کہ احقر (رحیم بخش) قرآن پاک ناظرہ سے فارغ ہونے کو تھا بہر حال میاں جی صاحب قافلے کے ہمراہ حضرت جی کو لائے اور جامع مسجد میں داخل ہوئے کچھ دیر قیام کے بعد محلہ ڈھوڑیا کی چوپال میں حضرت کو لے گئے وہاں انتظام کیا اور گاؤں میں منادی کرا دی گئی کہ دہلی سے ایک بزرگ تشریف لائے ہیں سب لوگ جمع ہو

جائیں گاؤں کے لوگ جمع ہوگئے حضرت جی نے کلمہ کی دعوت دی اور پانی منگوا کر سب کو وضو کرا کر وہیں چوپال میں نماز ادا کرائی پھر عصر کی نماز بھی وہیں چوپال میں ادا کرائی اس کے بعد بارہ گاؤں کے چوہدری نور بخش ولد محمد محراب کو بلوایا اور مجھ احقر (رحیم بخش) کو بلا کر فرمایا تم چوہدری کو جانتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں فرمایا ان کو تلاش کر کے بلا کر لاؤ" میں بھاگ کر گیا وہ گاؤں میں ایک بیٹھک میں مل گئے۔ میں نے کہا کہ آپ کو حضرت جی بلا رہے ہیں دہلی سے آئے ہیں چوہدری صاحب نے مجھ کو دھمکایا کہ میں کام پر لگا ہوں بھاگ جا میں نے واپس آ کر یہ قصہ حضرت جی کو سنا دیا اس پر حضرت جی نے فرمایا بھائی میں نے بڑی غلطی کی کہ اتنے بڑے چوہدری کو یہیں بیٹھے بیٹھے یہ حکم دے دیا بلکہ مجھ کو خود جانا چاہیے تھا فرمایا لڑکے چل مجھے ساتھ لے چل میں ساتھ ہو لیا اور اس جگہ پہنچا دیا جہاں چوہدری کا ٹھکانہ تھا چوہدری جی نے مجھے پھر دھمکایا کہ حضرت جی کو کیوں تکلیف دی میں خود حاضر ہو جاتا چوہدری صاحب حضرت کے ساتھ چوپال پر حاضر ہوئے حضرت جی نے ان کو کلمہ یاد کرایا اور کلمہ نماز کی تاکید فرمائی گاؤں میں پھر منادی کرا دی گئی کہ حضرت جی تشریف لائے ہیں سب آ جاؤ اور ان کی بات سنو کافی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے۔ حضرت جی نے کلمہ یاد کرنے اور نماز پڑھنے کی ترغیب دی اور پانی منگوا کر سب کو وضو کرایا اور نماز پڑھائی اس کے بعد آرام فرمایا دوسرے روز علی الصبح حضرت جی نے میاں جی محمد عمر سے فرمایا کہ کوئی مکتب کے لئے جگہ بتلاؤ اور بنیاد رکھواؤ جگہ کی تلاش کے لئے مجھ احقر سے کہا گیا کہ اپنی والدہ سے مکتب کے لئے جگہ دلواؤ" احقر نے اپنی والدہ سے کہا کہ مکتب کے لئے جگہ کی اجازت دے دیں۔ انہوں نے اجازت دے دی حضرت جی اس جگہ تشریف لے گئے بنیاد رکھوا دی اور بنیاد بھری گئی اس کے بعد فرمایا گاؤں میں کوئی مدرس تلاش کرو تو میاں جی امان اللہ صاحب کے پاس ایک شخص مسمی کریم بخش رہتا تھا اور دو چار پارے ان کو پڑھا دیتے تھے ان کو بلا کر حضرت جی نے فرمایا تم بچوں کو پڑھاؤ گے۔ انہوں نے کہا جی ہاں ان کے ہاں کرنے پر حضرت جی نے اپنے دست مبارک سے دس روپے عنایت فرمائے اور فرمایا تم کو ہر ماہ دس روپے ملا کریں گے میری طرف سے مکتب پڑھانے کے لئے اس کے بعد حضرت جی خوش خوش واپس چلے گئے پھر اس کے بعد حضرت جی نے دیگر مقامات پر اجراء

مکاتب کے لئے سعی اور دوڑ دھوپ شروع فرمادی اور مختلف مقامات پر مدارس و مکاتب کھولے گئے۔۔۔ میاں جی عبدالقدیر اور استاذ جی گھسیٹنگا والے دو افراد کو حضرت نے تیس روپے ماہوار پر مدرسوں کے امتحانات وغیرہ اور مسجدوں کی دیکھ بھال کے لئے مقرر فرمایا اور فرمایا کہ ہر ماہ مسجدوں اور مدرسوں کی کارگزاری میرے پاس بھیجتے رہو ان لوگوں نے اپنا کام شروع کر دیا اور ہر ماہ مدارس کی کارگزاری حضرت جی کی خدمت میں بھیجتے رہے۔

(سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحب ۱/ ۲۷)

اصلاح احوال کی دوسری کوشش

اصلاح احوال کے سلسلہ میں دوسری کوشش آپ نے یہ فرمائی کہ میو قوم کے خاندانی اختلافات آپس کی رنجشیں اور باہمی تنازعات کو ختم کرنے کے لئے پنچایتیں قائم فرمائیں، اس سلسلہ میں ایک بڑی پنچایت ۲ اگست ۱۹۳۴ کو قصبہ نوح ضلع گڑگاؤں میں آپ کی زیر صدارت منعقد ہوئی اس پنچایت میں رسوم شرکیہ سے احتراز کلمہ نماز کا اہتمام عقائد کے تحفظ کا وعدہ یہ پنچایت نامہ تحریری شکل میں مرتب ہوا اس موقع پر کم و بیش سو سربرآوردہ اور چوہدری صاحبان موجود تھے جنہوں نے اس پنچایت نامے پر اپنے اپنے دستخط کئے۔

(سوانح مولانا انعام الحسن صاحب ۱/ ۳۰)

نظام الدین کا قیام اور مجاہدے

جس زمانے میں آپ سہارنپور سے نظام الدین تشریف لائے تو یہاں ایک چھوٹی سی مسجد ایک بنگلہ اور مختصر حجرہ تھا یہ گویا اس وقت کل کائنات تھی قریب ہی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی درگاہ تھی وہاں بھی مختصری آبادی اور گنے چنے مکانات درہائش گاہیں تھیں باقی چاروں طرف جنگل اور سنسان علاقہ تھا مدرسہ کی بھی کوئی آمدنی نہیں تھی بس اللہ جل شانہ کی ذات پر توکل واعتماد ہی اصل سہارا تھا اس زمانے میں بکثرت فاقوں کی نوبت آتی طلبہ معلمین اور خود حضرت مولانا جنگل کی خودرو سبزیاں اور گولر وغیرہ سے پیٹ بھر لیا کرتے تھے اس فاقہ مستی کے باوجود کیا مجال تھی جو تعلیم و تزکیہ میں کوئی فرق آجاتا اسی طلبہ آپ کے پاس زیر

تعلیم تھے جن کو بڑے اہتمام و انہماک کے ساتھ دینی اسباق پڑھائے جاتے تھے۔ اسی زمانہ میں حضرت مولانا پر خلوت نشینی کا جذبہ پیدا ہوا تمام تر ریاضت و مجاہدات کے باوصف گھنٹوں گھنٹوں خلوت میں رہتے۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن ۱/۴۶)

جوش و خروش کا سمندر

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں خاکسار تھانہ بھون میں تھا کہ مولانا (محمد الیاس) کی آمد کی اطلاع ملی اور تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ وہ واپس دہلی روانہ ہوگئے۔ مجھے بھی دہلی جانا تھا اور اسی گاڑی سے مولانا ظفر احمد صاحب کے ساتھ اسٹیشن آیا دیکھا کہ ایک دبلے پتلے نحیف سے میانہ قد بڑی داڑھی کچھ پکی کچھ کچی ہاتھ میں چھڑی سر پر عمامہ مگر وہ بھی سر سے اترا کبھی سر پر رکھا ہوا اسی طرح جسم پر لمبے کرتے کے اوپر صافہ مگر وہ بھی ورپہ کبھی باہر ایک کمبل بچھائے ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے ہم دونوں بھی سلام کے بعد پاس جا کر بیٹھ گئے وہ اور مولانا ظفر احمد صاحب تو مدت کے رفیق اور ایک دوسرے کے محب اور دوست تھے مولانا نے فوراً اپنی تبلیغ کی تقریر شروع کر دی اور ان کو اپنے کام میں شرکت کی دعوت جو سے اصرار والحاح سے فرماتے رہے اور اپنے طریق دعوت کی توضیح بھی بیان فرماتے رہے وہ مجھ سے بالکل ناآشنا تھے اور میں ان کے نام اور کام سے آشنا مگر خوردان کی حیثیت سے ناآشنا تھا میں ان کی باتوں کو چپ چاپ سنتا رہا آخر میں یہ عرض کی کہ حضرت! ایسے لوگوں کو جو صرف دو چار دن آپ کی صحبت میں رہے ان کو تزکیہ و تصفیہ کے بغیر مبلغ بنا کر بھیجنا کیونکر مفید ہوگا۔ فرمایا مکتوبات مجدد الف ثانی پڑھئے معلوم ہو جائے گا دوبارہ عرض کی میں نے ان کو پڑھا ہے مگر ان سے تو اس مشکل کا حل معلوم نہ ہوسکا شاید مولانا کو کچھ اچنبا سا ہوا مولانا ظفر احمد صاحب سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے میرا نام لیا تو خوشی سے اچھل کر کھڑے ہوگئے سینے سے لگایا اور مجبور کیا کہ انہی کے ساتھ انہی کے ڈبے میں سیکنڈ کلاس میں سفر کروں میرا ٹکٹ بدلوایا اور اس وقت سے کاندھلہ تک برابر ڈیڑھ دو گھنٹے جوش و خروش سے کلام فرماتے رہے۔ ان کی زبان میں لکنت تھی تقریر پر قادر نہ تھے تقریر بھی الجھی ہوئی ہوتی تھی مگر جوش و خروش کا سمندر ان مواقع کے سارے خس و خاشاک کو بہائے لئے جاتا تھا۔

واہ رے تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا وہ بھی میرے دل میں ہے

تھوڑی گفتگو کے بعد جسمانی کمزوری اور ضعف سینہ کے باوجود ان کے پھیپھڑے ان کی پرزور تقریر اور جوش گفتگو کے تسلسل اور تواتر کے سبب سے ہر وقت اس طرح ابھر ابھر کر اٹھتے تھے کہ مجھے ڈر لگتا تھا کہ کہیں یہ پھٹ نہ جائیں یا گلے کی رگیں جو بار بار پھول جاتی تھیں وہ نہ پھٹ جائیں یہ سب سچی مگر دریا پانی روانی میں ہر خطرے سے بے ضرر اور ہر اتفاق وہ سے بے پرواہ تھا مولانا نے اس اثناء میں جو کچھ فرمایا اپنی استعداد کے مطابق اس کو پوری طرح سمجھ لیا اتنے میں کاندھلہ آیا اور وہ اتر گئے مگر مجھ سے یہ وعدہ لے لیا کہ کل رات کو دہلی میں بھاتک حبش خان میں ان کا تبلیغی جلسہ ہے میں اس میں شرکت کروں چنانچہ شریک بھی ہوا تقریر بھی کی اور مولانا نے اس کی تصدیق و تصویب بھی فرمائی۔ (چالیس بڑے مسلمان ۱/۳۴۹)

دل کی آگ

مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں ایک دو روز بعد مولانا مع اپنے دوسرے رفقاء کے آئے اور ندوہ کے مہمان خانہ میں قیام فرمایا اور تقریباً ایک ہفتے تک دن رات ساتھ رہا ہر گفتگو میں شریک اور ہر مجلس میں رفیق جیسے جیسے ملتا جاتا تھا ان کی تاثیر بڑھتی جاتی تھی مولانا کی تقریر گو الجھی ہوئی اور بیان زولیدہ بدستور تھا مگر میں نے دیکھا جو آیا وہ اثر سے خالی نہ گیا۔

ادھر کہتا گیا وہ اور ادھر آتا گیا دل میں
اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعوائے باطل میں

لکھنؤ میں کئی جلسے ہوئے اور بار بار تقریریں ہوئیں لوگوں نے مطلب سمجھا شرکت پر آمادہ ہوئے کام کا آغاز ہوا دلی سے آتے ہوئے لکھنؤ کے کوچہ کوچہ میں پھرے اور مسلمانوں کو کلمہ نماز کی تلقین کی ایک ہفتہ کے بعد کانپور کی جانب کوچ ہوا وہ تین روز قیام رہا خاکسار بھی ساتھ تھا یہاں بھی ہر وقت ان کی صحبت اٹھائی ان کی تقریریں سنیں ان کے کام کو جانچا ان کی دھن کو دیکھا ہر وقت مسلمانوں کی اصلاح دین کی سربلندی اور اعلاء کلمہ کے لئے درگاہ الٰہی میں دست نیاز دراز آنکھیں پرنم آواز دل گیر زیادہ دیکھنے والوں اور بار بار ملنے والوں کو خدا جانے

ان کی کیا کیا ادائیں پسند آتی ہوں گی مگر مجھے اس تھوڑی سی ملاقات میں ان کی تین ادائیں پسند آئیں صبح کی نماز کے بعد مقتدیوں کے رخ بیٹھ کر وہ کام کرنے والوں کو دن کا کام سمجھاتے اور بار بار ان کی کامیابی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں فرماتے تھے ان دعاؤں میں لفظا لفظا ان کے دل کی گہرائیوں سے نکل کر دوسرے کے دلوں کی گہرائی میں گھر کر لیتا تھا۔ مختلف اوقات میں ان کی زبان سے کسی قدر آواز میں دعائے ماثورہ یاحی یاقیوم برحمتک استغیث اصلح لی شانی کلہ ولا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین نکلتی تھی۔ اور ان کے لئے فقر والتجا الی اللہ کی کیفیت ظاہر ہوتی تھی وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہتے تھے اور ان سے کسی قسم کا امتیاز نہیں چاہتے تھے۔ (چالیس بڑے مسلمان ۱/۳۵۰)

تواضع

لکھنو کے قیام میں ایک دفعہ ایک دوست کے ہاں عصر کے وقت چائے کی دعوت تھی پاس کوئی مسجد نہ تھی ان کی کوٹھی ہی میں نماز باجماعت کا سامان ہوا خود کھڑے ہو کر اذان دی اذان کے بعد مجھ (سلیمان ندوی) سے ارشاد ہوا کہ نماز پڑھاؤ میں نے معذرت کی تو نماز پڑھائی نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے فرمایا بھائیو! میں ایک ابتلا میں گرفتار ہوں دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نکالیں جب سے یہ دعوت لے کر کھڑا ہوا ہوں لوگ مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں مجھے یہ خطرہ ہونے لگا ہے مجھ میں اعجاب نفس نہ پیدا ہو جائے میں بھی اپنے کو بزرگ نہ سمجھنے لگوں میں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس ابتلا سے بسلامت نکالیں آپ بھی میرے حق میں دعا فرمائیں۔ (چالیس بڑے مسلمان ۱/۳۵۱)

☆☆☆

مجاہد ملت حضرت مولانا

حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ

جمعیۃ علماء ہند کے ناظم

تحریک آزادی کے عظیم لیڈر

مسلمانان ہندوستان کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت

کرنے والے مجاہد رہنما

وفات	پیدائش
۱۹۶۲ء	۱۹۰۱ء

جہاد راہ آزادی کا بالغ نظر مخلص
مصنف بھی مفکر بھی جواں دل رہنما بھی ہے
محبت ہی محبت ہے کوئی ہو دوست یا دشمن
وفا کی گود میں پل کر جفا ناآشنا بھی ہے

گرفتاری

مولانا کا وارنٹ گرفتاری آیا اور آپ کو ندوۃ المصنفین کے دفتر قرول باغ سے گرفتار کر لیا گیا۔ جہاں آپ روزانہ اس کے ختم پر رہا کرتے تھے۔ آپ ضلع مراد آباد کی طرف سے کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے۔ لہٰذا آپ کو مراد آباد پہنچا دیا گیا۔ حسن اتفاق کہ حضرت مدنیؒ حافظ محمد ابراہیم صاحبؒ اور کئی دوسرے حضرات یہیں تھے۔ چند روز بعد رمضان آ گیا تو جیل کی بارک تراویح گاہ بن گئی۔ حضرت مدنیؒ قرآن پاک سنایا کرتے اور تمام قیدی شیخ الاسلامؒ کے پیچھے قرآن پاک سنتے۔ (تین بڑے مسلمان: ۹۱۸)

مولانا محمد میاں کی گرفتاری پر عتاب

اکتوبر میں مولانا محمد میاں گرفتار ہو کر اسی جیل میں پہنچے تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے نہایت خفگی کے ساتھ استقبال کیا اور کہا:

یہاں پہنچے بغیر چین نہ آیا۔ کیا خرابی تھی اگر باہر ہی رہتے، یہ تحریک یا نذر کرتے۔ اب باہر کا تمام کام چوپٹ ہو جائے گا۔

مولانا سید محمد میاں کے ذمے دہلی سے ہندوستان کے مشرقی کونہ تک اس قرار داد کو پہنچانا تھا۔ مولانا نے اگرچہ خاصا کام کر لیا تھا، تاہم مولانا حفظ الرحمٰن کی خواہش تھی کہ زیادہ سے زیادہ کام کرتے اور گرفتاری سے بچتے۔ انہیں کام کی اس قدر دھن تھی کہ باوجودیکہ مولانا سید محمد میاں ان سے عمر میں بڑے اور جمعیۃ کے ذمہ دارانہ عہدے پر تھے، ان کو یہ کہتے پرانے آپ کو مجبور پاتے تھے۔ (تین بڑے مسلمان: ۹۱۸)

پیرول پر رہائی سے انکار

اس زمانے میں حکومت نے سیاسی قیدیوں کے لئے پیرول کی سہولت منظور کی تھی یعنی کچھ مدت کے لئے جیل سے رہائی۔ مولانا حفظ الرحمٰن کی صحت بہت خراب تھی اور درد سر کا دورہ پڑا کرتا تھا۔ آپ کئی کئی گھنٹے پڑے تڑپتے رہتے۔ رمضان شریف میں کئی دفعہ دورا پڑا، عید کی

رات اسی طرح گزری۔ اس عارضہ کی بناء پر آپ پیرول کی سہولت سے فائدہ اٹھا سکتے تھے اور دوسرا عذر یہ تھا کہ آپ کی بڑی لڑکی شدید علیل تھی جو بعد میں تپ دق میں مبتلا ہو کر وفات پا گئیں۔ باہر کے دوستوں اور اندر کے ساتھیوں نے بے حد اصرار کیا، التجائیں کیں لیکن آپ پیرول پر رہا ہونے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۹۱۸)

دلی کے فسادات اور مجاہد ملت

انہی دنوں جب ہندوستان آزاد ہوا، مولانا کی چہیتی بیٹی خالدہ، جو انہیں بیٹوں سے زیادہ عزیز تھی، مرض دق کی آخری منزل میں تھی۔ تشویشناک حالت کی خبر پا کر مولانا پچیس اگست ۴۷ء کو سیوہارہ گئے۔ چند دن بعد خالدہ کا انتقال ہو گیا اور مولانا غم میں ڈوبے ہوئے دل کے ساتھ تین ستمبر ۱۹۴۷ء کو دلی واپس آئے۔

اگرچہ خالدہ کی موت کا حادثہ ایسا تھا کہ انہیں اپنے گھر میں چند دن اور رہنا چاہئے تھا لیکن گھر والوں کے اصرار کے باوجود مولانا دلی پہنچے تو ان کو شہر کا بھیانک منظر دیکھنا پڑا۔ سات ستمبر سے ۷۲ گھنٹے کا کرفیو آرڈر نافذ کر دیا گیا۔ پورے شہر میں موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کوئی آواز آتی تھی تو گولیوں کی یا بے بس مظلوموں کی چیخ و پکار کی۔ رات بھر خوفناک نعروں کے ساتھ پورے پورے محلوں پر مسلح چڑھائیاں، دور دور تک آگ کی لپٹیں اور دھوئیں کے غول، ہر طرف چھری بازوں اور بے باک لیڈروں کی گویا حکومت قائم ہو گئی تھی۔ ایک اندازہ کے مطابق چالیس ہزار کے قریب بے گناہ تین یا چار روز کے اندر موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ یہ قیامت جن کے سروں سے گزری، ان کا تو ذکر ہی کیا، جو باقی تھے وہ بھی دم بخود پوری مایوسی کے ساتھ اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔

اس بھیانک اور ہیبت ناک فضا میں جبکہ بڑے بڑے لیڈروں کے ہوش و حواس جواب دے رہے تھے، یہ سوچنا بھی کہ اس سیلاب بلا کو روکنے، بے گناہوں کو موت کے چنگل سے نکالنے اور ان کے تحفظ کے لئے کوئی قدم اٹھانے کی کوئی گنجائش بھی باقی ہے، کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ ایک مولانا حفظ الرحمٰن کا دم تھا جو سر سے کفن باندھ کر اٹھے اور بنام خدا ان کی ہمت نے کچھ ساتھی بھی تلاش کر لیے۔ جمعیۃ کا دفتر ریلیف کیمپ بن گیا۔ حالات انتہائی سنگین تھے۔

مگر مولانا مرحوم کی ہمت اور جوش ان سے کچھ سوا تھا۔ انہوں نے فوراً مقامی ایڈمنسٹریشن کو للکارا، جمعیۃ اور کانگریس کے با ہمت کارکنوں کو جمع کیا اور اصلاح احوال کی موثر کوشش اور تدبیر شروع کی۔ مجاہد ملت فرمایا کرتے تھے:

> ۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو سبزی منڈی میں گولا پھینکا گیا۔ وہ دلی میں قیامت خیز طوفان کا آغاز تھا۔ اسی وقت اپنے اور اپنے خدا کے درمیان یہ عہد کر لیا تھا کہ مخالفت وموافقت کے تمام قصے ختم ہو گئے، اب ہر مظلوم، ہر پریشان حال، ہر مصیبت زدہ کی امداد فرض ہے، خواہ اس کا سابق کردار کچھ رہا ہو۔

(تین بڑے مسلمان: ۴۲۳)

اس سے زیادہ شرم اور بزدلی کی بات نہیں ہو سکتی

ٹاؤن ہال امن کمیٹی کا سنٹر تھا۔ امن کی کوشش کرنے والے ہندو مسلمان یہاں تقریباً ہر دوسرے تیسرے دن جمع ہوتے تھے۔ ایک روز جب خونریزی کا دور شباب تھا، ٹاؤن ہال کے چاروں طرف مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ بلوائیوں کے ہجوم کے سامنے پولیس اور ہجوم بھی گویا ہتھیار ڈالے ہوئے تھے۔ ہندو دوستوں نے بڑے اصرار سے کہا:

> مولانا! آپ اور آپ کے ساتھی ہمیشہ قوم پرور رہے ہیں، ہماری ندامت کی کوئی انتہا نہیں رہے گی اگر آپ صاحبان پر آنچ آئی۔ یہ وحشی ہجوم کسی کے بس کا نہیں ہے۔ یہاں ہمارے تمام حفاظتی انتظامات ناکام ہو چکے ہیں۔ اوکھلے میں ایک کیمپ بنایا گیا ہے، وہاں یہ ہجوم نہیں پہنچ سکتا، وہاں فوجی دستے لگا دیئے گئے ہیں۔ آپ اور آپ کے ساتھی وہاں تشریف لے چلیں، آپ حضرات کی بڑی مہربانی ہوگی۔

اس نازک وقت میں جب موت سامنے کھڑی تھی، ہندو دوستوں کی یہ اپیل کس قدر موثر ہو سکتی تھی، آپ خود اپنے دل سے پوچھئے، کیا آپ اس وقت اس اپیل پر لبیک نہ کہتے؟ اس وقت آپ کے ساتھ اور رفقاء بھی تھے مگر سب سے پہلے جس نے تڑخ کر جواب دیا، وہ مجاہد ملت کا عالی حوصلہ تھا۔ آپ نے فرمایا:

ہمارے لئے اس سے زیادہ شرم اور بزدلی کی بات کوئی نہیں ہو سکتی کہ خود اپنے وطن میں ہم پناہ گزین بن کر رہیں۔ بے شک یہ سخت آزمائش ہے مگر اس میں ڈٹ کر اس بحران کا سامنا کرنا ہے۔

یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

(بیس بڑے مسلمان:۹۴۳)

حفظ الرحمٰن کی زندگی تک ممکن نہیں

ایک دفعہ مولانا شہر کا گشت لگا رہے تھے۔ اچانک دیکھا کہ کچھ نہتے مسلمان کسی مومن کی نماز جنازہ کی تیاریاں کر رہے ہیں، جنازہ سامنے رکھا ہوا ہے۔ مولانا تیزی سے اس مقام پر پہنچے تو صف بندی ہو چکی تھی۔ مولانا کی نظر اچانک سامنے پڑی تو دیکھا کہ چند فوجی اسلحہ سے لیس چلے آ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو صف باندھے دیکھ کر فوجیوں نے گولی چلانے کا ارادہ کر لیا اور بندوقیں سیدھی کر لیں۔ اگر چند لمحے اسی طرح بیت جاتے تو ان میں سے کوئی بھی نہ بچتا۔ مولانا اس منظر کو دیکھ کر موٹر سے کودے اور آناً فاناً ان درندے فوجیوں کے سامنے جا پہنچے اور گرج کر پوچھا:

ان نہتے مسلمانوں پر گولی چلانے کا تمہیں کس نے اختیار دیا ہے؟

مولانا کی پر وقار آواز کانپ رہی تھی۔ قومی غیرت اور حمیت کے جذبات نے ان کو فرشتہ بنا کر بھیجا تھا۔ فوجی مولانا کی اس بے باکی اور غیر معمولی شجاعت پر حیران رہ گئے۔ ان میں سے کسی نے کہا کہ یہ سب مسلمان مل کر ہم پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا:

کیا یہ نہتے مسلمان جن کے سامنے ایک بھائی کا جنازہ رکھا ہے، تم پر حملہ کر سکتے ہیں؟ اگر تم چاہتے ہو کہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلو تو یہ حفظ الرحمٰن کی زندگی تک ممکن نہیں، میں ہرگز یہ نہیں ہونے دوں گا۔

مولانا کے آہنی ارادے نے ان وحشیوں کو واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔

(بیس بڑے مسلمان:۹۴۳)

میں اکیلا ہی جاؤں گا

کنور مہندر سنگھ آئی اے ایس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سنگرور لکھتے ہیں:

۱۹۴۷ء کے فسادات کے فوراً بعد ہی جب میں دہلی میں بطور مجسٹریٹ تعینات تھا، ان دنوں مجھے وقت بے وقت دہلی کے گلی کوچوں میں گشت کرنا پڑتی تھی۔ کبھی کبھار مولانا بھی ہمراہ ہوتے تھے۔

جو شخص اپنے عقائد کا پکا ہو، بہادر بھی ہوا کرتا ہے۔ اسی جذبے نے دنیا میں غازی اور شہید پیدا کیے ہیں۔ مولانا بھی اپنی دھن کے پکے تھے اور کبھی کسی مصیبت یا رکاوٹ میں گھبراتے نہیں تھے۔ میں نے ان کو کئی بار مخدوش علاقوں میں اکیلے چکر کاٹتے دیکھا۔ ایک بار لال کنواں بازار کی ایک گلی میں کسی پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ میں پولیس کو لے کر فوراً موقعہ پر پہنچا۔ دیکھا کہ مولانا پہلے ہی وہاں موجود ہیں۔ میں نے گزارش کی کہ اب آپ تشریف لے جائیے، میں یہاں کی دیکھ بھال کر لوں گا۔ میں نے ہر چند چاہا کہ پولیس ساتھ کر دوں تا کہ مولانا کو گلی قاسم جان تک پہنچا آئے لیکن مولانا نے انکار کر دیا اور فرمانے لگے کہ میں اکیلا ہی جاؤں گا۔

میں نے تعمیل حکم میں پولیس کو کہیں اور گشت کے لئے بھیج دیا۔ مولانا پیدل ہی گلی قاسم جان کی طرف چل پڑے۔ بظاہر تو میں نے مولانا سے رخصت چاہی، جب وہ تھوڑی دور چلے گئے تو میں آہستہ سے ان کے پیچھے ہو لیا تا کہ راستے میں کہیں کوئی اور واقعہ نہ پیش آ جائے۔ مولانا کی زندگی ہمارے لئے ایک بیش بہا سرمایہ تھی، جسے ہم کسی قسم کے خدشہ میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ اس واقعہ کا ذکر آج پہلی بار کر رہا ہوں۔ مولانا کو بھی اس کا علم نہ تھا۔"

(تین بڑے مسلمان: ۹۲۴)

پانی پت میں مسلمانوں کی امداد

پانی پت میں تقریباً تیس پینتیس ہزار افراد کے متعلق حکومت اخراج کا فیصلہ کر چکی تھی مگر وہ لوگ رہنا چاہتے تھے۔ مجاہد ملت یہاں گاندھی کو دو دفعہ لے کر گئے اور فضا ہموار کرنے کی

کوشش کی، لیکن افسوس کہ وہاں کے مسلمان استقلال کا ثبوت نہ دے سکے۔

(بیس بڑے مسلمان: ۶۱۸)

زندگی کے آخری ایام...... مرض وفات

جبل پور، ساگر وغیرہ کے ان حوادث سے مولانا مرحوم کو جو قلبی اور ذہنی اذیت پہنچی اور اصلاح کیلئے ان تھک جدوجہد کا جو بے پناہ بوجھ پڑا، اس نے مولانا مرحوم کی بڑھاپے کی صحت اور توانائیوں کو بے حد مضمحل کر دیا۔ رمضان کا مہینہ تھا، اور اپنے معمول میں وہ سال کے گیارہ مہینے برابر بھاگتے دوڑتے رہتے تھے۔ مگر رمضان میں دہلی سے باہر قدم رکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر اس حال میں حالات کی سنگینی نے ان کے اس معمول کو بھی قائم نہ رہنے دیا۔ آخر فروری کو جب وہ آسام کے طویل سفر سے واپس آئے، بے حد تھکے ہوئے تھے۔ بخار بھی تھا۔ یہاں آتے ہی انہیں جبل پور کی تشویشناک خبروں سے واسطہ پڑا۔ اور پھر مسلسل کاموں میں لگا رہنا پڑا۔ رمضان ہی میں وہ جبل پور ساگر وغیرہ گئے۔ پھر کنونشن کی تیاریوں کا عظیم بوجھ بھی ان ہی پر پڑا۔

اس دوران میں بعض رفقاء کار نے بھی اپنی غلط روش سے مولانا کی قلبی اذیتوں میں اضافہ کیا اور ایسے نازک وقت میں ان کا دل دکھایا۔ شاید اسی وقت مولانا کے شعور پر مستقبل کی پرچھائیاں پڑنی شروع ہو گئی تھیں۔ چنانچہ مسلم کنونشن سے چند روز پہلے مقامی مسلم ورکرز کمیٹی کی میٹنگ میں تقریر کرتے ہوئے مولانا کی زبان سے وفات سے ایک سال قبل یہ کلمات بے اختیار نکلے:

> میں نے تو اپنے خدا سے معاملہ کر لیا ہے۔ میں نعرہ ہائے تحسین وتفرین سے بے نیاز ہو چکا ہوں۔ دنیا کی عمر ہی کتنی ہے؟ میری تو بس یہی خواہش ہے کہ اللہ کے روبرو جاؤں تو سرخرو ہو کر۔

مولانا کے ان جملوں کو دہلی کے نوجوان شاعر کامل قریشی صاحب نے اشعار کے رنگ میں یوں ادا کیا ہے:

مانا کہ غم و رنج نے مارا ہے مجھے
ہر تلخی و ترشی بھی گوارا ہے مجھے
للہ ذرا وقت کے نباض سمجھ
ملت کی تباہی نے پکارا ہے مجھے

میں وقت کی تنقید سے مرعوب نہیں
تنقید نے اے دوست سنوارا ہے مجھے
دنیا کے سہاروں کا میں قائل ہی نہیں
اللہ کی رحمت کا سہارا ہے مجھے

(تین بڑے مسلمان: ۹۴۰)

ان کی رائے درست تھی

میرا ذاتی خیال تھا کہ ملک کے موجودہ حالت کے پیش نظر مسلمانوں کو گاؤ کشی کے انسداد کا اعلان کر دینا چاہئے کیونکہ مذہباً ایسا کرنا جائز بھی ہے اور اس سے ہندو مسلم تعلقات کے خوشگوار ہونے کی امید بھی ہو سکتی ہے۔

ایک دن مولانا حفظ الرحمن صاحب سے میں نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تو حسب عادت سنتے ہی بگڑ پڑے اور لگے تقریر کرنے۔ انہوں نے کہا:

اگر تقسیم سے پہلے ہم کرتے تو اس کی قدر بھی ہوتی، لیکن اب کہا جائے گا کہ مسلمانوں نے ڈر کر ایسا کیا ہے۔ تو پھر کرنے کا کیا فائدہ؟ اس لئے مسلمانوں سے ہرگز نہیں کہوں گا کہ وہ انسداد گاؤ کشی کا اعلان کریں۔ حکومت سیکولر ہے، دستور جمہوری ہے، اگر ہندو اس سیکولرازم اور جمہوریت کو عریاں کرنا چاہتے ہیں تو وہ بڑے شوق سے گاؤ کشی قانوناً بند کروا دیں۔ اس وقت ہمارا موقف دوسرا ہوگا اور ہم اس مسئلہ پر پھر از سر نو غور کریں گے۔

مجھ کو اپنی رائے پر اتنا اصرار تھا کہ میں نے اس پر "برہان" میں لکھا۔ مگر ساتھ ساتھ مولانا حفظ

الرحمٰن کو اپنی رائے پر اس قدر پختگی تھی کہ انہوں نے میرے مضمون کا جواب ''برہان'' میں بھی دیا اور بڑے زور و شور کے ساتھ دیا۔ اس وقت تو بات میری سمجھ میں نہ آئی لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ میں ہی غلطی پر تھا اور رائے انہی کی درست تھی۔ (از مولانا احمد سعید اکبر آبادی)

(بیس بڑے مسلمان: ۹۴۳)

پوری عمر کے اشغال ایک رات کے بدلے

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے ایک مجلس میں (جو سیوہارہ میں مفتی جمیل الرحمٰن نائب مفتی دارالعلوم دیوبند کے مکان پر ہوئی) مولانا حفظ الرحمٰن کے متعلق ارشاد فرمایا کہ فسادات کے زمانہ میں دہلی کے اندر مسلمانوں کے بچانے کے سلسلہ میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے جو خدمات انجام دی ہیں، میں ان کے بدلے میں اپنی پوری عمر کے اذکار و اشغال نثار کرنے کو تیار ہوں۔ (روایت مفتی جمیل الرحمٰن نائب مفتی دارالعلوم دیوبند)

(بیس بڑے مسلمان: ۹۴۳)

جب تک بدن میں جان موجود ہے

۴۷ء سے پہلے کا واقعہ ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ کے ساتھ مولانا ریل میں تشریف لا رہے تھے۔ مشرقی پنجاب کے ایک اسٹیشن پر جب ٹرین پہنچی تو ایک مخالف مجمع نے، جس کا اختلاف سیاسی نوعیت کا تھا، حضرت شیخ الاسلامؒ پر سنگ باری شروع کر دی۔ مولانا نے شیخ کو آڑ میں لے کر خود کو بلا تامل مجمع کے سامنے پیش کر دیا۔ اور اب مولانا پر بلا تامل پتھر برسنے لگے۔ حتیٰ کہ ایک پتھر نازک موقع پر آ کر لگا۔ فرماتے تھے کہ میں یہ تہیہ کر چکا تھا کہ جب تک حفظ الرحمٰن کے بدن میں جان موجود ہے، حضرت شیخ پر آنچ نہ آنے دوں گا۔ (بروایت مفتی جمیل الرحمٰن نائب مفتی دارالعلوم دیوبند) (بیس بڑے مسلمان: ۹۴۴)

غمگسار قوم

ملت کی خدمت کے اس لامتناہی سلسلہ کے علاوہ اسی سلسلہ کا ان کا ایک عظیم اور یادگار کارنامہ یہ بھی ہے کہ حکومتی پارٹی کانگریس کے ٹکٹ پر پارلیمنٹ کا ممبر ہونے کے باوجود

مسلمانوں کے خلاف ہونے والی بے انصافیوں اور خاص کر فسادات کے سلسلہ میں انہوں نے پارلیمنٹ کے ایوان میں جس طرح تقریریں کیں (جو پارلیمنٹ کے ریکارڈ اور اخبارات کی فائلوں میں محفوظ ہیں) ان میں انہوں نے ملت کی مخلصانہ اور دردمندانہ وکالت اور حق گوئی و بے باکی کا حق ادا کر دیا ہے۔

اور اس "مجاہدانہ گفتار" کے علاوہ فسادات کے سلسلہ میں ان کا مستقل "خادمانہ کردار" یہ رہا کہ ملک کے جس حصے میں مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئی انہوں نے وہاں جلدی سے جلدی پہنچنے کی کوشش کی اور جو کچھ کر سکتے تھے، اس کے کرنے میں کوئی دریغ نہیں کیا اور ان کاموں کے تقاضے کے سامنے اپنی صحت بلکہ اپنی زندگی تک کے مسئلہ کو بھلا دیا۔

۶۱ء نومبر میں علی گڑھ وغیرہ میں فسادات ہوئے تو انہوں نے علی گڑھ کا دورہ اس حالت میں کیا کہ ان کے پھیپھڑے میں کینسر ہو چکا تھا اور اس کے اثر سے پانی کی کافی مقدار پیدا ہو چکی تھی۔ جس کی وجہ سے کھانسی کی سخت تکلیف تھی، جسم گھلا جا رہا تھا۔ لیکن انہیں اپنے اس حال کی کچھ خبر نہ تھی اور ڈاکٹری معائنہ کرانے کے لئے فرصت نہیں مل رہی تھی۔

علی گڑھ سے انہیں سیدھا دیوبند آنا تھا، یہاں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا اسی دن اجلاس تھا۔ ہم لوگ پہلے پہنچ چکے تھے۔ لیکن مولانا راستہ میں موٹر فیل ہو جانے کی وجہ سے چار پانچ گھنٹے لیٹ پہنچے۔ ہم لوگوں نے ان کی کھانسی کی تکلیف اور ان کی صورت دیکھ کر ان سے کہا کہ خدا کے لئے آپ اپنے اوپر رحم کریں اور چند روز آرام کر لیں اور باقاعدہ علاج کرا لیں۔

بہرحال اسی دن دیوبند ہی میں یہ بات طے ہو گئی کہ اب وہ دہلی پہنچ کر سب سے پہلے ڈاکٹری معائنہ کرا ئیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لیکن ملت کی بدنصیبی کہ ڈاکٹری معائنہ سے معلوم ہوا کہ ان کی کھانسی معمولی کھانسی نہیں ہے بلکہ ان کے پھیپھڑے میں پانی کی بہت مقدار ہے، پانی نکالا گیا اور علاج شروع ہوا۔ چند روز کے بعد طے ہوا کہ مولانا علاج کے لئے بمبئی جائیں، وہاں کے ڈاکٹروں نے بتایا کہ مولانا تو کینسر میں مبتلا ہیں اور پھیپھڑے میں پانی اس کا نتیجہ ہے۔ بہرحال کہنا یہ تھا کہ وہ پھیپھڑے میں کینسر لئے ہوئے اور پانی بھرے ہوئے ملت ہی کے کاموں سے علی گڑھ اور دیوبند دوڑ رہے تھے۔ (محمد منظور نعمانی)

(تین بڑے مسلمان: ۹۳۳)

وطن کی وفاداری

مدھیہ پردیش کی حکومت کو انہوں نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

ہم کسی جماعت، پارٹی یا حکومت کے وفادار نہیں ہیں، ہم صرف ملک و وطن کے وفادار ہیں۔ اگر کوئی جماعت، پارٹی یا حکومت ہم سے وفاداری کا مطالبہ کرتی ہے، تو ہم اسے بتا دینا چاہتے ہیں کہ اگر وہ جماعت یا پارٹی یا حکومت غلط راستوں پر جائے تو ہمارا کام ان کو سیدھا کرنا یا الٹ دینا ہے۔ جو افراد یا جماعتیں ہم سے وفاداری کا مطالبہ کرتی ہیں، ہم ان سے ملک کی وفاداری کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جو لوگ فرقہ پرستی، تنگ نظری یا تعصب پیدا کرتے ہیں، وہ ملک کے غدار اور وطن کے دشمن ہیں، ان کو کسی دوسرے سے وفاداری کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہے، وہ خود اپنی وفاداری کا امتحان دیں۔

(بیس بڑے مسلمان: ۵۴۹)

جلسہ میں پہنچ گئے

۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے کہ کانگریس کو غیر قانونی جماعت قرار دیا گیا اور اس کے باوجود کانگریس نے فیصلہ کیا کہ کل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ مسز سروجنی نائیڈو کی صدارت میں دہلی گھنٹہ گھر کے پاس ہوگا۔ اندھی ٹوپی میں جو نظر آتا وہ پکڑا جاتا کھدر میں جو دکھائی دیتا دھر لیا جاتا' اب ممبران کانگریس عجیب عجیب طرح کے بھیس بدل کر آ رہے تھے انہی میں مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی بھی تھے مگر دہلی وضع میں پولیس کو پتہ چل گیا اور وہ ان کے تعاقب میں چلی مگر مولانا دلی میں ہی ایک گھر سے دوسرے میں اور دوسرے سے تیسرے میں چھپے اور اس طرح پولیس اور سی آئی ڈی کو جل دیتے پھر رہے تھے یہاں تک کہ جلسہ کا مقررہ وقت ہوا اور گھنٹہ گھر پر متعین پولیس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو مولانا حفظ الرحمان سامنے ہی نظر آئے انہیں تو پہلے ہی معلوم تھا پکڑ لئے گئے جیل گئے لیکن جلسہ کر کے دو کر چکے تھے۔

(مولانا حفظ الرحمان ایک سیاسی مطالعہ ۴۱)

ایک اور گرفتاری

مولانا کا معمول تھا صبح آٹھ بجے دفتر ندوۃ المصنفین میں پہنچ جانا اور شام کو چار بجے وہاں سے رخصت ہوکر دفتر الجمعیۃ میں بیٹھنا کیا مجال کہ اس میں سرمو بھی فرق آجائے مقررہ وقت پر آئے اور مطالعہ کرتے لکھتے بولتے اور تھوڑی دیر کے لئے درمیان میں قیلولہ کرتے یہ سب معمولات بدستور قائم رہے ایک دن دوپہر کے دو بجے کا وقت تھا کہ اچانک پولیس دفتر ندوۃ المصنفین میں داخل ہوئی اور وارنٹ دکھائے مولانا حفیظ الرحمان نے ہنستے ہوئے شیروانی پہنی ٹوپی سنبھالی اپنے کاغذات لپیٹ کر رکھے اور سب سے مل ملا کر مصافحہ کرکے پولیس کے ساتھ چل دیئے پھر ان کے لئے کوئی پیغام ہے نہ گھر سے متعلق کوئی ہدایت ہے چہرہ ہے کہ اسی طرح شگفتہ ہے لب ہیں کہ ان پر تبسم کھل رہا ہے ان کے ساتھ جوان کو اس طرح جاتے دیکھ رہے ہیں دم بخود ہوکر رہ گئے ہیں۔ (مولانا حفیظ الرحمان ایک سیاسی مطالعہ ۴۲)

بے لوثی

مولانا نے دومرتبہ کانگریس کے ٹکٹ پر الیکشن لڑا مگر کانگریس کے سخت اصرار کے باوجود اس سلسلہ میں ایک پیسہ کانگریس سے نہیں لیا سب اخراجات جون کے توں خود ہی برداشت کئے اور یہی معاملہ ان کا جمعیت کے ساتھ بھی تھا دن رات اس کی خدمت کے لئے وقف تھے پھر بھی تمام خدمات آنریری تھے یہاں تک کہ پارلیمنٹ تک آنے جانے میں وہ جمعیت کی موٹر استعمال کرتے تھے تو اس کے لئے پچھتر روپے ماہوار اپنی جیب سے جمعیت کو ادا کرتے تھے۔

(مجاہد ملت مولانا حفیظ الرحمان ایک سیاسی مطالعہ ۴۶)

اخلاص وایثار

مولانا برہان الدین سنبھلی استاد تفسیر وحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء ایک سبق آموز واقعہ بیان کرتے ہیں کہ سب واقف جانتے ہیں کہ مولانا مرحوم آزادی کے بعد بننے والی پہلی پارلیمنٹ کے ممبر بنے پھر تادم آخر ممبر رہے مولانا کی زندگی کا آخری الیکشن ۱۹۶۲ء میں ہوا مولانا اپنی شدید علالت (جو بالآخر مرض وفات ثابت ہوئی) میں مبتلا رہنے کی وجہ سے ایک دن

بھی ورک نہیں کر سکے لیکن اس کے باوجود الیکشن میں نمایاں طور پر کامیاب ہوئے یہ کامیابی ایک طرف تو مولانا کی غیر معمولی مقبولیت اور اخلاص کے ساتھ ان کی قومی خدمات کا ثبوت ہے تو دوسری طرف قوم کی بیدار مغزی اور محسن شناسی کی بھی علامت ہے۔ مولانا کا حلقہ انتخاب امروہہ سنبھل تھا۔ اتنی طویل مدت تک پارلیمنٹ کے ممبر رہنے اور بلا شرکت غیرے مدتوں تک مسلمانوں کے عظیم راہنما ہونے کے باوجود مولانا اپنا ذاتی مکان دہلی میں نہیں بنا سکے اور پرانی دہلی کے محلے میں جہاں اس وقت جمعیت علماء ہند کا صدر دفتر تھا اس کے قریب ایک متوسط درجے کے کرائے کے مکان میں رہتے رہے جو کسٹوڈین کی تحویل یا ملکیت میں تھا (آزادی کے بعد ہندوستان سے پاکستان منتقل ہو جانے والے مسلمانوں کی جائیداد پر قبضہ اور اس کی نگرانی کرنے کے لئے ایک مستقل محکمہ کسٹوڈین کے نام سے مدتوں قائم رہا جس کی چیرہ دستوں نے مسلمانوں کو عاجز اور درماندہ کر رکھا تھا پھر ان مکانات کو نیلام کیا گیا اور خریداری کا اولین حقداران کے ساکنوں کو قرار دیا گیا تھا) مولانا کے مرض وفات میں اس مکان کی نیلامی کا نوٹس آیا' اتفاق سے مولانا کو جس وقت اس نوٹس کی اطلاع ان کے معتمد حاجی احسان الدین صاحب نے دی راقم الحروف (محمد برہان الدین) مولانا کے پاس حاضر تھا (مولانا مرحوم راقم کے والد ماجد مولانا قاری حمید الدین سنبھلی کے دوستوں بلکہ قدر شناسوں میں تھے اس لئے رشتے سے راقم پر بھی خاصی نظر عنایت تھی اس لئے اکثر حاضری کی سعادت حاصل کر لیا کرتا تھا مولانا نے یہ اطلاع پا کر جس تاثر بھرے بلکہ درد بھرے لہجے میں اظہار فرمایا اسے راقم بھولتا نہیں' مولانا نے فرمایا ہمارے پاس تو اتنے پیسے نہیں کہ یہ مکان خرید سکیں اور ہمارے تو آبائی مکانات جو سیوہارہ میں تھے ذمے کر ختم ہو گئے اور یہ فرماتے ہوئے ان کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں یہ تھا مولانا کا زاہدانہ کردار ان کی وجہ سے سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں لاکھوں مسلمان مالا مال اور صاحب جائیداد بن گئے مگر وہ خود اس لائق بھی نہ ہو سکے کہ سر چھپانے کے لئے معمولی سا مکان ذاتی بنا سکتے۔ (مجاہد ملت مولانا حفیظ الرحمان ایک سیاسی مطالعہ ۵۱)

مولانا کی سیاسی بصیرت

۱۹۳۰ء میں جمعیت علماء ہند نے امروہہ میں اجلاس کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ امروہہ میں

احمد رضا بریلوی کے پیروکاروں نے جمعیت کے اجلاس کو ناکام بنانے کے لئے انہی تاریخوں میں مولانا محمد علی بنائی ہوئی اس نئی جمعیت علماء کانپور کا اجلاس بھی امروہہ میں ہی رکھ دیا جو کچھ ہی دنوں پہلے جمعیت علماء ہند کی مخالفت میں بنائی گئی تھی اور جمعیت علماء ہند کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کیا کہ یہ صرف وہابیوں دیوبندیوں کی اور معاذ اللہ دشمنان رسول کی جماعت ہے مولانا محمد منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا حفظ الرحمان صاحب جو اس وقت جمعیت کے اکابرین یا اس کے ہائی کمانڈ میں تو نہیں تھے مگر اپنے سیاسی ذہن اور جرات وفعالیت کی وجہ سے اپنے اقران میں سب سے زیادہ ممتاز تھے کانگریس کی جنگ آزادی میں شرکت کے متعلق ایک ریزولیوشن اجلاس کی تاریخ سے کافی دنوں پہلے ہی دفتر کو بھیج دیا اور ساتھ ہی اشاعت کے لئے اخبارات کو بھی دے دیا اس وقت خود جمعیت کے اندر اس مسئلے پر خاصا اختلاف رائے تھا بلکہ اجلاس شروع ہونے کے دن تک جمعیت کے جو ارکان مختلف مقامات سے امروہہ پہنچے تھے ان سب کی نجی گفتگو کا خاص موضوع مولانا حفظ الرحمان کا یہ ریزولیوشن ہی بنا ہوا تھا ان کی باتوں سے ہم لوگوں نے یہ اندازہ کرلیا تھا کہ یہ ریزولیوشن پاس نہ ہو سکے گا بہرحال اجلاس شروع ہوا سب سے پہلے دستور کے مطابق صدر استقبالیہ (سید ابوالمظفر رضوی مرحوم) نے اپنا خطبہ استقبالیہ پڑھا اس کے بعد اجلاس کے صدر حضرت مولانا شاہ معین الدین اجمیری کا خطبہ صدارت پڑھا گیا ان دونوں خطبوں میں شدومد کے ساتھ اور خاص کر خطبہ استقبالیہ میں استدلال کے پورے زور کے ساتھ مولانا حفظ الرحمان کی اس تجویز کے خلاف راہنمائی دی گئی تھی لیکن جب مسئلہ سبجیکٹ کمیٹی میں آیا تو مولانا کی اس تجویز کو چار نہایت اہم اور باوزن شخصیتوں کی حمایت اور تائید حاصل ہوگئی ایک جمعیت علماء ہند کے اس وقت کے مستقل صدر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دوسرے حضرت مولانا سید سلیمان ندوی تیسرے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور چوتھے سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم یہ ناچیز (مولانا منظور نعمانی) سبجیکٹ کمیٹی میں شریک تھا جب اس ریزولیوشن پر بحث شروع ہوئی تو ایک دو موافقانہ اور مخالفانہ تقریروں کے بعد حضرت مفتی صاحب اور سید صاحب نے علی الترتیب بڑی مدلل اور بصیرت افروز تقریریں ریزولیشن کی حمایت میں کیں اس کے بعد حضرت مولانا سید حسین احمد

مدنی نے ایمانی جذبہ و جوش اور درد سے بھری ہوئی ایک تقریر فرمائی جس میں ہندوستان کی آزادی کے مسئلے کی اہمیت اور خاص کر مسلمانوں کے لئے اس کی ضرورت پر روشنی ڈالنے کے علاوہ حضرت ممدوح نے ماضی قریب اور ماضی بعید کے تاریخی واقعات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ انگریزوں نے عالم اسلام کے ساتھ کیا کیا ہے؟ اور پوری دنیا کے مسلمانوں کی تباہی و بربادی میں انگریزوں کا کتنا حصہ ہے؟ اس لئے مسلمانوں کے دشمن نمبر ایک انگریز اور صرف انگریز ہیں لہذا انگریزی اقتدار کے خلاف جو جنگ کسی کی طرف سے شروع ہو ہمیں بلا شرط اس میں شریک ہو کر اس کو تقویت پہنچانا چاہیے حضرت مولانا کی ذاتی عظمت کے ساتھ ان کی اس دردمندانہ اور جذبات سے بھرپور تقریر نے شرکاء اجلاس میں سے بہت سوں کی رائے بدل دی اس کے بعد جو کمی کسر رہی وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ساحرانہ خطابت نے پوری کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ تجویز نہ صرف یہ کہ پاس ہوئی بلکہ تقریباً بااتفاق پاس ہوئی جن چند حضرات کو اس سے اتفاق نہیں تھا انہوں نے بھی خاموشی مناسب سمجھی سوائے ایک دو صاحبوں کے یہ واقعہ ہے کہ مولانا حفظ الرحمان صاحب نے جس ناموافق ماحول میں اپنی یہ تجویز پیش کرنے کی جرات کی تھی اور اخبارات میں اعلان کیا تھا اور پھر جس شان کے ساتھ وہ پاس ہوئی اس نے مولانا کو اس نوعمری ہی میں سیاسی دنیا میں خاص اہمیت دے دی اس کے بعد سے وہ برابر اس میدان میں اپنی صلاحیتوں اور قربانیوں کی وجہ سے آگے ہی بڑھتے رہے۔

(مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمان ایک سیاسی مطالعہ ۵۸)

ملک و ملت کا غم

مولانا منظور نعمانی فرماتے ہیں علی گڑھ وغیرہ میں فسادات ہوئے تو مولانا نے علی گڑھ کا دورہ اس حالت میں کیا کہ ان کے پھیپھڑے میں کینسر ہو چکا تھا اور اس کے اثر سے پانی کی کافی مقدار پیدا ہو چکی تھی جس کی وجہ سے کھانسی کی سخت تکلیف تھی جسم گھلا جا رہا تھا لیکن انہیں اپنے اس حال کی کچھ خبر نہ تھی اور ڈاکٹری معائنہ کرانے کے لئے انہیں فرصت نہیں مل رہی تھی علی گڑھ سے انہیں سیدھا دیوبند آنا تھا یہاں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا اسی دن اجلاس تھا ہم لوگ پہلے پہنچ چکے تھے لیکن مولانا راستے میں موٹر فیل ہو جانے کی وجہ سے چار پانچ گھنٹے لیٹ

پہنچے ہم لوگوں نے ان کی کھانسی کی تکلیف اور ان کی صورت دیکھ کر ان سے کہا کہ خدا کے لیے آپ اپنے اوپر رحم کریں۔ چند روز آرام کر لیں اور قاعدہ کا علاج کرا لیں بہرحال اس دن دیوبند کی بس میں یہ بات طے ہوگئی کہ اب وہ دہلی پہنچ کر سب سے پہلے ڈاکٹری معائنہ کرائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا لیکن ملت کی بدنصیبی کہ ڈاکٹری معائنہ سے معلوم ہوا کہ ان کی کھانسی معمولی کھانسی نہیں بلکہ ان کے پھیپھڑوں میں پانی کی بہت مقدار ہے پانی نکالا گیا اور علاج شروع ہوا چند روز کے بعد طے ہوا کہ مولانا علاج کے لئے بمبئی جائیں وہاں کے ڈاکٹروں نے بتایا کہ مولانا تو کینسر میں مبتلا ہیں اور پھیپھڑے میں پانی اسی کا نتیجہ ہے بہرحال کہنا یہ تھا کہ وہ پھیپھڑے میں کینسر لئے ہوئے ہوتے اور پانی بھرے ہوئے ملت ہی کے کاموں سے علی گڑھ اور دیوبند دوڑ رہے تھے یہ عجیب اتفاق یا لطیفہ غیبی کہ بستر علالت پر مستقل لیٹ جانے سے پہلے ملت کے کاموں کے سلسلے میں مولانا کی زندگی کا آخری سفر علی گڑھ اور دیوبند کا ہوا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ملت اسلامیہ ہندیہ کا دینوی مرکز اور دارالعلوم دیوبند اس کا دینی مرکز۔

(مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمان ایک سیاسی مطالعہ ۶۳)

صلابت رائے

مارچ ۱۹۳۹ء میں جمعیت علماء ہند کا اجلاس دہلی میں مولانا عبدالحق مدنی کی صدارت میں ہوا اس میں اس وقت کے اٹھے ہوئے مسلمانوں کے ایک خاص مسئلے کے بارہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ایک تجویز پاس کرانا چاہتے تھے اور ان کو اس پر اصرار تھا مولانا حفظ الرحمان صاحب اور ارکان جمعیت میں چند صاحب رائے حضرات اس کو مناسب نہیں سمجھتے تھے لیکن جب حضرت شیخ نے اس کے حق میں اپنے خاص انداز میں تقریر فرمائی جس میں برہمی کا عنصر بھی شامل تھا تو سب حضرات نے تو خاموشی ہی میں عافیت سمجھی لیکن مولانا حفظ الرحمان صاحب اس خاص نیاز مندانہ اور عقیدت مندانہ تعلق کے باوجود جو ان کو حضرت شیخ سے تھا پوری معقولیت کے ساتھ اپنی رائے پر قائم رہے اور جب تجویز اکثریت کی تائید سے پاس ہوگئی تو انہوں نے مفصل اور مدلل اختلافی نوٹ لکھا اور اصرار کیا کہ میرا اختلافی نوٹ کارروائی میں شامل کیا جائے اور اسکو شامل کر کے چھوڑا۔ (مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمان ایک سیاسی مطالعہ ۶۴)

یار پارٹی

مولانا منظور نعمانی فرماتے ہیں دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی یا مدرسی کے زمانہ سے ان کا یہ معمول رہا تھا کہ عشاء کے بعد کسی طالب علم کے حجرے میں کچھ دیر بیٹھتے اور یہ مجلس بڑی بے تکلف گویا "یار پارٹی" ہوتی بعض طلبہ بھی شریک ہوتے مولانا نے اب تک اپنی اس وضع کو اس طرح نبایا کہ آندھی بارش کچھ ہو لیکن مولانا جب دیوبند میں ہوتے تو عشاء کے بعد کی یاروں کی یہ مجلس قضاء نہ ہوتی یہ عاجز چونکہ عشاء کے بعد جلدی سونے کا عادی ہے اور مزاج بھی قدرت نے کچھ خشک اور کم آمیز بنایا ہے اس لئے افسوس جب کہ مجھے کبھی اس لطیف صحبت میں شرکت کا موقع نہیں ملا بس مولانا ہی سے کبھی اس کی روداد سن لیتا۔

(مجاہد ملت مولانا حفیظ الرحمان ایک سیاسی مطالعہ ۴۲)

فرصت ملے تو کچھ دن آرام کرلوں

حمیدہ سلطانہ صاحبہ لکھتی ہیں مولانا بیماری کے عالم میں بھی اکثر میٹنگ میں چلے آتے تھے انجمن ترقی اردو دہلی کی آخری مجلس عاملہ کی میٹنگ ۲۵ نومبر ۱۹۶۱ کو ان کی صدارت میں ہوئی اس دن مولانا کا عالم یہ تھا کہ ان کو خاصا بخار تھا کمبل لپیٹ کر آئے تھے کھانسی دم بھر چین نہ لینے دیتی تھی سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا ان کا یہ حال دیکھ کر میں گھبرا گئی اور عرض کیا خدا کے لئے مولانا! آپ آرام کیجئے اتنا بھی کام کیا کہ انسان اپنا بالکل خیال نہ کرے اس حالت میں آپ نے تشریف لا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن آپ کی زندگی ملک کا عزیز ترین سرمایہ ہے مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں مسکرا کر فرمایا ہاں بھئی ہاں! میں بھی سوچ رہا ہوں فرصت ملے تو کچھ دن آرام کرلوں اب یہ الیکشن سر پر آگیا اس کے بعد ضرور آرام کروں گا پھر وہ اردو کے مسائل پر گفتگو فرمانے لگے اور اپنی بیماری کو اس طرح بھول گئے گویا وہ بیماری نہیں۔ (مجاہد ملت مولانا حفیظ الرحمان ایک سیاسی مطالعہ ۷۷)۔

مسلمانوں کی فکر

حمیدہ سلطانہ لکھتی ہیں مولانا چند دن کے مہمان تھے اور کمزوری کا یہ عالم تھا کہ چند منٹ

بات کرنے سے تھک جاتے تھے ان کے پاس تری پورہ سے مسلمانوں کا وفد آیا اور ان سے کہا کہ وہاں سے مسلمانوں کو نکالا جا رہا ہے مولانا تڑپ گئے مجھ سے اور انیس باجی سے فرمایا تری پورہ والوں کے لئے کچھ ہونا چاہئے آ کا بھائی اسامہ سے آئے مزاج پرسی کے لئے گئے ان سے بھی یہ اصرار کہا کہ ان مظلوموں کی مدد کیجئے معاملہ چونکہ بنگال کا تھا اس لئے انہوں نے کہا مولانا! یہ کام تو مرکزی حکومت ہی کر سکتی ہے ہم لوگ مجبور ہیں آخری مرتبہ میں ان کی خدمت میں وفات سے چار دن قبل حاضر ہوئی مجھے دیکھتے ہی فرمایا آپ اچھی ہیں؟ میں نے عرض کیا مولانا! میں تو ٹھیک ہی ہوں آپ کی علالت نے البتہ ہم سب کو فکر مند کر دیا ہے خدا آپ کو صحت دے، مسکرا کر خاموش ہو گئے اس وقت ڈاکٹر سید محمود اور حافظ محمد ابراہیم صاحب تشریف لائے حافظ صاحب سے مولانا نے فرمایا میرے کشمیر جانے کا جلدی انتظام کرا دیجئے۔ اس کے چار دن بعد بجائے جنت ارضی کشمیر کے مولانا جنت الفردوس سدھار گئے لیکن ان کی روح اب بھی یقیناً اپنی قوم و ملک کے لئے بے چین ہو گی۔

(مجاہد ملت مولانا حفیظ الرحمان ایک سیاسی مطالعہ ۹ ے)

درویش لیڈر

مولانا کی طبیعت میں فقیروں کی سی سادگی اور بوریہ نشین بزرگوں جیسا انکسار اور وقار تھا وہ ایک ایسے درویش تھے جس کی خانقاہ میں کوئی دربان نہیں ہوتا دہلی میں جمعیت کا دفتر اس درویش کی خانقاہ تھی جس کے دروازے موافق اور مخالف امیر و غریب مسلم وغیر مسلم مقیم اور مسافر سب پر ہر وقت کھلے رہتے تھے لوگ دور دور سے آتے ایک گوشہ میں اپنا سامان رکھتے اور پوچھتے مولانا حفظ الرحمان صاحب کہاں ہیں؟ مولانا موجود ہوتے تو سلام کر کے ان کے پاس بیٹھ جاتے بس اپنی بات کہنے اور اگر جی چاہے تو اس خانقاہ میں قیام کے لئے اتنا کافی تھا مولانا موجود نہ ہوتے تو لوگ کئی کئی دن انتظار کرتے مولانا ہر طرح کے لوگوں سے ایک ہی طرح ملتے اور سب کے مسائل کو کمال توجہ سے سنتے اور ان کے حل کی تدبیریں سوچتے اور بتاتے اور جتنا ہو سکتا تھا اتنا کرنے کے لئے خوشی سے تیار رہتے مولانا نے اپنی امنگوں کو قوم کی امنگوں سے اپنی ضرورتوں کو قوم کی ضرورتوں سے کچھ اس طرح ہم آہنگ کر دیا تھا کہ ان کی

انفرادی زندگی جماعتی زندگی اور جماعتی زندگی ان کی انفرادی زندگی بن گئی تھی۔

(مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمان ایک سیاسی مطالعہ ۹۰)

کشادہ دلی اور مذہب کی تبلیغ

ایک نیشنلسٹ مسلمان صاحب نے کہا کہ ہم کانگریس میں جاتے ہیں تو وہاں کی دیوار کے اندر گھس نہیں پاتے ہیں آپ کے ہاں آتے ہیں تو آپ ہر وقت مذہب کی بات کرتے ہیں اس لئے ہم اپنی الگ جماعت چاہتے ہیں مولانا نے جلسہ کو منظور کرتے ہوئے جواب دیا آپ جلسہ ضرور کریں ہال کا کرایہ ہم دیں گے فرش فروش وغیرہ ٹھیک کرادیں گے اور آپ کی ہر مدد کریں گے مگر جلسہ کی باگ دوڑ آپ اپنے ہاتھ میں رکھیں اپنی مذہب والی بات تو وہ ہم آپ کو ضرور سنائیں گے آپ یہاں نہیں سنیں گے تو گھر پر آپ کو سنائیں گے آپ ہمیں دھتکاردیں گے تو ہم چلے آئیں گے مگر پھر جائیں گے غرضیکہ ہم آپ سے کہتے رہیں گے اور تھکیں گے نہیں۔ (مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی ۱۰۳)

مسلمانوں کی مظلومیت اور مجاہد ملت کا کردار

مولانا سید محمد میاں صاحب لکھتے ہیں وہ منظر کبھی بھی فراموش نہیں ہوگا جب دوپہر کے وقت سکھ نما پنجابیوں کی ایک جماعت دفتر میں دفعتاً پہنچ گئی یہ پندرہ سولہ آدمی تھے اردو سے ناواقف ان سے گفتگو شروع ہوئی تو کچھ دیر تک یہی رہا زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم مگر پوری توجہ سے کام لیا گیا تو ان کا مطلب سمجھ میں آ گیا کہ وہ مسلمان ہیں ضلع پٹیالہ کے دیہات کے باشندے ہیں محض جان بچانے کے لئے یہ وضع اختیار کر رکھی ہے اب مطالبہ یہ ہے کہ اس طرح اپنے ضمیر کے خلاف دو سال سے زندگی گزار رہے ہیں آئندہ یہ صورت باقی نہیں رکھنا چاہتے ان کے لئے انتظام کیا جائے کہ وہ مسلمان بن کر آزادی سے زندگی گزار سکیں اور یہ ممکن نہ ہو تو ان کو پاکستان پہنچا دیا جائے۔ مجاہد ملت نے ایک لمحے کی تاخیر بھی گوارہ نہیں کی سب سے پہلی فرصت میں پنڈت جواہر لال نہرو سے ملاقات کر کے صورت حال پیش کی پنڈت جی نے یہ تو گوارہ نہیں کیا کہ وہ وفادار ہندوستانیوں کو پاکستان کے حوالے کریں البتہ ایک سرکلر جاری

کر دیا گیا جو لوگ ۱۹۴۷ء سے پہلے مسلمان تھے وہ اب بھی مسلمان ہی ہیں وہ آزادی سے اپنے اسلام کا اظہار کر سکتے ہیں ان پر کوئی قانونی پابندی نہیں۔ اور نہ کوئی شخص یا جماعت ان کی مذہبی آزادی میں رکاوٹ ڈال سکتی ہے یہ سرکلر دیہات کے پٹواریوں اور چوکیداروں تک پہنچا دیا گیا کچھ دنوں بعد احقر (مولانا محمد میاں صاحب) مولانا لقاء اللہ صاحب وغیرہ کے ساتھ مشرقی پنجاب کے دیہات میں گیا تو دیہات کے مسلمانوں کو اس پس منظر کا تو علم نہیں تھا البتہ اس سرکلر کا ان کو علم تھا جب ہم نے ان سے حالات دریافت کئے تو انہوں نے بتایا کہ ہم چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے رہے اپنے مذہبی مراسم انجام دیتے رہے اور جب مذہبی آزادی کا اعلان ہوا تو ہم نے بھی پردہ اٹھا دیا۔ (مولانا حفظ الرحمن ایک سیاسی مطالعہ ۲۱۵)

حسرت وافسوس

مجاہد ملت بڑی حسرت سے فرمایا کرتے تھے کہ کاش حالات مجھے اس کا موقع دیں کہ اپنے اصل کام (درس قرآن حکیم اور تصنیف و تالیف) کی طرف لوٹ سکوں' افسوس کہ ہنگامی مصروفیتوں نے میرا تمام وقت مجھ سے چھین لیا ہے سیاست کی تیز رفتاری اور ہنگامی تقاضے کچھ اس طرح ان کے دامن سے لپٹ چکے تھے کہ کبھی جم کر اپنے اس محبوب مشغلے سے وابستہ نہ ہو سکے' بارہا گرفتاری اور نظر بندی کے مواقع پیش آتے رہے کبھی سال بھر کبھی دو سال جیلوں میں گزارے مجموعی طور پر لگ بھگ پانچ سال وہ تحریک آزادی میں نظر بند رہے سب سے آخری بار "کوئٹ انڈیا" ہندوستان چھوڑ دو کی مشہور تحریک ۱۹۴۲ء میں گرفتار ہوئے تقریباً دو سال نظر بند رہ کر ۱۴ جولائی ۱۹۴۴ء کو بریلی سنٹرل جیل سے رہا ہوئے اور ۱۸ جولائی کو دہلی پہنچ کر پھر اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ (مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی ایک سیاسی مطالعہ ۲۴۳)

ہم نے آزادی وطن کے لئے جان کی بازی لگائی ہے

مجاہد ملت نے گاندھی جی پنڈت نہرو سردار پٹیل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فرمایا کسی بھی جائز شکایت کے موقع پر پاکستان ذہنیت کا نام لے کر ہماری آواز کو دبانے کی کوشش نہ کی جائے ہم نے وطن کی آزادی کے لئے اسی طرح اپنی جان کی بازی لگائی ہے جس طرح

دوسروں نے آج وطن کی سرزمین پر جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل اپنا حق رکھتے ہیں' تو حسین احمد کفایت اللہ اور حفظ الرحمٰن کو بھی وہی حق حاصل ہے' اور ان کے اس حق کو چھینا نہیں جا سکتا۔

(مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ایک سیاسی مطالعہ ۳۲۲)

آپ مجھے جانتے نہیں

مارچ ۱۹۵۹ء میں بھوپال شہر میں سخت فساد رونما ہوا' رمضان شریف کے دن تھے حالات کی تحقیق کو سن کر مولانا فوراً بھوپال پہنچے میں (انیس الحسن) ساتھ تھا وہاں شہر کے حالات دیکھے جمیعت کے مقامی ذمہ دار حضرات سے پوری سرگزشت سنی اتفاق سے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر کاٹجو باہر گئے ہوئے تھے اور ڈپٹی ہوم منسٹر صاحب ہی (جو گوالیار کے باشندے تھے اور پہلے کبھی مولانا سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی) صورت حال کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ مولانا نے ان سے وقت لیا اور ان کے بنگلے پر ملاقات ہوئی انسپکٹر جنرل پولیس بھی موجود تھے مولانا کے ساتھ صرف میں تھا گفتگو شروع ہوئی تو مولانا نے اپنے مشاہدات بتا کر جب حکومت کی غلط روش اور بے محل اقدامات کا ذکر کیا تو وہ کچھ برہم ہونے لگے مولانا تو پہلے ہی جوش میں تھے گفتگو کی تلخی بڑھی اور منسٹر صاحب موصوف کے اکھڑے جواب سن کر اور بھی گرما گئے منسٹر صاحب کو شاید اس جرات گفتار سے پہلی بار سابقہ پڑا تھا کچھ تیور دکھانے لگے پھر جو مولانا نے ان کو للکارا میرے دیکھتے ہوئے واقعات کو بھی جب آپ جھٹلا رہے ہیں تو اصلاح احوال کی کیا امید ہو سکتی ہے میں آپ کے سامنے مسلمانوں کی طرف داری کر رہا ہوں؟ آپ مجھے جانتے ہی نہیں آج کاٹجو یہاں ہوتے تو وہ مجھے اس طرح جواب نہ دیتے جس طرح آپ دے رہے ہیں...... تو وہ بیچارے دم بخود ہو کر رہ گئے اور کچھ سوچنے کے بعد بڑی ندامت کا اظہار کیا اور کہنے لگے واقعی مولانا میں نے دیر میں آپ کو پہچانا میں تو آپ سے خود ملنے کا آرزو مند تھا آپ کو گوالیار بلانا چاہتا تھا رنگ ہی بدل گیا بڑی محبت سے باہر تک پہنچانے آئے اور بہت کچھ اطمینان دلا کر رخصت کیا۔ (مولانا حفظ الرحمان ایک سیاسی مطالعہ ۳۲۳)

میں کون ہوں

دسمبر ۱۹۵۸ء میں مجاہد ملت نے جمعیت علماء جودھپور ڈویژن کی دعوت پر پالی' سوجت'

جودھپور وغیرہ کا دورہ کیا اور جالور بھی پہنچے جمعیت علماء راجستھان کے روح رواں الحاج حکیم محمد نبی غوری' وکیل احمد بخش سندھی اور میں (انیس الحسن) رفقاء سفر تھے یہ ایک دور افتادہ بستی ہے جمعیت کا نظام وہاں نیا نیا قائم ہوا تھا دفتر کا افتتاح اور جھنڈا لہرانے کی رسم مولانا کے ہاتھوں انجام پائی تھی۔ مقامی مہا سبھائیوں نے بستی میں شور برپا کر دیا کہ آج یہاں مسلم لیگ کا جھنڈا لہرایا جارہا ہے ہم اس کو نہیں لہرانے دیں گے۔ شہر میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا مسلمان بھی خائف' مقامی کانگریسی بھی کچھ چھپے چھپے اور فکر مند جوں توں کر کے جھنڈا تو لہرا دیا گیا مگر رات کو عام جلسہ میں گڑبڑ کرنے کے ارادے قطعی تھے جلسہ شروع ہوا مہا سبھائی کوئی فتنہ اٹھانے کے لئے موقع کے منتظر ہی تھے مولانا کو بھی صورت حال سے جوش آ گیا تھا تقریر شروع کی تو اپنی عادت سے بڑھ کر اس قوت اور روانی کے ساتھ بولے کہ ایک سماں بندھ گیا ایک جوش چھا گیا جس میں بجلی کی سی کڑک اور سیلاب کا جوش تھا میں یہاں مسلم لیگ بنانے آیا ہوں کہاں ہے آپ کی سمجھ کی پرواز؟ مجھے آپ جانتے نہیں ہیں، تو پہلے گاندھی جی کی سمادھی پر جا کر پوچھئے جواہر لال نہرو کے دل سے پوچھئے کہ میں کون ہوں' میں یہاں مسلم لیگ کا جھنڈا لہراؤں گا اور آپ اس کو روکیں گے! آپ بھول میں ہیں کان کھول کر سن لیجئے! جس دن مسلم لیگ کا جھنڈا لہرایا گیا تھا اس کو روکنے کے لئے آپ میں ہمت نہیں تھی میں ہی آگے بڑھا تھا اور پھر سن لیجئے کہ آج بھی اگر لیگ کا جھنڈا لے کر کوئی اٹھے گا تو آپ سے پہلے اس کا ہاتھ پکڑنے والا میں ہی ہوں گا' اور یہ جمعیت کے غریب کارکن ہی اٹھیں گے یہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے اب آپ ایک آزاد باوقار دیش کے باشندے ہیں ہوش وحواس کی بات کریں جالور والوں کے لئے یہ ایک نئی بات تھی کہ ایک انسان چاروں طرف سے بکھرے ہوئے ماحول میں گھرے ہو کر اس جرات تیز رفتاری اور گھن گرج کے ساتھ بولے حیرانی کے عالم میں وہ بھی سب کچھ بھول گئے جن کے ارادے ہی کچھ اور تھے دل ہی دل میں شرمسار اور کھوئے کھوئے الٹے پاؤں واپس ہو گئے جمعیت اور کانگریسی کارکنوں میں اس کی جگہ ہمت اور جوش ابھرا اگلے روز شہر بھر نے بڑی محبت اور قدر کی نگاہوں سے مولانا کو رخصت کیا۔ (مولانا حفظ الرحمان ایک سیاسی مطالعہ ۳۴۳)

☆☆☆

حضرت مولانا

شیخ حماد اللہ ہالیجوی قدس سرہٗ

سندھ کے عظیم روحانی پیشوا
تحریک آزادی کے عظیم مجاہد

جمعیۃ علماء ہند اور جمعیۃ علماء اسلام کے مخلص رہنما

وفات	پیدائش
۱۳۸۱ھ	۱۳۰۱ھ

دیتے ہیں اجالے میرے سجدوں کی گواہی
میں چھپ کے اندھیروں میں عبادت نہیں کرتا

حضرت امروٹیؒ کے دربار میں

ایک فقیر جس کا نام عبدالغنی تھا، حضرت امروٹیؒ کے خاص مریدوں میں سے تھا اور ٹھیڑی کے قرب و جوار میں سکونت پذیر تھا۔ جس زمانہ میں میں وہاں مدرس تھا، فقیر مذکور میرے پاس آجایا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میرے ساتھ امروٹ شریف چلو۔ حضرت امروٹیؒ کی زیارت کا شرف حاصل کریں گے۔ مگر میں اس کو یہ جواب دیا کرتا تھا کہ حضرت امروٹیؒ ایک عالم ہیں نہ کہ پیر، میں ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ لیکن فقیر مذکور مجھے امروٹ شریف چلنے کے لئے کہتا رہا۔

آخر فقیر موصوف ایک مرتبہ رمضان المبارک کی دو تاریخ کو میرے پاس آیا اور کہا کہ آؤ آج ہمارے ساتھ امروٹ شریف چلو، اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دے دی اور ہم لوگ ٹھیڑی سے روانہ ہو گئے اور رک اسٹیشن پر اتر گئے اور امروٹ شریف کے راستے پر چل پڑے۔ رات بہت تاریک تھی، ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے چل رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ ببول کے بہت سارے درخت تھے۔ جب ان کے پاس ہم پہنچے تو روشنی معلوم ہوئی اور درختوں کو دیکھا کہ زمین پر سجدہ میں گرے ہوئے ہیں۔

میں نے یہ نظارہ دیکھا تو اپنے ساتھی سے پوچھا کہ تم کچھ دیکھ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں تو کچھ نہیں دیکھ رہا ہوں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ شب لیلۃ القدر ہے۔ پس جس وقت کہ ہم لوگ امروٹ شریف پہنچے تو حضرت امروٹیؒ نماز تراویح سے فارغ ہو کر مسجد کے دروازے سے باہر تشریف لا رہے تھے۔ چونکہ سردی کا موسم تھا، آپ کے دوش مبارک پر پوستین پڑی ہوئی تھی۔ پس مجھ سے بغل گیر ہوئے، مجھ کو اپنے دونوں بازوؤں میں اچھی طرح دبا کر فرمایا کہ مرحبا یا مولوی صاحب۔

معانقہ کی حالت میں میری طبیعت میں تغیر پیدا ہو گیا۔ میں نے حضرت امروٹیؒ کو نہیں پہچانا مگر جب میرے رفیق فقیر عبدالغنی نے حضرت صاحب کہہ کر مرحبا کہا تو میں سمجھا کہ یہی حضرت امروٹیؒ ہیں۔

میں وہاں مقیم ہو گیا۔ عید کا چاند ۲۹ کو نظر آ گیا۔ حضرت امروٹی نے مجھے خطاب کر کے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ کو گھر کی محبت اس قدر ہے کہ چاند بجائے تیس کے انتیس کو نظر آ گیا۔ صبح کو نماز عید ادا کی گئی اور عید ہی کے دن شام کے وقت حضرت امروٹی نے میرے سر پر دستار، جو تارکشی کی تھی، باندھی۔ (تجلیات شیخ ہالیجوی) (تذکرہ شیخ ہالیجوی: ۹۶)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھ کو اپنے دونوں بازوؤں میں لے لیا۔ اس کے بعد مسجد کے باہر تشریف لے چلے۔ میں بھی ساتھ میں تھا۔ جب دروازہ کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا:

حضور والا! میں کھانا لاتا ہوں، آپ نوش فرمائیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مولوی صاحب! مجھے کھانے کی حاجت نہیں۔

پھر دروازے سے باہر تشریف لائے اور اس گلی میں جو قدیم مسجد کے مشرقی جانب تھی، اس میں داخل ہو کر شمال کی جانب روانہ ہوئے اور چلتے وقت السلام علیکم فرماتے ہوئے نظروں سے غائب ہو گئے۔ (تذکرہ شیخ ہالیجوی: ۱۱۶)

از سر نو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے

حاجی گلاب دین سومرو نقل کرتے ہیں کہ حضرت والا ایک مرتبہ حضرت خلیفہ عبدالعزیز صاحب (جو حضرت امروٹی کے خلفاء میں سے تھے) کے ساتھ بستی چوک میں مولوی عبدالوہاب صاحب کے یہاں تشریف لائے۔ بعد نماز ظہر فقیر محمد عمر (جو حضرت امروٹی کے مرید خاص تھے) اور میں حضرت والا کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت والا نے فرمایا کہ ہم نے کتابیں، الماریاں پڑھیں اور پڑھائیں اور مطالعہ کیا۔ مگر جب حضرت امروٹی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ از سر نو پڑھ کر مسلمان ہوئے۔

(تجلیات ص ۱۲۶) (تذکرہ شیخ ہالیجوی: ۱۱۷)

عبادت وریاضت

حضرت اقدس کا ابتدائی حال آپ کے برادر نسبتی میاں حبیب اللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ میری بیعت حضرت والا سے کافی عرصہ پہلے ہوئی تھی۔ ابتدائی دور میں حضرت والا نے کچھ عرصہ جنگل میں گزارا ہے۔ معمول یہ تھا کہ باگی شریف سے مغرب کی جانب جنگل کی طرف نکل جاتے اور عبادت میں مشغول رہتے۔ میں وہاں روٹی پہنچاتا تھا۔ صرف تھوڑی سی روٹی اور سرسوں یا چنے یا اور کسی اور چیز کا ساگ ہوتا جو پانی کی طرح پتلا پکایا جاتا۔ صرف میں حضرت والا کی خدمت میں آتا جاتا تھا، کسی اور کو اس کی اطلاع نہ تھی اور اطلاع کرنے پر پابندی تھی۔ کبھی کبھی میں رات کو بھی حضرت والا کے ساتھ جنگل میں رہ جاتا تھا۔ نیز حضرت والا نے متعدد چلے ایسے گزارے ہیں جن میں صرف ایک کھجور افطار اور ایک کھجور سحر میں استعمال فرماتے تھے۔ (تذکرہ شیخ باجوی: ۱۲۷)

نماز باجماعت کا اہتمام

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ایک سیلاب آ گیا۔ لوگ اپنے مال مویشی لے کر دوسرے مقامات پر منتقل ہو گئے۔ ایک فقیر میرے ساتھ رہ گیا۔ چند دنوں کے بعد اس فقیر نے بھی دوسری جگہ منتقل ہونے کا ارادہ کر لیا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم یہاں سے نہ جاؤ تاکہ ہم نماز باجماعت ادا کرتے رہیں۔ میرے کہنے سے وہ فقیر رک گیا اور نماز باجماعت ہوتی رہی۔
(تذکرہ شیخ باجوی: ۱۳۱)

عبادات میں استقامت

نماز تہجد پابندی سے ادا فرماتے۔ تہجد کے سلسلے میں فرماتے تھے کہ جب میں نے تہجد پڑھنے کا ارادہ کیا تو ابتداءً چند سال تک غلبہ نوم کی وجہ سے آنکھیں بند ہو جاتی تھیں لیکن پختہ ارادہ کی وجہ سے روزانہ اٹھتا اور نیم خواب، نیم بیداری کی حالت میں نماز تہجد ادا کرتا۔ کبھی رکوع و سجود کی بھی خبر نہ ہوتی مگر الحمد للہ پابندی سے ہوتا۔ کچھ عرصہ کے بعد نیند کا غلبہ جاتا رہا لیکن جب سے نماز تہجد شروع کی اب تک قضا نہیں ہوئی اور حدیث مبارک احب الاعمال الی

مااللہ ادومھا وان قل ''سب سے محبوب عمل اللہ کے نزدیک دائمی عمل ہے اگرچہ کم ہو'' کی تلاوت فرمائی۔ (تذکرہ شیخ ہالیجوی:۱۳۲)

کمالات عالیہ

صاحب تجلیات شیخ ہالیجوی لکھتے ہیں کہ میرے ایک رفیق مولوی عبدالرشید صاحب نے بیان کیا کہ میں دورہ حدیث کے لئے مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی گیا ہوا تھا۔ وہاں مولانا لطف اللہ صاحب مدرس مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن فرمانے لگے کہ مجھے کسی شیخ کامل کی تلاش تھی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے مشورہ دیا کہ مولانا سندھی کی خدمت میں ہالیجی شریف جاؤں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ کوئی سندھی ملا ہوگا۔ چونکہ مولانا بنوریؒ نے فرمایا تھا کہ کامل شخص ہیں، اس لئے ارادہ کیا کہ ایک مرتبہ تو دیکھ آنا چاہئے۔

چنانچہ آخر عمر میں حاضر خدمت ہوا۔ مجھے ایک آیت کی تفسیر میں کچھ اشکال تھا اور علماء میں سے کوئی اسے حل نہیں کرسکا تھا۔ لیکن حضرت مولانا سندھی نے اسے پوری طرح حل فرما دیا۔ میں سمجھ گیا کہ حضرت عارف کامل ہیں۔ تھوڑی مدت کے بعد حضرت کا وصال ہوگیا۔ مولوی عبدالرشید صاحب نے کہا مولانا لطف اللہ صاحب نہایت افسوس اور حسرت کے ساتھ رو رہے تھے کہ اگر اس سے پہلے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا ہوتا تو آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتا۔ (تذکرہ شیخ ہالیجوی:۱۳۵)

دل کی معصومیت

ایک بار حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی مجلس میں حضرت اقدس کا ذکر آیا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت ہالیجوی کے قلب مبارک میں گناہ کا تصور بھی نہیں آتا کیونکہ حضرت کا قلب ہر وقت اللہ رب العزت کی محبت و یاد میں مشغول و مشغوف ہے، گناہ کا تصور کیونکر ہوسکتا ہے۔ (تجلیات شیخ ہالیجوی ص۴۲) (تذکرہ شیخ ہالیجوی ۱۴۳)

لباس

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حافظ حبیب اللہ صاحب نابینا طبیب سکھر جو کہ حضرت والا کے

معتقدین میں تھے، حرمین شریفین کے سفر سے واپس آکر ہالیجی شریف حضرت والا کی خدمت میں زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ دوران گفتگو میں کہنے لگے کہ میں ہر قسم کا لباس استعمال کرتا ہوں، کبھی عربی لباس پہنتا ہوں، کبھی پنجابی لباس، کبھی ہندوستانی لباس، کبھی انگریزی لباس بھی پہنتا ہوں۔ جب انہوں نے ہر قسم کے لباس کا نام لیا تو حضرت والا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کرتے کا کپڑا ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ حافظ صاحب کبھی ایسا لباس بھی پہنا ہے۔

حافظ صاحب موصوف نے برجستہ عرض کیا کہ حضرت! ہم کو بھی اپنے جیسا کر لیجئے، پھر یہ لباس پہنوں گا۔ اگر اس حال میں آپ جیسا لباس پہن لوں تو لوگ دور سے دیکھ کر یہ سمجھ کر کہ اندھا ہے، بھیک مانگنے کے آرہا ہے، دور بھاگ جائیں گے۔

(تجلیات ص ۶۷) (تذکرہ شیخ ہالیجوی: ۱۵۰)

رہائش

حضرت والا کا مکان بھی محض ایک جھونپڑا تھا۔ تین طرف کچی دیواریں اور سامنے کی طرف کھلا ہوا۔ جھونپڑے کے اوپر جھاڑ کی لکڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ دھوپ چھن کر اوپر سے آتی تھی۔ پانی سے بچنے کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔

حضرت والا نے خود فرمایا کہ جب بارش ہوتی اور اوپر چھت سے پانی ٹپکنے لگتا تو گھر والے میرے اوپر چٹائی ڈال دیتے تاکہ پانی سے حفاظت ہو جائے پھر بھی کپڑے اور بستر تر ہو جاتے۔ (تذکرہ شیخ ہالیجوی: ۱۵۱)

میرا مکان قبر ہے

جس زمانے میں قدیم مسجد کو شہید کر کے نئی مسجد تعمیر کرنے کا حضرت والا نے ارادہ فرمایا، اس وقت کسی نے سوال کیا کہ حضرت مسجد تعمیر کرنے کے بعد مکان بھی تعمیر کرنے کا ارادہ ہے؟ تو فرمایا کہ میرا مکان قبر میں ہے۔ (تجلیات ص ۸۲) (تذکرہ شیخ ہالیجوی: ۱۵۲)

تواضع

ایک مرتبہ کوئی عالم پنجاب سے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے حضرت والا سے اجازت لے کر تقریر کی اور تقریر میں حضرت والا کی بے حد تعریف و توصیف فرمائی۔ جب وہ تقریر ختم کر کے بیٹھے تو چونکہ حضرت والا کو روبرو تعریف کرنی بہت ناپسند تھی، اس لئے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ نے اس قدر تعریف کی مگر میں اس گدھے کا بے وقوف مالک نہیں ہوں کہ آپ کی تعریف سے میرا نفس پھول جائے۔ من آنم کہ من دانم۔

اور آپ نے اس گدھے کے مالک کا قصہ اس طرح بیان فرمایا کہ ایک شخص کے پاس نہایت خراب اور بے کار گدھا تھا کہ اگر اس کے اوپر سواری کریں تو سوار کو زمین پر گرا دیتا، اگر سامان لادیں تو اس کو بھی زمین پر پھینک دیتا۔ وہ شخص اس گدھے سے تنگ آ چکا تھا۔ اس نے سوچا کہ شہر میں لے جا کر اس کو فروخت کر دے۔

راستے میں جانوروں کی خرید و فروخت کرانے والا ایک دلال ملا، اس نے پوچھا کہ اس گدھے کو کہاں لے جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ فروخت کرنے کے لئے۔ دلال نے کہا کہ مجھے دلالی دو میں فروخت کرا دیتا ہوں۔ اس شخص نے منظور کر لیا۔

دلال گدھے کو بازار لے گیا اور اس گدھے کی بہت تعریف کرنے لگا کہ سواری میں نہایت تیز رفتار اور نہایت عمدہ بار بردار ہے، اور ایسا اچھا ہے اور ایسا اچھا ہے۔ اس گدھے کا مالک دلال کی تعریف سن کر ایسا مغرور ہوا کہ دلال سے کہنے لگا کہ ایسا گدھا میں کیوں بیچوں؟ میں اس کو نہیں بیچتا۔ دلال نے کہا کہ میاں تمہارا گدھا تو وہی ہے جو زمین پر گرا دیا کرتا تھا۔ میں نے تو بیچنے کے لئے اس کی تعریف کی اور تم اتنے احمق ہو کہ اس کی تعریف سن کر اترانے لگے اور بیچنے سے انکار کر دیا۔ (تذکرہ شیخ ہالیجوی۔ ۱۵۶)

اور کون سی کرامت؟

ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی فیاض نور صاحب (جو کہ حضرت والا کے مریدوں میں تھے اور حضرت کے ہم عصر تھے) نے حضرت والا سے عرض کیا کہ کوئی کرامت دیکھنا چاہتا

ہوں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی زمین پر چل رہا ہوں اور اس کی دی ہوئی روزی کھا رہا ہوں، اس سے بہتر کرامت کیا ہوسکتی ہے؟ ورنہ میرے اعمال تو ایسے ہیں کہ زمین پھٹ جاتی اور مجھے دھنسا دیا جاتا۔ (تذکرہ شیخ ہالیجوی: ۱۵۷)

خدا کا بھیجا ہوا

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی ننگے پاؤں آیا، اس کے پاؤں میں کیچڑ لگی ہوئی تھی۔ اس نے مسجد میں داخل ہونے کے لئے جلدی جلدی پاؤں دھویا، کچھ مٹی صاف ہوئی اور کچھ پاؤں میں لگی رہ گئی، اسی حالت میں وہ حضرت صاحب کے پاس آیا۔ حضرت صاحب مصلے پر تشریف فرما تھے، وہ دوسری طرف سے آیا اور حضرت صاحب کے قریب ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کا وہ پاؤں جس پر مٹی لگی ہوئی تھی ٹھیک اس جگہ پڑا جہاں سجدے میں حضرت صاحب کی پیشانی پڑتی تھی۔

مجھے یہ دیکھ کر سخت الجھن ہوئی۔ حضرت صاحب کے سامنے اسے ٹوکنا بے ادبی تھی، میں منتظر رہا کہ حضرت صاحب دوسری طرف متوجہ ہوں تو اسے تنبیہ کروں۔ حضرت صاحب نے دوسری طرف توجہ کی اور میں نے انگلی سے اس کو ایک ٹھوکا دیا، زبان سے کچھ نہ کہا۔ حضرت صاحب نے فوراً فرمایا نہیں بیٹا! کچھ نہ کہو، اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہے۔ (تذکرہ شیخ ہالیجوی: ۱۶۴)

جمعیۃ علماء ہند میں شمولیت

صاحب تجلیات "ہالیجوی" لکھتے ہیں کہ:

> چونکہ حضرت والا کو انگریزوں سے بے حد دشمنی تھی، اس لئے انگریزوں کے زمانے میں آزادی چاہنے والی جماعت جمعیۃ علماء ہند میں شامل ہو گئے تھے اور جمعیۃ علماء کے ساتھ پورا پورا تعاون فرماتے تھے۔ جمعیۃ کے جلسوں میں شرکت بھی فرماتے تھے۔
>
> چنانچہ ۱۹۴۲ء میں قصبہ پنوں عاقل کے اندر حضرت والا کے تعاون سے جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس منعقد ہوا اور اس جلسے میں سرتاج مجاہدین شیخ

الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علماء ہند بھی تشریف لائے تھے۔ امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی بھی تشریف فرما تھے۔ ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نیز دیگر علماء حق بھی تشریف لائے تھے۔ حضرت والا خود بنفس نفیس جلسہ میں شریک ہوئے۔ جلسہ بہت کامیاب ہوا بالخصوص حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر بے نظیر تھی۔ یہاں تک کہ حضرت مولانا سندھی نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر تو بے نظیر ہے، مگر افسوس کہ سندھی حضرات اردو نہ جاننے کی وجہ سے نہ سمجھ سکے، اگر کوئی مولانا کی تقریر کا ترجمہ کر سکتا ہو تو کر دے۔ کسی شخص نے مختصر ترجمہ کر دیا لیکن ترجمہ کا حق ادا نہ ہو سکا۔ (تذکرہ شیخ ہالیجوی:۱۷۸)

جمعیۃ علماء اسلام میں شمولیت

انگریزوں کے دور میں پوری زندگی حضرت والا جمعیۃ علمائے ہند میں شریک رہے اور تقسیم ملک کے بعد مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے اندر علماء پاکستان کا اجتماع حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی صدارت میں ہوا اور نئی تنظیم جمعیۃ علماء اسلام کے نام سے قائم کی گئی۔ حضرت والا خود مع اپنی جماعت کے جمعیۃ علماء اسلام میں شریک ہو گئے اور اس کے ساتھ تعاون فرماتے رہے اور اپنے مریدوں کو بھی حصہ لینے کی تاکید فرماتے رہے۔ (تذکرہ شیخ ہالیجوی:۱۸۰)

جمعیۃ کے ساتھ تعاون

مولانا غلام غوث ہزاروی سابق ناظم جمعیۃ علماء اسلام نے بیان کیا کہ حضرت والا جس وقت مرض الموت میں صاحب فراش تھے، میں زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت والا اندر تشریف فرما تھے۔ بیماری کے سبب باہر تشریف نہیں لا سکتے تھے۔ مجھے اندر بلوا لیا اور مختصر گفتگو فرمائی۔ مجھ سے پوچھا کہ کیسے تشریف آوری ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ جمعیۃ علماء اسلام کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے آدمی بھیج کر خلیفہ اعظم حضرت مولانا احمد الدین صاحب نیز دیگر اہل جماعت کو اندر بلوایا اور جمعیۃ علماء اسلام کی تنظیم و تعاون کیلئے تاکید فرمائی۔ (تذکرہ شیخ ہالیجوی:۱۸۱)

انگریز سے نفرت

حضرت اقدس علیہ الرحمۃ اتنے حساس تھے کہ خود فرمایا کہ:

گھڑی میں جو ہندسے انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں، میں نے اب تک ان کو پہچاننے کی کوشش نہیں کی بلکہ ایک سے شمار کرنا شروع کرتا ہوں اور پھر وقت معلوم کرتا ہوں۔ (تجلیات ص ۹۴) (تذکرہ شیخ ہالیجوی: ۱۸۱)

سب سے بڑی کرامت

مولانا غلام اللہ خان نے فرمایا کہ:

اور بزرگوں کی کرامتیں تو کبھی کبھی ظاہر ہوتی ہیں لیکن حضرت ہالیجوی سے روزانہ کرامت ظاہر ہوتی ہے۔ اسی سال کا بوڑھا انسان روزانہ فجر کی نماز سے بارہ بجے تک اور ظہر کی نماز سے عشاء کی نماز تک قرآن وسنت کا بیان کرتا رہتا ہے اور خلق خدا کی اصلاح و ہدایت میں مصروف رہتا ہے، اس سے بڑی کرامت اور کیا ہو سکتی ہے۔

(تحفۃ السالکین ص ۱۹، ج ۱) (تذکرہ شیخ ہالیجوی: ۱۸۹)

سندھی صاحب کے حوالے کر دو

پاکستان کے مشہور عالم قادیانیوں کے خلاف جہاد کرنے والے حضرت مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی علیہ الرحمہ کو ایک مرتبہ حکومت پاکستان نے بغاوت کا الزام لگا کر گرفتار کر لیا۔ کسی طرح ضمانت نہیں ہو رہی تھی، بہت کوششیں ہوئیں مگر ضمانت نہیں ہو سکی۔ تمام علماء و رفقاء سخت فکر مند تھے، دعائیں ہو رہی تھیں، تدبیریں کی جا رہی تھی مگر بظاہر کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا تھا۔

قاضی صاحب نے جیل میں خواب دیکھا کہ کئی اکابر جمع ہیں، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور دوسرے حضرات۔ اور آپس میں یہی گفتگو ہو رہی ہے کہ ان کی ضمانت کے سلسلے میں کیا کیا جائے؟ قاضی صاحب

فرماتے ہیں کہ ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک بہت لمبے تڑنگے اور بہت بھاری جسم و جثہ کے بزرگ آئے، آتے ہی حضرت مدنیؒ نے فرمایا، لیجئے سندھی صاحب آگئے، اب معاملہ ان کے حوالے کیا جائے، یہی کچھ کریں گے۔ پھر ان سندھی بزرگ نے مجھے اپنی گود میں پکڑا اور فرمایا، چلئے قاضی صاحب یہاں سے چلئے۔ اسی پر آنکھ کھل گئی۔

دوسرے روز ضمانت منظور ہوگئی۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نہایت حیران تھا کہ یہ سندھی صاحب کون ہیں؟ میں نے ان کو کبھی دیکھا نہیں تھا۔ متعدد لوگوں سے پوچھا، حلیہ بتا کر پوچھا مگر ہر ایک نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ بالآخر ایک شخص نے حلیہ سن کر جواب دیا کہ یہ تو میرے پیرومرشد حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجی شریف والے ہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے ان کی خدمت میں لے چلو۔

قاضی صاحب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ بعینہ خواب والے بزرگ تشریف فرما ہیں اور تفسیر مظہری کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ مطالعہ سے جب فارغ ہوئے تو بطریق مسنون ہر ایک سے نام وغیرہ دریافت کرتے رہے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ سے پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ احسان احمد۔ آپ نے بے ساختہ فرمایا، قاضی احسان احمد شجاع آبادی؟ عرض کیا، جی ہاں۔ آپ کھڑے ہوگئے اور معانقہ فرمایا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر تفسیر ملاحظہ کرتے رہے، اس کے بعد تقریر شروع کی۔

قاضی صاحب نے تین بار قسم کھائی کہ واللہ، باللہ تاللہ میرے دل میں چند شکوک و شبہات تھے، حضرت والا نے تقریر میں میرے تمام شکوک و شبہات کا ازالہ فرمادیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرے تمام شبہات لکھے ہوئے حضرت والا کے سامنے ہیں اور آپ ایک ایک کا جواب مرحمت فرما رہے ہیں۔ الحمد للہ میرے تمام شکوک و شبہات حضرت والا کی ایک ہی تقریر سے کافور ہو گئے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے مسجد سے باہر کمرے کی طرف لے گئے، میرے لئے روٹی منگوائی، چاول کی روٹی اور مٹر کی دال تھی، آم بھی تھے۔ حضرت والا آم خود اپنے دست مبارک سے کاٹ کر مجھے دے رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ آم بہت میٹھے

ہیں۔ میں روٹی کھا رہا تھا، مجھے اس قدر لذیذ معلوم ہو رہی تھی کہ اس سے پہلے کبھی کسی کھانے میں اتنی لذت نہیں محسوس ہوئی تھی۔ حالانکہ میں نے سینکڑوں لذیذ و مکلف کھانے کھائے ہوں گے مگر ایسی لذت کبھی کسی کھانے میں نہیں محسوس ہوئی۔

کھانے سے جب فارغ ہوئے تو صاحبزادہ محترم حافظ محمود اسعد صاحب سے فرمایا کہ قاضی صاحب کو کھانے کے بعد میٹھا کھانے کی عادت ہے، میٹھا لے آؤ۔ انہوں نے میٹھا لا کر مجھے دیا۔ مجھے واقعی کھانے کے بعد میٹھا کھانے کی عادت تھی مگر حیرت تھی کہ حضرت کو کیونکر علم ہوا (بروایت مرشدی مدظلہ وتجلیات ص ۳۸)

ایک بار یہی قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے، سخت پریشان تھے۔ عرض کرنے لگے کہ مخالفوں نے سخت مخالفت کی ہے اور حکومت میں بھی درخواست دے رکھی ہے اور طرح طرح کی ایذاء رسانی کرتے ہیں۔ حضرت والا نے قاضی صاحب سے فرمایا کہ آپ اطمینان خاطر رکھیں، مخالفین کچھ نہیں کر سکیں گے اور آپ ہمیشہ ان سے آگے رہیں گے۔

قاضی صاحب نہایت مسرور ہو کر واپس گئے۔ الحمد للہ مخالفین کچھ نہیں کر سکے۔
(تجلیات ص ۳۹) (تذکرہ شیخ پانچوی: ۲۱۳)

نظر کی تاثیر

مولوی محمد ابراہیم صاحب ساکن ہانسی شریف بیان کرتے ہیں کہ حضرت والا کی وفات کے بعد کی بات ہے، اس زمانے میں مولوی مظہر الدین صاحب ہانسی شریف کے مدرسہ میں مدرس تھے، میں بھی یہاں تھا۔ ایک دن مسجد کے جنوب کی طرف بیٹھے ہوئے کتاب ہاتھ میں لئے مطالعہ کر رہا تھا کہ ایک شخص زمیندار بہاولپور ہانسی شریف میں آیا ہوا تھا، میرے نزدیک آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ تم یہاں کیسے آئے ہو؟ اس نے کہا کہ میں حضرت والا کے عقیدتمندوں اور مریدوں میں سے ہوں۔

اس شخص نے اپنے مرید ہونے کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ میرے باپ دیندار اور صالح شخص تھے اور میں بھی دینداری کی طرف رغبت رکھتا تھا اگرچہ عربی خواں نہ تھا لیکن مطالعہ کتب

کا شوق بہت تھا۔ اکثر کتب تفسیر و حدیث مترجم اردو میرے زیر مطالعہ رہا کرتی تھیں اور علم دین سے بہت واقفیت رکھتا تھا۔

اتفاقاً میرے دل میں تبدیلی ہوئی کہ وہریت کی طرف میں مائل ہو گیا۔ بہت سے شبہات پیدا ہو گئے تاہم دل میں حق کی طلب تھی۔ خیال کرتا تھا کہ کسی ولی اللہ کی خدمت میں جاؤں تاکہ شکوک و شبہات حل ہو جائیں اور وہ راہ راست کی طرف میری رہبری کریں۔ ایک دوست جو کہ عالم بھی تھے اور رفیق بھی تھے، میں نے ان سے کہا کہ آپ میرے ساتھ ہندوستان چلیں تاکہ وہاں کسی ولی اللہ سے اپنے شبہات حل کروں اور ان سے بیعت کر کے مرید ہو جاؤں۔

ان مولوی صاحب نے کہا کہ ہندوستان کے سفر کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ سندھ میں ایک ولی کامل ہیں جو کہ میرے مرشد ہیں، میں آپ کو ان کی خدمت میں لے چلتا ہوں، وہ آپ کے شکوک و شبہات کو دور کر دیں گے اور آپ کو اطمینان قلب حاصل ہو جائے گا۔

مجھے اس پر یقین نہیں آتا تھا کہ سندھ میں ایسا ولی اللہ کامل کہاں ہوگا؟ میں نے ان مولوی صاحب سے بہت دفعہ کسی اولیاء اللہ کے لئے کہا، وہ مولوی صاحب ہمیشہ مجھے یہی جواب دیتے تھے کہ آخر ایک بار میرے ساتھ میرے مرشد کے پاس سندھ چلو تاکہ آپ کے شبہات دور ہو جائیں اور اطمینان خاطر ہو جائے۔ اگر وہاں آپ کے دل کو تسکین نہ ہو تو پھر آپ جس جگہ کے لئے کہیں گے، میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔

آخر کار میں ان مولوی صاحب کے کہنے پر ان کے ساتھ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا اور خدمت اقدس میں بیٹھ گیا۔ جس طرح حضرت والا کی عادت تھی کہ ہر ایک آنے والے سے خیریت و عافیت دریافت کرتے اور نام پوچھتے تھے اور یہ کہ کہاں سے آئے ہو وغیرہ، لیکن مجھے فقط خوش عافیت کہا اور کچھ نہیں پوچھا۔

عصر کی نماز کے لئے اذان کہی گئی، جماعت صف باندھ کر بیٹھ گئی۔ میں جنوب کی جانب صف میں بیٹھا تھا، جب اقامت کہی گئی اور حضرت والا اٹھے اور جنوب کی جانب منہ کر کے کھڑے ہو گئے اور ازار (تہبند) باندھ رہے تھے، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شعاع مثل شعاع

تجلی کے حضرت والا کے سینے سے میرے سینے اور قلب پر پڑ رہی ہے، اس سے میرے قلب میں ذکر جاری ہو گیا۔

اور پھر میرا یہ حال ہوا کہ میرے سارے بدن سے اور درو دیوار اور درختوں سے ذکر سنائی دینے لگا۔ اس وقت ہر چیز کو میں ذاکر دیکھتا تھا۔ اس کے بعد عام شبہات قلب ختم ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد میرے رفیق مولوی صاحب نے حضرت والا سے اجازت مانگی کہ میرے اس رفیق کو آپ سے کچھ پوچھنا ہے اور مجھ سے کہا کہ تم کو حضرت والا سے جو کچھ پوچھنا ہو، پوچھ لو۔ میں نے کہا کہ میرے شبہات حل ہو گئے، پوچھنے کی کوئی بات نہیں رہی۔

(تجلیات ص ۱۳۱) (تذکرہ شیخ ہالیجوی: ۲۱۶)

دم کی تاثیر

صاحب تجلیات شیخ ہالیجوی لکھتے ہیں:

یہ واقعہ بندہ نے خود دیکھا ہے کہ ایک غیر مسلم عورت آئی، وہ چوں عاقل کے قریب سے آئی تھی، ہندو تھی، چند ایک آدمی ہندو اس کے ساتھ تھے۔ نہایت روتی چلاتی، چیختی ہوئی آئی کہ ہائے میں مرگئی۔ حضرت نے دریافت کیا کہ کیا ہے؟ تو اس کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں نے بتایا کہ اس کے سینے پر پھوڑا ہے جس کی وجہ سے نہایت درد ہے اور کئی دن سے بے تاب ہے، نیند نہیں آتی۔ حضرت نے مسجد کے باہر انہیں بیٹھنے کا حکم دیا۔ وہ بیٹھ گئے تو حضرت نے مسجد کے اندر ہی سے دم کرنا شروع کیا اور اپنی داہنی انگشت شہادت سے اشارہ فرماتے گئے۔ فوراً اس عورت کو آرام ہو گیا اور اس کو وہیں نیند آ گئی۔ پھر حضرت نے مٹی کے ایک پاک ڈھیلے پر دم کر دیا اور فرمایا کہ اس کو پھوڑے پر پھیرتے رہو، انشاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ تو وہ ہندو ہماری کے لوگ دعائیں دیتے ہوئے واپس ہوئے۔ (تجلیات ص ۱۴۰) (تذکرہ شیخ ہالیجوی: ۲۱۸)

☆☆☆

محدث العصر حضرت

مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

تحریک ختم نبوت کے قائد

جامعہ بنوری ٹاؤن کے بانی

اپنے دور کے سب سے بڑے محدث

وفات	پیدائش
۱۹۷۷ء	۱۹۰۸ء

کارنامے جن کے دنیا کو ابھی تک یاد ہیں
ہم خدا کے فضل سے اس قوم کے افراد ہیں

سراپا عبادت

رمضان المبارک میں تو مولانا سراپا عبادت بن جاتے تھے۔ خوب ذوق و شوق سے روزے رکھتے اور رات کا بڑا حصہ نماز اور تلاوت میں گزارتے۔ گھٹنوں کے درد کے باوجود تراویح میں پانچ پانچ پارے سنتے اور جب حرمین شریفین میں ہوتے تو اس نشاط سے عبادت کرتے کہ دیکھنے والوں کو رشک آتا، بمشکل دو تین گھنٹے آرام کرتے۔ باقی سارا مختلف عبادات میں گزرتا۔ مجھے وہ وقت نہیں بھول سکتا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مسجد نبوی ﷺ میں معتکف تھے۔ گھٹنوں میں درد کی تکلیف کا سب لوگوں کو علم تھا۔ اتفاق سے اس مرض کے ایک ماہر اسپیشلسٹ ڈاکٹر جو غالباً لائل پور (فیصل آباد) کے تھے، مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ کسی نے ان سے مولانا کی بیماری کا ذکر کیا تو وہ مولانا کے پاس معتکف گاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! میں اس کا علاج گھٹنے میں ایک خاص انجکشن لگا کر کرتا ہوں اور فائدہ ہوتا ہے، چاہتا ہوں کہ آپ کو بھی لگاؤں۔ فرمایا، بہت اچھا۔

چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے بڑی محنت سے انجکشن لگایا اور عرض کیا کہ ضروری ہے کہ ایک دو دن آپ نماز بیٹھ کر ادا کریں، کھڑے ہو کر پڑھنے سے فائدہ زائل ہو جائیگا۔

آپ اس پر خاموش رہے لیکن جب عشاء کی جماعت کھڑی ہوئی تو آپ بھی کھڑے ہو گئے اور نہ صرف یہ کہ فرض نماز بلکہ اس کے بعد تراویح جس میں کئی پارے پڑھے گئے، پھر تہجد جس میں تین پارے ہوتے، سب میں اول سے آخر تک کھڑے رہے۔ فرض و نفل سب نمازیں کھڑے ہو کر ادا فرمائیں۔ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! باوجود ڈاکٹر کے منع کرنے کے آپ نے رات پھر سب نمازیں کھڑے ہو کر ادا فرمائیں، ایسا کیوں ہوا؟ تو جواب میں فرمایا:

بات یہ ہے کہ ڈاکٹر کے انجکشن سے مجھے درد میں سکون محسوس ہوا، لہذا دل میں آیا کہ کیوں نہ اس سکون سے روحانی فائدہ اٹھایا جائے۔ عشرہ اخیرہ کی یہ مبارک راتیں اور پھر مسجد نبوی ﷺ میں ہمیشہ ہمیشہ یہ تھوڑی ہی مل سکتی ہے، میں جسمانی راحت کی خاطر کیسے ان روحانی فیوض و برکات سے محروم ہو جاؤں، اللہ مالک ہے۔

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حضرت مولاناؒ باوجود گھٹنوں کے درد کے مسلسل کئی کئی طواف کرتے رہتے۔ اسی طرح عموماً صف اول میں کھڑے ہوتے اور جب احباب کے ساتھ حرم شریف میں بیٹھتے تو میزاب رحمت کے سامنے ایک جگہ مقرر تھی، ہمیشہ وہیں بیٹھتے اور ذکر و فکر اور وعظ و نصیحت فرماتے۔ (خصوصی نمبر، ص ۷۹۳)

تضرع وابتہال

جناب حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر فرماتے ہیں:

"میں نے افریقہ کے ایک طویل سفر میں دیکھا کہ تہجد سے فارغ ہو کر بیٹھے ہیں، زار و قطار رو رہے ہیں اور فرماتے جا رہے ہیں کہ ہم نے اللہ کے لئے کیا کیا؟ ہم نے اللہ کے لئے کیا کیا؟ نماز کے اہتمام کا یہ حال تھا کہ زیمبیا ایئر پورٹ سے جب شہر کی طرف روانہ ہوئے تو وہاں کے حضرات نے عرض کیا کہ عصر کی نماز شہر میں پہنچ کر پڑھیں گے مگر ایئر پورٹ شہر سے کافی دور تھا۔ جب راستہ میں دیکھا کہ سورج کے متغیر ہونے کا خطرہ ہے تو سختی سے موٹریں رکوا دیں اور تیمم فرمایا اور ایک طرف گھاس پر باجماعت نماز ادا کی اور فرمایا کہ اب اطمینان ہو گیا۔ سفر و حضر میں تہجد کی نماز آپ کا مستقل معمول تھا۔ پہلی دو رکعت خفیف ہوتیں، دوسری دو میں یٰسین تلاوت فرماتے۔ باقی رکعت میں مختلف سورتیں پڑھتے۔ (خصوصی نمبر، ص ۳۶۰)

ذوق تلاوت قرآن

حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:

مقام ابراہیم پر دیکھئے تو کچھ اور ہی شان ہے۔ میزاب رحمت کے نیچے بیٹھے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر رحمت الٰہی کی بارش ہو رہی ہے۔ بیت اللہ کے سامنے بیٹھے تلاوت کلام اللہ میں مشغول ہیں تو محسوس ہوتا کہ واقعی اپنے رب سے ہم کلام ہیں۔ اللہ اللہ! کیا غضب کا سوز تھا ان کی تلاوت میں۔ کیا عجیب کیف تھا ان کی دعاؤں کے مانگنے میں اور کیا لذت تھی ان کے سننے میں اور کیسا مزہ آتا تھا ان کے اشعار کے سننے؟

ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اعتکاف کے دوران بندہ نے عرض کیا کہ آپ نفلوں میں مجھے اپنا

مقتدی بنالیا کریں۔ میرا مقصد یہ تھا کہ آپ کی تلاوت سے محظوظ ہوں۔ فرمایا: اچھا۔

اس کے بعد صلوٰۃ اللیل میں آپ امام ہوتے اور میں مقتدی۔ سبحان اللہ! کیا درد تھا، کیسا سوز تھا ان کی آواز میں، دل چاہتا تھا کہ کبھی تلاوت ختم ہی نہ ہو۔ مجھے بچپن سے ہی اپنے شیخ قدس سرہ کی تلاوت میں بہت لطف آتا تھا، آپ کچھ اس انداز اور سوز و درد سے تلاوت فرماتے تھے کہ مجھے آپ کی تلاوت سننے کا شوق پیدا ہو گیا تھا اور جی چاہتا تھا کہ خوب طویل قرأت اور صرف قرآن کریم کی تلاوت کریم کی تلاوت سننے کے لئے میں ہمیشہ نماز جمعہ آپ کے پیچھے پڑھا کرتا تھا۔ (خصوصی نمبر، ص ۲۹)

ایک نشست میں چھبیس پاروں کی تلاوت

فرمایا کرتے تھے کہ جب میں دیوبند میں طالب علم تھا تو ایک روز میں نے فجر کی نماز ایک چھوٹی سی پکی عمارت کی مسجد میں پڑھی جہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی۔ نماز کے بعد میں نے اپنی چادر اس پکے فرش پر بچھا دی اور قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی۔ جمعہ کی نماز تک اسی ایک ہی نشست میں ایک ہی ہیئت پر ۲۶ پارے پڑھ لیے اور چونکہ جمعہ کی نماز کے لئے کسی دوسری مسجد میں جانا ناگزیر تھا، اس لئے پورا نہ کر سکا ورنہ پورا قرآن ختم کر لیتا۔

مجھے اللہ دے گا

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب لکھتے ہیں کہ:

افریقہ کے کسی ملک کا ایک سرمایہ دار حاضر خدمت ہوا۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے اپنی امارت و فارغ البالی کا اظہار کیا اور سرمایہ دارانہ مزاج کے مطابق اپنے مال و زر کی کثرت اور کاروبار کی وسعت کا تذکرہ کیا اور پھر کہنے لگا ''اس مدرسہ کو جتنا سرمایہ درکار ہو، میں دینے کو تیار ہوں۔''

اظہار ایثار خوب تھا مگر اس میں تعلّی اور تکبر کی جو بو تھی، حضرت کے مزاج لطیف پر گراں گزری۔ آپ نے ایسا جواب دیا کہ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ ان وارثان رسول ﷺ کے سامنے ہمارے سیم و زر کی کوئی وقعت نہیں اور ہمارا مال و دولت ان کی نظر

میں ریگِ صحراء سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ حضرت شیخ بنوریؒ نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا "مجھے تمہارے پیسے کی کوئی ضرورت نہیں، میرا اللہ مجھے دے گا"

(خصوصی نمبر، ص ۵۴۲)

پچاس ہزار روپے ٹھکرا دیئے

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب حضرت شیخ بنوریؒ کے استغناء اور خودداری کا دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

"حضرت شیخ بنوریؒ نے جب ٹنڈو اللہ یار کے مدرسے سے تعلق ختم کر لیا اور ابھی نئے مدرسہ کے بارے میں فکرمند تھے کہ کراچی کے ایک صاحب ثروت و مخیر انسان جناب سیٹھ محمد یوسف مرحوم نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ مدرسہ بنایئے اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری کو بھی بلا لیجئے۔ میں آپ دونوں حضرات کی پانچ سال کے لئے مشاہرہ کی رقم پچاس ہزار روپے (جب کرنسی کی قیمت بھی کم تھی) بینک میں جمع کرا دیتا ہوں۔

حضرتؒ نے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ میں چند وجوہ کی بنا پر مدرسہ شروع کرنے سے قبل کوئی امداد قبول کرنے سے معذور ہوں۔ ہاں مدرسہ بن جائے تو جو امداد فرمائیں گے، شکریہ کے ساتھ قبول کی جائے گی۔

مرحوم جانتے تھے کہ حضرت شیخ بنوریؒ مدرسہ بنانے کی فکر میں ہیں۔ دوسری طرف بے سروسامانی کا دور دورہ ہے۔ قرض سے گھر کا گزارہ چلا رہے ہیں، اس لئے انہوں نے حضرتؒ سے بے حد اصرار کیا مگر ان کے اصرار پر حضرتؒ کے انکار میں بھی ترقی ہوتی چلی گئی۔ بالآخر جناب یوسف صاحب مرحوم نے اپنے ساتھی سے پنجابی میں کہا: "سن دا ہی نیں"۔ یعنی حضرت میری بات سنتے ہی نہیں۔" (خصوصی نمبر، ص ۴۴۲)

مفت گاڑی اور مفت ڈرائیور

بعض مخلصین نے مدرسہ کے لئے گاڑی دینے کی پیشکش کی تو حضرت مولانا نے منظور نہیں فرمایا۔ بسا اوقات بعض احباب اصرار کرتے اور مختلف عنوانات سے اس کی ضرورت اور

اہمیت ثابت کرتے تو حضرت مولانا ہنس کر فرماتے کہ:

یہ جتنی ٹیکسیاں بازاروں میں چل رہی ہیں اور ہر وقت مہیا ہیں، یہ ہماری ہی تو ہیں۔ جب چاہو بلا لو ٹیکسی حاضر ہے۔ پھر ہمیں مدرسہ کے لئے گاڑی خرید کر آخرت کی مسئولیت اپنے ذمہ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم تو چاہتے ہیں کہ گاڑی بھی مفت ملے اور ڈرائیور بھی مفت ملے۔ (خصوصی نمبر، ص ۴۳۰)

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ایوب خان کے دور حکومت میں محکمہ اوقاف کو حکم دیا گیا کہ مدرسہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن پر فوراً قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ محکمہ اوقاف کی طرف سے قبضہ کرنے کی تیاری مکمل کر لی گئی۔ اس حکم کی تعمیل کے سلسلہ میں چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف مدرسہ میں آیا۔ جب حضرت شیخ بنوریؒ کو اطلاع ہوئی، دفتر میں تشریف لائے۔ ملاقات کے بعد چیف ایڈمنسٹریٹر کو کتب خانہ دکھایا، تفصیلی معائنہ کرانے کے بعد فرمایا:

"یہ بتایئے کہ کوئی شخص بڑی محنت اور کاوش کے ساتھ مختلف جگہوں سے ایک ایک پودا لا کر شاندار باغ لگائے، جب باغ مثمر اور بارآور ہونے لگے تو ایک ظالم آ کر تمام باغ کو ویران کر دے۔ تو کیا مالک باغ کو تکلیف نہیں ہو گی؟ فرمایا، یہ علمی چمن ہے، اس میں اس وقت جتنی قیمتی اور نادر کتب موجود ہیں، کس کو معلوم ہے کہ میں نے کس محنت اور عرق ریزی سے ان کو جمع کیا۔ بلاد عرب کے گوشہ گوشہ سے علمی جواہرات لا کر اس کتب خانہ میں رکھ دیئے۔ اب اس حدیقۃ العلم کو اگر کوئی ظالم ویران کرنا چاہے تو بتایئے مجھے کتنی اذیت پہنچے گی۔"

اس کے بعد حضرت شیخ بنوریؒ نے جلالی شان سے اس کے گریبان پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ قیامت کے روز تمہارا گریبان پکڑ کر احکم الحاکمین کے دربار میں استغاثہ پیش کروں گا کہ اس نے علمی چمن کو ویران کیا تھا۔

شیخ کی اس گفتگو سے چیف ایڈمنسٹریٹر اس قدر متاثر ہوا، کہنے لگا: "مولانا! آپ مطمئن رہیں، انشاء اللہ چمن یونہی رہے گا۔"

چنانچہ واپس جا کر چیف نے حکومت کو رپورٹ پیش کی کہ میں نے مدرسہ کا معائنہ کیا۔ ایسے

مدرسہ پر حکومت کا قبضہ کرنا خود حکومت کے لئے بدنامی کا باعث ہوگا۔

چند دنوں کے بعد حکومت کی طرف سے اطلاع آئی کہ ہم نے حکم واپس لے لیا۔

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

(خصوصی نمبر، ص ۵۲۱)

دینی مدارس، حکومتی عزائم اور مولانا بنوریؒ سدِ راہ

سکندر مرزا کے زمانہ میں پاکستان میں مغرب زدہ لوگوں کا طوطی بولتا تھا۔ حکومت کے ارباب حل و عقد پر بھی ہمیشہ اسی طبقہ کا اثر رہا۔ ان لوگوں کو یہ تکلیف تھی کہ حکومت جو بھی تجدد پسندانہ حکمت عملی تجویز کرے اس کے لئے صرف علماء کا طبقہ سنگِ راہ بن جاتا ہے۔ مولانا نور الحق صاحب سابق ڈین اسلامیہ کالج پشاور نے راقم الحروف سے بیان کیا کہ ایک دفعہ سابق صدر ایوب خان نے مجھ سے کہا کہ:

تیونس، مراکش، مصر، شام کسی جگہ بھی علماء حکومت کے خلاف دم نہیں مار سکتے، محکمہ اوقاف نے سب کو باندھ رکھا ہے۔ ایک پاکستان ایسا ملک ہے کہ حکومت کچھ کرتی ہے تو کراچی سے پشاور تک علماء اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر دیتے ہیں اور ملک میں ایک ہل چل پیدا ہو جاتی ہے۔ تم مصر جاؤ اور وہاں جا کر جائزہ لو کہ حکومت مصر نے کس ترکیب سے علماء کو باندھ رکھا ہے۔ پاکستان میں بھی علماء کو پابند کرنے کے لئے ایک منصوبہ تیار کرو۔ بریگیڈیئر گلزار احمد صاحب نے بھی میرے سامنے اسی قسم کے خیالات صدر ایوب سے نقل کیے تھے۔

چنانچہ ڈین صاحب مصر گئے اور واپسی پر صدر ایوب کے سامنے تمام مساجد اور مدارس عربیہ کو حکومت کی تحویل میں لینے کا نسخہ کیمیا تجویز کیا۔ صدر ایوب نے جب اس منصوبے پر عمل درآمد کے لئے تمام مدارس عربیہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ڈین صاحب نے ان سے کہا کہ:

مصر اور پاکستان کے حالات مختلف ہیں۔ ہماری سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر ہم مدارس کو حکومت کے قبضے میں لے لیں تو مولانا محمد یوسف بنوری جیسے علماء مدارس کی بجائے مسجد کی چٹائیوں پر بیٹھ کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیں گے۔ عرب ممالک میں تو عوام کو مدارس

کے لئے چندہ دینے کی عادت نہیں مگر پاکستان میں ایسے علماء ہیں کہ اگر انہوں نے مساجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تو عوام و مخلصین ان کو بغیر رسید کے چندے دیں گے اور مسجدوں میں پھر سے نئے آزاد مدرسے قائم ہو جائیں گے۔ حکومت کے سرکاری مدارس میں تو دینی علوم پڑھنے کے لئے کوئی نہیں آئے گا۔ اس طرح ہمارا یہ منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔

وزراء کے دربار سے اجتناب

جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب راوی ہیں کہ:

مولانا پسند و ناپسند (Like and Dislike) کے آدمی تھے۔ مداہنت و منافقت ان کے مسلک میں جرم عظیم تھی۔ جس کو چاہتے ٹوٹ کر چاہتے اور جس کو ناپسند کرتے کسی دوسرے کی زبانی اس کے ذکر سے بھی انہیں تکلیف ہوتی۔ ایک مرتبہ بھٹو صاحب کے دور حکومت میں ایک بااثر وفاقی وزیر کراچی آرہے تھے۔ ایک انجمن ان کو ظہرانہ پر بلا رہی تھی۔ کچھ گفتگو بھی مقصود تھی۔ دو ایک مولوی صاحبان بہت کوشاں تھے کہ مولانا بنوریؒ صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس میں شرکت فرمالیں۔

اس وقت مدرسے میں اتفاقاً میں موجود تھا۔ مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے فون پر بات کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ اس وقت کے ماحول سے مجھے کچھ گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ میں جلدی چلا آیا۔ چند روز بعد مولانا کی خدمت میں گیا تو اس بارے میں دریافت کیا۔ فرمانے لگے کہ میرا جی اندر سے نہ چاہتا تھا مگر ان مولوی صاحب کا مفتی محمد شفیع صاحب سے رشتہ داری کا تعلق تھا، اس لئے خاموش رہا اور اقرار یا انکار کچھ نہ کیا۔ چاہتا تھا کہ پہلے مفتی صاحب سے بات ہو جائے۔ مفتی صاحب اور میری دونوں کی رائے ہوئی کہ ہمیں اس میں شرکت نہ کرنی چاہئے۔ چنانچہ ہم دونوں میں سے وہاں کوئی نہ گیا۔ پھر خدا کی شان دیکھئے کہ دوسرے دن ان وزیر صاحب کا فون آیا کہ میں مدرسہ آنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ تشریف لائیے۔ وہ آئے، میں نے ان کی چائے وغیرہ سے خاطر تواضع کی مگر ساتھ ہی بھٹو صاحب کے لادینی اقدامات اور ملک میں بڑھتی ہوئی بے دینی کی طرف ان کی توجہ دلائی، موقع اچھا تھا۔

(خصوصی نمبر ص ۳۵۴)

ان کو لگام دیجئے

۱۹۶۸ء میں جب ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی (جس کا اہتمام ادارہ تحقیقات کے سابق ڈائریکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے کیا تھا) تو اس کے پہلے ہی اجلاس میں ایک مقرر نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولیات کو غلط انداز میں پیش کر کے متجددین کے آزادانہ اجتہاد کے لئے گنجائش پیدا کرنی چاہی اور اس کے لئے انداز ہی ایسا اختیار کیا کہ جیسے قوت اجتہادیہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے اور ہمارے درمیان کوئی خاص فرق نہیں۔ اس محفل میں عالم اسلام کے معروف اور جید علماء موجود تھے لیکن اس موقع پر اس بھرے مجمع میں جن صاحب کی آواز سب سے پہلے گونجی وہ حضرت مولانا بنوریؒ تھے۔ انہوں نے مقرر کی تقریر کے دوران ہی صدر محفل مفتی اعظم فلسطین مرحوم سے مخاطب کر کے فرمایا:

سیدی الرئیس الجموکم ان تلجموا ھذا الخطیب الجموکم ان تلجموہ، ماذا یقول؟

"جناب صدر! ان مقرر صاحب کو لگام دیجئے، براہ کرم ان کو لگام دیجئے، یہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

ان کے یہ بلیغ الفاظ آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں۔

انت ملك كريم

علامہ طنطاوی مرحوم سے حضرت مولانا بنوریؒ کا تعارف ہوا تو انہوں نے مولاناؒ سے پوچھا کہ کیا آپ نے میری تفسیر کا مطالعہ کیا ہے؟ مولاناؒ نے فرمایا کہ ہاں اتنا مطالعہ کیا ہے کہ اس کی بنیاد پر کتاب کے بارے میں رائے قائم کر سکتا ہوں۔ علامہ طنطاوی نے رائے پوچھی تو مولاناؒ نے فرمایا:

آپ کی کتاب اس لحاظ سے تو علماء کے لئے احسان عظیم ہے کہ اس میں سائنس کی بے شمار معلومات عربی زبان میں جمع ہو گئی ہیں۔ سائنس کی کتابیں چونکہ عموماً انگریزی زبان میں

ہوتی ہیں اس لئے علماء دین ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ آپ کی کتاب علماء دین کے لئے سائنسی معلومات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ لیکن جہاں تک قرآن کی تفسیر کا تعلق ہے، اس سلسلے میں آپ کے طرز فکر سے مجھے اختلاف ہے۔ آپ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ عصر حاضر کے سائنس دانوں کے نظریات کو کسی نہ کسی طرح قرآن کریم سے ثابت کر دیا جائے اور اس غرض کے لئے بسا اوقات تفسیر کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ سائنس کے نظریات آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ آج آپ جس نظریے کو قرآن کریم سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ کل وہ خود سائنس دانوں کے نزدیک غلط ثابت ہو جائے۔ کیا اس صورت میں آپ کی تفسیر پڑھنے والا شخص یہ نہ سمجھ بیٹھے گا کہ قرآن کریم کی بات (معاذ اللہ) غلط ہوگئی۔

مولاناؒ نے یہ بات ایسے مؤثر اور دل نشین انداز میں بیان فرمائی کہ علامہ طنطاوی مرحوم متاثر ہوئے اور فرمایا:

ایہا الشیخ! لست عالماً هندياً وانما انت ملك كريم انزله الله من السماء لاصلاحی۔

"حضرت آپ کوئی ہندوستانی عالم نہیں بلکہ آپ فرشتہ ہیں جسے اللہ نے میری اصلاح کے لئے نازل کیا ہے۔" (خصوصی نمبر ص ۵۳۷، ۵۳۰)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوداؤد پڑھی

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب فرماتے ہیں کہ:

ابوداؤد کے شروع میں فرمایا کہ "ہم نے ابوداؤد شریف امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ العزیز سے پڑھی ہے۔ اس سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، دیکھتا ہوں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوداؤد شریف پڑھ رہے ہیں۔ بے انتہا مسرت ہوئی۔ وہ نقشہ ابھی تک آنکھوں کے سامنے ہے۔ صبح کو میں نے حضرت الشیخ قدس سرہ کی خدمت میں یہ خواب عرض کیا۔ فرمایا کہ آپ کا پڑھنا قبول ہوگیا۔ یہ مقبولیت کی بشارت ہے۔" (خصوصی نمبر، ص ۵۴۱)

تبلیغ سے وابستگی کا ذریعہ

ایک مرتبہ حجاز مقدس میں مدرسہ صولتیہ حضرت اقدس کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ شیخ نے فرمایا کہ مولانا! آپ نے بتایا بھی نہیں کہ آپ حضرت تھانویؒ کے مجازین میں سے ہیں؟ اس پر مولانا نے تفصیل ذکر فرمائی اور اتنا روئے کہ دیکھا نہ جاتا تھا۔ حضرت شیخ مدظلہ سے یہ تعلق بھی حضرت مولاناؒ کی تبلیغ سے وابستگی کا ذریعہ بنا۔

حضرت مولاناؒ کے تبلیغ سے تعلق کا دوسرا سبب بعض اکابر کا مولاناؒ سے خصوصی تعلق تھا جن میں امیر تبلیغ مولانا محمد یوسف دہلوی صاحبؒ اور مولانا سعید احمد خان امیر تبلیغ حجاز مقدس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب جب بھی کراچی تشریف لاتے، مدرسہ میں اہتمام سے بلاتے، بیان کراتے اور دیر تک علیحدگی میں ان سے دل کی باتیں کرتے۔

میں کفن ساتھ لے جا رہا ہوں

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ راوی ہیں کہ:

> تحریک ختم نبوت کے دنوں میں حضرت بنوریؒ پر سوز و گداز کی جو کیفیت طاری رہتی تھی، وہ الفاظ کے جامہ تنگ میں نہیں سما سکتی۔ تحریک کے دنوں میں جو آخری سفر حضرت نے کراچی سے ملتان، لاہور، راولپنڈی، پشاور تک کیا، اس کی یاد بھی نہ بھولے گی۔ کراچی سے روانہ ہوئے تو حضرتؒ پر بے حد رقت طاری تھی اور جناب مفتی ولی حسن صاحب سے فرما رہے تھے: "مفتی صاحب! دعا کیجئے حق تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے، میں کفن ساتھ لے جا رہا ہوں، مسئلہ حل ہو گیا تو الحمدللہ، ورنہ شاید بنوری زندہ واپس نہ آئے گا۔"

حق تعالیٰ نے آپ کے سوز دروں کی لاج رکھ لی اور قادیانی ناسور کو جسد ملت سے کاٹ کر جدا کر دیا گیا۔ (بینات: ذوالحجہ ۱۳۹۷ھ)

بالآخر حضرت شیخ بنوریؒ کی جدوجہد، جذبہ، ولولہ، تڑپ اور عمل پیہم کی برکت سے قادیانیت کا قلعہ مسمار ہو گیا اور ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو آئینی طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔

قادیانیت کے خلاف ۱۹۷۴ء کو چلائی گئی تحریک کے قائد اول اور اس کاروان عزیمت کے سپہ سالار حضرت بنوریؒ ہی تھے اور وہ ساری زندگی اس فتنے کے خلاف سینہ سپر رہے۔

ہم کو مٹا سکے یہ زمانہ میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے، زمانہ سے ہم نہیں

(جمال یوسف:۴۵۳)

احترام حجاز

جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب رقمطراز ہیں کہ:

"حضرت شیخ بنوری فرماتے تھے کہ مکے کی سرزمین پر جب قدم رکھو تو کسی کو حقیر نہ سمجھنا۔ یاد رکھنا کعبہ مرکز تجلیات ہے۔ اس کے قرب و جوار میں رہنے والا خواہ کس حال میں ہو تم سے بہتر اور درجہ ایمان و توحید میں تم سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم شہر میں جگہ جگہ گندگی دیکھو یا لوگوں کی بعض عادات تمہاری ناگواری کا باعث ہوں، مگر دل پر میل نہ لانا اور تنقید (طعن و تشنیع) سے گریز کرنا۔" (خصوصی نمبر ص۴۴۳)

مہمان رسول ﷺ

جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب ایک اور واقعہ کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ:

"مسجد نبوی ﷺ میں اعتکاف کے دوران افطار اور سحری میں قسم قسم کے کھانے آتے تھے۔ اول اول میں نے کھانے میں کچھ تکلف کیا۔ حضرت شیخ بنوریؒ نے اس کو محسوس کر لیا۔ مجھ سے علیحدگی میں فرمایا، "تنزیل الرحمٰن! اگر آنحضرت ﷺ زندہ ہوتے اور ہم یہاں آتے تو ہم آنحضرت ﷺ کے مہمان ہوتے۔ آج آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں تو خادمان رسول ﷺ جو مدینہ النبی کے ساکن ہیں، ہماری میزبانی کرتے ہیں، ہم رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہیں اور یہ سب خادمان رسول ﷺ ہیں۔ تم کھانے میں کچھ تکلف نہ کیا کرو، رغبت سے کھایا کرو۔"

مولانا کا سمجھانے کا وہ پیار و محبت بھرا انداز جب بھی یاد آتا ہے، آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ (خصوصی نمبر، ص ۳۳۳)

یہاں ہم مالدار ہیں

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن لکھتے ہیں کہ:

۱۹۷۰ء میں میرا رمضان المبارک میں عمرے اور اعتکاف کے ارادے سے حرمین شریفین کے سفر کا ارادہ ہوا۔ حضرت شیخ بنوریؒ بھی تشریف لے جارہے تھے۔ ہوائی جہاز میں ہم دونوں کی سیٹیں برابر برابر تھیں۔ جب جہاز جدہ اترنے والا تھا تو ہمیں کارڈ دیئے گئے جس میں ہمیں مکہ معظمہ میں اپنے قیام کی جگہ لکھنی تھی۔

حضرت شیخ بنوریؒ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ اپنے سابق معلم اکرام الدین کے ہاں۔ فرمایا کہ نہیں، تم عبدالعزیز خوقر کا پتہ لکھو، میں وہیں ٹھہروں گا، تم میرے ساتھ ٹھہرنا، بس اب تم میرے مہمان ہو۔

اور حضرت شیخ بنوریؒ نے میری مہمانی کچھ اس شان سے کی کہ جس کو بیان کرنے سے زبان و قلم قاصر ہیں۔ جہاز سے اتر کر اور بعد عید مدینہ منورہ سے روانگی تک جملہ اخراجات خود حضرت شیخ نے برداشت کئے۔ حتیٰ کہ عمرہ اول سے سعی کے بعد بال منڈوانے کے لئے ہم دونوں حجام کی دکان پر گئے۔ حضرت شیخ بنوریؒ پہلے فارغ ہوگئے تو حجام کو اپنے اور میرے دونوں کے پیسے دے کر مجھ سے کمرے میں آجانے کا کہہ کر چلے گئے۔

غرض مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں قیام و طعام اور ٹیکسی وغیرہ کے کرائے، غرض تمام اخراجات خود ادا کئے اور اس شان سے کہ مجھے لب کھولنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ایک دن میں کہنے لگا کہ مولانا! آپ تو بہت مالدار ہیں۔ کہنے لگے نہیں بھائی مالدار تو تم ہو، البتہ یہاں بے شک ہم مالدار ہیں۔ (جمال یوسف: ۸۹)

رئیس المفسرین

حضرت مولانا سید حسین علی رحمۃ اللہ علیہ

قرآن کے شیدائی

حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد رشید

اہل بدعت کے لئے تلوار بے نیام

شرک و بدعت کی جڑیں اکھاڑ کر قرآن و سنت کو عام کرنے والے عظیم مجاہد

استاد المفسرین والمحدثین

وفات	پیدائش
۱۹۴۳ء	۱۸۶۷ء

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

قرآن کا فتویٰ

مولانا عبداللہ (ساہیوال ضلع سرگودھا سے تعلق تھا، میرے دادا مولانا فضل کریمؒ کے شاگرد تھے، مولانا حسین علیؒ کی شہرت سن کر واں بھچراں پہنچے تھے)۔ ساہیوال چونکہ ایک مشہور گدی کے قریب واقع ہے، اس گدی کا اثر پورے علاقے پر تھا، مولانا عبداللہ بھی متاثر تھے، اس لئے جب بھی مولانا حسین علیؒ غیر اللہ کو غائبانہ پکارنے والوں پر فتویٰ شرک لگاتے تو مولانا عبداللہؒ پریشان ہو جاتے، ذہن میں ہیجان اور اشکال تھا کہ غیر اللہ کو پکارنے والے مشرک، کافر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک روز وہ دل کی بات زبان پر لے آئے۔

وہ سنایا کرتے تھے کہ ایک دن مولانا حسین علیؒ چار پائی پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، بے تکلفی کا ماحول تھا، میں نے موقع غنیمت جانا اور عرض کیا کہ حضرت! آپ غیر اللہ کے پکارنے والوں کو مشرک کہتے ہیں، اس فتوے کی زد میں تو بڑے بڑے گدی نشین بھی آ جاتے ہیں، یہ آپ کی سختی اور تشدد ہے۔

میرے اتنا کہنے پر مولانا حسین علیؒ نے تکیے کی ٹیک چھوڑ دی اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ مجھ سے پوچھا، حافظ ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ فرمایا، سورۃ رعد کی آیت نمبر ۱۴ لہ دعوۃ الحق سے تلاوت شروع کرو۔ میں نے تلاوت شروع کی۔

لہ دعوۃ الحق والذین یدعون من دونہ لا یستجیبون لھم بشیء الا کباسط کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ھو ببالغہ

اسی کو پکارنا حق ہے، اور وہ لوگ جو اللہ کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں وہ نہیں جواب دے سکتے انہیں کچھ مگر اس شخص کی طرح جو پھیلائے اپنی ہتھیلیوں کو پانی کی طرف کہ پانی اس کے منہ تک پہنچے۔"

مولانا عبداللہ کہتے ہیں کہ جب میں تلاوت کرتے ہوئے وما دعاء الکافرین الا فی ضلال پر پہنچا تو مولانا حسین علیؒ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا "ذرا توجہ سے پڑھو، آیت کے پہلے حصے میں غیر اللہ کے پکارنے والوں کا ذکر ہے اور آخر میں وما دعاء الکافرین فرما

کران پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے۔" (مولانا حسین علی شخصیت اور کردار، تعلیمات: ۳۰)

شہر سے نکال دیئے گئے

حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ نے شرک زدہ ماحول اور بدعات کے شور میں جب قرآن و سنت کے دلائل سے توحید و سنت کو بیان کرنا شروع فرمایا، انہوں نے مشرکین و مبتدعین کی دو دکھتی رگیں پکڑیں کہ وہ تلملا کر رہ گئے اپنے موقف پر ان کے دیئے ہوئے دلائل نے شرک و بدعات کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ قرآن و حدیث کی شمع روشنی پھیلانے لگی اور آہستہ آہستہ باطل کے اندھیرے چھٹنے لگے۔ قرآنی دلائل کی تجلیاں فٹ ہونے لگیں تو (نور بجریوں) کے اصلی چہرے عوام الناس کو نظر آنے لگے۔ قرآن کی آیات بینات کے سامنے وارث شاہ کی ہیر اور سیف الملوک ماند پڑنے لگیں، آیات الٰہی کے آگے جھوٹے واقعات دم توڑنے لگے، حق کا چراغ جب جل اٹھا اور حق کا نور پھیلنے لگا تو عیار البطن علماء اور زر پرست پیروں کو خطرہ پیدا ہوا کہ یہ سلسلہ اگر اسی طرح جاری رہا تو ہماری مذہبی روایات عنقریب دم توڑ جائیں گی۔ ہمارے ڈھول کا پول کھل جائے گا، ہمارے باطل نظریات کی قلعی کھل جائے گی۔ انہوں نے سوچا کہ یہ سلسلہ اگر یونہی جاری رہا تو بدعات کے زہر پر جو سنہری کیپسول ہم نے چڑھا رکھے ہیں وہ اتر جائیں گے، لوگوں کو اگر توحید کی حقیقت سمجھ آ گئی تو ہماری شرک پرستی سے کوئی بھی متاثر نہیں ہوگا۔

اس لئے اس وقت کے علماء اور سرداروں نے مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف طوفان بدتمیزی اٹھایا، مخالفت و مخاصمت کا بازار گرم ہونے لگا، فتوے لگنے لگے، پھبتیاں کسی جانے لگیں، پتھر مارے گئے، راستے روکے گئے، قتل کی تدبیریں ہونے لگیں۔

آخرکار وہی کچھ ہوا جو توحید کے داعی کے ساتھ مشرکین کا پرانا وطیرہ ہے کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ، تم جیسے "گستاخ" ہمارے شہر میں رہنے کے لائق نہیں، قرآن گواہی دیتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو والد نے کہا:

لئن لم تنته لارجمنك واهجرني مليا (مریم ۴۶)

"اگر تو اپنی تبلیغ سے باز نہ آیا تو تجھ کو سنگسار کر دوں گا اور تو دور ہو جا میرے پاس سے

ایک وقت تک۔"

اسی طرح حضرت شعیبؑ نے جب مسئلہ توحید بیان فرمایا تو مدین کے سرداروں نے کہا:

لنخرجنک یا شعیب والذین آمنوا معک من قریتنا او لتعودن فی ملتنا

(سورۃ اعراف ۸۸)

"ہم یقیناً اے شعیب تجھے اور تیرے مومن ساتھیوں کو اپنے شہر سے نکال دیں گے یا تم ہمارے شرکیہ دین میں واپس لوٹ آؤ۔"

حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کو واں بھچراں کے رؤسا نے شہر سے نکالنے کی دھمکی دی اور اس طرح وہ انبیاء کرام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے آبائی گاؤں (واں بھچراں) سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اور واں بھچراں سے تقریباً چھ کلومیٹر کے فاصلے پر اپنی زرعی زمین میں ڈیرہ ڈال لیا اور اس طرح جنگل میں قرآن کا منگل لگا دیا۔ چشمہ تو جہاں بھی جاری ہو، پیاسے اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں، پھر یہ چشمہ فیض تو قرآن کے علوم کا چشمہ تھا، چنانچہ علم کے پیاسے آنے لگے اور قرآن کے موتیوں سے دامن بھرنے لگے۔

(مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات:۲۴)

ان کی وجہ سے دے رہا ہے

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ دورہ تفسیر پڑھاتے وقت رو رو کر یہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ سبق پڑھا رہے ہوتے تو ان کے چھوٹے بیٹے مولانا عبدالرزاق مرحوم جو اس وقت بچے تھے، آجاتے اور کہتے، بابا جی ساڈی ساری گندم طالب علم کھا گئے ہن (ہماری ساری گندم تو طالب علم کھا جاتے ہیں)۔ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرماتے:

"اللہ راضی تھیوے من اللہ دیندا وی تاں انہاں دی وجہ تو پیا اے۔" (ہمیں اللہ تعالیٰ دے بھی تو ان کی وجہ سے دے رہا ہے)

(مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات:۲۶)

استغناء

ایسے ناساز گار اور ناموافق حالات میں نواب آف بہاولپور ایک مسئلے کی تحقیق کے لئے مولانا حسین علی رحمۃ اللہ کے ڈیرے پر آئے، قرآنی علوم کے فیض کے اس چشمے کو دیکھا تو بڑے متاثر ہوئے اور پیشکش کی کہ اگر آپ قبول فرمائیں تو آپ کے مدرسے کے تمام اخراجات اور طلبہ کے کھانے کا بندوبست میں کر دیا کروں۔

بظاہر یہ بہت بڑی پیشکش تھی۔ آج اگر کوئی شخص کسی مدرسے کے مہتمم کو ایسی پیشکش کرے تو مہتمم صاحب بلا تحقیق قبول بھی فرمائیں گے اور جزاک اللہ کی دعاؤں سے اسے جنت کا حقدار بھی ٹھہرائیں گے۔ مگر حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پیشکش کے جواب میں کمال استغناء سے فرمایا:

> نواب صاحب! یہ علماء اور طلباء دور دراز علاقوں سے سفر کر کے میرے پاس قرآن کی تفسیر اور حدیث کی تشریح پڑھنے کے لئے آتے ہیں، میں ان کے پیٹ میں مشکوک روزی کے لقمے نہیں بلکہ حلال کمائی کے نوالے ڈالنا چاہتا ہوں۔ (مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۲۶)

مخالفت کا عجیب انداز

واں بھچراں کے سرداروں نے مولانا حسین علیؒ کو گاؤں چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور وہ گاؤں سے کئی میل دور اپنی زمینوں میں جا بسے، مگر قدیم مشرکین کی راہ و رسم کے عین مطابق وہاں کے لوگوں نے مولانا حسین علیؒ کو ناکام بنانے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا اور پوری کوشش صرف کی کہ لوگ ان تک نہ پہنچ سکیں۔

وہ باہر سے آنے والے انجان لوگوں کو حضرت صاحبؒ کے ڈیرے کا راستہ نہ بتاتے بلکہ پوچھنے والوں کو مخالف سمت کے راستے پر ڈال دیتے۔ مولانا عبدالواحد صاحبؒ (گوجرانوالہ) جب واں بھچراں اسٹیشن پر اترے اور لوگوں سے مولانا حسین علیؒ کے ڈیرے کا راستہ پوچھا تو انہیں مخالف سمت کا راستہ بتا دیا گیا۔ وہ جنوب کی جانب چار میل تک چلتے رہے،

وہاں جا کر معلوم کیا تو حقیقت واضح ہوئی کہ مخالفین نے غلط راہ کی راہنمائی کی تھی۔
(مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۴۷)

پانی بند کر دیا گیا

جب آپ واں بھچراں میں تھے اور مسئلہ توحید کو بیان فرما رہے تھے تو واں بھچراں کے رؤسا نے آپ کو واں بھچراں کے کنویں سے پانی بھرنے سے روک دیا۔ اس کنویں کے علاوہ اس زمانے میں نہ کوئی نہر تھی، نہ ندی اور نہ نالہ۔ مولانا حسین علیؒ نے ڈی سی میانوالی کو اس ظلم کے خلاف درخواست دی اور پانی بند کرنے کی وجوہات بتائیں۔ انگریز ڈی سی نے کہا کہ ہمارے ہاں عیسائیت میں بھی دو قسم کے افراد ہیں۔ پھر اس نے واں بھچراں کے رؤسا کو حکماً کہا اور اس طرح آپ کو کنویں سے پانی بھرنے کی سہولت میسر آئی۔
(مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۴۸)

کوئی سبزی دینے کے لئے بھی تیار نہ ہوا

حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ نے جب قرآن و سنت کے ذریعہ توحید الٰہی کو اور سیرت مصطفیٰ ﷺ کو واضح بیان کرنا شروع کیا اور شرک و بدعات کی بیخ کنی کیلئے انداز درصرف فرمایا۔ جب قرآن کی یہ ضیاء پاشیاں اور سنت کی یہ کرنیں ارد گرد کے ماحول کو روشن کرنے لگیں تو مخالفت و دشمنی میں بھی اضافہ ہونے لگا۔

اس دور میں پورے علاقے میں دیوبند اور علماء دیوبند کا بہت چرچا تھا۔ مولانا حسین علی نے بھی محدث کبیر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کو تقریر کے لئے میانوالی دعوت دی۔ آپ چاہتے تھے کہ عوام الناس کو پتہ چلے کہ تمام علماء دیوبند کا یہی نظریہ ہے جس کی تشہیر میں کر رہا ہوں۔ حضرت کشمیریؒ لاہور پہنچے اور وہاں سے میانوالی آئے۔ یہی وہ موقعہ تھا جب میانوالی کے کسی دکاندار نے آپ کو قیمتاً بھی سبزی نہ دی، اس لئے کہ مولانا حسین علیؒ وہابی ہے۔ آخر ایک سکھ سبزی فروش نے پوشیدہ طور پر سبزی دینے پر آمادگی کا اظہار کیا۔
(مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۴۸)

دین کا کام چلتا رہے گا

حضرت کشمیریؒ نے تقریر فرمائی۔ تقریر کے بعد واں بھچراں پہنچے تو ملک مظفر کے چچا ملک خدایار نے اسٹیشن پر روک لیا اور ہاتھ باندھ کر کہا کہ یہ آپ کے ساتھ مولانا حسین علیؒ ہیں، یہ ہم سب کو مشرک اور کافر کہتے ہیں، انہوں نے نہ کسی پیر کو چھوڑا ہے اور نہ کسی فقیر کو۔

حضرت کشمیریؒ نے فرمایا کہ ملک صاحب! مولانا حسین علیؒ کسی کو کافر نہیں کہتے، نہ ہی میں کسی کو کافر کہتا ہوں، نہ کوئی اور دیوبندی عالم کافر کہتا ہے، بلکہ ان عقائد رکھنے والوں کو قرآن کافر کہتا ہے۔

ملک خدایار حضرت کشمیریؒ کی بات سن کر غصے میں آگئے اور روایتی سرداروں کی طرح کہنے لگے:

"ہم دیوبند کے مدرسہ کو چندہ دیتے ہیں۔ اب اس علاقے سے نہ تو کوئی چندہ جائے گا اور نہ یہاں سے کوئی طالب علم جائے گا۔"

حضرت کشمیریؒ نے ملک خدایار کی غصیلی گفتگو سن کر فرمایا:

"ملک صاحب! دیوبند کا مدرسہ رہے نہ رہے، اللہ کے دین کا کام چلتا رہے گا۔" (مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۲۸)

سادگی

حضرت مولانا حسین علیؒ کی طبیعت اور مزاج میں انتہائی سادگی تھی۔ پہلی نظر میں کوئی پہچان بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ ہے وہ حسین علی جو رئیس المفسرین اور قدوۃ السالکین ہے۔ آپ اپنے گھر کے اکثر کام خود کرتے تھے۔ جانوروں کو چارہ ڈالتے، انہیں پانی پلاتے، زمینوں کو پانی لگاتے، خود ہل چلاتے، گندم کاٹتے، طلبہ میں بیٹھ کر کھانا کھاتے اور کبھی کبھی طلبہ کے بچے ہوئے روٹی کے ٹکڑے تناول فرماتے۔ (مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۳۲)

تمہاری رائے کیا ہے؟

حضرت مولانا حسین علی فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب کے ہاں بہت

بڑے عالم مولانا شیرازیؒ موجود تھے۔ کسی مسئلے پر گفتگو چھڑی ہوئی تھی۔ سوال و جواب ہو رہے تھے۔ خواجہ صاحب کا رخ میری طرف ہوا تو میں نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو اس مسئلے کے بارے میں میں کچھ عرض کروں۔ ارشاد ہوا کہ ہاں کہو۔ پھر میں نے اس مسئلے کے متعلق چاروں ائمہ کے مسلک بیان کر کے حنفی مسلک کی ترجیح بیان کی تو مولانا شیرازیؒ حیران و ششدر ہو کر میرا منہ تکنے لگے کہ ایک زمیندار اور جٹ نظر آنے والا اپنے سینے میں علوم کے اتنے معارف اور خزانے چھپائے ہوئے ہے۔

اس کے بعد جب حضرت خواجہ محمد عثمانؒ کی مجلس میں بھی کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آتا اور مجلس میں موجود علماء کرام اس پر بحث و گفتگو کرتے تو خواجہ صاحب فرماتے کہ مولوی حسین علی! تم اس مسئلے کے متعلق کیا جانتے ہو؟ مولانا حسین علیؒ اس مسئلے پر فقہ کی مختلف کتابوں کی آراء اور حوالہ جات پیش کرتے تو خواجہ صاحبؒ فرماتے، ''مولوی حسین علی! میں تم سے یہ نہیں پوچھ رہا کہ ہدایہ اور بحر الرائق والا کیا کہتا ہے، بلکہ میں تو یہ پوچھ رہا ہوں کہ اس مسئلے میں تمہاری رائے کیا ہے۔'' (مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۳۲)

نزع کا عالم اور قرآن کی تفسیر

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ علیہ کا آخری وقت تھا، نزع کا عالم طاری تھا، معمولی سا افاقہ ہوا تو انہوں نے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں سے پوچھا کہ باہر بیٹھک میں میرا کوئی عالم شاگرد موجود ہے؟ گھر والوں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا کہ میرے کسی شاگرد عالم کو بلاؤ اور اس سے کہو کہ مجھے زندگی کے ان آخری لمحات میں قرآن مجید کی تفسیر سنائے۔

اس واقعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ صحیح معنوں میں فنا فی القرآن تھے۔ (مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۳۵)

فنا فی القرآن

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ دورہ تفسیر اور تقاریر کے دوران اکثر سنایا کرتے تھے کہ میں جب اپنی شادی میں شرکت کے لئے دعوت دینے واں بھچراں گیا اور

حضرت صاحبؒ سے گزارش کی تو انہوں نے فرمایا:

اللہ راضی تھیوی! اتھے تیرے گراں کوئی قرآن سن سی۔ (وہاں آپ کے گاؤں میں کوئی قرآن سنے گا)۔

میں نے کہا کہ میرے گاؤں میں کوئی صحیح العقیدہ موحد نہیں ہے، کون سنے گا؟ مولانا حسین علی نے میری اس بات کے جواب میں فرمایا:

اللہ راضی تھیوی توں تاں سن سیں۔ (اور کوئی سنے یا نہ تم تو سنو گے)

تم سنو گے تو میں تمہیں قرآن سناؤں گا۔ اسے کہتے ہیں عاشق القرآن۔

(مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۳۵)

مجھ سے قرآن کی تفسیر پڑھ لو

بابا انہی والا پورے علاقہ کے معروف عالم دین اور بے مثال مدرس تھے۔ مولانا حسین علیؒ کی شہرت سنی تو بغرض ملاقات واں بھچراں پہنچے۔ واں بھچراں کے اسٹیشن پر بابا نے کسی شخص سے مولانا حسین علیؒ کا پتہ پوچھا تو اس شخص نے کہا جس گاڑی سے آپ اترے ہیں مولانا حسین علیؒ اسی میں سوار ہو کر سفر پر جا رہے ہیں۔ بابا بھی بھاگ کر گاڑی میں سوار ہوئے اور اس طرح مولانا حسین علیؒ سے ملاقات ہو گئی۔

حضرت مولانا حسین علیؒ غائبانہ طور پر بابا انہی والے سے متعارف بھی تھے اور ان کی تدریسی مہارت کی شہرت بھی سن چکے تھے۔ ملاقات ہونے پر آپ نے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ انہی سے آیا ہوں اور غلام رسول نام ہے۔ تپاک سے ملے، کچھ دیر گفتگو ہوتی رہی، حال احوال دریافت فرمانے کے بعد مولانا حسین علیؒ نے فرمایا:

اللہ راضی تھیوی میرے کولوں قرآن پڑھ لیویں ہا۔ (تجھ پر اللہ راضی ہو مجھ سے قرآن پڑھ لیں)۔

بابا انہی والا کہتے ہیں کہ یہ سن کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہ میں نے بیسیوں مرتبہ جلالین اور بیضاوی پڑھائی ہے، بے شمار تفاسیر زیر مطالعہ رہتی ہیں اور یہ مجھے قرآن کی تفسیر پڑھنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ بابا کہتے ہیں کہ میں دل کی بات زبان پر لے آیا اور کہا کہ

آپ مجھے قرآن کی تفسیر پڑھنے کی دعوت دے رہے ہیں، حالانکہ میں خود کئی مرتبہ تفسیر پڑھا چکا ہوں اور بڑے بڑے نامور علماء میرے شاگرد ہیں۔

میری بات سن کر فرمایا:

اللہ راضی تھیوی پڑھ کے دیکھ تاں سہی۔ (ایک مرتبہ پڑھ کر دیکھو تو سہی)

میں نے بے دلی سے کہا کہ اچھا پڑھا دیجئے۔

پھر مولانا حسین علیؒ نے دوران سفر ہی مجھے کئی پاروں اور سورتوں کی تفسیر پڑھا دی۔ میں روشناس رہا، پھر مجھے یوں محسوس ہوا کہ کئی مرتبہ جلالین اور بیضاوی پڑھانے کے باوجود آج تک قرآن مجھے سمجھ نہیں آیا، بلکہ قرآن تو میں نے آج سمجھا ہے۔

(مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۳۶)

میں صدر رنہ بن واں

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے سالانہ جلسہ میں مولانا حسین علیؒ کو بلایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جلسے میں بلایا تو فرمایا کہ آج کی نشست کے صدر آپ ہیں۔ مولانا حسین علیؒ نے فرمایا: "میں صدر نہ بن واں میں تاں وعظ کریساں۔" (میں صدر نہیں بنتا میں تو تقریر کروں گا)۔

مولانا لاہوریؒ نے آپ کو تقریر کی دعوت دی تو آپ نے سورۃ نمل بیان فرمائی، سورۃ نمل میں سیدنا سلیمان علیہ السلام، ملکہ بلقیس اور ہدہد کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ مولانا حسین علیؒ نے پنجابی زبان میں اس واقعہ کو بیان فرماتے ہوئے کہا:

"سلیمانؑ بھتاں ہدہد نوں بلقیس ول" (سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو بلقیس کی طرف بھیجا)۔

تقریر ختم ہوئی، آرام گاہ پہنچے تو مولانا حسین علیؒ نے میرے دادا مولانا فضل کریم سے پوچھا کہ مولوی فضل کریم، سنا میری تقریر کیسی رہی؟ میرے دادا نے مولانا حسین علیؒ کے شاگرد بھی تھے اور بے تکلف دوست بھی، اس لحاظ سے کبھی کبھی مزاح اور دل لگی کر لیا کرتے تھے۔ مولانا حسین علیؒ کے پوچھنے پر عرض کیا کہ حضرت! آج آپ کی تقریر لاجواب تھی اور لاہوری بہت خوش

ہوئے ہیں کہ میانوالی کے مولوی نے متعہ کو حلال اور جائز قرار دے دیا ہے۔ مولانا حسین علیؒ نے فرمایا، ''اللہ راضی تھیوی میں نے تو اپنی پوری تقریر میں متعہ کا نام تک نہیں لیا۔ پھر لاہوریوں نے یہ کس طرح سمجھ لیا۔'' میرے دادا مرحوم نے عرض کیا، ''آپ جب پنجابی میں فرماتے تھے کہ سلیمانی حتاں ہدہدتوں) بے چارے لاہوری اسے اہل تشیع والا متعہ سمجھتے تھے۔''

(مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۳۸)

کچھ اثر تو ہوا

ایک شخص مولانا حسین علیؒ کے پاس آیا اور عرض کی کہ میری بیوی ناراض ہو کر میکے چلی گئی ہے۔ آپ مجھے کوئی ایسا تعویذ دے دیں کہ وہ واپس میرے گھر آجائے۔ حضرت صاحبؒ نے اسے تعویذ دے دیا۔ کچھ مدت بعد وہ شخص آیا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ میاں تیرے مسئلے کا حل ہوا یا نہیں؟ اس نے کہا: ''حضرت! میں پہلے جب بیوی کو لینے کے لئے جاتا تھا تو وہ لوگ مجھے گالیاں دیتے تھے اور برا بھلا کہتے تھے مگر آپ سے تعویذ لے کر گیا ہوں تو انہوں نے مجھے ڈنڈوں سے مارا بھی ہے۔''

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ اس کی بات سن کر مسکرائے اور فرمایا، ''وت کجھ اثر تاں ہو یا ناں۔'' (پھر کچھ اثر تو ہوا نا)۔ (مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۳۹)

محبت رسول ﷺ کا واقعہ

حضرت مولانا عبدالرحمٰن شاہؒ راوی ہیں (مولانا عبدالرحمٰن شاہؒ جامعہ ضیاء العلوم سرگودھا میں بھی مدرس رہے، جامعہ مدنیہ چنیوٹ میں بھی تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں، بندیال میں بھی رہے، زندگی کے آخری ایام واں بھچراں میں گزارے)۔ فرماتے ہیں کہ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ نے جب قرآن کی تفسیر پڑھانے کا کام شروع کیا تو میں اس وقت واں بھچراں میں تھا اور شرکیہ عقیدے کا حامل تھا۔ مجھے مولانا حسین علیؒ سے انتہائی نفرت تھی اور میں ان کا شدید ترین مخالف تھا، میں سمجھتا تھا کہ وہ گستاخ رسول ہیں، بے ادب اور انبیاء کرام کی توہین کرتے ہیں۔

میرا ایک دوست میرے پاس آیا، اس نے مولانا حسین علیؒ سے ملاقات کرنی تھی، اس نے مجھے بھی ساتھ چلنے پر مجبور کیا۔ میں نے انکار کیا کہ وہ گستاخ رسول ہے اور میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ میرے دوست کا تقاضا شدت اختیار کر گیا تو میں اس کا دل رکھنے کے لئے تیار ہو گیا۔ جب ہم مولانا کے ڈیرے پر پہنچے تو مولانا حسین علیؒ مصلیٰ پر بیٹھے تھے اور طلبہ نیچے زمین پر پڑھ رہے تھے۔ مولانا حسین علیؒ غائبانہ مجھ سے متعارف تھے۔ میرے دوست سے معانقہ کیا، پھر میں آگے بڑھا تو میرے دوست نے میرا تعارف کروایا کہ حضرت! یہ عبدالرحمٰن شاہ ہے۔ مولانا حسین علیؒ مجھ سے ملے اور مصلے کے ایک کونے میں ہو کر مجھے مصلے پر اپنے پاس بٹھا لیا۔ میرے دوست نے کہا کہ حضرت! یہ ہمارا مخالف ہے اور مشرک ہے (آپ اس کی اتنی عزت افزائی فرما رہے ہیں)

مولانا حسین علیؒ نے سن کر فرمایا:

کچھ بھی ہے، ہمارے نبی ﷺ کی اولاد تو ہے، اس نسبت سے ان کا احترام ضروری ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن شاہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب یہ جملے سنے تو حیران اور ششدر رہ گیا کہ لوگ اس شخص کو گستاخ رسول اور نبی ﷺ کا دشمن کہتے ہیں جو مجھ ناچیز، نالائق کا صرف اس لئے احترام کر رہا ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کی اولاد اور ذریت ہوں، یہ شخص نبی اکرم ﷺ کا گستاخ اور رسول ﷺ کا دشمن نہیں ہو سکتا۔

مولانا عبدالرحمٰن شاہ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ سلوک دیکھ کر میں پوری زندگی انہی کا ہو گیا۔ (مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۳۰)

وفات کی افواہ

علالت کے زمانے میں اہل بدعت نے آپ کی وفات کی خبر ملک کے طول وعرض میں پھیلا دی اور دیوبند اور دیگر جگہوں میں ٹیلی گرام کے ذریعے اطلاع بھی کر دی۔ مولانا صوفی عبدالحمید سواتی لکھتے ہیں:

بخاری یا ترمذی شریف کا درس ہو رہا تھا۔ سیدی مرشدی حضرت شیخ الاسلام

مولانا مدنیؒ پڑھا رہے تھے کہ اثنائے درس میں کسی طالب علم نے رقعہ دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ میانوالی سے تار آیا ہے کہ حضرت مولانا حسین علیؒ جو حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے، وفات پا گئے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنی عادت مبارکہ کے مطابق رقعہ پڑھا اور اس کی تصحیح فرمائی کہ حضرت مولانا حسین علیؒ حضرت گنگوہیؒ کے تلمیذ تھے خلیفہ نہیں تھے۔ خلیفہ آپ حضرت خواجہ عثمانؒ آف موسیٰ زئی شریف کے تھے۔ پھر حضرت مدنیؒ نے نہایت افسوس کا اظہار فرمایا اور دعائے مغفرت فرمائی۔ اس کے بعد مدرسہ میں ایصال ثواب کے لئے نودرہ میں (حسب دستور) طلباء اور اساتذہ حضرات حاضر ہوئے۔ قرآن پاک کی تلاوت ہوئی اور پھر حضرت کی مغفرت اور رفعت درجات کے لئے دعا کی گئی۔

لیکن واقعہ کے چند دن بعد معلوم ہوا کہ یہ تار کسی بد باطن نے دیا تھا۔ حضرت مولانا حسین علیؒ تو ابھی بقید حیات ہیں۔ (مقدمہ فیوضات حسینی ص ۱۲)

(مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۴۰)

قرآن کریم سے شغف اور انہماک

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی لکھتے ہیں کہ: ایک بار حضرت مولاناؒ کو ایک مقدمہ کے سلسلہ میں میانوالی جانا تھا۔ اس لئے سورۃ شعراء کے درس کے دوران مختصراً خلاصہ مضامین بیان کر رہے تھے کہ ایک طالب علم نے بگڑ کر کہا کہ آپ ہمیں سبق پڑھا رہے ہیں کہ ذلیل کر رہے ہیں۔ چنانچہ مولانا نے نئے سرے سے مضمون شروع کر کے تفصیل سے بیان کیا اور درس کے آخر میں فرمایا کہ تم لوگ مجھے گالیاں بھی دو تو میں برا نہیں مانوں گا۔ میں تمہاری ہر بات سننے کے لئے تیار ہوں۔ توقع ہے کہ قرآن پاک کا جو علم آج تم حاصل کر رہے ہو کل اسے دوسرے لوگوں تک بھی پہنچاؤ گے۔ (مقدمہ فیوضات حسینی ص ۱۱)

درس قرآن

لاہور میں جمعیۃ علمائے ہند کی ایک کانفرنس کے موقع پر حضرت صاحبؒ نے سورہ حم

مومن کا درس دیا۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند صدر مجلس تھے۔ وہ خاص متاثر ہو رہے تھے۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ حضرت مولانا صاحبؒ کی بہت تعریف کرتے تھے۔ (مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۸۵)

مجھے مسجد سے نکال دیا گیا

مولانا غلام اللہ خان کا بیان ہے کہ:

میں ان دنوں گجرات میں خطیب تھا اور گجرات کے اہل بدعت میری تقریروں سے سخت نالاں تھے۔ کسی نے میری طرف سے حضرت کو خط لکھا کہ یہاں توحید کے بیان کی سخت ضرورت ہے، بس آپ آکر مسئلہ بیان کر جائیں۔

میں ایک روز عصر کی نماز پڑھا کر فارغ ہوا تو کیا دیکھا کہ نمازیوں میں حضرت بھی موجود ہیں۔ میں حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ حضرت! خیریت ہے؟ تو فرمایا، ''اللہ راضی تمہوی تیڈا خط ملیا آ کے مسئلہ سنا جاتے میں آ گیا آں'' میں سمجھ گیا کہ کسی کی شرارت ہے۔ بہر حال اب کیا کیا جا سکتا تھا۔ رات کو حضرت کی تقریر ہوئی اور اگلے روز مجھے مسجد سے نکال دیا گیا۔

(شیخ القرآن نمبر ص ۱۱)

میری سمجھ میں آ گیا

'سیال شریف کے عرس کے موقع پر حضرت مولاناؒ نے عوام سے خطاب کرتے ہوئے مسئلہ علم غیب بیان کیا۔ پیر صاحب نے اپنے مدرسہ کے شیخ الحدیث کو مولانا کی تقریر کا جواب دینے کے لئے کہا۔ انہوں نے بات اگلے روز پر ٹالتے ہوئے کہا کہ میں کل دلائل کے ساتھ مولانا کی تردید کروں گا۔

لیکن اگلے روز شیخ الحدیث صاحب نے پیر صاحب سے علیحدگی میں ملاقات کی اور کہا کہ مسئلہ میری سمجھ میں آ گیا ہے۔ حق وہی ہے جو کل حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ نے بیان کیا۔ میں مزید مدرسہ میں خدمت سرانجام نہیں دے سکتا، اس لئے استعفیٰ حاضر ہے، جاتا

ہول۔ (روایت بابا عبدالشکور حنفی ناظم کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی)
(مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۸۶)

اکٹھا کھانا پکتا تھا

حضرت مولانا کے لخت جگر مولانا عبدالرزاق مرحوم نے راقم سے روایت کی:
ایک بار میں نے والد صاحب سے شکایت کی کہ آپ گھر کی ضروریات کا خیال نہیں کرتے اور سب کچھ طالب علموں پر خرچ کر دیتے ہیں۔ حضرت مولانا نے جواب دیا کہ بیٹا مجھے اور تم سب کو ان طالب علموں کا ممنون ہونا چاہیے کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں عزت کی روٹی دے رہا ہے۔ ہمارے رزق میں برکت انہی کی وجہ سے تو ہے۔ یہ ہمارے نہیں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔
مولانا عبدالرزاق صاحب نے فرمایا کہ:
گھر والوں اور طالب علموں کے لئے کھانا اکٹھا ہی پکتا تھا۔ حضرت مولانا والد صاحبؒ اور طالب علم اکٹھے مل کر کھانا کھاتے تھے۔ جو بچ جاتا وہ امی جی اور ہم سب لوگ کھاتے تھے۔ (مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۹۰)

طلباء کی خدمت

حضرت مولانا غلام اللہ خان فرماتے ہیں کہ:
حضرت مولانا کے تمام تلامذہ اور احباب گواہ ہیں کہ حضرت مولانا ہر روز جب کہ تمام طلباء خواب شیریں کے مزے لے رہے ہوتے تھے۔ خود ہی کوزوں میں پانی بھر دیا کرتے تھے۔ طلباء جب فجر کی نماز کیلئے بیدار ہوتے تھے، تو انہیں وضو کے لئے کوزے پانی سے بھرے ہوئے ملتے تھے۔ میں شروع شروع میں وہاں پہنچ کر گیا تو اس بات پر سخت حیران ہوتا تھا۔ میں نے ایک ساتھی طالب علم سے تذکرہ کیا تو پتہ چلا کہ یہ کام حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ خود ہی کرتے ہیں۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ اگلی رات میں تصدیق کے

لئے رات بھر جاگتا رہا۔ آخر شب برتنوں کے اٹھانے اور رکھنے کی آوازیں
آئیں تو میں دبے پاؤں اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ مسجد کی جانب گیا تو
دیکھا کہ حضرت مولانا حسین علیؒ کوزوں میں پانی بھرنے میں مصروف ہیں۔
میں نے آگے بڑھ کر یہ کام کرنا چاہا تو حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ کیا
تم نہیں چاہتے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کا علم حاصل کرتے ہیں، ان کی
تھوڑی سی خدمت سے مجھے بھی ثواب حاصل ہو جائے۔''

(مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۹۱)

جوتا بھی تو پہننا تھا

اپنے شیخ و مرشد حضرت مولاناؒ کی سادگی کا ایک واقعہ مولانا غلام اللہ خانؒ اس طرح
بیان کرتے ہیں کہ:

میں نے ایک بار گرم جرابوں کا ایک جوڑا حضرت مولاناؒ کی خدمت میں پیش کیا
کہ سردیوں میں آرام رہے گا۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ جرابیں کیچڑ سے
لتھڑی ہوئی ہیں اور حضرت مولاناؒ ان سے کیچڑ صاف کر رہے ہیں۔ میں نے
عرض کیا کہ حضرت! جوتا بھی تو پہننا تھا۔ اس پر سادگی سے مسکرائے اور فرمایا،
''اللہ راضی تھیوی، میں سمجھا ایہہ ای پانیاں نیں۔ (اللہ راضی ہو، میں سمجھ
کر اسی طرح پہنتے ہیں)۔ (مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۹۲)

لاکھوں میں ایک

تصنع اور بناوٹ سے پاک زندگی گزارنے کا ایک واقعہ مولانا صوفی عبدالحمید سواتی نے
فیوضات حسینی کے مقدمہ میں درج کیا ہے کہ:

ایک بار دہلی سے ایک عالم حضرت مولاناؒ کے علم و فضل کا شہرہ سن کر واں
بھچراں پہنچے۔ اس وقت حضرت مولاناؒ مٹی کا گارا بنا کر اپنے گھر کی دیوار
درست کرنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے لوگوں سے حضرت مولاناؒ کے

بارے میں پوچھا تو کسی نے اشارے سے ان کی راہنمائی کی۔ مگر اس حالت میں دیکھ کر انہیں یقین نہ آیا۔ لیکن جب انہیں بتایا گیا کہ ان سے مذاق نہیں کیا گیا تو انگشت بدنداں رہ گئے۔ کچھ دنوں بعد جب وہ واپس جا رہے تھے تو ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ مجھے اس علم و فضل کا مالک عالم باعمل ہندوستان کے مرکز دہلی میں بھی نظر نہیں آیا۔

اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ حضرت مولانا کے صاحبزادے مولانا عبدالرزاق صاحب نے بیان کیا کہ:

ایک بزرگ عالم حضرت مولانا کی شہرت سن کر بمبئی سے تشریف لائے تاکہ کچھ تفسیری اشکالات سمجھ سکیں۔ حضرت مولانا کھیتوں میں جانوروں کے لئے چارہ کاٹ رہے تھے، وہیں ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے پوچھا کہ بھائی حضرت مولانا حسین علی صاحب سے ملنا ہے، وہ کہاں ملیں گے؟ حضرت مولانا نے فرمایا کہ ابھی بتاتا ہوں۔

چارہ اکٹھا کر کے گٹھا بنایا اور سر پر اٹھا لیا اور کہا کہ میرے ساتھ آئیں۔ اس بزرگ عالم نے انہیں حضرت مولانا کا خادم سمجھا۔ راستہ میں حضرت مولانا نے پوچھا کہ حسین علیؒ سے کیا کام ہے؟ انہوں نے آمد کا مقصد بتایا۔ حضرت مولانا نے چلتے چلتے راستے ہی میں ان اشکالات کا حل بیان کیا۔ وہ بہت حیران ہوئے کہ حضرت مولانا کا خادم کس قدر وسیع العلم ہے۔ تھوڑی دیر بعد جب حضرت مولانا نے مسجد میں درس دینا شروع کیا تب ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ معمولی کسان حضرت مولانا کا خادم نہیں بلکہ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ ہیں۔

حضرت مولانا نے انہیں بڑے اکرام سے چند دن ٹھہرایا اور قرآن پاک کا خلاصہ پڑھایا اور چند دن کے بعد انہیں گھوڑی پر بٹھا کر خود ریلوے اسٹیشن تک رخصت کرنے گئے۔ واپس ہوتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر میں

حضرت مولانا سے مل کر چند دن قرآن پاک نہ دیکھ لیتا تو اپنے آپ کو جاہل ہی سمجھتا۔ (مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۹۲)

مجھے خرچہ مل گیا

مولانا غلام اللہ خانؒ اپنی تقاریر میں اکثر یہ واقعہ بیان کیا کرتے تھے کہ:

پہلی حضرت مولاناؒ سے ملنے واں بھچراں گیا۔ تو واپسی کا کرایہ میرے پاس نہ تھا۔ میں پریشان تو تھا مگر پھر خیال کیا کہ میانوالی میں کسی ملنے والے سے ادھار لے لوں گا۔ صبح حضرت مولاناؒ سے رخصت کی اجازت لینے حاضر ہوا تو حضرت مولاناؒ نے دو روپے عنایت کیے اور فرمایا کہ اللہ راضی تھیوی رکھ گھن کم آسن (اللہ راضی ہو، رکھ لو کام آئیں گے)۔ میں نے پیسے لے لئے اور اتنا ہی خرچہ میرے گھر پہنچنے کا تھا۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن شمارہ ۱۹۵۶ء)

اکابرین امت کا احترام و اکرام

حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

میں نے سماع موتیٰ کی نفی کرنے والی قرآنی آیات کے حوالے سے پوچھا کہ کیا سماع موتیٰ کا عقیدہ ان آیات کی روشنی میں کفر ہے اور ایسے عقیدے والے کی تکفیر کرنی چاہیے یا نہیں؟ تو حضرت مولاناؒ نے فرمایا "اللہ راضی تھیوی، اس مسئلے میں اماموں کا اختلاف ہے اور میں اماموں کو کافر کیسے کہہ سکتا ہوں؟"

مولانا احمد خانؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولاناؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

جس مسئلہ میں ہمارے اماموں کا اختلاف ہو، اس میں جس قول کے مطابق کوئی عمل کرے اسے کچھ نہیں کہنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قبر کے پاس جو بات کی جائے اس کو مردہ سنتا ہے تو ایسے شخص کو کافر نہ کہنا چاہیے کیونکہ اس میں اماموں کا اختلاف ہے اگرچہ امام ابو حنیفہ کا یہ مذہب نہیں۔

(مولانا حسین علی شخصیت، کردار، تعلیمات: ۹۵)

بابرکت روپیہ

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں حضرت بڑے بابرکت تھے قاضی نور محمد صاحب (قلعہ دیدار سنگھ) مرحوم جب حج پر تشریف لے گئے تو حضرت نے ان کو ایک روپیہ دے کر فرمایا کہ جب اور روپے خرچ ہو جائیں تو آخر میں یہ روپیہ خرچ کر لینا وہ روپیہ قاضی صاحب کے بٹوے میں رہتے رہتے سیاہ ہو گیا اور یہ نوبت نہ آئی کہ اور خرچ ہو جائیں اور اس کو خرچ کریں یہاں تک کہ قاضی صاحب دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(اکابر ۶۳۹)

کلی متواطی

ایک دن خود حضرت مولانا حسین علی صاحب نے فرمایا کہ میں شروع میں ہندوستان پڑھنے کے لئے جب گیا تو مولانا احمد حسن امروہی رحمۃ اللہ کی خدمت میں دیر سے پہنچا مولانا نے فرمایا کہ داخلہ بند ہو چکا ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت داخلہ بند ہونے کا کیا مطلب ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ کھانا اور کتابیں نہیں مل سکیں گی میں نے عرض کیا کہ سبقوں میں شامل ہونے کی اجازت مرحمت فرما دیں باقی اسباب بھی ہو جائیں گے البتہ کتابوں کے ملنے کی طرف میں نے توجہ دلائی' مولانا نے فرمایا کہ روٹی سے متعلق؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت دکانوں سے مانگ کر گزارا اوقات کر لیں گے اس پر مولانا مسکرا دیئے اور آپ نے فرمایا کہ کن اسباق میں شامل ہو گے میں نے کہا سب میں شامل ہو جاؤں گا اس پر طلباء ہنس پڑے اور میرا نام کلی متواطی رکھ دیا دوسرے دن میں اسباق میں شامل ہو گیا دوران سبق میں نے ایک مقام پر دریافت کیا مولانا احمد حسن نے مجھے غور سے دیکھ کر جواب دیا اور اختتام سبق پر فرمایا کہ میری مطالعہ والی کتابیں اس طالب کو دے دی جائیں اس طرح دو تین دن گزرے تھے جب میں سوال یا کوئی اعتراض کرتا تو مولانا پہلے غور سے میرے چہرے کی طرف دیکھتے اور پھر جواب دیتے تیسرے دن فرمایا کہ ہماری صاحبزادی کے ہاں سے پیغام آیا ہے کہ ایک طالب علم کا کھانا ہمارے گھر لگوا دیا جائے اس طرح اللہ تعالیٰ نے سب انتظامات کر دیئے (اکابر ۳۶۳)

رسمی باتوں سے اجتناب

حضرت صوفی صاحب فرماتے ہیں آپ کی وفات کے قریب آپ کے متوسلین آپ کے پاس جمع ہوئے اور جماعت کی تشکیل کے بارہ میں مشورہ کیا حضرت نے فرمایا کہ میں نے ساری عمر اللہ کی رضا کے لئے کام کیا ہے جو شخص لوجہ اللہ کام کرتا ہے تو اسی طریق پر کرے کہ رسمی باتوں کو میں پسند نہیں کرتا چنانچہ مولانا قاضی شمس الدین صاحب اپنی ایک تحریر میں فرماتے ہیں کہ حضرت مرحوم کی وفات کے وقت احقر موجود نہ تھا البتہ اس سے قبل ہم سب جمع ہوئے اور استدعا کی کہ تبلیغ کے لئے لاؤڈ اسپیکر خرید لیں فرمایا کہ ایسے ہی سادہ طریق پر تبلیغ کرو جب حضرت مرحوم بیمار تھے تو احقر نے عرض کیا کہ آپ کو ایبٹ آباد لے چلیں فرمایا عجیب جگہ بتائی ہے یہ موقع تو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں لے جانے کا ہے یا ایبٹ آباد کو مرنے کا؟

(الاکابر ص ۳۶)

بزرگوں سے عقیدت

مولانا غلام نبی صاحب اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ سے دریافت کیا سرہند شریف جانے کے بارہ میں آپ نے فرمایا کہ سرہند شریف بہت فیض کا مقام ہے آپ بھی جایا کریں چنانچہ ایک دفعہ میں سرہند گیا تو وہاں کے سجادہ نشین محمد صادق نے کہا کہ حضرت مولانا حسین علیؒ یہاں تشریف لاتے ہیں۔

(الاکابر ص ۳۷)

جمہور کے مسلک کا احترام

مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مسئلہ سماع موتی کے بارہ میں حضرت مولانا حسین علی کی ذاتی رائے عدم سماع کی طرف معلوم ہوتی ہے جیسا کہ تحریرات حدیث میں اس پر پوری بحث موجود ہے۔ لیکن اس کے ساتھ جمہور کے مسلک کو بھی بڑے شرح صدر کے ساتھ آپ نے لکھا ہے۔۔۔ ورنو من بان المیت یعرف من یزورہ اذا اتاہ واکدہ یوم الجمعۃ بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس (تحریرات حدیث ص ۳۵۷) اور ہم اس

بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ میت پہنچا تا ہے جو انکی زیارت کے لئے جاتا ہے اور یہ بات بروز جمعہ طلوع فجر کے بعد اور سورج نکلنے سے قبل بہت زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ جس سے آپ کی انصاف پسندی اور جمہور کے مسلک کا احترام صاف ظاہر ہے۔ (الاکابر ۲۷۳)

کوئی بات پوچھنی ہو تو پوچھ لو

حضرت صوفی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب مدظلہ کا بیان ہے کہ جب میں بیعت کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو اس وقت حضرت نے اپنے ہاتھ مبارک سے تحفہ ابراہیمیہ کا نسخہ مجھے عنایت فرمایا تھا اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ اس کا مطالعہ کر لو اور اگر کوئی بات پوچھنی ہو تو پوچھ لو چنانچہ میں نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ میں اس کا مطالعہ کیا اور بعض مقامات سے کچھ باتیں حضرت سے دریافت کیں آپ نے ان کا جواب عنایت فرمایا (الاکابر ۲۷۵) فیوضات حسینی المعروف تحفہ ابراہیمیہ حضرت مولانا شیخ حسین علیؒ کی سلوک و تصوف پر ایک دقیق جامع اور مختصر تصنیف ہے استاد محترم مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ علیہ نے اس کا اردو ترجمہ کر کے اس پر ایک شاندار مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔

☆☆☆

مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا محمد شفیع علیہ رحمۃ اللہ

تحریک پاکستان کے عظیم مجاہد

شرک و بدعت کے خلاف تیغ بے نیام

مفتی دارالعلوم دیوبند

مفتی اعظم پاکستان

مفسر قرآن

اپنے دور کے عظیم مصنف

پیدائش	وفات
۱۸۹۷	۱۹۷۶ء

کلیوں کو میں خون جگر دے کے چلا ہوں
برسوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

خدمت خلق اور بے نفسی کا ایک سبق آموز واقعہ

مولانا محمد رفیع عثمانی لکھتے ہیں کہ سردیوں کی ایک رات میں والد صاحبؒ بذریعہ ریل تھانہ بھون اسٹیشن پر اترے۔ برانچ لائن پر یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا اسٹیشن بھی بہت چھوٹا اور آبادی سے کافی دور ہے۔ راستہ میں کھیت اور غیر آباد زمینیں ہیں، وہاں اس زمانے میں بجلی تو تھی ہی نہیں، رات کے وقت قلی یا سواری ملنے کا بھی امکان نہ تھا کیونکہ اس وقت اکا دکا ہی کوئی مسافر آتا جاتا تھا۔ گاڑی دو تین منٹ رک کر روانہ ہو گئی۔ اسٹیشن پر ہو کا عالم تھا، ہر طرف جنگل، اندھیری رات اور سناٹا۔ اسٹیشن سے قیام گاہ تک آمد و رفت عموماً پیادہ پا ہوتی تھی، والد صاحبؒ تنہا تھے، سامان بھی ساتھ نہ تھا، اس لئے کوئی فکر نہ تھی۔ اچانک آواز آئی: "قلی قلی!"۔ یہ آواز بار بار آ رہی تھی اور اب اس میں گھبراہٹ بھی شامل ہو گئی تھی۔ کوئی صاحب مع اہل و عیال اسی گاڑی سے اترے تھے، قلی نہیں مل رہا تھا جو آبادی تک سامان پہنچا دے۔ یہ والد صاحبؒ کے ایک واقف کار تھے اور عقیدت مندانہ ملتے تھے۔ والد صاحبؒ سے اپنا بوجھ اٹھوانے پر ہرگز راضی نہ ہوتے یا عمر بھر ندامت کے بوجھ میں دبے رہتے۔

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جلدی سے سر پر رومال لپیٹ کر اوپر سے چادر ڈالی اور مزدوراتہ ہیئت میں تیزی سے پہنچ کر کہا: "سامان رکھواؤ کہاں جانا ہے۔" انہوں نے پتہ مختصراً بتاتے ہوئے میرے سر پر سامان لادنا شروع کر دیا۔ پہلا بکس ہی اتنا بھاری تھا کہ میں نے کبھی نہ اٹھایا تھا، اس پر دوسرا بکس رکھا، تیسرا عدد میرے ہاتھ میں اور بغل میں تھمانا چاہتے تھے، میں نے دونوں ہاتھوں سے بمشکل ان بکسوں کو سنبھالتے ہوئے کہا: "حضور! میں کمزور آدمی ہوں زیادہ نہیں اٹھ سکتا۔" (یہ تیسرا عدد آپ سنبھال لیں)۔

یہ مختصر قافلہ روانہ ہوا، بوجھ سے پاؤں ڈگمگا رہے تھے، مگر میری اس کمزوری کو میری تاریکی نے چھپا لیا تھا، جو انہیں راستہ دکھا رہی تھی اور میری طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ دیتی تھی۔ ان کی قیامگاہ پر سامان اتارا۔ وہ یہ کہہ کر ذرا اندر گئے کہ "ابھی آکر پیسے دیتے ہیں۔" میں موقع پا کر وہاں سے غائب ہو گیا۔ اگلے دن وہ صاحب خانقاہ میں حسب سابق بڑے تعظیم

سے ملے مگر انہیں کیا معلوم کہ وہ ایک ''قلی'' سے مل رہے ہیں۔ (حیات مفتی اعظم ۵۰)

ایسا ہی ایک اور واقعہ

ایک واقعہ بھی سنایا کہ:

میں دیو بند میں ایک دن فجر کی نماز کے لئے جا رہا تھا، سامنے ایک بہت ہی ضعیف بڑی بی کو دیکھا جو پانی کا گھڑا کنویں سے بھر کر لا رہی تھیں مگر اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا۔ بمشکل چند قدم چل کر زمین پر بیٹھ جاتی تھیں، مجھ سے دیکھا نہ گیا۔ پاس جا کر کہا: ''اماں، یہ گھڑا تمہارے گھر پہنچا دوں۔'' یہ کہہ کر میں نے گھڑا اٹھا لیا۔ وہ جولاہوں کے محلے میں رہتی تھی اور اسی برادری سے تعلق رکھتی تھیں۔ جب میں گھڑا بڑی بی کے گھر میں رکھ کر باہر نکلا تو وہ نہایت لجاجت اور الحاح کے ساتھ دعائیں دینے لگیں جو مجھے کافی آگے تک سنائی دیتی رہیں۔

اگلے دن پھر اسی وقت وہی حال میں ملیں، میں نے گھڑا اٹھا کر ان کے گھر پہنچا دیا۔ واپسی پر دور تک پھر ان کی دعائیں سنتا رہا۔ میں نے یہ سوچ کر کہ یہ سودا تو بڑا سستا ہے کہ چند منٹ کی محنت پر اتنی دعائیں ملتی ہیں، میں نے روز کا یہی معمول بنا لیا۔ بڑی بی بھی اس کی عادی ہوگئیں، اب میں کنویں پر ہی پہنچنے کی کوشش کرتا تھا تاکہ انہیں ڈول بھی کھینچنا نہ پڑے۔ بحمد اللہ یہ معمول عرصہ دراز تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ بڑی بی نے ہی آنا چھوڑ دیا۔ شاید ان کا انتقال ہوگیا تھا۔

پھر فرمایا کہ یہ واقعہ بھی آج پہلی بار تم ہی کو بتا رہا ہوں تاکہ کچھ سبق حاصل کرو۔
(حیات مفتی اعظم ۵۲)

ایک سازش

مفتی محمد رفیع عثمانی لکھتے ہیں کہ شخصیت جتنی باکمال ہو اتنے ہی اس کے حاسد بھی

ہوتے ہیں۔ حضرت والد صاحبؒ کو بھی حاسدوں کی ریشہ دوانیوں سے بہت ایذائیں پہنچیں اور آخر حیات تک پہنچتی رہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر علمی میدان میں جو تیز گام مقبولیت حاصل ہو رہی تھی، حاسدوں کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ انہوں نے رسالہ "اسلام اور نسبی امتیازات" کی تالیفات سے پہلے بھی آپ کو ایک فتویٰ کے سلسلے میں بدنام کرنے کے لئے سازش کا جال تیار کیا تھا۔ جس کا تانا بانا مسلسل تین ماہ کی جدوجہد سے بنایا گیا تھا مگر حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کو بروقت علم ہو گیا اور انہوں نے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے روبرو اس ناپاک سازش کی تفصیلات بتا کر اس کا تار و پود بکھیر دیا۔ والد صاحبؒ کو اس سازش کا علم بعد میں ہوا۔

رسالہ "اسلام اور نسبی امتیازات" شائع ہوا تو حاسدوں کی کینہ پرور صلاحیتیں پھر حرکت میں آ گئیں۔ اس مرتبہ ان کو کچھ سیاسی لوگوں کا تعاون بھی حاصل ہو گیا تھا۔ نیز آریوں اور عیسائی پادریوں نے بھی اس فتنہ کو ہوا دی۔ صنعت پیشہ ور برادریوں کو بہکایا گیا کہ "مفتی صاحب نے تم سب کے دوزخی ہونے کا فتویٰ دے دیا ہے۔" ان سادہ دل عوام کو رسالہ کی بعض عبارتیں سیاق و سباق سے کاٹ کر سنائی گئیں اور بعض عبارتیں خود ایجاد کر کے والد صاحب کیطرف منسوب کر دی گئیں۔ یہ کام دیوبند میں بھی ہوا اور دیوبند سے باہر بھی۔

(حیات مفتی اعظم: ۱۰۵)

ایک لطیفہ

فتنہ پردازوں نے کتنی کاوش سے کام لیا تھا؟ اس کا اندازہ اس واقعہ بلکہ لطیفہ سے ہو گا کہ اس رسالہ کی طباعت کے وقت پریس کی غلطی سے بعض فرمے غلط چھپ گئے، ان کی لوٹ غلط ہو جانے کے باعث ایک صفحہ پر جو مضمون تھا، وہی اگلے صفحے پر مکرر چھپ گیا۔ مجبوراً دو دو ورق باہم چپکا کر ایک ورق بنایا گیا۔ بعض لوگوں نے اس میں یہ نکتہ پیدا کیا کہ ان چپکے ہوئے صفحات میں صنعت پیشہ برادریوں کے خلاف گالیاں لکھی ہوں گی، اسی لئے انہیں چپکا دیا گیا ہے کہ ہر ایک نہ پڑھ سکے۔

یہ سن کر بعض لوگ اس دردسری میں مبتلا ہو گئے کہ اس رسالہ کے نسخے خرید کر چپکے

ہوئے صفحات ایک دوسرے سے بمشکل چھڑاتے اور اندر کا مضمون پڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ منظم سازش کامیاب ہوئی اور ملک کے کئی علاقوں سے مخالفانہ قراردادیں پاس ہوکر دیوبند آنے لگیں۔ نئے نئے اخبارات غم وغصہ کے لئے جاری ہوئے۔ جلسے، جلوس، دھمکیاں اور قتل کے منصوبے روز روز کا معمول بن گئے۔ یہ سلسلہ ۱۳۵۳ھ کے اوائل سے ۱۳۵۴ھ کے اواخر تک جاری رہا...... اس رسالہ پر جو بہتان لگائے گئے تھے، چونکہ صرف عناد ان کا محرک تھا، اس لئے حضرت تھانویؒ نے والد صاحبؒ کو خط میں لکھا کہ، "کسی بات کا جواب نہ دیا جائے، انشاء اللہ فجعلنٰھم الا خسرین فجعلنٰھم الاسفلین کا ظہور ہوگا۔ بچوں کو لے کر سلام ودعا" (حیات مفتی اعظم: ۱۰۶)

حضرت مولانا مدنیؒ کی مفتی اعظم کی تائید وحمایت

دیوبند میں ان تمام برادریوں کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جن کو والد صاحبؒ کے خلاف مشتعل کیا گیا تھا۔ اس جلسہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی تقریر کا اہتمام بعض سیاسی عناصر نے اس مقصد سے کیا تھا کہ اپنے مفید مطلب کوئی بات کہلوا سکیں۔ مگر حضرت مدنیؒ نے اپنی تقریر میں والد ماجد صاحبؒ کے رسالہ کی اول سے آخر تک ایسی تائید وحمایت فرمائی کہ والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں خود بھی ایسی نہ کرسکتا تھا۔ تقریباً چار گھنٹے تقریر اور ایک گھنٹہ مسلسل لوگوں کے سوال وجواب کا سلسلہ رہا۔ حضرت مدنیؒ سب کا جواب اسی رسالہ کی عبارات پڑھ پڑھ کر دیتے رہے۔ (مفتی محمد رفیع عثمانی) (حیات مفتی اعظم ۱۰۹)

قائد اعظم سے پہلی ملاقات

مفتی محمد رفیع عثمانی لکھتے ہیں کہ زعمائے مسلم لیگ میں دین سے عام بے رغبتی اور مغربیت کے رجحان سے ہر مسلمان کے دل میں خلجان ہوتا تھا، علمائے کرام کی خواہش یہ تھی کہ زعمائے لیگ اسلام شعائر کی پابندی اور تقویٰ وطہارت کے اوصاف سے بھی آراستہ ہوں۔ اکابر علماء کی جانب سے اس سلسلہ میں بھی ہر ممکن سعی کی گئی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف

علی تھانویؒ جوان علماء کرام کے سرپرست تھے، آپ نے قائداعظم اور دوسرے زعماء مسلم لیگ کو دسمبر ۱۹۳۸ء سے برابر تبلیغی خطوط اور وفود بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ہر اہم دینی ضرورت کے موقع پر آپ کی طرف سے کوئی وفد یا ایلچی قائداعظم کے پاس پہنچتا تھا۔ ان کو حضرت سے گہری عقیدت تھی اور وہ بھی آپ کی خدمت میں نامہ و پیام بھیجتے رہتے تھے۔ انہوں نے حضرت کے بھیجے ہوئے ایک وفد ہی کی حکیمانہ تبلیغ پر کہا تھا کہ:

> میں گنہگار ہوں، خطادار ہوں اور آپ کو حق ہے کہ مجھے کہیں، میرا فرض ہے کہ اس کو سنوں، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ نماز پڑھا کروں گا۔

والد صاحب نے قائداعظم سے دو مرتبہ ملاقات فرمائی۔ پہلی ملاقات کی تفصیل یہ ہے کہ دسمبر ۱۹۳۹ء کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کی بعض تقاریر پڑھ کر حضرت تھانویؒ نے محسوس فرمایا کہ قائداعظم سیاست کو دین سے الگ سمجھتے ہیں۔ اس نظریہ کی اصلاح کے لئے علماء کا ایک وفد قائداعظم سے ملنے کے لئے دہلی روانہ فرمایا جو حضرت والد صاحبؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی مہتمم خانقاہ تھانہ بھون پر مشتمل تھا۔ تین حضرات کا یہ وفد ۱۲ فروری ۱۹۳۹ء کو دہلی پہنچا۔ شام کے سات بجے کا وقت ملاقات کے لئے طے ہوا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کا بیان ہے کہ:

> وفد نے قائداعظم سے کہا کہ مسلمان کسی تحریک میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کہ اس تحریک کو شریعت کے مطابق نہ چلائیں۔ اس تحریک کو چلانے والے خود کو احکام اسلام کا نمونہ نہ بنائیں اور ان کے پیرو شعائر اسلام کی پابندی نہ کریں۔ کیونکہ جب یہ سب خود کو احکام دین کا پابند بنالیں گے تو اس کی برکت سے نصرت و کامیابی خود بخود ان کے قدم چومے گی اور انشاء اللہ بہت جلد کامیابی نصیب ہوگی۔ وفد نے مزید کہا کہ مسلمانوں کی سیاست کبھی مذہب سے الگ نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے قائد مسجدوں کے امام بھی تھے اور میدان کے جرنیل بھی۔ خلفائے راشدینؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ وغیرہ سب

مذہب وسیاست کے جامع تھے۔

قائداعظم نے فرمایا کہ میرا تو خیال یہ ہے کہ مذہب کو سیاست سے الگ رکھنا چاہیے۔ تو وفد نے کہا کہ پھر اس طرح کامیابی کی توقع نہیں۔

غرض اس موضوع اور بعض دوسرے اہم دینی مسائل پر تقریباً اڑھائی گھنٹہ گفتگو ہوتی رہی، قائداعظم کے اس اعتراف پر یہ مجلس ختم ہوئی کہ "دنیا کے کسی مذہب میں سیاست مذہب سے الگ ہو یا نہ ہو، میری سمجھ میں اب خوب آگیا ہے کہ اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے۔"

(روئداد ص ۷، ماخوذ از تعمیر پاکستان وعلمائے ربانی ص ۸۱ تا ۸۲) (حیات مفتی اعظم ۱۲۹)

قائداعظم سے دوسری ملاقات

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت والد صاحبؒ نے گیارہ جون ۱۹۴۷ء کو قائداعظم سے دہلی میں ان کی قیامگاہ پر ملاقات فرمائی۔ قائداعظم نے کھڑے ہو کر پرجوش خیر مقدم کیا۔ شیخ الاسلام نے قائداعظم کو حصول پاکستان پر مبارکباد پیش کی تو انہوں نے کہا:

مولانا! اس مبارکباد کے مستحق تو آپ ہیں کہ آپ ہی کی کوششوں سے یہ کامیابی ہوئی ہے۔

اس کے بعد قائداعظم نے کہا کہ اس وقت سب سے اہم مسئلہ سلہٹ اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کا ہے، اگر پاکستان اس ریفرنڈم میں ناکام رہا تو بہت بڑا نقصان ہوگا۔

ان حضرات نے فرمایا کہ انشاء اللہ پاکستان اس میں کامیاب ہوگا بشرطیکہ آپ اعلان کریں کہ پاکستان میں اسلامی نظام جاری ہوگا۔

اس پر قائداعظم نے کہا:

میں پاکستان کے مقدمہ میں مسلمانوں کا وکیل تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مقدمہ میں کامیاب کیا، پاکستان ان کو مل گیا۔ اب میرا کام ختم ہوا۔ اب مسلمانوں کو اختیار حاصل ہے کہ جس طرح کا چاہیں نظام قائم کریں اور چونکہ

پاکستان میں اکثریت مسلمانوں کی ہے، تو اس کے سوا کوئی دوسری صورت ہو ہی نہیں سکتی کہ یہاں اسلامی نظام اور اسلامی ریاست قائم ہو۔

اسی ملاقات میں یہ طے ہوا کہ سلہٹ کا دورہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ فرمائیں اور صوبہ سرحد کا دورہ شیخ الاسلام اور حضرت والد صاحبؒ فرمائیں گے۔

(حیات مفتی اعظم:۱۴۲)

ہجرت پاکستان کی کہانی

مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ:

پاکستان وجود میں آیا تو اس کی محبت اور اس میں پیش آنے والی دینی اور علمی ضرورتوں کے تصور نے ترک وطن کے جذبات دل میں پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ دیوبند، جو میرے لئے صرف وطن جسمانی نہیں بلکہ مدینہ طیبہ سے لائے ہوئے علوم کے ایک مرکز کی حیثیت سے وطن ایمانی بھی تھا، عمر عزیز کے ترپن سال اسی کی سرزمین میں گزرے، اسی میں بال سفید ہوئے، کبھی ایک مہینہ سے زائد اس سے غیر حاضر نہ رہا۔ صرف ۱۳۳۹ھ کے پہلے حج میں ڈھائی ماہ دیوبند سے باہر رہنے کی نوبت آئی تھی اور وہ بھی میرے لئے انتہائی مجاہدہ تھا۔ اس کی فطری محبت کا یہ عالم کہ جب کبھی وطن سے سفر ہوتا تو مڑ مڑ کر دیکھا جاتا تھا۔

تلفتت نحو الحی حتی وجدتنی
وجعت من الاصغاء لیتا واخدعا

''میں نے وطن کی طرف مڑ مڑ کر اتنا دیکھا کہ میری گردن کی رگیں دکھنے لگیں۔''

ایک طرف وطن مالوف کی محبت کا گہرا نقش، عیال کی کثرت، مالی وسائل کا فقدان زنجیر پا بنے ہوئے ہلنے کی اجازت نہیں دیتے، دوسری طرف یہ نیا ملک پاکستان جو مدتوں کی تمنا اور ہزاروں کوششوں اور محنتوں کے بعد

وجود میں آیا، اس کی طرف جانے اور وہاں اس ملک کو صحیح معنی میں اسلامی ملک بنانے کے لئے جدوجہد کا جذبہ ترک وطن پر مجبور کر رہا تھا۔
(حیات مفتی اعظم: ۱۴۹، مفتی محمد رفیع عثمانی)

مجھے بھی عطا فرمایا

مفتی محمد رفیع عثمانی لکھتے ہیں کہ رفتہ رفتہ بھائی جان نے دیوبند سے تجارتی کتب خانہ دارالاشاعت کی کچھ کتابیں بذریعہ ہوائی ڈاک یہاں بھیجنی شروع کیں۔ سب سے پہلے دو کتابوں "معلم الحجاج" اور "زبدۃ المناسک" کے کچھ نسخے آئے۔ یہ دونوں کتابیں احکام حج سے متعلق ہیں، صرف حاجی ہی خرید سکتے تھے۔ حسن اتفاق سے زمانہ حج کا تھا اور کراچی کے حاجی کیمپ میں حاجی حضرات ٹھہرے ہوئے تھے۔ والد صاحبؒ کی خواہش تھی کہ یہ کتابیں کوئی وہاں جا کر فروخت کر آئے، مگر ہمیں دل شکنی سے بچانے کے لئے یہ احساس بھی دلانا چاہتے تھے کہ کوئی مالی تنگی اس کا سبب ہے۔ باتوں باتوں میں ایک روز مجھ سے اور بزرگوار جناب محمد ولی رازی صاحب سے فرمانے لگے کہ کراچی میں دینی کتابیں ملتی نہیں، حاجیوں کو تکلیف ہوتی ہوگی، تم دونوں اگر یہ کتابیں حاجی کیمپ میں فروخت کر آؤ تو ایک روپے کی فروخت پر چار آنے انعام ملیں گے۔

ہم بڑی خوشی سے فوراً جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ تو والد صاحبؒ نے ہمیں طریقہ بتایا کہ خیموں کے پاس جا کر کس طرح آواز لگائیں۔ اس زمانہ میں حاجی کیمپ کراچی سنٹرل جیل کے پاس تقریباً اس جگہ لگتا تھا جہاں اب حیدرآباد کالونی ہے۔ دو سائیکلوں پر کئی گھنٹے آواز لگا لگا کر گشت کیا۔ بھائی صاحب نے ساڑھے سات روپے کی کتابیں فروخت کیں، میں چھوٹا تھا اور آواز لگانے میں شرم کی وجہ سے اناڑی بھی ثابت ہوا۔ کوئی کتاب فروخت نہ کر سکا۔ مگر والد صاحبؒ نے چار آنے فی روپیہ سے جتنا انعام بھائی صاحب کو دیا، اتنا ہی مجھے بھی عطا فرمایا۔
(حیات مفتی اعظم: ۱۵۲، مفتی محمد رفیع عثمانی)

ایک اور واقعہ

غرض ان تمام حالات میں بھی ہمیں مالی تنگی کا کبھی احساس نہ ہونے دیا۔ صرف ایک

وضاحت سے اس کا پہلی بار اندازہ ہوا۔

گھر میں تقریباً ایک ہفتے سے خلافِ معمول دونوں وقت دال پک رہی تھی۔ برادر بزرگوار جناب محمد ولی رازی صاحب اور میں حبیب لائن کے مکتب میں قرآن شریف حفظ کرتے تھے، دوپہر کے وقفے میں کھانا کھانے گھر آیا تو اس وقت بھی دال تھی۔ ہم نے والدہ صاحبہ سے شکایت کی کہ آپ روز ہی دال پکاتی ہیں، ہم سے کھائی نہیں جاتی۔

اس پر اچانک والدہ صاحبہ نے قدرے ناگواری کے ساتھ فرمایا: ''گھر کا خرچ کس طرح چل رہا ہے، تمہیں اس کی بھی کچھ خبر ہے؟ تم یہ نہیں سوچتے کہ تمہارے والد کا عرصے سے کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے؟'' یہ سن کر بچپن کے دل و دماغ کو دھچکا سا لگا اور مالداری کے پندار نے دم توڑ دیا۔ پھر عرصۂ دراز تک والد صاحبؒ سے کوئی فرمائش کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اس زمانے میں برادرِ بزرگوار جناب محمد رضی صاحب عثمانی کی عمر تقریباً سترہ سال تھی، اور ہم یہاں چاروں بھائیوں میں وہ سب سے بڑے تھے۔ انہیں والد صاحب نے مجبوراً مختلف چھوٹی چھوٹی تجارتوں میں لگایا مگر ہر تجارت کے لئے سرمایہ کی ضرورت تھی، کسی تجارت میں کامیابی نہ ہوئی، بعض میں تو نقصان اٹھانا پڑا۔

اس وقت کے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان مرحوم اور کابینہ کے بیشتر وزراء سے بڑی حد تک بے تکلفانہ مراسم تھے، قراردادِ مقاصد اور اسلامی دستور کے سلسلے میں آئے دن ملاقاتوں اور دعوتوں کا سلسلہ رہتا تھا مگر انہیں بھی کبھی کانوں کان اپنے معاشی حالات کی خبر نہ ہونے دی۔

یہ تھے وہ حالات جن میں پاکستان میں اسلامی نظام کی بنیاد رکھی جا رہی تھی اور قراردادِ مقاصد کا تاریخی کارنامہ انجام پا رہا تھا۔ (حیات مفتی اعظم: ۱۵۶)

استغناء اور بے باکی

مفتی محمد رفیع عثمانی لکھتے ہیں کہ اس بورڈ کے ممبران کو ایک ہزار روپے ماہوار اعزازی الاؤنس ملتا تھا جسے حضرت والد صاحبؒ نے اس شرط کے ساتھ قبول فرمایا تھا کہ وہ یہ مشاہرہ قبول نہ کریں گے جو سرکاری ملازمین کی ہوتی ہیں۔ یہ پیش بندی اس لئے فرمائی تھی کہ کلمۂ حق

کے اظہار میں ادنیٰ رکاوٹ پیش نہ آئے۔

چنانچہ ایک موقع پر جب اس بورڈ کی سفارشات کو بالکلیہ نظر انداز کر کے خالص مغربی طرز کے دستور کا مسودہ حکومت نے شائع کیا اور دو مرکزی وزیروں نے اخباری بیان میں اس مسودہ کو "بالکل اسلامی" قرار دیا تو حضرت والد صاحبؒ اور دیگر بعض ارکان نے ایک مشترکہ بیان شائع کیا جس میں واضح کیا گیا کہ اس مسودہ دستور کو ہماری سفارشات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور جن وزیروں نے اسے اسلامی قرار دیا تھا، بیان میں ان کی بھی خبر لی گئی۔

اس وقت جو صاحب اسمبلی کے سیکرٹری تھے، انہوں نے کسی زمانہ میں والد صاحبؒ سے کچھ دن عربی زبان سیکھی تھی۔ تعلقات میں قدرے بے تکلفی کے باعث انہوں نے حضرت والد صاحبؒ سے کہا کہ آپ کو حکومت کے اندر رہتے ہوئے ایسا بیان جاری کرنا مناسب نہ تھا۔ حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ جب سے میں نے بورڈ کی رکنیت قبول کی تھی، میں اسی دن سے جیب میں استعفاء لیے پھرتا ہوں اور وجہ یہ ہے کہ آپ کو اپنے سوٹ کی شان وشوکت برقرار رکھنے کے لئے سرکاری تنخواہ کی ضرورت ہے، میرے سر سے لے کر پاؤں تک کا لباس صرف بیس روپے میں بن جاتا ہے، اس کے لئے مجھے ایک ہزار روپے کی بھی ضرورت نہیں ہوئی۔ میں آئندہ بھی جب جو بات مناسب سمجھوں گا، بلا روک ٹوک شائع کروں گا، ورنہ میرا استعفاء ارباب حل وعقد تک پہنچا دیا جائے۔

سیکرٹری صاحب نے معذرت کی اور آئندہ کسی کو ایسے اعتراض کی جرأت نہ ہوئی۔
(حیات مفتی اعظم: ۱۵۹) (مفتی محمد رفیع عثمانی)

دینی غیرت وحمیت

ایک مرکزی وزیر نے جن کا انتقال ہو چکا ہے، اسی کمیٹی کے سلسلہ میں شریعت کے کسی قطعی حکم کے متعلق کچھ توہین آمیز باتیں کہیں، جس پر والد صاحبؒ کی ان سے شدید جھڑپ ہوگئی۔ اس کے بعد والد صاحبؒ نے طے کر لیا تھا کہ آئندہ اس کا منہ نہ دیکھوں گا۔ چنانچہ جب وزیر موصوف پاکستان کے گورنر جنرل بن گئے تو والد صاحبؒ دعا فرمایا کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ کہیں آمنا سامنا نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (حیات مفتی اعظم: ۱۶۰)

ریڈیو سے درس معارف القرآن

۱۹۵۴ء میں ریڈیو پاکستان کے ڈائریکٹر جنرل جناب ذوالفقار علی بخاری نے حضرت والد صاحبؒ سے باصرار درخواست کی کہ ریڈیو پاکستان سے قومی پروگرام میں جو درس قرآن روزانہ نشر ہوتا ہے، وہ آپ دیا کریں۔ مگر آپ نے یہ درخواست چند اعذار کی بناء پر قبول نہ کی۔ پھر انہوں نے ایک دوسری تجویز پیش کی کہ یومیہ درس کے سلسلہ میں الگ ایک ہفتہ واری درس بنام "معارف القرآن" جاری کیا جائے جس میں پورے قرآن کی تفسیر پیش نظر نہ ہو بلکہ عام مسلمانوں کی موجودہ ضروریات کے لحاظ سے خاص خاص آیات کا انتخاب کر کے ان کی تفسیر اور متعلقہ احکام بیان کئے جائیں۔ والد صاحب نے یہ تجویز اس شرط کے ساتھ قبول فرمائی کہ درس کا کوئی معاوضہ نہ لوں گا اور کسی ایسی پابندی کو بھی قبول نہ کروں گا جو میرے نزدیک درس قرآن کے مناسب نہ ہو۔ یہ شرط منظور کر لی گئی۔

۳ شوال ۱۳۷۳ھ / ۲ جولائی ۱۹۵۴ء سے درس معارف القرآن شروع ہوا اور قومی پروگرام میں تقریباً گیارہ سال پابندی سے نشر ہوتا رہا۔ جب یہ درس شروع ہوا تو پاکستان کے سب علاقوں سے اور ان سے بھی زیادہ بیرونی ممالک افریقہ و یورپ وغیرہ میں بسنے والے مسلمانوں کی طرف سے بیشمار خطوط ریڈیو پاکستان کو اور خود والد صاحبؒ کو موصول ہوئے جن سے معلوم ہوا کہ بے شمار دیندار اور تعلیم یافتہ مسلمان اس درس کو نہایت اہتمام سے سنتے ہیں۔ افریقہ میں چونکہ یہ درس آخر شب یا بالکل صبح صادق کے وقت سنا جاتا تھا، وہاں کے لوگوں نے اس کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر کے بعد میں سب کو بار بار سنانے کا انتظام کر لیا تھا۔ درس کی اسی مقبولیت کے پیش نظر پاکستان کے دوسرے ریڈیو اسٹیشن کوئٹہ وغیرہ اسے دوسرے اوقات میں بھی نشر کرتے تھے اور کچھ عرصہ بعد اس کا سندھی ترجمہ حیدر آباد سے نشر کیا جانے لگا۔

ریڈیو کے ضابطہ کے مطابق اس زمانے میں ایک درس کا معاوضہ تیس روپے مقرر تھا، جس کی گیارہ سال کی مجموعی رقم اس زمانے کی تقریباً سولہ ہزار روپے ہوتی ہے۔ لیکن آپ نے بااختیار افسران کے اصرار کے باوجود اس میں سے ایک پیسہ بھی قبول نہیں فرمایا۔ محض لوجہ

اللہ یہ خدمت جاری رہی۔ یہاں تک کہ جب یہ درس تیرہویں پارے اور سورہ ابراہیم تک پہنچا تو ریڈیو پاکستان کی نئی پالیسی کے تحت اسے بند کر دیا گیا۔

یہی وہ بابرکت درس معارف القرآن ہے جو حضرت والد صاحبؒ کی شہرہ آفاق تفسیر معارف القرآن کی بنیاد بنا۔ (حیات مفتی اعظم: ۱۹۴) (مفتی محمد رفیع عثمانی)

☆☆☆

قائد ملت اسلامیہ

حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم

قائد حزب اختلاف، صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ

قومی اتحاد کے صدر، تحریک ختم نبوت کے فاتح

مغربی ایجنڈوں کو للکارنے والے مجاہد

قاسم العلوم ملتان کے شیخ الحدیث

قائد جمعیت علماء اسلام

وفات	پیدائش
۱۹۸۰ء	۱۹۱۹ء

ممکن نہیں کہ موت ہمیں دے سکے شکست

ہم نے تو زندگی کو دکھائے ہیں راستے

محمود! تم ٹھیک کہتے تھے

ایک مرتبہ افغانستان کے مولانا عبدالغفور صاحبؒ "صدرا" پڑھا رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے دوران سبق کہا کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ استاذ نے غصہ میں کہا: "تم کہاں سے آ گئے؟ جو میں پڑھا رہا ہوں یہی ٹھیک ہے۔" لیکن دوسرے دن جب سبق پڑھانے بیٹھے تو مولانا عبدالغفور صاحبؒ نے فرمایا: "محمود! تم ٹھیک کہتے تھے، میں نے غلط پڑھایا تھا۔"
(ترجمان اسلام مفتی محمود نمبر، ص ۴۱)

لاکھوں میں ایک

حیدر آباد میں ایک بہت بڑا عمومی جلسہ تھا جس میں وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو، چاروں صوبوں کے گورنر اور وزرائے اعلیٰ بھی سٹیج میں موجود تھے۔ لاکھوں کا مجمع تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ بھی بحیثیت وزیر اعلیٰ سٹیج پر تشریف فرما تھے۔ بھٹو صاحب کی تقریر جاری تھی۔ دوران تقریر مسجد سے مغرب کی اذان کی آواز آنی شروع ہوئی۔ بھٹو صاحب نے تقریر روک دی۔ جوں ہی اذان ختم ہوئی، بھٹو صاحب نے دوبارہ تقریر شروع کر دی۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے وہیں سٹیج پر اپنا رومال بچھا کر نماز کی نیت باندھ لی۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائی یک تن بیگانہ آشنا باشد

صبح کے اخبارات نے جلسے کو کوریج کرتے ہوئے تصویروں کے ساتھ جو سرخی باندھی وہ ابھی تک احقر کے لوح قلب پر نقش ہے: "لاکھوں میں ایک"۔ لاکھوں کے مجمع میں صرف حضرت مفتی صاحبؒ ہی وہ واحد شخصیت تھے جو سرکاری پروٹوکول کی پرواہ کئے بغیر مؤذن کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے پروردگار کے سامنے سربسجود ہو گئے۔

تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

(سوانح قائد ملت: ۹۳)

تیمم اور اشاروں سے نماز پر موت کو ترجیح

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب نے لکھا ہے کہ:

حضرت مفتی صاحب شدید بیمار تھے، ڈاکٹر عبدالصمد اور سرجن عبدالرحمٰن صاحب آپ کے معالج تھے۔ ان دونوں میں جب زیادہ بے آرامی دیکھی تو آپ کو کارڈیو ویسکولر کے شعبے میں سی سی یو میں داخل کر دیا اور آپ کے جسم پر وہ آلہ منسلک کر دیا جس سے کہ چوبیس گھنٹے آپ کے دل کی رفتار کا پتہ چلتا رہتا تھا۔ اس طرح حضرت مفتی صاحبؒ کو بالکل بے قابو کر دیا۔ اب آپ نہ ہل سکتے تھے اور نہ اٹھ سکتے تھے۔ غالباً عصر یا مغرب کی نماز کا وقت ہوا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے خدام حسن اور حسین (یہ طلبہ ہمارے جامعہ کے طالب علم ہیں اور فرانس کی نوآبادی "ری یونین" کے رہنے والے ہیں۔ یہ کراچی میں مفتی صاحبؒ کی خدمت میں رہتے تھے) سے کہا کہ مجھے اٹھا کر اوپر کر دو۔ انہوں نے اوپر کیا تو آپ نے اپنے ہاتھوں سے ان چیزوں کو نکال دیا اور خود وضو کرنے تشریف لے گئے۔ وضو کے بعد جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔

نرسیں پریشانی میں بھاگ کر آئیں کیونکہ ٹیلی ویژن پر دھڑکنوں کی ترتیب بدل گئی تھی۔ انہوں نے فوراً ڈاکٹروں کو مطلع کیا۔ ڈاکٹر حضرات تشریف لائے تو حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھ سے تیمم اور اشاروں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی جاتی، زیادہ سے زیادہ مر ہی جاؤں گا مگر نماز کے لئے آپ کو اپنی یہ پابندی ختم کرنا پڑے گی۔" (قومی ڈائجسٹ ص ۱۳۲)

مفتی صاحب بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہے تھے

حضرت مفتی صاحبؒ کے ڈرائیور ظہور احمد اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

پھر میری آنکھوں نے وہ منظر بھی دیکھا ہے کہ وہ شیر سیاست بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا ہے۔ ہوا یوں کہ ایک جمعہ کے روز ان کے پاؤں پر سوجن اتنی تھی کہ چلنا تو درکنار، اٹھنے بیٹھنے کا یارا بھی نہ تھا۔ ڈاکٹروں نے بھی چلنے پھرنے سے سختی سے منع کر رکھا تھا۔ اس روز انہوں نے دوگانہ گھر پر ہی ادا کیا۔ میں جمعہ پڑھ کر آیا تو دیکھا مفتی صاحبؒ رو رہے ہیں۔ سوچا شاید پاؤں کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔ وجہ دریافت کی تو تکلیف پاؤں کی نہیں تھی، روح کی تھی۔ فرمانے لگے، "عمر! خدا جانے مجھے میری کس غلطی کی سزا ملی ہے کہ میں آج جمعہ کی نماز کے لئے مسجد نہیں جا سکا۔" پھر وہ دیر تک استغفار کرتے رہے۔ (قومی ڈائجسٹ، ص ۷۵)

یہی ایک سجدہ ہی تو ہے

جمعیت علماء اسلام کے دیرینہ کارکن و رہنما حضرت مولانا بشیر احمد شاد صاحب حضرت مفتی صاحبؒ کے انتہائی قریب رہے۔ وہ آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور دیگر جماعتوں کے رہنماؤں نے پنجاب کا آخری دورہ کیا تو مجھے بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے ہمراہ چلنے کی سعادت حاصل رہی اور حضرت مفتی صاحبؒ کو نہایت قریب سے دیکھنے کا موقع میسر آیا۔ اس دوران میں نے محسوس کیا کہ حضرت مفتی صاحبؒ چھوٹی چھوٹی سنتوں کا بھی خاص خیال رکھتے ہیں۔ اس سفر کا ایک واقعہ بطور مثال عرض کرتا ہوں۔

۹ جولائی دن بھر جہلم میں قیام فرمایا۔ عوام کے مختلف وفود سے ملاقات فرماتے رہے اور عوام کے مسائل سنتے رہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے نماز مغرب کی امامت کے فرائض انجام دیئے تو ایک ساتھی جماعت کے ساتھ شریک ہونے کے لئے آیا تو حضرت مفتی صاحبؒ پہلی رکعت کے سجدہ میں تھے۔ وہ آنے والا ساتھی دوسری رکعت کے لئے انتظار میں کھڑا رہا اور جب

حضرت مفتی صاحبؒ دوسری رکعت کے لئے اٹھے، تو جماعت میں شامل ہو گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے دریافت کیا کہ مجھے شک ہوا ہے کہ آپ پہلی رکعت میں سجدہ کے دوران پہنچ چکے تھے۔ جماعت میں شامل ہونے کی بجائے دوسری رکعت کے لئے امام کے کھڑے ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ جس پر اس ساتھی نے اس بات کی تصدیق کر دی تو حضرت مفتی صاحبؒ فوراً اصلاحی انداز میں بہت پیار سے فرمانے لگے کہ خدا کے بندے! یہ ایک ہی تو سجدہ ہے جو کسی شمار و حساب میں نہیں آتا لیکن اس کی قیمت دنیا و مافیہا سے زیادہ ہے، اس متاع کی چیز کو مت چھوڑا کرو اور فوراً سجدہ میں چلے جایا کرو، شاید اللہ تعالیٰ کو یہی سجدہ پسند آ جائے۔

(ترجمان اسلام، ص ۳۰۲)

دال نہ کھاؤں تو کیا کروں؟

حضرت مفتی صاحبؒ جب سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے تو اکثر اس قسم کے واقعات پیش آتے رہے۔ محمد شریف کیانی صاحب رقم طراز ہیں:

"مولانا مفتی محمودؒ وزیر اعلیٰ بنے تو ایک پرانے ساتھی انہیں ملنے پشاور پہنچے، باتوں باتوں میں کھانے کا وقت آ گیا۔ گوشت کا اس دن ناغہ تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھی نے دل ہی دل میں سوچا کہ آج کھانے کا لطف آ جائے گا، کم از کم مرغی تو ضرور ہوگی۔

جب دستر خوان بچھا اور انہوں نے ایک ڈونگا اٹھایا تو اندر سے دال نکلی۔ برا سا منہ بنا کر دوسرے ڈونگے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس میں سبزی پڑی ہوئی تھی۔ بڑے بددل ہوئے لیکن چونکہ بھوک زور کی لگی ہوئی تھی، اس لئے مجبوراً کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد گفتگو کا دور چلا، ان سے رہا نہ گیا۔ بولے: "جناب! کمال ہے مدرسوں میں دال چاٹتے گذر گئی، اس کم بخت سے یہاں وزیر اعلیٰ کے گھر میں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔"

حضرت مفتی صاحبؒ خوب ہنسے اور کہا: "اللہ کے بندے! کیا کروں قومی اسمبلی سے پندرہ سو روپے ماہانہ الاؤنس ملتا ہے۔ تم ہی بتاؤ اتنی رقم میں دال نہ کھاؤں تو اور کیا کروں؟ باقی اخراجات بھی تو آخر اسی رقم سے پورے کرنے ہیں۔"

وزیراعظم بھٹو کا تحفہ مسترد کردیا

حضرت مفتی صاحبؒ کسی طرح کے حفاظتی اقدامات یا اپنے ساتھ کوئی مسلح محافظ رکھنے کے حق میں نہیں تھے لیکن پے درپے جب ان پر تین چار بار قاتلانہ حملے ہوئے تو ساتھیوں اور ورکروں نے مجبور کیا کہ اپنے ساتھ مسلح محافظ رکھیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے ان کے کہنے اور مجبور کرنے پر ایک جی تھری کے لائسنس کے لئے درخواست دے دی۔ قومی اسمبلی کا ممبر ہونے کے ناطے انہیں ایم جی تھری رکھنے کا استحقاق حاصل تھا۔ امید تھی کہ لائسنس بھی جلد مل جائے گا۔ لیکن دیئے کئی دن گزر گئے۔ حکومت کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ حضرت مفتی صاحبؒ بھی خاموش رہے کہ ٹھیک ہے، لائسنس بننا ہے تو بن جائے ورنہ ایم جی تھری کی کیا ضرورت؟ اللہ مالک ہے۔

ایک بار پنڈی میں مقیم تھے کہ پرائم منسٹر ہاؤس سے بلاوا آ گیا۔ وزیراعظم ملنا چاہتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ اس وقت قومی اتحاد کے صدر تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کروں گا، اگر انہوں نے رائے دی تو ملاقات کروں گا، ورنہ مجبوری ہے۔ ساتھیوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ملاقات میں کیا حرج ہے؟ پرائم منسٹر ہاؤس چلے جایئے۔ دیکھئے، وزیراعظم بھٹو کیا کہتے ہیں؟

حضرت مفتی صاحبؒ شام کو پرائم منسٹر ہاؤس پہنچے۔ مسٹر بھٹو بڑی گرم جوشی سے ملے اور دیر تک مزاج اور صحت کے متعلق پوچھتے رہے۔ پھر اچانک اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ چند سیکنڈ بعد واپس آئے تو دونوں ہاتھوں پر ایک لمبا سا ڈبا اٹھا رکھا تھا۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے حضرت مفتی صاحبؒ کے سامنے آ کر رک گئے اور تقریباً رکوع میں جھکتے ہوئے یہ ڈبہ ان کے سامنے پیش کیا اور بولے: "حضرت! قبول فرمایئے۔"

حضرت مفتی صاحبؒ اس ڈرامائی انداز پر کچھ پریشان سے ہو گئے۔ حیرت سے مسٹر بھٹو کا چہرہ تکنے لگے اور کہا: "جناب یہ کیا ہے؟ کیا قبول کروں؟"

وزیر اعظم بھٹو بولے: "ایم جی تھری۔ آپ کے لئے میری طرف سے ایک حقیر سا تحفہ۔"

حضرت مفتی صاحب چونک کر چند قدم پیچھے ہٹ گئے اور بولے: "جی نہیں، میں اسے قبول نہیں کر سکتا۔"

"حیرت ہے۔" مسٹر بھٹو نے کہا: "ایک مسلمان عالم دین ہو کر آپ بھائی کا تحفہ قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔"

حضرت مفتی صاحبؒ نے نہایت سنجیدگی اور متانت سے فرمایا:

"جناب! تحفہ کیسا؟ کہاں کا بھائی؟ میں نے اس کے لائسنس کے لئے آپ کی حکومت کو باقاعدہ درخواست دے رکھی ہے۔ تحفہ تو وہ ہوتا ہے جو بے طلب کسی کو عطا کیا جائے، یہ تو نہیں۔ میں معذرت خواہ ہوں۔"

مسٹر بھٹو نے بہت اصرار کیا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کسی طرح ان کے ہاتھوں سے ایم جی تھری کار لے لیں مگر حضرت مفتی صاحبؒ ان کا تحفہ قبول کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

(قومی ڈائجسٹ، ص ۴۹)

خالی چیک یا گندگی کا ٹوکرا

حضرت مفتی صاحبؒ کے بارے میں درج ذیل واقعہ ان کے ایک شاگرد رشید نے سنایا کہ:

چب بھٹو صاحب وزیر اعظم تھے اور حضرت مفتی صاحبؒ قائد حزب اختلاف۔ دونوں میں آئینی جنگ جاری تھی۔ ان دنوں وزیر اعظم بھٹو نے اپنے مرکزی وزیر جناب فیض اللہ خان کنڈی مرحوم کو کمشنر ڈیرہ اسماعیل خان جناب جہانزیب خان کے ہمراہ حضرت مفتی صاحبؒ کے گاؤں عبدالخیل بھیجا۔ دونوں نے عبدالخیل پہنچ کر حضرت مفتی صاحبؒ سے ملاقات کی اور ساتھ ہی مدرسہ

قاسم العلوم ملتان کی مالی مدد کے نام پر کروڑوں روپے کی آفر کی۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ آفر ٹھکرا دی۔

وزیر موصوف فیض اللہ خان کنڈی نے جب دیکھا کہ دال گلتی نظر نہیں آتی تو اپنی پیشکش ایک کروڑ سے دو کروڑ دی۔ آخر میں ایک سادہ چیک یہ کہہ کر پیش کیا کہ مجھے وزیراعظم بھٹو کا حکم ہے کہ آپ خود اس میں جتنی رقم درج کرنا چاہیں، درج کر دیں، ہم ادائیگی کر دیں گے۔"

حضرت مفتی صاحبؒ کے تیور بدل گئے اور کہا: "فیض اللہ خان! تم میرے مہمان ہو، میرے پڑوسی ہو (فیض اللہ خان گل امام کے رہنے والے تھے۔ گل امام اور عبدالخیل میں صرف چند کلومیٹر کا فاصلہ ہے) تم مجھے خوب پہچانتے ہو۔ یہ کمشنر صاحب شاید مجھے نہ جانتے ہوں، تمہارے لئے بہت افسوس کی بات ہے کہ میرے پاس گندگی کے ٹوکرے اٹھا کر لے آئے ہو۔ کبھی چھوٹا ٹوکرا آگے کرتے ہو، کبھی بڑا۔ فیض اللہ خان! گندگی تو گندگی ہوتی ہے، چھوٹی ہو یا بڑی۔ اسے اٹھالو اور وزیراعظم بھٹو سے کہہ دو کہ ہم لوگ اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جس کے سامنے دنیا جیسی حقیر و ذلیل چیز کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔"

بددیانتی کا سبق

جب حضرت مفتی صاحبؒ صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ تھے، انہی دنوں کا قصہ ہے: خواجہ محمد زاہد زیدی اور شیخ عزیز الرحمٰن زیدی حضرت مفتی صاحبؒ کے ہاں مہمان تھے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ مذکورہ دونوں حضرات سحری کھا کر فارغ ہوئے ہی تھے کہ حضرت مفتی صاحبؒ بھی ان کے کمرے میں آ گئے۔ آپس میں ادھر ادھر کی باتیں شروع ہو گئیں۔ باتوں باتوں میں پارٹی کا ذکر چل نکلا۔ شیخ عزیز الرحمٰن نے ہنستے ہوئے کہا: "مفتی صاحب! آپ اس وقت اقتدار میں ہیں، اپنی جماعت کے لئے کسی مستقل فنڈ کا بندوبست کر دیں تو

ہماری ساری پریشانیاں دور ہو جائیں۔"

حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا" شیخ صاحب! آپ بھی عجیب آدمی ہیں، آپ مجھے بددیانتی کا سبق دینا چاہتے ہیں۔" (قومی ڈائجسٹ، ص ۴۴)

مولوی صاحب! ڈبے سے پیچھے ہٹ جایئے

۱۹۷۲ء کے الیکشن میں کامیابی کے بعد ملک میں پہلی بار عام لوگوں نے بھی حضرت مفتی صاحبؒ کا نام سنا۔ اس وقت تک جمعیت کے حلقوں سے باہر انہیں بہت کم لوگ جانتے تھے۔ تصویر بھی کسی نے نہیں دیکھی تھی۔

قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے اسلام آباد جانے لگے تو ملتان ریلوے اسٹیشن پر بڑی دلچسپ صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ گاڑی میں ان کی سیٹ ریزرو تھی، لیکن جب ساتھیوں کے ہمراہ ڈبے میں داخل ہونے لگے تو ڈیوٹی پر موجود پولیس کے ایک سپاہی نے یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ ڈبہ قومی اسمبلی کے ممبر مولانا مفتی محمود کے لئے ریزرو ہے، آپ یہاں نہیں بیٹھ سکتے، کسی دوسرے ڈبے کا رخ کریں۔

ساتھیوں نے کسی نہ کسی طرح اندر گھس کر ان کا سامان تو ڈبے میں رکھ دیا لیکن سپاہی نے مولانا مفتی محمود کو ڈبے میں نہ گھسنے دیا۔ بار بار یہی کہتا کہ "یہ ڈبہ قومی اسمبلی کے ممبر مولانا مفتی محمودؒ کے لئے ریزرو ہے، یہاں کوئی نہیں بیٹھ سکتا، کسی دوسرے ڈبے میں چلے جایئے، وہ آپ کو یہاں نہیں بیٹھنے دے گا، سامان بھی آپ کو اٹھانا پڑے گا، مجھے ڈانٹ پڑے گی، آپ بھی ناحق پریشان ہوں گے۔ اس لئے پہلے سے اپنے لئے کسی سیٹ کا بندوبست کر لیں۔"

اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ درمیانے قد اور دوہرے جسم کا مالک، جس نے سر پر ریشمی رومال لپیٹ رکھا ہے اور کھدر کے ڈھیلے ڈھالے لباس میں ملبوس ہے، قومی اسمبلی کا ممبر بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے سوچا کوئی دیہاتی مولوی ہے، جو اپنی لاعلمی یا کسی مغالطے کی وجہ سے اس ڈبے کی طرف چلا آیا ہے۔

مولانا مفتی محمودؒ سپاہی کی ڈانٹ ڈپٹ سن کر خاصے محظوظ ہوئے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو منع کر دیا کہ وہ سپاہی سے ان کے متعلق کچھ نہ کہیں۔ ساتھی بھی سپاہی کا غضب اور

غصہ دیکھ کر دل ہی دل میں ہنس رہے تھے۔ سپاہی کو دوسری طرف متوجہ پا کر جونہی حضرت مفتی صاحب آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ڈبے کی طرف بڑھے، سپاہی تیزی سے آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک لیتے۔

گاڑی چلنے میں چند منٹ رہ گئے تو حضرت مفتی صاحبؒ نے سوچا کہ اب اس ڈرامے کو ختم کرنا چاہئے۔ وہ آخر بار اپنے ڈبے کی طرف بڑھے۔ سپاہی کو غصہ آ گیا۔ چیخ کر بولا، ''مولوی صاحب! کیوں میرے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑ گئے ہو؟ سمجھتے کیوں نہیں؟ یہ ڈبہ ریزرو ہے، مولانا مفتی محمودؒ کے سوا یہاں کوئی اور نہیں بیٹھ سکتا۔ چلو پیچھے ہٹو۔ اب مفتی صاحب آنے ہی والے ہوں گے۔ کسی اور ڈبے میں چل کر بیٹھو۔''

مولانا مفتی محمودؒ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ چند لمحے خاموش کھڑے اسے دیکھتے رہے، پھر کندھے پر رومال ٹھیک کرتے ہوئے کہا:

اللہ کے بندے! دوسرے ڈبے میں چل کر کیسے بیٹھوں؟ میری سیٹ اس ڈبے میں ریزرو ہے، میں ہی مفتی محمود ہوں، قومی اسمبلی کا ممبر۔

یہ انکشاف کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔ سپاہی کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو، چہرے پر ایک رنگ آتا، ایک جاتا۔ پھر وہ تیزی سے ہٹ کر ایک طرف مؤدب کھڑا ہو گیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور آگے بڑھ کر ڈبے میں داخل ہو گئے۔ (قومی ڈائجسٹ، ص ۳۸)

کس چکر میں پڑ گئے ہو

مولانا مفتی محمودؒ وزیر اعلیٰ بن کر پشاور پہنچے تو ان کی رہائش کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ کیونکہ ون یونٹ کے خاتمے کے بعد پہلی مرتبہ صوبوں میں وزارتیں بن رہی تھیں اور چیف منسٹر ہاؤس ابھی خالی نہیں ہوا تھا۔ وہاں کوئی انتظامی دفتر قائم تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی رہائش کے لئے کسی مناسب اور موزوں عمارت کی تلاش شروع ہوئی تو نظر انتخاب گیسٹ ہاؤس پر پڑی۔ یہ انگریزوں کے دور کی بنی ہوئی بڑی وسیع اور کشادہ عمارت تھی۔ یہاں کا فرنیچر خاصا پرانا تھا اور زیادہ تر اس زمانے میں خریدا گیا تھا جب یہ عمارت شاہی مہمان خانے کے طور پر استعمال کی جاتی تھی۔ چیف سیکرٹری نے سوچا، ''نیا وزیر اعلیٰ ہے، اس کے پاس غیر ملکی مہمان بھی آئیں

گے، پرانی میز، کرسیاں اور بدرنگ صوفے یہاں برے لگیں گے۔" چنانچہ اس نے سارا پرانا فرنیچر اٹھوا کر یہاں نیا فرنیچر سجانے کا پروگرام بنایا۔

وزیر اعلیٰ مولانا مفتی محمودؒ سے اس سلسلے میں بات کی تو انہوں نے کوئی دھیان نہ دیا اور دوسری باتوں میں مصروف رہے۔ اس نے دو تین مرتبہ اپنی بات دہرائی تو وزیر اعلیٰ مفتی محمودؒ اس کی طرف پلٹے اور عینک کے شیشوں میں سے گھورتے ہوئے متبسم لہجے میں کہا:

اللہ کے بندے! کس چکر میں پڑ گئے ہو۔ یہ فرنیچر ٹھیک ہے، اسے بدلنے کی ضرورت نہیں۔ میرے اپنے گھر عبدالخیل میں کوئی ٹوٹا پھوٹا صوفہ بھی نہیں۔"

چیف سیکرٹری حیرت سے ان کا منہ دیکھنے لگا۔ اسے دوبارہ اس سلسلے میں کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد خاموشی سے نکل کر باہر چلا گیا۔ (قومی ڈائجسٹ ص ۳)

میں نے سرحد کے وزیر اعلیٰ کو خوب ڈانٹا

قاری عبدالعزیز جلالی (راولپنڈی) اپنے جلال کی داستان بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

میں وزیر اعلیٰ مفتی محمودؒ کے کمرے میں پہنچا تو رات کا ایک بجا تھا۔ اس وقت سرحد کے وزیر اعلیٰ کی آنکھیں سرخ، بال بکھرے ہوئے اور چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ کاغذوں کے انبار میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے انداز و اطوار سے تحت غصے اور اضطرات اور اندرونی کرب کا اظہار ہو رہا تھا۔ لیکن میں ان سے کہیں زیادہ غصے اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا تھا۔ مجھے آخر غصہ کیوں نہ آتا؟ میں نے صرف تین روز پہلے راولپنڈی میں ان سے ملاقات کا باقاعدہ وقت لیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ دو روز چھوڑ کر تیسرے روز صبح نو بجے آنا۔ میں مقررہ وقت پر پہنچ گیا، لیکن ملاقات کے لئے پندرہ گھنٹے کا طویل اور جان لیوا انتظار کھینچ کر بیٹھا۔ دوپہر ہوئی، شام ہوئی، رات آگئی اور اب رات کے پچھلے پہر میں ان کے آدمیوں کو زبردستی دھکیلتا ہوا اندر چلا گیا۔ وہاں اس وقت بھی ہجوم تھا۔ میں اپنے علاقے کے ظالم خوانین کے مظالم کی داستانیں لے کر آیا تھا۔ لیکن

اس وقت وزیراعلیٰ ہاؤس میں جو ہجوم تھا، اس میں خواتین کے دو تین تنخواہ دار ملازم بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ گویا مفتی صاحبؒ کا انہوں نے پہلے ہی گھیراؤ کر رکھا تھا۔

مفتی صاحبؒ نے فرمایا: "کہئے جلالی صاحب"۔

یہ سننا تھا کہ میں آپے سے باہر ہو گیا۔ میں نے اتنی زور سے بات شروع کی کہ باہر کھڑے لوگ بھی ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے اندر آ گئے۔ میں نے کہا، "آپ نے مجھے صبح نو بجے کا وقت دیا تھا، اب رات کا ڈیڑھ بج چکا ہے۔ آپ کی حالت یہ ہے کہ آنکھوں میں نیند، چہرے پر اضطراب..... میں آپ سے کیا کہوں۔ آپ کے کارندے شریف لوگوں کو اندر نہیں آنے دیتے۔ آپ شریف لوگوں کو وقت دیتے اور پھر اسی وقت میں کسی اور سے ملتے ہیں۔ میں جن لوگوں کے ظلم کی داستان سنانے آیا ہوں، وہ آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کو ظالم مظلوم کا فرق ہی معلوم نہیں۔ مومن اپنی فراست ایمانی سے جان لیتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اب تک عشاء کی نماز بھی ادا نہیں کی ہو گی۔ اس لئے آپ اپنی ایمانی فراست سے معلوم نہیں کر سکتے کہ آپ کے پاس وہ لوگ بیٹھے ہیں جو آستینوں میں سانپ اور داب میں خنجر رکھتے ہیں، جن کے ہاتھ غریبوں کے خون سے رنگین ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں بات کروں۔ میں کیا بات کروں؟ یہ کوئی بات کرنے کا وقت ہے؟ میں جا رہا ہوں، قیامت کے روز اس شخص کا گریبان پکڑ کر خدا کے روبرو بات کروں گا، جو صبح سے شام تک لوگوں کو دروازے پر بٹھائے رکھتا تھا۔"

یہ کہہ کر میں دروازے کی طرف بڑھا اور آناً فاناً باہر نکل گیا۔

سننا بھی مردانگی ہے

باہر آتے ہی وہاں موجود لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔ سرکاری ملازمین بھی میری

طرف بڑھنے لگے۔ معاً میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کسی نے مجھے پیچھے موڑنے کی کوشش کی۔ میں نے دیکھا کہ یہ خود حضرت مفتی صاحبؒ تھے۔ فرمانے لگے۔ ''صرف سنانا ہی مردانگی نہیں، سنا کر سننا بھی مردانگی ہے۔ میں نے ابھی جواب ہی نہیں دیا کہ آپ چل دیئے۔''

غصہ تو میں پہلے ہی نکال چکا تھا۔ اب جو مفتی صاحبؒ نے باہر آ کر خود روکا تو رہا سہا غصہ بھی جاتا رہا۔ بہرحال میں ان کے کہنے پر دوبارہ کمرے میں چلا گیا۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا:

''قاری صاحب! آپ نے بہت کچھ کہا ہے، آپ کی بہت سی باتوں کا میں جواب دینا چاہتا ہوں۔ میں اگر اس وقت آپ کو واپس نہ لاتا تو کوئی بات نہیں تھی۔ آپ میرے بیٹے ہیں، بیٹے ناراض ہوتے ہیں، پھر خود ہی گھر واپس آ جاتے ہیں۔ آج آپ جاتے تو کل پھر واپس آ جاتے۔ میں نے اس لئے آپ کو روکا ہے کہ ان لوگوں کے سامنے آپ کی باتوں کا جواب دوں، جن کا میں نوکر ہوں۔''

میں نوکر ہوں

''نوکر ہیں؟ آپ نوکر ہیں؟ کیا مطلب؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جی ہاں! میں نوکر ہوں۔ یہ لوگ جو یہاں موجود ہیں، میں ان کا وزیر اعلیٰ ہوں، وزیراعلیٰ نوکر ہی ہوتا ہے۔ آپ کو شکایت ہے کہ میں نے آپ کو صبح نو بجے کا وقت دیا تھا۔ میں آٹھ بجے آیا ہوں، مجھے آپ کی آمد کی اطلاع نہیں ملی۔''

میں نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا جو میری چٹ لے کر اندر آیا تھا۔ اس نے شرم سے سر جھکا لیا۔ اس نے مفتی صاحب تک میری آمد کی اطلاع نہیں پہنچائی تھی۔ مفتی صاحبؒ کے پوچھنے پر اس نے اقرار کیا کہ میں وہ چٹ

نہیں پہنچا سکا کیونکہ وہ اس سے گم ہو گئی تھی۔ میں نے بتایا کہ میں نے دوسری بار بھی اسے اپنا نام لکھ کر دیا تھا۔ اب وہ بالکل خاموش ہو گیا۔ مفتی صاحبؒ نے حکم دیا کہ وہ فوراً وہاں سے چلا جائے اور کل سے اس کی ڈیوٹی یہاں نہیں ہو گی۔

فراست کا شرعی حکم

پھر مفتی صاحبؒ نے فرمایا:

"آپ کا یہ فرمان تو درست ثابت نہیں ہوا کہ میں شریف لوگوں کو وقت دے کر دوسرے لوگوں سے ملتا ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر بھی اپنے آپ کو شریف اور دوسرے لوگوں کو بدمعاش تصور کرنا کوئی شریفانہ سوچ نہیں۔ یہ لوگ گواہ ہیں کہ میں نے عشاء کی نماز یہیں ادا کی ہے۔ آپ کا یہ خیال درست نہیں کہ میں نے ابھی تک نماز ادا نہیں کی۔

جہاں تک ایمانی فراست کی بات ہے تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں بہت گنہگار آدمی ہوں۔ اگر بفرض محال میری جگہ کوئی اور آدمی یہاں بیٹھا ہو اور وہ آپ کی طرح صاحب فراست بزرگ ہو، وہ اپنی فراست سے کسی کے بارے میں معلوم بھی کر لے کہ فلاں ظالم ہے، اس نے آپ کے ساتھ ظلم کیا ہے تو وہ اپنی فراست کو بنیاد بنا کر اسے سزا نہیں دے گا، اس کو سزا دلوانے کے لئے آپ کو دلائل سے اس کا ظالم ہونا ثابت کرنا ہو گا۔ جب تک آپ اس کو برسر عام ظالم ثابت نہیں کر دیں گے، اس پر سزا جاری نہیں ہو سکتی۔ یہ مسئلہ تو ابتدائی دینی کتابیں پڑھنے والے طالب علم بھی جانتے ہیں۔

میرا گریبان حاضر ہے

آپ تو ماشاء اللہ تو ری ہیں، عالم ہیں۔ آپ کی ا... سمجھنے کے بارے میں اتنی ناقص اور ادھوری معلومات ہیں۔ اگر آپ صوبہ سرحد میں... سرکاری

محکمے کے ملازم ہوتے اور آپ کے ذمے دینی امور ہوتے تو میں آپ کو اسی وقت اس ذمہ داری سے معزول کر دیتا کیونکہ آپ کی دینی معلومات ناکافی ہیں۔

اور آپ کی آخری بات کہ آپ قیامت کے روز میرا گریبان پکڑیں گے، اتنی دیر انتظار کی ضرورت نہیں، یہ لیجئے! میرا گریبان حاضر ہے۔" یہ کہہ کر وہ میرے کچھ اور قریب آ گئے۔

مفتی صاحب آبدیدہ ہو گئے

میں شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا۔ میں نے غصے میں اتنا کچھ کہہ دیا تھا کہ اب مجھے خود بھی یاد نہیں تھا۔ لیکن حضرت مفتی صاحبؒ کے چہرے پر اب بھی ناگواری کے تاثرات نہیں تھے۔ وہ معمول کے مطابق دھیمے انداز میں تمام باتیں کر رہے تھے اور میں زمین میں گڑا جا رہا تھا۔ میں نے ہمت کر کے کہا:

"مفتی صاحب! خدا کے لئے مجھے مزید شرمندہ نہ کیجئے۔ آخر میں بھی انسان ہوں، کئی گھنٹے کے انتظار کے بعد غصہ آنا قدرتی بات ہے اور غصے کا اظہار بھی تو اسی لئے ہو گیا ہے کہ ہم آپ کو اپنا سربراہ ہی نہیں، باپ بھی سمجھتے ہیں۔ اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو نہ اس کی ملاقات کے لئے اتنا انتظار ہوتا اور نہ اس سے شکوہ و شکایت کرنے کی گنجائش ہوتی۔ یہ شکوے اور شکایات بھی ہماری آپ سے دلی محبت کی دلیل ہیں۔"

میری بات سن کر حضرت مفتی صاحبؒ آبدیدہ ہو گئے اور پھر ارشاد فرمایا:

"قاری صاحب! یہ دنیا کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ لوگ اس کی طرف پاگلوں کی طرح بھاگتے ہیں۔ جب کوئی مولوی میرے پاس کوئی دنیاوی کام لے کر آتا ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں اسے اپنے ہاتھ سے مسل دوں۔ یہ دنیا کی لعنت دنیا والوں کے لئے ہی رہنے دیں تو اچھا ہے۔ اور جب کوئی

مولوی لوگوں کے مسائل لے کر آتا ہے تو مجھے اتنی خوشی ہوتی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ آپ علاقائی مسائل لے کر آئے ہیں تو مجھے خوشی ہے۔ فرمائیے! میں ابھی سنوں گا اور میرے بس میں جو کچھ ہوا وہ ضرور کروں گا۔ میں قیامت کے دن سے ڈرتا ہوں، وہاں کی باز پرس میں کون کامیاب ہو سکتا ہے؟ کوئی نہیں، اللہ اپنا کرم کر دے تو خیر، ورنہ ہمارے پاس کیا ہے جو لے کر جائیں گے؟۔“

زندگی کی کیا ضمانت ہے؟

میں نے لاکھ چاہا کہ صبح بات کی جائے۔ لیکن حضرت مفتی صاحب کا کہنا تھا کہ صبح تک زندگی کی کیا ضمانت ہے؟ میں کم از کم آج کی بات آج ہی سنوں گا اور اس کے بعد جو خدا کو منظور ہوگا وہ ہوگا۔

بہر حال میں نے اپنے مسائل سے آگاہ کیا۔ رات کٹ گئی۔ صبح تک باتوں میں مشغول رہے۔ ہمارے مسائل جو ان کے دائرہ کار میں تھے وہ اس حد تک تو درست ہوئے کہ مقامی انتظامیہ سیدھے منہ بات کرنے لگی۔ لیکن ایک بگڑے ہوئے ڈھانچہ کو راتوں رات ٹھیک کرنا تو حضرت مفتی صاحبؒ کے بس کی بات نہیں تھی۔“ (قومی ڈائجسٹ، ص ۱۷۰)

سیاسی مخالفین سے حسن سلوک

ڈیرہ اسماعیل خان کے قصبہ پروا کے ایک پوسٹ ماسٹر صاحب لکھتے ہیں:

”پروا کے قریب ایک دیہات ہے جس کا نام ملکھی ہے۔ وہاں سے ایک صاحب قمر عباس خان نامی اکثر اپنی ڈاک لینے کے لئے ڈاک خانے تشریف لاتے تھے۔ یہ ۱۹۷۰ء کا ہنگامہ خیز سیاسی دور تھا جس میں حضرت مفتی صاحبؒ ذوالفقار علی بھٹو کے مقابلے میں الیکشن لڑ رہے تھے۔ قمر عباس صاحب حضرت مفتی صاحبؒ کے ناقدین میں سے تھے۔ جب وہ تشریف لاتے،

الیکشن پر گفتگو ہوتی تو ان کا موقف یہ ہوتا کہ مسجد کا یہ ملا اور دو رکعت کا امام، بھلا سیاست کے اسرار و رموز سے کیا واقف؟ مفتی صاحب اسمبلی کے آداب و جدید علوم سے ناواقف شخص ہے اور مفتی صاحب کو ووٹ دینا صریح غلطی ہے۔

خیر دنیا نے دیکھا کہ مسجد کے مولوی نے ملک کے وزیر اعظم کو شکست فاش سے دوچار کر دیا۔ قمر عباس صاحب فیصل آباد میں کپڑے کی مل میں ملازم تھے۔ کچھ وجوہات کی بنیاد پر ان کی تعیناتی مشرقی پاکستان کے ایک شہر تیو بازہ کے ایک اور مل میں ہو گئی (جو اسی مالک کی ملکیت تھی) مشرقی پاکستان بدقسمتی سے بنگلہ دیش بن گیا اور موصوف قمر عباس صاحب انڈیا کے قیدی بن گئے۔

میری پرواہ نے زیرو اسماعیل خان شہر ناسفر ہو گئی اور قمر عباس کو چند سال بعد جیل سے رہائی ملی تو مجھ سے ملنے کے لئے تشریف لائے اور بتایا کہ جب میں انڈیا کی جیل اور قید میں چلا گیا تو میری تنخواہ مل مالکان نے بند کر دی۔ میرے بیوی بچوں نے وزیر اعظم بھٹو کو درخواستیں بھیجیں کہ ہم لوگ پریشان ہیں، خاوند انڈیا کی جیل میں ہے، مل مالکان تنخواہ نہیں دیتے، خدارا ہماری مدد کریں، ہم نے الیکشن میں آپ کو ووٹ دیئے تھے، ہمارا تعلق شیعہ مسلک سے ہے اور ہمارے پورے گاؤں سے آپ کو سو فیصد ووٹ ملے ہیں۔

بھٹو صاحب نے ان درخواستوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر میرے اہل و عیال نے نصرت بھٹو کو درخواستیں بھجوائیں، جواب ندارد۔ پھر کسی نے مشورہ دیا کہ حضرت مفتی صاحب آج کل وزیر اعلیٰ ہیں، ہمارے علاقہ کے آدمی ہیں، تجربے کے طور پر انہیں درخواست بھجوا دیں، شاید ان کو رحم آجائے اور ہمارا کام بن جائے۔

حالانکہ الیکشن میں ان کی مخالفت ہم نے ڈنکے کی چوٹ پر کی تھی اور حضرت مفتی صاحب کو ہمارا ماجرا معلوم تھا اور انہیں ہمارا مسلک بھی معلوم تھا

لیکن اس کے باوجود درخواست کے تیسرے روز حضرت مفتی صاحبؒ نے میری بیوی بچوں کو پیغام بھجوایا کہ ہم نے مل مالکان سے رابطہ کیا ہے، انہوں نے تنخواہ وغیرہ کی ادائیگی کی یقین دہانی کروائی ہے، آپ مطمئن رہیں۔

چند روز بعد تقریباً ہفتے کے اندر مل مالکان نے میری رکی ہوئی تنخواہ اور الاؤنس وغیرہ میرے بیوی بچوں کو بھیج دیئے اور انہوں نے سکھ کا سانس لیا اور حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ.........:

تم جفا کرتے رہے اور ہم وفا کرتے رہے
اپنا اپنا فرض تھا دونوں ادا کرتے رہے

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام

حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی زندگی میں مجھے یہ بات بیان کرنے سے منع فرما دیا تھا، لیکن اب اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

"مدینہ منورہ میں ایک صاحب نسبت بزرگ نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت مفتی صاحبؒ کو ان الفاظ میں پیغام بشارت دیا گیا:

قل له منى السلام يتقوى بالله و لا يقول الا الحق والله يقول الحق وهو يهدى السبيل۔

"میری طرف سے آپ کو سلام کہیں، ہر معاملہ میں اللہ سے قوت و طاقت کے طلبگار رہوں، ہمیشہ حق بات کہیں، اللہ تعالیٰ سچ اور حق کہتا ہے اور وہی صحیح راستہ کی رہنمائی کرتا ہے۔"

میں نے جب عرض کیا کہ حضرت! سفرنامے میں اس کو شائع کیا جائے۔ پہلے تو کچھ نہ کہا۔ جب ریاض جانے کے لئے مدینہ منورہ ایئرپورٹ کی طرف جا رہے تھے تو از خود فرمایا کہ اس خواب کو مت لکھو، اس سے خود ستائی

کا پہلو نکل آئے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فقہ کی طرف توجہ دلائی

حضرت مفتی صاحب کو خواب میں زیارت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شرف ایک بار نہیں، کئی بار حاصل ہوا۔ خود حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں:

ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مخاطب کر کے فرماتے ہیں، "اپنے لوگوں کو تقلید سے بچاؤ۔" میں حیران کہ میرے تو تمام بزرگ مقلد تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کونسی تقلید سے لوگوں کو روکنے کا حکم صادر فرما رہے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "مسائل فقہ تو عین نص ہیں۔" اس سے خواب ہی میں میرا یہ اشکال رفع ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ فقہی مسائل دراصل قرآن و حدیث ہی سے مستنبط ہیں، اس لئے ان کا ماننا ائمہ کرام کی تقلید نہیں بلکہ قرآن و حدیث کی تقلید ہے۔

بیدار ہونے کے بعد میں نے سوچا کہ دنیا میں کونسی ایسی قوم ہے، لوگ جس کی زیادہ نقالی کرتے ہیں۔ محسوس ہوا کہ نقالی تو یہ کسی نہ کسی حد تک سب کی کرتے ہیں، لیکن انگریز کی نقالی سب سے زیادہ کی جاتی ہے۔ چنانچہ میں نے عہد کر لیا کہ اقوام غیر کی نقالی سے لوگوں کو تو پہلے بھی روکتا تھا، اب اس چیز پر زیادہ محنت کروں گا۔ (قومی ڈائجسٹ، ص ۲۱)

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں

حضرت مولانا عبید اللہ انور فرماتے ہیں:

"حضرت مفتی صاحب نے مجھ سے اپنا یہ خواب بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اطہر میرے سامنے ہے اور اس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور میرے درمیان کوئی حجاب نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بلا رہے ہیں۔

اس کی تعبیر انہوں نے یہ نکالی کہ آپ کا بلانا اس دنیا سے واپس ہونے کا اشارہ ہے اور آپ ﷺ کے اور اپنے درمیان حجاب کا نہ ہونا بھی دوسری دنیا کا نقشہ ہے جہاں آپ ﷺ کے غلام آپ ﷺ سے کسی حجاب کے بغیر ملتے ہیں۔ (قومی ڈائجسٹ ص ۱۲۰)

وسیلہ نجات

ختم نبوت کے مرکزی مبلغ حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ رقمطراز ہیں کہ:

''حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات کے بعد ایک عقیدت مند نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ فرمایئے کیسے گذری؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ ساری زندگی قرآن و حدیث کے تعلم میں گزاری۔ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوشش و کاوش کی۔ وہ سب اللہ رب العزت کے ہاں بحمد تعالیٰ قبول ہوئیں مگر نجات اس محنت سے ہوئی جو قومی اسمبلی میں مسئلہ ختم نبوت کے لئے کی تھی۔ ختم نبوت کی خدمت کے صدقے میں اللہ نے میری بخشش فرما دی۔''

(تذکرہ مجاہدین ختم نبوت: ۳۷۳)

فتویٰ لکھنے میں حضرت مفتی صاحبؒ کا معمول

حضرت مولانا محمد موسیٰ خان روحانی البازیؒ، حضرت مفتی صاحبؒ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں اور حضرت مفتی صاحبؒ کی مجلس کے حاضر باش تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''مفتی صاحبؒ کی حاضر دماغی کا یہ عالم تھا کہ ہمارے اسباق کے دوران بھی بعض ہنگامی مسائل پر فتویٰ لینے کے لئے لوگ درس گاہ میں آجاتے تھے۔ مفتی صاحبؒ کو اہم مسائل کے لئے کتابیں بھی دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ وہ بیٹھے بیٹھے فتویٰ لکھ دیتے اور حوالے کے لئے کتابوں کی عبارات حافظے سے لکھ دیتے۔ فتوے کے شامی ان کی پسندیدہ کتاب تھی اور اسی سے

زیادہ مسائل کا جواب دیتے تھے۔

ایک عجیب بات یہ تھی کہ مسئلے کی تلاش کے لئے ہم نے انہیں شامی کی فہرست دیکھتے ہوئے نہیں پایا۔ وہ براہ راست کتاب کھولتے اور دیکھتے ہی دیکھتے متعلقہ صفحہ نکال کر ایک نظر ڈال لیتے۔ حالانکہ بڑا ماہر فقیہ بھی باب دیکھنے کے فہرست ضرور دیکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شامی کا ایک ایک صفحہ ان کی نظر میں تھا۔ انہیں کتاب کھولتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ کون سے مسائل پہلے صفحات میں ہیں اور کون سے پچھلے صفحات میں۔

فقہ سے اپنی دلچسپی کا وہ خود بھی ذکر کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ فقہ بنیادی طور پر پٹھانوں ہی کا علم ہے۔ اس لئے اس میں علماء پنجاب زیادہ ماہر نہیں ہوتے۔ (قومی ڈائجسٹ ص ۱۸۷)

گولیوں کی بوچھاڑ

شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

"بھٹو کے دور حکومت میں راولپنڈی میں قومی اتحاد کا عظیم الشان جلسہ تھا، جمعہ کی نماز کے بعد ہم حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ گاڑی میں جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں لوگوں نے جمعیت کا جھنڈا دیکھ کر مفتی صاحبؒ کی گاڑی رکوائی اور کہا کہ جلسہ گاہ کی طرف مت جائیں وہاں گولیاں چل رہی ہیں۔

لیکن مفتی صاحبؒ نے اسے دشمن کا پروپیگنڈہ کہا اور کچھ آگے آئے تو مولانا عبدالحنان جہانگیرہ والے کھڑے تھے۔ انہوں نے بھی جلسہ گاہ جانے سے روکا کہ وہاں آگ لگی ہوئی ہے۔

مفتی صاحبؒ نے صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لئے گاڑی کو واپس موڑنے کا حکم دیا۔ اس اثناء میں مفتی صاحبؒ کی گاڑی پر فائرنگ بھی ہوئی لیکن اللہ نے سب کو بچا لیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ، مولانا قاری سعید

الرحمٰن کی مسجد میں تشریف لے گئے۔ فون پر رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ ولی خان اور دوسرے لیڈر چلے گئے ہیں، سٹیج کی صورت حال معلوم کی اور دوبارہ جلسہ گاہ روانہ ہو گئے۔ سٹیج پر پہنچے اور عوام سے خطاب کیا۔

لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے
تابہ منزل صرف دیوانے گئے

قیمتی بنگلہ بھی ٹھکرا دیا

وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے ان کے لئے الگ شان دار بنگلے کا اہتمام کیا جانے لگا (جس کا کرایہ اس زمانے میں چار ہزار روپے ماہوار تھا) تو انکار کر دیا اور فرمایا: "ایک غریب صوبہ کے وزیر اعلیٰ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اتنے شاندار بنگلے میں رہائش پذیر ہو۔"

شورش کاشمیری مرحوم نے حضرت مفتی صاحبؒ کے مستعفی ہونے کے بعد کہا تھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی وزارت پر ذاتی منفعت کا کوئی داغ نہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے صرف نو ماہ کے دور وزارت علیا میں ثابت کر دیا کہ علماء کرام حزب اختلاف اور حزب اقتدار دونوں میں رہ کر ہوشمندانہ اور مدبرانہ سیاست کی پوری صلاحیت و اہلیت رکھتے ہیں۔ (سوانح قائد ملت ۲۵۹)

تصویر کو کبھی درست اور صحیح قرار نہیں دیا

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی زرولی خان صاحب فرماتے ہیں:

"حضرت مفتی صاحبؒ ایک دفعہ یہاں جناح ہسپتال میں زیر علاج تھے، بالکل آخری ایام میں تو میرا ایک دوست یہاں جناح ہسپتال میں کام کرتا تھا۔ میں نے ان کو کہا کہ حضرت مفتی صاحب سے ملنا ہے، کیسے ملیں گے؟ انہوں نے کہا کہ شام چھ بجے آ جائیں۔ ہم جب وہاں پہنچے، ہمارے مولانا مفتی جمیل خان صاحب بیٹھے ہیں، حسن حسین دو بھائی تھے، وہ بستر پہ تھے، خدمت کر رہے تھے اور حضرت اقدس حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب

سرہانے بیٹھے تھے۔ غالباً وفاق المدارس کے سالانہ پرچے حضرت کو دکھا رہے تھے۔ ہم بھی بیٹھ گئے۔

اتنے میں سیڑھیوں پر کچھ لوگ نظر آئے تو مفتی صاحب نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کہا، جی یہ صحافی ہیں، اخبارات والے۔ حضرت نے سنتے ہی کہا کہ اللہ خیر کرے۔ ہم نے پوچھا کہ کیوں؟ فرمایا کہ یہ بغیر تصویروں کے کام نہیں کرتے۔ میں نے جرأت کر کے پوچھا کہ آپ بھی تصویر سے منع کرتے ہیں؟ حضرت نے ہنستے ہوئے کہا:

انا للہ و انا الیہ راجعون۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

پھر میری طرف ایسا گرجتے اور گرجتے ہوئے دیکھا جیسے شیر بپھر جاتا ہے اور فرمایا، "عجیب آدمی ہو، تصویر پر بھی کوئی عالم نکیر نہیں کرے گا، یہ کیسے ہو گا؟ اور پھر فرمایا کہ شاید اخبارات میں آپ میری تصویریں دیکھتے ہیں، اس سے آپ کو یہ غلط فہمی ہوئی۔ فرمایا کہ میں نے اس کو کبھی بھی درست اور صحیح نہیں سمجھا ہے۔" (قومی ڈائجسٹ، ص ۲۳۴)

شراب پر پابندی

حضرت مفتی صاحبؒ نے بحیثیت وزیر اعلیٰ پہلا حکم جو جاری کیا، وہ شراب پر پابندی ہے۔ اس حکم کی رو سے صوبے میں شراب بنانے، بیچنے، رکھنے اور پینے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ افسران بالا نے حضرت مفتی صاحبؒ کو بتایا کہ شراب کی فروخت پر عائد ڈیوٹی سے ہر سال ایک کثیر رقم حاصل ہوتی ہے۔ شراب کی بندش سے صوبہ سرحد کو چالیس لاکھ روپے سالانہ کی ایکسائز ڈیوٹی کا خسارہ ہو گا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے جواب دیا:

خسارہ ہونے دیجئے، میں اپنا حکم واپس نہیں لے سکتا۔"

جو شراب پیئے گا، وزیر نہیں رہے گا

حضرت مفتی صاحبؒ نے جب شراب پر پابندی کا اعلان کیا تو چند دن بعد ایک ڈپٹی

جماعت کے پشاور شہر کے امیر کے حوالے سے مشرق اخبار میں یہ بیان چھپا:

''ایک تقریب میں صوبہ سرحد کے ایک وزیر نے خود شراب پی، اوروں کو بھی پلائی۔ جب یہ ہوتا ہے تو شراب پر پابندی کا کیا فائدہ؟''

حضرت مفتی صاحبؒ نے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر اس شخص میں اخلاقی جرأت ہوتی تو جب وہ تقریب میں شریک تھا، آخر اس نے دیکھا ہوگا، تب بیان دیا ہے۔ یا تو خود شراب پی ہوگی، اگر پی نہیں تو اتنا ضرور ہے کہ اگر اخلاقی جرأت ہوتی تو وہاں کھڑے ہو کر کہتا کہ قانون کی خلاف ورزی کیوں ہو رہی ہے؟ کیوں جرأت نہیں کی؟ میرے پاس شکایت کرنے کے لئے کیوں نہیں آیا؟ کیا میرے دروازے بند ہیں؟ میرے پاس شکایت کرنے کے لئے آتا۔ میں یقین دلاتا ہوں اگر میرا وزیر شراب پیئے گا تو میرا وزیر نہیں رہے گا۔''

پرائیویٹ روم کی فیس ادا نہیں کر سکتا

ہسپتال داخلے کے وقت حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا: ''مجھے جنرل وارڈ میں داخل کرنا۔'' میں نے عرض کیا کہ کیوں؟ فرمایا: ''میں پرائیویٹ روم کی فیس ادا نہیں کر سکتا، غریب آدمی ہوں۔''

میں نے کہا، حضرت آپ جیسے بڑے آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ جنرل وارڈ میں داخل ہوں۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کراچی آئے تو انہوں نے فون کیا کہ مفتی صاحب کے علاج میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے۔

حضرت مفتی صاحب کا جائے نماز

ہسپتال سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا: ''آپ کو دینے کے لئے میرے پاس آپ کے لائق کوئی چیز نہیں ہے، یہ جائے نماز لے لیں۔''

حضرت مفتی صاحبؒ کا دیا ہوا پھٹا ہوا جائے نماز ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے۔ میں

سمجھتا ہوں کہ میرے لئے یہ بڑی سعادت ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی جبین مبارک کے سجدوں کے نشان والی جائے نماز میرے حصہ میں آئی۔ قحط الرجال کے اس دور میں جید عالم دین اور راست باز انسان کا پیدا ہونا مشکل ہے۔ موصوف سے ہماری صرف اڑھائی سال رفاقت رہی۔ اس قلیل عرصہ میں میں نے موصوف کو جیسا آدمی پایا، بیان سے باہر ہے۔

(ترجمان اسلام ص ۳۵۰، ڈاکٹر سرجن محمد رحمن)

درویش وزیراعلیٰ کی بلند اخلاقی

حضرت مولانا سید محمد شاہ امروٹی حضرت مفتی صاحبؒ کی درخشندہ زندگی کے تذکرے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب دوران وزارت بین الصوبائی اجلاس میں شرکت کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز کراچی اس طرح پہنچے کہ نہ کوئی ساتھی، نہ خادم، نہ باڈی گارڈ، نہ سیکرٹری۔ تن تنہا۔ انہوں نے کراچی کے بعد کوئٹہ جانا تھا۔ مجھے صوبہ سندھ کے امیر ہونے کی حیثیت سے یہ محسوس ہوا کہ ہمارے قائد اکیلے کوئٹہ تک سفر کریں، یہ مناسب نہیں، بس یہی سوچ کر ان کے ساتھ ہولیا۔ وہاں سرکاری گیسٹ ہاؤس میں قیام کیا۔ سرکاری کھانے پینے جانے سے پہلے وہاں کے کچھ احباب نے خواہش کا اظہار کیا کہ مفتی صاحب بلوچستان کی جماعت کی جانب سے کھانا قبول فرمائیں۔ مفتی صاحب نے بخوشی اس دعوت کو قبول کرلیا اور کہا کہ گیسٹ ہاؤس میں تیار ہونے والا کھانا پولیس اور دوسرے ملازمین کو کھلا دیا جائے۔

(سوانح قائد ملت: ص ۲۷۰)

مجاہد ملت حضرت مولانا

غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

تحریک آزادی ھند کے مجاھد

مجلس احرار کے لیڈر

اسمبلی میں مغربی ایجنٹوں کو مسکت جواب دینے والے حاضر جواب انسان

تحریک ختم نبوت کیلئے جان کی بازی لگانے والے غازی

قادیانیت کیلئے تلوار بے نیام

شیر سرحد، بانئے جمعیت

وفات	پیدائش
۱۹۸۱ء	۱۸۹۶ء

ہے جس کی آرزو باغ وطن ہو

غلامی کے خس و خاشاک سے پاک

بلا خوف و خطر اظہار حق میں

زبان بے باک بھی ہے دل بھی ہے بے باک

ایسی زندگی پر بادشاہی قربان

حضرت مولانا عبداللطیف صاحب بالاکوٹی فرماتے ہیں کہ:

''حضرت ہزارویؒ نے آزاد کشمیر کے علاقہ کا دورہ کرنا تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ حضرت ہزارویؒ لاہور سے جہلم تشریف لائے۔ میں چونکہ مدرسہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم میں مدرس تھا، یہاں مدرسہ ہی میں ساتھیوں نے ایک پریس کانفرنس کا انتظام کیا ہوا تھا۔ جب تشریف لائے تو مجھے فرمانے لگے کہ میرے پاس آکر بیٹھ کر دیکھو کہ میں ان صحافیوں کو کیسے ڈرتا ہوں۔

پریس کانفرنس سے فارغ ہو کر دفتر میں تشریف فرما ہوئے تو وہاں ایک طالب علم سے سوئی دھاگہ منگوایا۔ اپنے تھیلے سے ایک پرانا کمبل اور باریک ہی موٹی سی ایک چادر نکالی۔ انہیں خود اپنے ہاتھ سے سینے لگے۔ میں نے مولانا ہزارویؒ کے ہاتھ سے سوئی لے لی۔ عرض کیا کہ کیا کرنا ہے؟ فرمایا کہ آزاد کشمیر کا دورہ ہے، وہاں سردی زیادہ ہے، اس لئے ان دونوں کو آپس میں ملاتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ میرے پاس کا غانی کمبل جو نہایت نفیس اور قیمتی ہے۔ فرمایا، یہ نماز میں گر جاتا ہے اس وجہ سے اس کو ٹانکے لگانے ہیں۔ میں نے وہ سوئی چادر اور کمبل مولانا سے لے کر طلباء کو دے دیئے۔ طلباء نے انہیں آپس میں جوڑ دیا، جسے دیکھ کر مولانا بہت خوش ہوئے اور اسے اوڑھ کر صوبائی اسمبلی کا ممبر مرد درویش آزاد کشمیر کے دورے پر روانہ ہو گیا۔ ایسی سادگی پر بادشاہی قربان۔ (حوالہ تبصرہ نمبر ص ۵۴)

ایک روٹی اور آدھ پاؤ دہی کی لسی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"لباس اور کھانے پینے میں اتنی سادگی تھی کہ ناواقف آدمی ان کی سادگی کو دیکھ کر حیران رہ جاتا۔ ایک موقع پر راقم آثم اور عزیزم صوفی عبدالحمید سلمہ اللہ تعالیٰ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ چند رفقاء کے ساتھ لاہور میں جمعیت کے پرانے دفتر حضرت شاہ محمد غوث کے پاس بوقت شام مولانا مرحوم کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ ہم کھانے کے جلسے سے فارغ تھے۔ مولاناؒ نے ہم سے کھانے کا پوچھا تو ہم نے واضح کر دیا کہ ہم طلب گار نہیں ہیں۔ مولاناؒ نے اپنے لئے خادم کو بھیجا جو ایک روٹی اور آدھ پاؤ دہی کی لسی بنا کر لایا۔ مولانا نے ہمارے سامنے روٹی لسی کے ساتھ کھائی اور آخر میں الحمد للہ کی مسنون دعا پڑھ کر اپنا بستر کھول کر کام میں مصروف ہو گئے۔ (تبصرہ نمبر ص ۱۷)

سعودی حکومت کے خلاف جرأت رندانہ

حضرت مولانا شمس الدین (ہری پور ہزارہ) رقمطراز ہیں:

۱۹۶۳ء میں مجاہد ملت مولانا ہزاروی حج پر گئے۔ ذی الحجہ کا چاند بہت سے حاجیوں نے بدھوار کی شام شب جمعرات کو دیکھا۔ اس حساب سے یوم الحج بروز جمعہ ۹ ذی الحجہ کو ہوتا تھا لیکن سعودی حکومت کسی وجہ سے اعلان کر بیٹھی کہ یوم الحج بروز ہفتہ ہوگا۔ کچھ لوگوں نے حضرت مجاہد ملت مولانا ہزاروی کو متوجہ کیا تو مولاناؒ نماز کے بعد کھڑے ہو گئے اور عوام کو متوجہ کر کے پہلے عربی پھر اردو اور پھر پشتو میں ایک جوشیلی تقریر کی، جس کا خلاصہ یوں تھا کہ:

"اسلام کے ایام عبادت چاند دیکھنے پر مقرر ہیں۔ کسی کیلنڈر یا جنتری یا کسی شاہی حکم کے ماتحت نہیں۔ چونکہ عوام کی اکثریت نے شب جمعرات کو خود چاند دیکھا ہے، اس لئے شرعی احکام کے مطابق میدان عرفات میں یوم الحج بروز جمعہ ہوگا۔ قافلے کی قیادت میں خود کروں گا۔ جو جو مسلمان میرے ساتھ متفق ہیں، وہ ہاتھ کھڑے کریں۔"

چونکہ تقریر تینوں زبانوں میں ہوئی تھی، اس لئے حرم شریف کا تمام مجمع

مجاہد ملت مولانا ہزارویؒ کا ہمنوا بن گیا اور اس اعلان سے مکہ شریف کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک عظیم ہلچل مچ گئی۔

حکومت نے رات کے گیارہ بجے دوبارہ اعلان کیا کہ حج بروز جمعہ ہو گا۔ مجاہد ملت مولانا ہزارویؒ کی اس جرأت رندانہ پر ساری دنیا کے موجود مسلمان شکر گزار اور حیران ہوئے۔ (تبصرہ نمبر ص ۲۵)

کمال جرأت

جناب محمود احمد عارف لکھتے ہیں:

''مجاہد ملت مولانا ہزارویؒ ایک وفد کے ساتھ جس میں شیخ حسام الدین مرحوم بھی تھے، صدر پاکستان محمد ایوب خان صاحب سے ملنے تشریف لے گئے۔ دوران گفتگو ایوب خان نے کسی مسئلہ پر کہہ دیا: ''مولانا! جہاں تک میں اسلام کو سمجھا ہوں وہ اس طرح ہے۔'' تو مولانا نے فوراً جواب دیا: ''کرسچن کیلر کے ساتھ غسل کرنے والے جو اسلام سمجھتے ہیں وہ ہم یہاں سمجھ سکتے ہیں۔''

ایوب خان شرمندہ ہوئے اور شیخ حسام الدین بہت خوش کہ مولانا نے خوب بات لگائی ہے۔ (تبصرہ نمبر ص ۳۳)

سردی کی رات ایک چادر میں گزار دی

مجاہد ملت ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام ایک کانفرنس رکھی۔ مولانا مرحوم کے جو ہم عصر احباب تھے، ان کو بلا تکلف کہہ دیا کہ کانفرنس میں بستر ہمراہ لائیں۔

کانفرنس پنجاب میں تھی اور مولانا غلام غوث مرحوم نے سندھ سے تشریف لانا تھا۔ ان کا سندھ کا دس پندرہ روزہ تبلیغی دورہ تھا۔ پورے دورے میں ایک

کانفرنس کے لئے بستر ہمراہ رکھنا مشکل تھا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم بغیر بستر کے تشریف لائے۔ مولانا محمد علی مرحوم کے ہمراہ کھانا کھایا۔ رات کو تقریر کی، صبح کوزین سے واپس جانا تھا۔ مولانا محمد علی مصطفیٰ کے میرے کہنے کے مطابق مولانا بستر ہمراہ لائے ہوں گے۔ اس لئے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ مولانا ہزارویؒ نے دل میں خیال کیا کہ مولانا کا حکم تھا کہ بستر ہمراہ لائیں، اب اگر میں بستر ہمراہ نہیں لایا تو قصور میرا ہے، اس لئے مولانا جالندھریؒ کو تکلیف کیوں دوں؟

کانفرنس سے فارغ ہوئے، چنڈال کے قریب کسی مسجد میں ایک لنگی میں سردی کی رات گزار دی۔ صبح راز منکشف ہوا تو مولانا جالندھریؒ نے افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ نے مجھے بتایا کیوں نہ تھا کہ بستر ہمراہ نہ لا سکا۔ مولانا ہزارویؒ نے کہا کہ آپ میرے بھائی بھی ہیں اور مخدوم بھی۔ اگر میں اس کام میں آپ کا ہاتھ نہیں بٹا سکتا تو تکلیف کا سبب بھی نہیں بننا چاہئے۔ رات گزر گئی۔''

ہائے ایسی اجلی سیرت کے انسان کہاں سے لائیں۔

(سوانح مجاہد ملت: ۹۲)

دال چنا رغبت سے کھایا

مزدور لیڈر جناب طاؤس خان بیان کرتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ ہم بورے والا میں ایک جلسے میں شرکت کے لئے گئے۔ یہ بہت بڑا جلسہ تھا۔ اختتام پر بڑے بڑے امراء اور روساء نے یہ خواہش ظاہر کی کہ مولانا انہیں شرف باریابی بخشیں۔ لیکن مولانا نے جمعیت کے ایک نہایت غریب کارکن کے ہاں جانا پسند فرمایا۔

جب ہم اس کارکن کے ہاں پہنچے تو اس نے مولانا کی مدارات کے

لئے بازار سے کچھ منگوانا چاہا لیکن مولانا نے اسے منع فرمایا اور کہا کہ گھر میں جو کچھ ہے، لے آؤ۔ دراصل اس شخص کے گھر میں دال چنا پکا ہوا تھا اس لئے وہ ہچکچا رہا تھا۔ مولانا کہنے لگے: "بھئی! ہمارے ساتھ ایک مزدور لیڈر ہے۔ گھبرانے کی بات نہیں، ہم وہی کھائیں گے جو گھر میں پکا ہوا ہے۔"

وہ شخص دال لے کر آیا جو سب کے سامنے مولانا نے رغبت سے کھایا۔

(سوانح مولانا ہزارویؒ ص۴۲)

آدھی رات اور یتیم کے سر پر ہاتھ

مولانا محمد یاسر احمد آپ کے داماد نے بیان کیا کہ:

آدھی رات کو پڑوس میں یتیم بچوں کے رونے کی شدید آواز آئی۔ آپ اٹھے اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ بچوں کی ماں نے بتایا کہ بچے بھوکے سو چکے ہیں۔ حضرت گھر تشریف لائے تو کچھ بھی نہ تھا۔ اسی وقت ہوٹل پر تشریف لے گئے۔ ہوٹل والے کو جگایا، ہوٹل والے نے کہا کہ آدھی رات اور آپ؟ حضرت نے فرمایا کہ آپ فوراً کھانا تیار کریں۔ کھانا تیار ہوا اور حضرتؒ نے لا کر ان یتیم بچوں کو کھلایا۔ جب وہ سیر ہو گئے تو مسکرائے۔ حضرت نے اللہ پاک کی تعریف کی اور حضرت عمرؓ کی سنت کو زندہ کیا۔" (سوانح مجاہد ملت:۲۶)

لسی پر گزارا اور اوڑھنی کا ایثار

"مجاہد ملت حضرت ہزارویؒ کی قناعت پسندی اور ایثار کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ میں ہفت روزہ ترجمان اسلام کے دفتر گیا۔ مولانا اخبار کا اداریہ لکھنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے ایک پاؤ دہی کی نمکین لسی جس میں تقریباً تین چار سیر پانی تھا، بلکہ اگر میں کہوں کہ وہ لسی کم اور پانی زیادہ تھا، تو بے جا نہ ہوگا۔ مولانا روٹی کا نوالہ منہ میں ڈالتے اور پانی نما لسی سے نگل لیتے۔

میں نے دیکھا تو کہا مولانا! اتنی سردی میں پانی جیسی پتلی لسی سے روٹی

کھا رہے ہیں، سالن منگوالیا ہوتا۔ کہنے لگے:" طاؤس خان! یہ لسی صحت کے لئے بہت مفید ہے۔" یاد رہے کہ مولانا اس وقت مغربی پاکستان اسمبلی کے ممبر تھے۔

اسی اثنا میں ایک عقیدت مند آیا اور ایک خوبصورت سفید اوڑھنی مولانا کے کندھوں پر ڈال دی۔ مولانا کام میں مصروف رہے۔ وہ شخص چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جمعیت کے ایک کارکن تشریف لائے۔ مولانا کے کندھوں پر پڑی ہوئی اوڑھنی کی تعریف کی اور کہا کہ مولانا! جب میں جمعیت کے دوروں پر جاتا ہوں تو مجھے بہت سردی لگتی ہے۔ آپ نے اپنی ایثار پسند طبیعت کے تحت وہ اوڑھنی اپنے کندھے سے اٹھا کر اس کے کندھے پر ڈال دی۔"

(سوانح مجاہد ملت: ۷۹)

ایثار کا ایک دلچسپ واقعہ

ایک مرتبہ مجھے مجاہد ملت حضرت ہزارویؒ کے ساتھ مولانا محمد امیر بجلی گھر کی انتخابی مہم کے سلسلہ میں دسمبر میں پشاور جانا پڑا۔ لاہور ریلوے سٹیشن پر شدید رش تھا۔ شدید سردی تھی۔ اس ڈبے میں ایک انگریز جوڑا سفر کر رہا تھا جن کا لباس سردی روکنے کے لئے ناکافی تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر سردی روکنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے اور صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ سردی سے پریشان ہیں۔ مولانا نے اپنے جسم پر کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ اچانک انہوں نے اپنا کمبل ان دونوں پر ڈال دیا اور خود وظائف میں مشغول ہو گئے۔

صبح جب ہم پشاور پہنچے تو اس جوڑے نے وہ کمبل شکریے کے ساتھ مولانا کو لوٹا دیا۔ میں نے مولانا سے پوچھا کہ آپ کو بھی تو سردی لگ رہی تھی، آپ نے کمبل ان کو کیوں دیا؟ اس پر مولانا نے بتایا کہ میں نے قمیص کے نیچے روئی کی جیکٹ پہن رکھی ہے۔ یہ لوگ غیر مسلم ضرور ہیں لیکن انسان تو ہیں اور انسانیت

کا تقاضا یہی تھا کہ میں ان غیر ملکی مہمانوں کی پریشانی میں ان کی مدد کرتا۔
دور حاضر میں ایثار کی ایسی مثال شاید خال خال ہی کہیں ملے۔

(سوانح ہزاروی ص ۴۳۰ تا ۴۳۳)

بکتے نہیں ہم فقیر لوگ

نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے مہتمم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ راوی ہیں کہ:

"میرے پاس ایک ریٹائرڈ تحصیلدار آئے۔ انگریز کے دور حکومت میں برطانیہ نے بڑے بڑے قائدین اور مخالفین کو خریدنے پر انہیں متعین کیا تھا۔ اس تحصیلدار کا بیان ہے کہ میں نے صوبہ سرحد کے تمام مخالفین کو پانچ ہزار اور دس ہزار میں انگریز کے حق میں خریدا اور انہوں نے انگریز دشمنی ختم کر دی۔ لیکن اس پورے صوبے میں واحد شخص مجاہد ملت حضرت ہزارویؒ تھے جن کے لیے خصوصیت کے ساتھ پچاس ہزار روپے دیئے تا کہ کسی طرح یہ شخص انگریز دشمنی ترک کر دے۔
یہ بات پیش نظر رہے کہ انگریز کے زمانے کے پچاس ہزار آج کے دور کے کم از کم پچیس لاکھ روپے کی خطیر رقم بنتی ہے۔ ریٹائرڈ تحصیلدار کے بقول اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر اس مجاہد وقت کو نہ خرید سکا۔"

(سوانح مولانا ہزارویؒ ص ۳۳۷)

غیبی اشارہ

جناب محمد اختر نعیم صاحب لکھتے ہیں کہ:

"ایک خفیہ ایجنسی کے ملازم نے مولانا غلام غوث ہزاروی کے متعلق کہا کہ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے دنوں کی بات ہے، میں اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں ان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ موضع ہل سے ہم مانسہرہ کی جانب آ رہے تھے۔ اس دوران کچھ فاصلہ ہمیں پیدل طے کرنا تھا کہ راہ چلتے ہوئے

اچانک مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے جھاڑیوں میں آواز آرہی ہو کہ مولانا ہزارویؒ کامیاب ہو جائیں گے۔ مجھے شک ہوا کہ کوئی شخص جھاڑیوں کے پیچھے موجود ہو۔ لیکن میں نے وہاں دیکھا تو کوئی بھی نہ تھا۔ تب تے اسے غیبی اشارہ جانا کہ مولاناؒ اب انتخابات میں ضرور کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں گے۔

پھر ایک بار انہوں نے اپنی کامیابی کے بارے میں میری رائے جاننی چاہی تو میں نے کہا: "مولانا صاحب! جنگلی جھاڑیاں بھی آپ کی کامیابی کا مژدہ سنا رہی ہیں۔" (روزنامہ نوائے وقت ۱۰ فروری ۲۰۰۰ء)

غلام غوثؒ کو رقم کی ضرورت ہے

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب خطیب جامع مسجد مانسہرہ بیان فرماتے ہیں کہ:

"حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ صاحب نے خواب دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ احمد علی! غلام غوث کو کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔

جب حضرت لاہوریؒ بیدار ہوئے تو ایک شخص کو کچھ پیسے دے کر مولانا غلام غوثؒ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اس شخص نے آ کر حضرت ہزارویؒ کو رقم دی اور واپس چلا گیا۔ چند دنوں بعد حضرت ہزارویؒ لاہور گئے اور حضرت امام لاہوریؒ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ مجھے تو رقم کی ضرورت نہ تھی، آپ نے کیوں تکلیف فرمائی؟ حضرت لاہوریؒ نے فرمایا، "بھئی! وہ تو مجھے نبی کریم ﷺ نے خواب میں حکم دیا تھا، جس کو میں نے پورا کیا۔" یہ بات سن کر حضرت ہزارویؒ خاموش ہو گئے۔ (سوانح مجاہد ملت: ۹۳)

کیوں! اب تسلی ہو گئی؟

جناب امین گیلانی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

"میرے ایک عزیز دوست سید عبداللہ شاہ مظہر نے مجھ سے بیان کیا کہ مولانا ہزارویؒ کی مودودی صاحب کے خلاف شدت کو میں ان کا ہم

خیال ہونے کے باوجود اچھا نہ سمجھتا تھا کہ واشگاف الفاظ میں برسرِ عام اتنی سختی سے پروپیگنڈہ کیا جائے۔ میں نے دبے لہجے میں عرض کیا کہ مولانا! یہ ٹھیک ہے کہ مودودی صاحب کا قلم بے راہ رو ہے لیکن آپ نرمی سے احتجاج کیا کریں۔ مولانا نے جواب میں فرمایا کہ وہ اسی قابل تھے۔ خیر بات آئی گئی ہو گئی۔

اسی رات خواب میں سرورِ کائنات ﷺ کی زیارت ہوئی۔ فرمایا:

''غلام غوث ٹھیک کر رہا ہے۔''

جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے چاہا کہ مولانا کو اپنا خواب بتا دوں۔ ابھی ان کی طرف رجوع ہی ہوا تھا کہ مولانا بول پڑے:

''کیوں اب تسلی ہو گئی؟''۔ میں مزید حیران ہوا کہ انہیں خواب کا بھی پتہ چل گیا۔ اللہ اکبر۔'' (سوانح مولانا ہزاروی ص ۴۲)

پیش گوئیاں جو حرف بحرف پوری ہوئیں

حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب بیان فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا بے حد درویش اور صاحب الرائے تھے، جو بات فرماتے، مستقبل میں ہو بہو صحیح صادق ثابت ہو جاتی:

(الف): ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں ''مخالفین'' نے اشتہار بازی کا طوفان اٹھا رکھا تھا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ یہ لوگ کاغذی گھوڑے تو بہت دوڑا رہے ہیں لیکن ان کو پورے ملک میں چار سیٹوں سے زیادہ نہ ملیں گی۔ مبینہ طور پر سات کروڑ روپے خرچ کرنے کے باوجود پورے ملک سے بمشکل ہی چار سیٹیں ان لوگوں کو ملیں۔

(ب) اسی الیکشن میں ڈیرہ اسماعیل خان کی سیٹ سے مفتی محمود صاحبؒ کے مقابلے میں اس وقت کی پاکستان کی مقبول ترین شخصیت ذوالفقار علی بھٹو (مرحوم) بھی کھڑے ہو گئے۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر مسٹر بھٹو جیت گئے تو میں

سیاست چھوڑ دوں گا۔ جب انتخاب کا نتیجہ سامنے آیا تو جناب مفتی صاحبؒ بھاری اکثریت سے جیتے ہوئے تھے۔

(ج): جیسا کہ گزرا ہے کہ حویلیاں میں مودودیوں نے مولانا پر خوفناک قاتلانہ حملہ کیا جس میں مولانا اور ان کے ساتھ مولوی مسعود الرحمٰن صاحب بال بال بچ گئے۔ اس کے بعد ایک جلسہ عام میں مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ:

''ان لوگوں کا سربراہ مجھ سے عمر میں دس برس چھوٹا ہے، پھر اسے میری زندگی سے خاص دشمنی اور میری موت کی بڑی تمنا ہے مگر مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ میں اس کی زندگی میں نہیں مروں گا بلکہ وہ میری زندگی میں مرے گا اور امریکہ میں مرے گا۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مودودی صاحب امریکہ میں ۱۹۷۹/۹/۲۰ کو چل بسے۔ اس طرح مودودی صاحب سولہ مہینے گیارہ دن مولانا سے پہلے فوت ہوئے۔ (سوانح مجاہد ملت: ۹۴)

فراست ایمانی

۱۹۵۴ء کے آخر کی بات ہے، گورنر جنرل غلام محمد اور وزیر داخلہ سکندر مرزا دیوالی شریف جانے کے لئے لکھنؤ کے ہوائی اڈہ پر اترے۔ مرزا سکندر اس وقت پاکستان کے مرد آہن کہلاتے تھے اور ملک میں اسلامی دستور کے نفاذ کا مطالبہ زور وشور سے جاری تھا۔ اخباری نمائندوں نے اسلامی نظام کے بارے میں سوال کیا تو سکندر مرزا نے کہا کہ یہ ہندوستان سے گئے ہوئے مولویوں کی اودھم ہے، میں ان کو چاندی کی کشتی میں بٹھا کر یہیں بھیج دوں گا۔

یہ بیان اکثر اخبارات میں شائع ہوا۔ اتفاق سے مولانا ہزارویؒ سکھر میں ایک کانفرنس کے سلسلے میں جا رہے تھے۔ رات کو سکھر میں ایک بہت بڑی کانفرنس میں مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے سکندر مرزا کو للکارا اور فرمایا کہ:

''سکندر مرزا! تم کہتے ہو کہ علماء کو چاندی کی کشتی میں سوار کر کے سمندر پار بھیج دوں گا۔ یاد رکھو! تمام علماء کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ البتہ تمہارے لئے جہاز تیار ہو

چکا ہے۔ تمہیں اس ملک میں دو گز کا ٹکڑا بھی میسر نہ آئے گا۔ بلکہ وقت آئے گا کہ تمہاری لاش کو زمین سے نکال کر پھینک دیا جائے گا۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: من عادلی ولیا فقد اذنتہ بالحرب۔ ''جو میرے دوست سے دشمنی رکھے، میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔''

اب قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ سکندر مرزا کو ۱۹۵۸ء میں جنرل ایوب نے اسی آن بان سے لندن بھیج دیا اور اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ سکندر مرزا صاحب لندن میں ایک ہوٹل کے منیجر رہے اور مرنے کے بعد ان کی لاش ایران میں لا کر شاہ رضا پہلوی نے دفن کرائی۔ جب خمینی برسر اقتدار آیا تو ایرانی رضا کاروں نے سکندر مرزا کی لاش نکلوا کر جلا دی۔ اور اس کی لاش سمندر میں بہا دی۔

یہ مولانا کی فراست ایمانی تھی۔ جو پیشگوئی کی تھی، وہ حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ (سوانح مجاہد ملت: ۹۵)

اسمبلی میں مودودیت کا تعاقب

ایک دفعہ قومی اسمبلی کے اجلاس میں شیخ الحدیث محدث کبیر حضرت مولانا عبدالحق نے قرارداد پیش کی، جس میں مطالبہ کیا گیا کہ اسلامی اخلاق و عقائد پر برا اثر ڈالنے والے لٹریچر پر پابندی لگائی جائے۔ اس پر بحث ہوئی۔ مجاہد ملت حضرت ہزارویؒ نے نہ صرف اس قرارداد کی حمایت کی بلکہ واضح طور پر فرمایا کہ میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب کی قرارداد کی تائید کرتا ہوں۔ یہ ضروری ہے کہ اس قسم کے تمام لٹریچر کو ضبط کر لیا جائے، جس سے اسلامی عقائد پر زد پڑتی ہے، چاہے وہ مرزائی لٹریچر ہو یا مودودی لٹریچر ہو یا پھر پرویزی لٹریچر۔

اس موقع پر مودودی ممبر صفی اللہ نے مداخلت کی کہ مودودی کا نام نہ لیں۔ وہ مشہور اور بلند ہستی ہے۔

مجاہد ملت مولانا ہزارویؒ نے فرمایا کہ آپ اسے بلند کہیں، میں اسے گمراہ کہتا ہوں۔ صفی اللہ نے پھر کہا۔ جس کے جواب میں مولانا ہزارویؒ نے پھر فرمایا کہ آپ کے مفتی فرما چکے ہیں کہ مودودی نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت سے پہلے شرک کی

منزلوں سے گذرنا پڑا تھا۔ پھر مولانا ہزارویؒ نے سپیکر کے کہنے پر مودودی کا نام چھوڑ کر کہا کہ مرزائی، پرویزی اور فحش لٹریچر کو ضبط کیا جائے۔ (اخبار الجمعیۃ ۱۵ فروری ۱۹۷۴ء)

مرزا بشیر الدین محمود کی سازش

۱۳۵۳ھ بمطابق ۱۹۳۴ء میں مرزا بشیر الدین محمود نے ہزارہ کو فتح کرنے اور اپنے اثر و رسوخ کو بڑھانے اور مزید پختہ کرنے کے لئے ان خوانین کی دعوت یا سازش پر اپنے تیز طرار اور شاطر قسم کے مناظر ''اللہ دتہ'' کو ہزارہ بھیجا۔ ہزارہ میں بڑے بڑے جید علماء کرام موجود تھے۔ مگر یہ مدرس، مفتی، صوفیاء، مصلحین اور اساتذہ قسم کے لوگ تھے۔ مناظرہ کے فن میں انہیں مہارت نہ تھی، نہ ہی مرزائیوں کے مغالطوں اور چالاکیوں سے کما حقہٗ آگاہ تھے۔ چنانچہ مرزائی مناظر مختلف جگہوں پر تقریر کرتا ہوں علمائے کرام کو چیلنج دیتا اور اپنی فضا بناتا ہوا بھگلہ پہنچا۔ (بھگلہ مانسہرہ اور بالاکوٹ کے درمیان ایک پرفضا مقام ہے)۔ (سوانح مجاہد ملت: ۱۴۷)

حضرت ہزارویؒ میدان مبارزت میں

یہاں کے بااثر سادات اور بالاکوٹ کا ایک بااثر خان قلیچ خان مرزائیت سے وابستہ ہو کر سب کچھ اس پر نچھاور کرنے کے لئے تیار تھا۔ ان سب کی ملی بھگت اور سازش سے مرزائی مناظر اللہ دتہ بھگلے پہنچا تھا۔ ان لوگوں نے مختلف دیہاتوں میں دعوت نامے بھیج کر لوگوں کو بلایا اور بہت بڑے جلسے کا انتظام کیا۔

دوسرے دن اللہ دتہ پروگرام کے مطابق پولیس کی نفری اور اپنے مسلح محافظوں کے جھرمٹ میں سٹیج پر آیا اور مرزا کے قصیدے پڑھنے لگا۔

جب اس پروگرام کا علم علماء کرام کو ہوا تو وہ سخت پریشان ہوئے اور عوام کے ایمان کو خطرہ میں محسوس کیا۔ پھر مرزائی مناظر کو جواب دینا ان کے بس میں نہ تھا۔ اور اتنے جاگیرداروں، خوانین اور حکام کی مخالفت کرنا اور ان کے رعب و داب کو سہنا ان کی طاقت سے باہر تھا۔ یہ کسی بیٹھک یا مسجد کی بات نہ تھی بلکہ میدان مبارزت میں جوہر دکھانے کا مرحلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ قاضی محمد یونس صاحب بالاکوٹی کو جزائے خیر دے کہ ان حالات کو سنا تو فوراً مجاہد ملت

حضرت ہزارویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال سے آگاہ کیا۔

مگر مولانا کے گھر حالت یہ تھی کہ ان کا نہایت ہی ذہین وفطین اور چہیتا اکلوتا بیٹا موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھا کہ ابھی فوت ہوا، ابھی دم نکلا۔ سب اہل خانہ اس کے تصور فراق میں دردمند اور آزردہ تھے اور آنسوؤں کا سیلاب آنکھوں سے جاری تھا۔ مولانا نے چند منٹ سوچا اور قاضی صاحب سے فرمایا: ''ذرا ٹھہریں! میں کتابیں لے کر آتا ہوں۔'' آپ اندر آئے، چند کتابیں لیں اور اپنے لخت جگر کو خدا کے حوالے کر کے گھر سے جانے لگے۔ آپ کی والدہ مرحومہ نے فرمایا کہ زین العابدین مر رہا ہے اور آپ کتابیں لے کر گھر سے جا رہے ہیں۔ آپ نے بلا تکلف فرمایا:

> ''اماں جان! یہاں ایک زین العابدین کی موت کی بات ہے اور ادھر نبی ﷺ کی امت کے ایمان کی بات ہے۔ اگر ایک آدمی بھی مرتد ہو گیا تو میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟ مجھے زین العابدین کے مقابلے میں امت کا ایمان زیادہ عزیز ہے۔

یہ کہہ کر آپ گھر سے رخصت ہو گئے۔ بعد از وہ اطلاع پہنچی کہ بچہ فوت ہو گیا ہے، نماز جنازہ پڑھ کر جائیں۔ (سوانح مجاہد ملت: ۱۲۸)

قادیانیت کے زہر کا تریاق

آپ نے فرمایا:

> ''جنازہ فرض کفایہ ہے اور مسلمانوں کے ایمان کو بچانا فرض عین ہے۔ اگر میرے پہنچنے سے پہلے مرزائی مناظر اللہ دتہ واپس چلا گیا تو بہت سے مسلمانوں کا ایمان خراب کر جائے گا۔ بچے کو دفن کرنے کے لئے عزیز و اقارب اور اہل محلہ کافی ہیں، مگر اللہ دتہ کے زہر کا تریاق میرے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔''

یہ کہہ کر آپ قاضی محمد یونس کے ہمراہ بھکر روانہ ہو گئے اور ایسے وقت پر وہاں پہنچے جب مرزائی مناظر اللہ دتہ بڑے جوش وخروش سے سٹیج پر براجمان پولیس کی نفری اور مسلح گارڈ کے

گھیرے میں تقریر کر رہا تھا۔ لوگوں کو ہم خیال بنانے کے لئے علماء پر چوٹیں کرتا ہوا انہیں چیلنج کر رہا تھا۔ (سوانح مجاہد ملت: ۲۶۹)

مولانا ہزارویؒ کا اسٹیج پر قبضہ

سارے گھیراؤ کو توڑ کر مجاہد ملت حضرت ہزارویؒ اسٹیج پر چڑھ گئے اور صاعقۂ الٰہی بن کر اس پر ٹوٹ پڑے اور کڑک کر مرزائی مناظر اللہ دتہ سے فرمایا:

"اللہ دتہ! لوگوں کے ایمان کو خراب نہ کرو، تم مرزا کی نبوت کی بات کرتے ہو، نبوت اور ولایت تو بڑی چیز ہے، میں تم سے کہتا ہوں کہ مرزا آنجہانی کو ایک شریف انسان بھی ثابت کرنے کے لئے مجھ سے مناظرہ کرلو۔ خدا کی قسم! کہ مرزا انتہائی کمینہ اور بد اخلاق انسان تھا۔ تم اس خبیث کی بات کرتے ہو؟"

اللہ دتہ کو جان کے لالے پڑ گئے کہ یہ مولانا ہزارویؒ کہاں سے آدھمکا۔ اس کی قوت گویائی جواب دے گئی اور مولانا نے اسٹیج سے دھکا دے کر اس کو نیچے گرادیا۔ اس نے اپنے حواریوں سمیت بھاگنے ہی میں خیر سمجھی اور قادیان پہنچ کر دم لیا۔ مولانا نے اس اسٹیج پر کھڑے ہو کر ختم نبوت کے موضوع پر زبردست تقریر کی۔ ختم نبوت کے نعرے لگوائے۔ لوگوں کے ایمانی ولولوں کو گرماتے ہوئے فرمایا:

"ان مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ کرو، ان کی شادی، غمی اور نماز جنازہ میں شرکت نہ کرو۔"

چنانچہ مرزائیوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ الحمد للہ آج تک یہ لوگ خانہ بدر ہیں اور کبھی کبھار چوری چھپے آکر اپنی جائیداد پر نگاہ حسرت ڈال کر چلے جاتے ہیں۔ (سوانح مجاہد ملت: ۲۶۹)

حضرت ہزارویؒ کی کرامت

"زیدہ" تحصیل صوابی مردان کا ایک قصبہ ہے۔ یہاں کے خوانین مرزائی ہو گئے تھے۔ ان کا علاقہ بھر میں اس قدر اثر تھا کہ لوگ مرزا کو "حضرت صاحب" کہتے تھے۔ ان حالات کا علم آپ کو ہوا تو ایک چھوٹی سی مسجد میں جلسہ کا انتظام کرایا۔ اس کی تفصیل کے سلسلہ میں مولانا

عبدالحنان جہانگیروی فاضل دیوبند رقمطراز ہیں:

"محترم حضرت مولانا ہزارویؒ کی تمام زندگی گوناگوں واقعات اور مجاہدانہ کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔ ان کی کون کونسی ادا اور جرأت وللّٰہیت کا واقعہ ذکر کیا جائے۔ غالباً ۱۳۵۴ھ بمطابق ۱۹۳۶ء کا واقعہ ہے کہ صوبہ سرحد میں خاص کر تحصیل صوابی میں انگریزوں کے خود کاشتہ پودے کے منحوس اثرات بہت زیادہ پھیلنے لگے تھے۔ خاص کر خوانین طبقہ اور انگریزی سرکار کے ملازمین میں یہ زہر روز بروز بڑھ رہا تھا۔ (سوانح مجاہد ملت: ۱۷۰)

صوابی میں مرزائیت کا قلع قمع

موضع زیدہ میں خوانین تمام علاقے میں سب سے زیادہ حکومت کے گھر باوقعت، بارسوخ اور اونچے پائے کے سمجھے جاتے تھے اور کافی زور کے مالک تھے۔ ان میں چند افراد مرزا غلام احمد کے پیرو بن گئے اور علاقہ میں موضع ٹوپی، زروبی اور اسماعیلیہ کے دیہات میں بھی یہ مرض پھیل گیا۔ زیدہ میں تو یہاں تک ان کا رعب قائم تھا کہ کسی مرزائی کا نام بھی بے ادبی سے لینے کی جرأت نہ تھی اور عوام کو احساس اور خبر تک نہ تھی کہ یہ بھی خلاف اسلام کوئی فرقہ ہے۔

انہی دنوں میں انہی خوانین کے ایک قریبی رشتہ دار اور خدا ترس مسلمان مرد مومن مسمی شیر محمد خان آف جہانگیرہ مجاہد ملت حضرت ہزارویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بات کی استدعا کی کہ زیدہ میں مرزائیت بہت زیادہ قوی ہو رہی ہے اور یہ اثرات روز بروز علاقے میں پھیلتے جا رہے ہیں۔ اگر ان کا انسداد نہ کیا گیا تو خطرہ ہے کہ یہ ارتداد تمام علاقہ میں پھیل جائے۔

چنانچہ مجاہد ملت حضرت مولانا ہزارویؒ مرحوم جو بعض دوسرے ہم خیال علماء مثلاً مفتی عبدالقیوم پوپلزئی، مولانا لطف اللہ جہانگیرہ اور حکیم فضل حق آف

نوشہرہ وغیرہ کے ساتھ پہلے سے اس فرقہ کے خلاف پشاور، مردان وغیرہ میں برسرپیکار تھے۔ انہوں نے مشورہ کیا اور سب اکٹھے ہو کر شیر خان کی معیت میں زیدہ پہنچے۔

پہلے پہل تو لوگوں نے اپنی اپنی مساجد وغیرہ میں مرزائیوں کے خلاف جلسہ کرنے کی اجازت سے پہلو تہی کی مگر بعد میں سمجھانے اور شیر محمد خان کی کوششوں سے آئندہ جمعہ کو مسجد محلہ چنگڑ میں جلسہ مقرر ہوا۔ تمام علاقہ میں تشہیر کی گئی۔ جمعہ کو لوگ کافی تعداد میں جمع ہوئے۔ کئی لوگ تماشہ کے خیال سے آئے تھے کہ خانوں کے خلاف ان کے قصبے میں جلسہ کیسے ہوگا؟ بہر حال جلسہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے تقریر مولانا لطف اللہ صاحب نے شروع کی۔ مخالفین بھی مجمع کے باہر قطار باندھے کھڑے تھے۔ ان مخالفین میں خوانین کی ایک سرکردہ شخصیت عجب خان، جو ان دنوں ضلع ہزارہ اوگی میں پولیٹیکل تحصیلدار تھا، اور تھا بھی کٹر مرزائی، جس نے ہزارہ میں بھی مرزائیت کا کافی تخم بویا تھا، وہ جلسہ گاہ کے باہر ایک چبوترے پر چارپائی ڈال کر بیٹھا تھا۔ نیز اس کا ایک لڑکا یوسف خان بھی قطار میں کھڑا تھا۔ مولانا لطف اللہ نے مرزا غلام احمد کا ذکر کیا اور اس کے دعووں کے بارے میں کہنا شروع کیا تو مرزائیوں نے گڑبڑ شروع کی مگر بعد میں مولانا لطف اللہ نے کافر کا لفظ کہا تو عجب خان اچانک کھڑا ہوا اور شور برپا کر دیا اور اس کے بیٹے یوسف خان نے پستول نکال کر دھمکی دی کہ اگر مرزا کے متعلق ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو گولی ماردوں گا۔

ادھر آ ستمگر! ہنر آزمائیں

جب یہ کیفیت سامنے آئی تو مجاہد ملت حضرت ہزاروی یکدم کھڑے ہو گئے اور مولانا لطف اللہ کو بٹھا دیا اور خود اپنا گریبان کھول کر اور سینہ تان کر کے فرمانے لگے کہ تم میں غیرت ہے تو مارو میرے سینے میں گولی۔

ادھر آ ستمگر ہنر آزمائیں

تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

تمہارے اس مولوی تقریر میں تو رتی برابر بھی غیرت نہیں تھی۔ تم میں اتنی غیرت کہاں سے آ گئی۔

چنانچہ مجاہد ملت حضرت ہزاروی عادت کے مطابق اور جوش ایمانی سے ایسے گرجے اور ایسے برسے کہ کفر پر لرزہ طاری ہو گیا، جس سے تمام حاضرین اس قدر متاثر ہوئے کہ نوجوانوں نے عجب خان کے لئے جو چارپائی رکھی تھی، وہ فوراً اٹھا کر باہر پھینک دی اور ہر طرف نعرہ تکبیر کی صدا گونجنے لگی۔

ادھر پولیس کا تھانیدار اس وقت کوئی سکھ تھا، وہ موجود تھا۔ حضرت ہزاروی نے اس تھانیدار کو للکار کر کہا:

''اگر پولیس والے اس مجمع کو کنٹرول نہیں کر سکتے تو ہٹ جائیں، ہم مسلمان خود کنٹرول کر لیں گے۔''

چنانچہ تھانیدار نے بھی مجبوراً یوسف خان کے ہاتھ سے پستول چھین لیا اور باقی شریروں کو، جو چند آدمی تھے، بھگا دیا۔ (سوانح مجاہد ملت: ۱۷۰)

''ہزاروی کو گولی ماردو'' کابینہ کا فیصلہ

مجاہد ملت حضرت ہزاروی کو باوثوق ذریعہ سے مولانا محمد علی جالندھری کا پیغام ملا کہ لاہور کے حالات سخت ہوتے جا رہے ہیں، آپ بہت جلد وہاں پہنچ کر تحریک کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لیں تاکہ تحریک ناکامی کا شکار نہ ہونے پائے۔ آپ گرفتاری نہ دیں ورنہ پیچھے کوئی کام کرنے والا نہ ہو گا۔ آپ ہی نے پیچھے رہ کر کام کرنا ہے۔

یہ پیغام سن کر آپ لاہور پہنچ گئے اور تحریک کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ گرفتاری کیلئے پروگرام کے مطابق دستے بھیجتے رہے۔ مولانا عبدالستار خان نیازی آپ کے مستقل معاون رہے۔

حکومت نے جب دیکھا کہ حالات کنٹرول سے باہر ہو رہے ہیں، تو لاہور میں مارشل لاء نافذ کر کے اسے فوج کے حوالے کر دیا۔ جنرل اعظم مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوا۔ مگر اس

کے باوجود تحریک پروگرام کے مطابق جاری رہی اور منظم طریقہ سے چلتی رہی۔ ارباب مارشل لاء نے معلوم کیا کہ یہ تحریک ایسے منظم اور مخفی طریقہ سے کون چلا رہا ہے؟ انہیں معلوم ہوا کہ یہ سارا نظام حضرت مجاہد ملت مولانا ہزارویؒ کے ہاتھ میں ہے اور وہ کسی غیر معروف جگہ میں روپوش ہیں۔ فوجی حکام نے اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی مولانا ہزاروی کو گرفتار کرنے میں مدد دے گا، اسے دس ہزار روپے انعام دیا جائے گا۔

اس پر بھی کامیابی نہ ہوئی تو مرکزی کابینہ میں فیصلہ ہوا کہ حضرت ہزارویؒ جہاں ملیں، انہیں گولی سے اڑا دیا جائے۔ حضرت ہزارویؒ ایسے حالات میں جب باہر گولیاں برس رہی تھیں، فوجی جس کو چاہتے برسٹ مار کر ختم کر دیتے اور جس کو چاہتے جیل بھیج دیتے، اپنے تدبر اور عزم و حوصلہ سے تحریک کا کام جاری رکھے ہوئے تھے۔ آپ کا لباس بہت سادہ تھا۔ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ یہ بھی کوئی لیڈر رہے۔ (سوانح مجاہد ملت: ۱۷۷)

زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت

حضرت مولانا عبدالرشید لکھتے ہیں۔

۱۹۵۳-۵۴ء کی تحریک ختم نبوت میں جب سارے مرکزی رہنما اور لیڈر گرفتار ہوئے تو آپ کو مرکزی قیادت کی طرف سے حکم ملا کہ پیچھے رہ کر کام کریں اور گرفتاری نہ دیں۔ مگر جب لاہور کے حالات حکومت کے قابو سے باہر ہو گئے اور تحریک کی طاقت و مقبولیت کے مظاہر سامنے آ گئے تو حکومت نے قوم کے مطالبہ کو ماننے کی بجائے لاہور میں مارشل لاء نافذ کر کے اسے فوج کے حوالے کر دیا۔ فوج نے چارج سنبھال کر یہ معلوم کیا کہ یہ تحریک اور ایسے پروگرام منظم طریقے سے کون چلا رہا ہے کہ مارشل لاء کے باوجود تحریک رکتی نہیں، بڑھتی جا رہی ہے۔ تو فوج کے افسروں کو معلوم ہوا کہ یہ ساری کرما گرمی حضرت ہزارویؒ اور ان کے چند رفقاء کار کے دم خم سے قائم ہے۔ جب تک وہ گرفتار نہ ہوں تحریک دب نہیں سکتی۔

چنانچہ ان کی گرفتاری کے لئے متعدد جگہوں پر چھاپے مارے۔

حضرتؒ کے رفقاء کار مولانا عبدالستار خان نیازیؒ وغیرہ تو گرفتار ہوئے مگر حضرت ہزارویؒ ان کے ہاتھ نہ آئے۔ چنانچہ فوج نے اعلان کر دیا کہ ہزارویؒ جہاں ملیں، گولی مار دی جائے اور یہ بھی اعلان کیا کہ جو شخص مولانا ہزارویؒ کو زندہ یا مردہ گرفتار کرائے گا، ان کی گرفتاری میں مدد پہنچائے گا، اسے دس ہزار روپے نقد انعام دیا جائے گا۔

اس اعلان کے بعد حالات سخت سے سخت تر ہو گئے مگر اس اللہ کے بندے کو فوجی زعماء بھی شکست نہ دے سکے۔ میں نے ایک دن ہمت کر کے حضرتؒ سے روپوشی کے حالات دریافت فرمائے۔ آپ نے فرمایا: ''میں تم سے ایک بات بیان کرتا ہوں جو کسی کو معلوم نہیں اور نہ کسی سے آج تک بیان کی ہے۔'' فرمایا:

''جب میں روپوش تھا، پولیس اور فوج میری تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھی، مجھے اس وقت سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ اپنی حالت سوچتا تھا کہ اگر گولی سے مارا جاتا ہوں تو یہ بزدلی کی موت ہوگی، اور اگر گرفتاری کے لئے ظاہر ہوتا ہوں تو مرکز کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ یہ پریشانی تین دن تک رہی۔ تیسرے دن مجھے کچھ بین النوم والیقظہ یعنی کچھ نیند اور کچھ بیداری کی حالت میں حضور خاتم النبیین و سید المرسلین ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ''غلام غوث! تم نے میرے ناموس کے لئے قربانی دی ہے۔ پریشان مت ہونا، کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر رہے گا۔''

جب میری آنکھ کھلی تو طبیعت میں زیارت نبوی ﷺ سے بشاشت کے ساتھ کامل اطمینان پیدا ہو گیا۔ پھر اس کے بعد بہت سے تکالیف آئیں، مگر قطعاً کوئی پریشانی نہیں ہوئی اور اس کے بعد ہی میں پولیس اور فوج کو جل دے کر لاہور سے باہر چلا گیا۔ لاہور میں جب تک رہا، ایسے اوقات بھی آئے

کہ فوج اور پولیس والے میری امامت میں نماز پڑھتے رہے لیکن بشارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حفاظت الٰہی کا نتیجہ تھا کہ پہچان نہیں سکے۔"

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت مولانا ہزاروی کو اپنے کردار میں تائید الٰہی حاصل تھی اور یہ سب سے بڑی کرامت ہے۔ (بیس مردان حق ص ۹۲۷ تا ۹۲۸ از مولانا عبدالرشید ارشد)

انگریز جج کی عدالت، بے باکی کا ایک واقعہ

حضرت مولانا عبدالرشید ارشد لکھتے ہیں:

"۱۹۳۴ء میں مجاہد ملت حضرت ہزاروی نے نوشہرہ ضلع پشاور میں انگریز کے خود کاشتہ پودے کے خلاف تقریر کی۔ اس پر گرفتار ہوئے۔ اے سی نوشہرہ کی عدالت میں پیش کیے گئے۔ وہ انگریز تھا، اس کی عادت تھی کہ وہ ملزم کو دیکھتے ہی برا بھلا کہتا تھا۔ اس کا مقصد اس کارروائی سے ملزم کو مرعوب کرنا ہوتا تھا۔ حضرت مجاہد ملت کو دیکھتے ہی وہ کہنے لگا: "تم بدمعاش ہو، ہر جگہ فساد کرتا ہے، ہم تم کو سیدھا کرے گا۔"

مولانا بڑے تحمل سے کہنے لگے: "یہ عدالت ہے، قانونی طریقہ یہ ہے کہ وکیل استغاثہ پیش کرتا ہے مگر یہاں کا نقشہ کچھ اور ہی ہے۔ یہاں تو الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔" مولانا نے اسی کے لب و لہجہ کی نقل اتارتے ہوئے زوردار آواز میں کہا: "تم بڑا بدمعاش ہو، تم ہر جگہ فساد کرتا ہے، ہم تم کو سیدھا کرے گا۔" اس ناگہانی غیر متوقع جواب ہی سے وہ جز بز ہو کر کہنے لگا کہ تم کو ایک سال کی سزا دی جاتی ہے۔

مولانا کو جیل بھیج دیا گیا۔ پشاور کے ایک مشہور وکیل نے مولانا کی طرف سے ایک اپیل دائر کر دی کہ اے سی نوشہرہ نے عدالتی ضوابط کی تکمیل کے بغیر سزا دی ہے جو انصاف کے خلاف ہے، ملزم کو صفائی کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ ایک ہفتہ کے بعد مولانا کو جیل سے رہائی ہو گئی۔

(بیس مردان حق ص ۹۴۲ - ۹۴۳ از مولانا عبدالرشید ارشد)

اکلوتا بیٹا ناموسِ رسالت پر قربان کر دیا

مولانا مرحوم کے جوش و جوانی کا دور تھا۔ اب جبکہ دو نرینہ اولاد سے محروم دنیا سے کوچ کر گئے مگر مولانا کی نرینہ اولاد پیدا ہوئی۔ ایسے ایک موقع پر مولانا کا صاحبزادہ، اکلوتا بیٹا جو بڑھاپے کا سہارا بن سکتا تھا، شدید بیمار ہوا۔ بیماری سکرات موت کی حدود میں داخل ہوئی کہ اچانک بالاکوٹ سے اطلاع آئی کہ وہاں قادیانیوں نے پر پرزے نکال لئے ہیں اور فوراً پہنچنے کی ضرورت ہے۔ مولانا نے جان بلب لخت جگر کو اسی حالت میں چھوڑ دیا۔ تقریر و مناظرہ کی کتابیں بغل میں دبائیں اور چل پڑے۔

لوگوں نے بے حد روکا کہ حالت مخدوش ہے۔ فرمایا: "تم لوگ موجود ہو اور وہاں ناموس رسالت کی تحفظ کی بات ہے۔"

روانہ ہوئے۔ ابھی بفہ کی ذیلی سڑک سے بالاکوٹ جانے والی سڑک پر پہنچے تھے کہ کسی نے نور نظر بیٹے کی وفات کی اطلاع دی۔ فرمایا: "تم لوگ دفن کر دینا، اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی۔ مجھے بالاکوٹ پہنچ کر قادیانیوں کا تعاقب کرنا ہے، اللہ اور رسول ﷺ کی بات ہر چیز پر مقدم ہے۔"

مولانا نے بیٹے کے آخری دیدار اور پدری شفقت و محبت کو بھی ناموس دین پر قربان کر دیا اور اپنے روحانی مقتدا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی پیروی کی ایک اور تابندہ مثال قائم کر دی۔ مجھے خیال آیا کہ کیا عجب آج کی شام بھی ملاء اعلیٰ ایک بار پھر ندائے ربانی سے گونج اٹھی ہو کہ:

وناديناه ان يا ابراهيم۔ قد صدقت الرؤيا انا كذلك نجزي المحسنين۔

(والصّٰفّٰت: ۱۰۴، ۱۰۵)

يا ايتها النفس المطمئنة۔ ارجعي الى ربك راضية مرضية۔

فادخلي في عبادي۔ وادخلي جنتي۔ (فجر: ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰)

(الحق فروری ۱۹۸۱ء)

مولانا ہزارویؒ کی سادگی

حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو ساتھ لے کر لاری اڈہ شاہ عالمی گیٹ سے ٹکٹیں لیں اور بس میں سوار ہو گئے۔ اسی دوران پچھلی سیٹ پر سی آئی ڈی کے دو اہل کار بھی آ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ انتہائی سادہ انسان تھے۔ قد چھوٹا تھا، انہوں نے کھدر کا لباس پہنا ہوا تھا، سیٹ پر بیٹھے دکھائی ہی نہ دیتے تھے۔

وہ دونوں اہل کار مولانا کو پہچان نہ سکے۔ ان کا اضطراب اور بے چینی دیدنی تھی۔ کاموں کے قریب پہنچے تو ادھر ادھر کی باتوں سے ہٹ کر اصل موضوع کی طرف آ گئے اور کھسر پھسر کرنے لگے۔ میں نے بیٹھے بیٹھے پوری توجہ ان کی گفتگو کی طرف مرکوز کر دی۔ وہ پریشانی میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے کہنے لگے:

"یار ٹکٹیں بھی ٹھیک ہیں، گاڑی بھی وہی ہے جس کا ہمیں نمبر دیا گیا تھا مگر مولانا کہیں دکھائی نہیں دیتے۔"

گوجرانوالہ پہنچنے پر میں نے مولانا کو اڈے کے ویٹنگ روم میں بٹھا دیا اور خود حالات کا جائزہ لینے نکل کھڑا ہوا۔ ان سی آئی ڈی والوں کو یہاں گوجرانوالہ سی آئی ڈی کے دو اہلکار مل گئے۔ انہوں نے مولانا ہزارویؒ کے متعلق پوچھا، مگر ان کا جواب سن کر کبیدہ ہو گئے اور وہ چاروں آپس میں جھگڑنے لگے۔ گوجرانوالہ کے اہلکار ان سے مولانا ہزارویؒ مانگ رہے تھے جبکہ وہ بڑی معصومیت سے اپنی بے گناہی ثابت کرنے میں لگے ہوئے تھے کہ بس بھی یہی ہے، ٹکٹیں بھی ہمارے پاس ہیں، ہم خود حیران ہیں کہ مولانا کہاں چلے گئے۔

خیر اس طرح مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی گوجرانوالہ جیل میں صاحبزادہ فیض الحسن شاہؒ سے ملاقات ہوئی۔ جیل کے اندر تقریباً آدھ گھنٹہ تک باہم گفت و شنید کے بعد مولانا غلام غوث ہزارویؒ واپس آئے تو میں نے انہیں جلد ہی لاہور کے لئے بس پر سوار کرا دیا اور یوں وہ بحفاظت لاہور تشریف لے گئے۔ ایک مہینہ بعد صاحبزادہ فیض الحسن شاہؒ اور دیگر احباب کو حکومت نے رہا کر دیا۔ (تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک: ۱۶۸)

مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو پہچان نہ سکے

مولانا عبدالستار خان نیازی کی گرفتاری کے بعد پنجاب میں تحریک کی قیادت مولانا غلام غوث ہزاروی کے پاس چلی گئی۔ مولانا ہزاروی نے لاہور کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد تھی، اس میں قیام کرلیا اور وہیں سے رضا کاروں سے رابطہ رکھا اور تحریک چلانے کے لئے ہدایات جاری کرتے۔ مولانا ہزارویؒ کی تلاش میں سی آئی ڈی والے وہاں پہنچ گئے مگر وہ مولانا کو ان کی سادگی کی وجہ سے پہچان نہ سکے۔ ان کے نزدیک مولانا کا تصور کچھ اور ہی تھا۔ مولانا ہزارویؒ فرماتے ہیں:

وہ کئی روز میرے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے اور میرا درس سنتے رہے۔

ادھر مولانا ہزارویؒ نے ریلوے افسران کو پہیہ جام کرنے کا پیغام بھیجا تو ایسا ہی ہوا۔ سب کچھ رک گیا، ملازم انجنوں پر پانی ڈال کر اپنے گھر چلے گئے، گاڑیاں جہاں کھڑی تھیں، وہیں کھڑی رہیں۔

(تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک: ۱۴۷)

چائے کا انتظام ہو گیا

محمد ادریس صاحب بھکر رقمطراز ہیں:

ایک مرتبہ میں اور میرا دوست ملک محمد شفیق جو بی کام کے سٹوڈنٹ تھے اور جمعیت طلباء اسلام کے صدر، آپ کے ہاں راولپنڈی گئے۔ ہم نے جامع مسجد بھوسہ منڈی نے آپ کا پتہ کیا، معلوم ہوا کہ آپ اوپر چھت پر آرام فرمارہے ہیں۔ دیکھتے کیا ہیں کہ آپ نیچے ہی لیٹے ہوئے ہیں۔ میں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ آپ کو اٹھایا جائے۔ ہم خاموشی سے پاس بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد آپ جاگ اٹھے۔ ہمیں دیکھ کر آپ ہمارا منع کرنے کے باوجود فوراً کھڑے ہو گئے اور ہم سے بغل گیر ہو گئے اور بڑی شفقت سے پیش آئے۔

بعد میں بہت سی باتیں ہوئیں لیکن آپ نے ہمیں چائے کا نہ پوچھا۔
میں یہ بات دل میں لئے بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک شخص آیا، اس نے آپ
سے دوا مانگی، آپ نے اس کو دوا دی جس کی قیمت آپ نے دس روپے وصول
کی۔ آپ نے فوراً مسجد کے خادم کو بلا کر چائے کے لئے کہا کہ یہ ہمارے
بہت عزیز ہیں، ان کے لئے چائے لاؤ۔

پھر فرمانے لگے "پہلے میرے پاس پیسے نہ تھے، اس لئے میں نے
چائے کا نہ پوچھا، اب میرے پاس پیسے آگئے ہیں، اس لئے چائے پلا رہا
ہوں۔ (تبصرہ نمبر ۳۱)

شیخ الحدیث

حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

نفاذ اسلام کیلئے دن رات محنت کرنے والے

اسمبلی میں نفاذ شریعت کی صدا بلند کرنے والے

عہدوں اور وزارتوں کو ٹھکرانے والے

جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے بانی و مہتمم

جمعیت علماء اسلام کے عظیم مجاہد

پیدائش ۱۹۱۲ء

وفات ۱۹۸۸ء

حق بات کا ہر وقت اظہار کریں گے
منبر نہیں ہوگا تو سر دار کریں گے

میں آرام کروں اور مہمان انتظار کرے؟

ایک دفعہ حضرت مدرسے سے گھر تشریف لائے، ایک بجے کا وقت تھا، کھانا کھایا، نماز پڑھی، آنکھوں میں دوائی ڈالی اور سو گئے۔ اتنے میں باہر بیٹھک میں کوئی مہمان آیا تو کسی بچے نے حضرت کو نیند سے اٹھایا تو حضرت نے کہا کہ مہمان کو اوپر بالائی منزل (جہاں حضرتؒ ٹھہرتے تھے) لے آؤ۔ میں حضرت کے کمرے میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ مہمان کو میں نے بٹھا دیا ہے، آپ شام کو مل لیں گے، آپ نے ابھی دوائی آنکھوں میں ڈالی ہے، کچھ آرام کر لیں۔

حضرت نے فرمایا کہ نہیں مہمان کو اوپر لے آؤ۔ یہ مناسب نہیں کہ میں یہاں آرام کروں اور مہمان میرا انتظار کرے۔

میں مہمان کو اوپر لایا اور مہمان سے آپؒ حسب معمول اٹھ کر ملے۔ ویسے تو مہمان دیکھنے میں ایک عالم نظر آرہا تھا۔ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، سفید داڑھی تھی، لیکن تھوڑی دیر میں مجھے پتہ چلا کہ وہ شخص پاگل ہے اور ذہنی مریض ہے اور حضرتؒ سے الٹے سیدھے سوال کرنے لگا۔ کبھی کہتا تھا کہ وضو میں کتنے فرض ہیں؟ اور کبھی کہتا کہ روزہ سال میں ایک دفعہ کیوں فرض ہے؟ سارا سال کیوں نہیں ہوتا؟ حضرت کو کافی دیر تنگ کیا۔ میں نے حضرتؒ سے کہا کہ ان کو لے جاؤں؟ حضرت نے فرمایا کہ نہیں بیٹھنے دو، اس کی تسلی مجھ سے ہو رہی ہے۔

(سوانح شیخ الحدیث مولانا عبدالحق: ۹۳)

گرفتہ دل تھے، بڑے روئے یاد کر کے مجھے

مولانا عبدالقیوم حقانی لکھتے ہیں کہ:

یہ تو احقر کا چشم دید واقعہ ہے۔ زمانہ طالب علمی کے تین سال حضرتؒ کی تجویز و حکم پر حضرتؒ کے برادر خورد کے بالا خانے میں گزارے اور پھر زمانہ تدریس کے دو ڈھائی سال احقر کا رات کا قیام بھی حضرتؒ کی مسجد میں ہوا کرتا تھا۔

پھر بعد میں رمضان المبارک میں تو حضرتؒ کا اصرار ہوا کرتا تھا کہ افطاری اور سحری ہمارے ہاں کرلیا کرو۔ احقر کا بارہا مشاہدہ تھا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ آخر شب میں بیدار رہتے، گریہ و زاری کرتے تو صبر و ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے، آواز اونچی ہو جاتی، اللہ اللہ کی سریلی درد بھری آواز جس میں گریہ و اضطراب کی آمیزش ہوتی، کان لگا کر سننے والوں کو بھی رلا دیتی تھی۔ حضرتؒ کے ذکر سے ایسا معلوم ہوتا کہ بس ابھی ڈوبے جا رہے ہیں اور بچانے والا بغیر اللہ کے کوئی نہیں، اس لئے اسے پکارو بھی اس یقین سے جا رہا ہے کہ واقعتاً بھی وہی ذات ہے جو ڈوبتوں کو بچاتی اور بے سہاروں کا سہارا بنتی ہے۔

تمام رات نہیں سوئے یاد کر کے تجھے
گرفتہ دل تھے بڑے روئے یاد کر کے تجھے

(سوانح شیخ الحدیث مولانا عبدالحق: ۱۰۰)

رشوت ہے، رقم واپس کر دو

ایک مرتبہ کوئٹہ سے ایک کرنل صاحب کسی مولوی کو ساتھ لائے اور آتے ہی کافی رقم بطورِ چندہ دارالعلوم میں داخل کر دی۔ بعد میں سند کا تقاضا کیا۔ جب انہوں نے سند کا ذکر کیا تو شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے ناظم صاحب سے کہا کہ رقم واپس کر دو کیونکہ یہ رشوت دینا چاہتے ہیں۔ ہم مدرسے میں رشوت کی رقم نہیں لیتے۔ چنانچہ کرنل صاحب نے معافی مانگی اور کہا کہ دراصل ہمیں سند کی ضرورت نہیں، ہم محض امتحان لینا چاہتے تھے کہ یہاں فرضی سند مل سکتی ہے یا نہیں۔ (الحق خصوصی نمبر، ص ۱۱۲)

وزارت کو ٹھکرا دیا

یہ مرحلہ ۸۵ء کے انتخابات کے بعد صدر ضیاء الحق مرحوم اور وزیر اعظم محمد خان جونیجو کا نئی کابینہ تشکیل دینی تھی۔ اس موقعہ پر صدر ضیاء الحق نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو سینئر وزیر کے طور پر وزارت کی پیشکش کی اور اصرار کیا کہ وزارت میں آپ کے آنے سے اسلامائزیشن کے عمل

کی تکمیل ہو سکے گی۔ اس کو قبول کرنے کے لئے ضرورت اور جواز میں سینکڑوں دلیلیں پیش کی جا سکتی تھیں مگر آپ نے صاف انکار کر دیا۔ جب ادھر سے اصرار ہونے لگا تو آپ نے فرمایا:

میں حدیث رسول ﷺ کا درس اور مسند حدیث کو وزارت کے بدلے ایک لمحے کے لئے بھی ترک کرنے کو تیار نہیں۔ (الحق خصوصی نمبر)

کیا آج دنیاوی مسابقت اور مادیت پرستی کے اس گئے گزرے دور میں ایسی مثال ملنا آسان ہے۔ آج تو یہ حالت ہے کہ حصول دولت مقصد زندگی بن چکا ہے۔

کبھی تجھ کو دھن ہے رہوں سب سے بالا
ہو زینت نرالی ہو فیشن نرالا
کیا جیا کرتا ہے یونہی مرنے والا
تجھے حسن ظاہر نے دھوکے میں ڈالا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

افغان مجاہدین سے مالی امداد

جناب ڈاکٹر سید داؤد صاحب جو حضرت شیخ الحدیث کے داماد بھی ہیں، راوی ہیں کہ:

ستمبر کی چوتھی تاریخ تھی، میں حاضر خدمت تھا، کچھ دوسرے حضرات بھی موجود تھے۔ حضرت نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم یہاں میرے ساتھ موجود رہو، باقی حضرات کو کچھ دیر کے لئے رخصت کر دو۔ جب لوگ چلے گئے تو حضرت نے مجھے وصیت فرمائی کہ دارالعلوم کے ناظم صاحب سے کہہ دیں کہ میرے ترکہ سے افغان مجاہدین کے لئے ایک لاکھ روپیہ (آج کے دس لاکھ روپیہ) دے دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ بانی دارالعلوم کی حیثیت سے میں اپنا ترکہ بھی دارالعلوم کے نام کئے دیتا ہوں۔ (الحق خصوصی نمبر ص ۸۹۵)

مولوی نہیں، ہمارے علاقے کا پیغمبر ہے

اور یہ تو سب کو معلوم ہے کہ ایک مجلس میں سابق وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے

نصر اللہ خٹک سے پوچھا کہ خٹک صاحب آپ ایک مولوی سے شکست کھا گئے۔ تو خٹک صاحب نے جواب دیا کہ وہ مولوی نہیں وہ تو ہمارے علاقے کا پیغمبر ہے (نقل کفر کفر نہ باشد) آپ کو شک ہے تو آپ آکر اس حلقہ سے مقابلہ کر کے دیکھیں۔

(سوانح شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ۔ ۱۳۵)

رعب اور عظمت شان

مخدوم زادہ ذی قدر مولانا حامد الحق حقانی بیان فرماتے ہیں:

حضرت شیخ الحدیث کی عظمت و مرتبت، رعب اور عظمت شان کے بارے میں نظروں کے سامنے بہت سے واقعات گھوم رہے ہیں جیسے کل کے واقعات ہوں۔ ۱۹۷۷ء میں اتفاق میں بھی حضرت دادا جان اور والد صاحب کے ہمراہ قومی اسمبلی کے اجلاس کی کارروائی دیکھنے گیا ہوا تھا، مجھے معلوم نہیں تھا کہ آج کی اسمبلی کی کارروائی کل پاکستانی سیاست اور پارلیمانی تاریخ کا سیاہ باب بن کر رقم ہوگی۔ یہ وہ دن تھا کہ جس پاکستان قومی اتحاد کے ممبران اسمبلی اور حضرت مولانا مفتی محمود کو سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے حکم پر زبردستی اسمبلی سے اٹھا کر باہر پھینک دیا گیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے پولیس اور فورس کے ورکرز کو معزز ممبران اسمبلی کے اور بڑے بڑے علماء کے ساتھ باہم دست و گریبان دیکھا تھا اور وہ کسی کی توہین و ذلت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے تھے۔ اور جناب چودھری ظہور الٰہی شہید کی ٹانگ پر زخم آنے کا واقعہ مجھے یاد ہے۔ حضرت مفتی صاحب کو بھی ایک درجن غنڈے ہاتھوں سے پکڑے ہوئے وہاں سے نکال دینے کے بعد استقبالیہ کے دفتر کی اترنے والی الیکٹرانک سیڑھیوں سے اسمبلی بلڈنگ سے باہر لے جا رہے تھے۔ لیکن تمام ہال میں سارے جھگڑے میں ایک شخصیت ایسی تھی جو بڑے سے بڑا قوی دل انسان سے پریشان اور مرجھائی ہوئی کھڑی تھی لیکن ان کی عظمت و مرتبت اور رعب کے سامنے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ ان پر ہاتھ اٹھانے کے لئے قدم بڑھائے گی

تیری نگاہ سے پتھر کے دل پگھل جائیں

یہ شخصیت حضرت قائد شریعت دامت برکاتہم کی تھی جن کی روحانی اور ایمانی طاقت کے سامنے بھٹو حکومت بھی بے بس تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جنیجو اور وزیر اعظم وغیرہ ہی نے باہمی مشورہ سے ہدایت کی تھی کہ حضرت مولانا سے کوئی گستاخی نہ کی جائے۔ (خصوصی نمبر ص ۱۱۵۸)

کرامت بعد از وفات

نومبر ۱۹۹۰ء میں راقم الحروف نے خواب میں حضرت شیخ الحدیثؒ کو روضۂ اقدس کے اندر رات کے وقت درود شریف پڑھتے ہوئے دیکھا۔ پوچھا حضرت! روضۂ اقدس تو رات کو بند ہوتا ہے اور پھر آپ روضۂ اقدس کے اندر؟ فرمایا، میرے لئے روضۂ اطہر کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔

اسی سال دسمبر کے مہینے میں احقر نے حج کیلئے داخلہ کیا۔ خداوند کریم نے ۱۹۹۱ء میں حج کی سعادت بخشی۔ میں اسے اس خواب کی تعبیر اور کرامت بعد الوفات سمجھتا ہوں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی وفات کے بعد احقر کا جو عالم ہے اس کی عکاسی مندرجہ ذیل مشہور شعر کرتا ہے:

ہمہ شہر پر ز خوبان منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بہ نگاہ

(پروفیسر محمد افضل رضا) (خصوصی نمبر ص ۸۵)

دعاؤں کا ثمرہ

۱۹۸۴ء میں احقر کی دارالعلوم حقانیہ تقرری ہوئے۔ چند روز کام کیا اور چھٹی لے کر اپنے گاؤں چلا گیا۔ واپسی ہوئی، دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرتؒ دور سے مجھے تکتے ہیں اور بے حد نگاہ شفقت سے دیکھتے ہیں۔ کوئی آدھا یا پون گھنٹہ اس طرح گزرا ہوگا کہ حضرتؒ نے مولانا قاری محمد عبداللہ (سابق مدرس دارالعلوم حقانیہ) کو اشارہ سے قریب بلایا اور دریافت فرمایا کہ ان کا کیا ہوا؟ قاری صاحب

خاموش رہے تو خود ارشاد فرمایا کہ دعائیں ہم نے کیں، اللہ کریم نے انہیں ترینہ اولاد عنایت فرمائی اور اب ہمیں اطلاع اور خوشخبری تک دینے کے لئے تیار نہیں۔

قاری صاحب موصوف نے مجھے ساری بات سنا دی۔ احقر نے جھٹ سے انہیں مبارکباد دی، حضرت خوش ہوئے۔ دراصل یہ بتانا چاہتا ہوں کہ گھر سے واپسی پر احقر نے کسی کو بھی نہیں بتایا تھا کہ میری نرینہ اولاد ہوئی ہے یا مجھے اس سلسلے میں جانا ہوا تھا۔ اسے الہام کہئے یا کرامت، حضرت کو معلوم ہو گیا تھا۔ حضرت کے استفسار، خصوصی محبت بھرے لہجے کی گفتگو اور الفت بھری شکایت، آج بھی تصور کرتا ہوں تو اس کی چاشنی اور لذت میں ڈوب جاتا ہوں۔

(سوانح شیخ الحدیث: ۱۹۰)

مستجاب دعا کا ثمرہ

حدیث کا مضمون ہے کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ یہ کمال اتباع سنت کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب مدظلہ حضرت شیخؒ کی فراست ایمانی اور نور ایمانی کی ایک جھلک دکھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

> ایک بار مجھے ملیریا بخار ہوا اور زیادہ ایام گزرنے پر طبیعت کافی پریشان ہو گئی تو فوراً حضرت شیخ الحدیثؒ کی ذات بابرکات ذہن میں آئی اور کسی کے واسطے سے ان کی خدمت میں دعا کے لئے درخواست کی جبکہ حضرت شیخ الحدیثؒ بعد العصر اپنی آبائی مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے۔ تو جب عصر کا وقت ہوا تو میری طبیعت میں فرحت، کشادگی اور سرور آنا شروع ہو گیا اور طبیعت سنبھلتے سنبھلتے بالکل درست ہو گئی۔ یہ مولانا کی کرامت تھی کہ انہوں نے اطلاع ملتے ہی فوراً توجہ فرمائی اور دعائیں دینی شروع کیں۔ اللہ نے قبول فرمائیں اور مجھے صحت عطا فرمائی۔ (خصوصی نمبر ص ۲۲۶)

قلندر کی دیدہ وری

تاریخ مدینۃ المنورہ اور تاریخ مکۃ المکرمہ جیسی شہرۂ آفاق کتب کے نامور مصنف محمد مسعود

مکرم حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب مدظلہ نے لکھا ہے کہ:

حضرت مولانا گل رحمٰن صاحب ناظم مدرسہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھا اور حضرت شیخ الحدیثؒ وہاں مسند تدریس پر جلوہ نما تھے۔ مجھے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مولانا! جب ہم مدرسہ بنائیں گے تو میں مہتمم ہوں گا اور آپ ناظم مطبخ کے فرائض انجام دیں گے۔ لیکن میں اسے ہمیشہ حضرت کی تفنن طبع اور مزاح پر محمول کرتا رہا۔ یہ بات تو کبھی میرے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آئی تھی کہ فی الواقع حضرت دارالعلوم دیوبند کے اس رفیع الشان منصب کو چھوڑ کر کسی مدرسہ کے مہتمم بن جائیں گے اور اگر موصوف اپنے اعلیٰ وارفع علمی حیثیت کے باعث مہتمم بن بھی گئے تو میں اس لائق کہاں کہ مہمانان ذیشان (مدرسین و متعلمین) کی خدمات کی سعادت حاصل کر سکوں گا۔ مگر وقت نے اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ "قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔"

چنانچہ کچھ عرصہ بعد ملک تقسیم ہو گیا۔ پاکستان کے علماء کرام اور طلباء کا ہندوستان میں علوم اسلامیہ کے حصول کے لئے جانا ممکن نہ رہا۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت شیخ الحدیثؒ نے دارالعلوم حقانیہ قائم فرمایا اور وہ اہتمام کے ذی وجاہت منصب پر فائز ہوئے اور مجھے ناظم مطبخ مقرر فرما دیا۔ بحمد اللہ میں سالوں تک اس خدمت پر مامور رہا۔ (خصوصی نمبر ص ۳۳۳)

غیبی نصرت اور کمال صبر و تحمل

صاحبزادہ مولانا حامد الحق حقانی تحریر فرماتے ہیں:

ہماری چھوٹی سے گاڑی (سوزوکی کار) میں حضرت میرے ساتھ کبھی کبھی گھر سے دارالعلوم اور دارالعلوم سے گھر تک آیا جایا کرتے تھے (جو بازار میں رش اور گلی تنگ ہونے کے باوجود آسانی سے آ جا سکتی تھی)۔ دن کے ساڑھے نو بجے پڑھائی کے وقفہ کے دوران میں اور میرے دوست حافظ احتشام الحق

حضرتؒ کو گھر سے دارالعلوم لانے کے لئے پہنچے۔ مجھے خدشہ تھا کہ پٹرول کم ہے۔ گاڑی خدانخواستہ راستہ میں کہیں بند نہ ہو جائے۔ لیکن حضرتؒ کے لیٹ ہو جانے کے ڈر سے میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ کہیں حضرتؒ بروقت نہ پہنچنے پر ناراض نہ ہو جائیں، پٹرول حضرتؒ کو دارالعلوم پہنچانے کے بعد ڈلوادیں گے۔

حضرت کو گھر سے گاڑی میں بٹھایا، پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ جیسے ہی بازار کے وسط میں پہنچا، گاڑی ایک جھٹکے سے بند ہو گئی۔ شرم کے مارے حضرتؒ کو بتا نہیں سکتا تھا۔ شاہی بھائی نے جرأت کر کے کہہ دیا کہ حضرت پٹرول ختم ہو گیا۔ حضرتؒ نے ناراضگی کا اظہار کر دیا کہ بروقت تیاری کر کے کیوں نہیں آتے۔ اب میں انتہائی پریشان تھا کہ یا اللہ کیا ماجرا ہو گیا، اب بیچ بازار حضرتؒ کو انتظار کروانا یا رکشہ کی ٹیکسی بلوانا، یہ بڑی دیر ہو جائے گی، کہ اسی لمحے اللہ نے لاج رکھی اور ایک کار فوراً ہمارے پاس آکر رکی۔ گاڑی سے جناب قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی کے بھائی ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب اترے اور حضرت سے مصافحہ کرنے کے بعد کہا کہ حضرت! میں آپ سے ملنے آرہا تھا۔

میں نے فوراً قاضی صاحب کو بتایا کہ جناب ہماری گاڑی پٹرول کی وجہ سے بند ہو گئی ہے، حضرتؒ کو آپ دارالعلوم لے جائیں۔ لہٰذا حضرت کو بھی اطمینان ہوا اور میری پریشانی بھی رفع ہو گئی۔ میں نے اس دوران پٹرول منگوالیا اور گاڑی دارالعلوم پہنچا دی۔ تو حضرتؒ نے درس حدیث کے بعد مجھے دفتر میں بلوا کر پوچھا کہ بیٹا تم ناراض تو نہیں ہوئے، میری وجہ سے تمہیں تکلیف اٹھانی پڑی، آئندہ احتیاط کرلیا کرو۔

ان کی اس ادا، نظر کرم اور شفقت اور الٹا حضرتؒ اپنے دارالعلوم گاڑی پر آنے کی وجہ سے میرے پٹرول لانے کی زحمت پر مجھ ہی سے معذرت کر رہے

تھے، واللہ اللہ! یہ ادا اور یہ دریا دلی ہم لوگوں کا سر شرم سے جھک گیا۔

(خصوصی نمبر ص ۱۱۵۵)

ایمانی فراست اور زندہ کرامت

جامعہ عثمانیہ لاہور کے مہتمم حضرت مولانا خلیل الرحمن حقانی لکھتے ہیں:

۱۹۶۷ء میں جامعہ حقانیہ کے فضلاء کی دستار بندی ہوئی اور اس موقع پر حضرت شیخ الحدیثؒ ہر فاضل کی دستار بندی سے قبل اس کا مختصر تعارف کراتے تھے۔ حسب طریق جملہ فضلاء کا مختصر تعارف کرایا اور چونکہ میں جامعہ حقانیہ میں صرف چار ماہ حصول تعلیم کے لئے رہ چکا تھا، اس لئے حضرتؒ سے کوئی زیادہ تعارف نہ تھا۔ تو میری دستار بندی سے قبل ''موصوف'' نے میرا تعارف ان الفاظ سے کرایا۔ ''یہ ہمارے جامعہ کے فاضل ہیں اور پنجاب کے بہترین خطیب اور مدرس ہیں۔'' حالانکہ اس وقت نہ تو میں خطیب تھا اور نہ مدرس۔ لیکن جلد ہی جنوری ۱۹۶۸ء میں میرا تقرر خطابت اور مدرس کے لئے ہو گیا اور بیس سے زائد مرتبہ مشکوۃ شریف اور ہدایہ کی تدریس کر چکا ہوں اور عرصہ پچیس سال سے حضرت شیخ مرحوم کی فراست ایمانیہ یا زندہ کرامت کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ (خصوصی نمبر ص ۱۱۷۶)

انجن تباہ ہو گیا مگر گاڑی چلتی رہی

ماہنامہ الحق کے منیجر مولانا سمیع الحق کے داماد اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے مخلص خادم جناب الحاج شفیق الدین فاروقی صاحب کا بیان ہے:

گرمیوں کے دن تھے، راولپنڈی میں ایک جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں مولانا قاری سعید الرحمن صاحب کے مدرسہ میں آرام کر لیتے ہیں اور عصر کے وقت اکوڑہ کے لئے روانہ ہو جائیں گے، انشاء اللہ افطار اکوڑہ میں گھر پر کریں گے۔

چنانچہ واپسی پر نسرکیمپ کے قریب اچانک گاڑی بند ہوگئی۔ حضرتؒ نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ خیریت ہے، شاید گرم ہونے کی وجہ سے گاڑی بند ہوگئی ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔

مجھے اندازہ ہوا کہ ریڈی ایٹر میں پانی کم ہے، قریب ہی سے پانی لے کر آیا اور دو ڈبے پانی ڈالا، لیکن پھر بھی کم محسوس ہوا۔ چار پانچ ڈبے ڈالنے کے بعد ششدر رہ گیا۔ حیرانگی کی انتہا نہ رہی کہ پانی نیچے بھی نہیں گرتا ہے اور ریڈی ایٹر بھی خالی ہے۔ پریشان ہوکر اسی حالت میں پھر گاڑی سٹارٹ کرنے کی کوشش کی تو گاڑی سٹارٹ ہوگئی اور ہم اس صورت میں روانہ ہوئے کہ گاڑی کے انجن سے عجیب و غریب قسم کی آوازیں آرہی تھیں۔ سخت جھٹکے لگتے تھے۔ گاڑی خود بخود چلتے چلتے بند ہو جاتی تھی۔ اسی حالت میں جب ہم گھر کے دروازے پر پہنچے تو مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ حضرتؒ کے ارشاد کے مطابق ہم افطاری کے وقت گھر موجود تھے۔

دوسرے دن جب صبح مکینک (مستری) کو بلایا اور گاڑی چیک کرائی تو اس نے کہا اسے ورکشاپ میں لے جا کر انجن کھولنا پڑے گا، تب صورتحال کا اندازہ ہو سکے گا۔ اور جس وقت ورکشاپ میں انجن کھولا گیا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی اور ششدر رہ گیا (جو ایک ٹیکنیکل آدمی ہی سمجھ سکتا ہے) کہ انجن میں دو پسٹن ٹوٹے ہوئے تھے، کنیکٹ راڈ (Contact rod) ٹوٹنے کے بعد انجن کو بھی توڑ چکے تھے، موبل آئیل اور پانی یکجا ہوگئے تھے، ایسی صورت میں کسی بھی انجن کا سٹارٹ رہنا بظاہر اسباب ناممکن ہے، یہ انجن مرمت کے قابل بھی نہ تھا۔ دوسرا انجن خرید کر اس گاڑی میں لگایا گیا۔ بہرحال عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ گاڑی صرف کرامات پر چلتی رہی اور اللہ پاک غیبی مدد کرتے رہے۔ (خصوصی نمبر ص ۱۳۲)

اللہ محافظ رہا اور گاڑی چلتی رہی

جناب شفیق الدین فاروقی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ایک روز دوپہر کے وقت اسمبلی کے اجلاس سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ نے اکوڑہ جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد راقم کو قیلولہ کی عادت ہے۔ اس موقع پر حضرت مولانا سمیع الحق اور مولانا انوار الحق نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ کچھ دیر آرام کرتے ہیں، عصر کے وقت چلیں گے، گرمیوں کے دن ہیں اور اس وقت گرمی زیادہ ہے۔ لیکن شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا کہ "دن ضائع ہوتا ہے چلنا چاہیے"۔

تقریباً ڈھائی بجے اسلام آباد سے روانہ ہوئے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ اگلی سیٹ اور مولانا سمیع الحق اور مولانا انوار الحق صاحب پچھلی نشست پر بیٹھے تھے۔ اسلام آباد سے نکلنے کے بعد ترنول تک آپس میں بات چیت کرتے رہے، ترنول کے بعد تینوں حضرات سو گئے۔ ترنول ٹیکسلا تک کا سفر مجھے یاد ہے، اس کے بعد میں بھی سو گیا، اس کے بعد گھبراہٹ سے اچانک آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میں غلط سمت پر رواں ہوں اور سامنے ایک بس آ رہی ہے۔ چند سیکنڈ قبل اگر میری آنکھ نہ کھلتی تو بس اور کار کا تصادم یقینی تھا، اور جب آنکھ کھلی تو میں نے گاڑی اپنی سمت ڈال دی۔ تھوڑا سا حواس کو جمع کیا اور آس پاس دیکھا کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ معلوم ہوا کہ حسن ابدال سے گزر رہے ہیں۔ میں نے وہیں گاڑی روک دی۔ گاڑی رکنے کے ساتھ سب لوگ بیدار ہوئے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے مجھ سے پوچھا کہ کیوں رکے؟ میں نے تمام واقعہ بیان کیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ وضو کر لو اور چائے پی لو، اللہ مالک ہے۔

یہ حضرتؒ کی کرامت تھی کہ دس بارہ کلومیٹر کا فاصلہ میں میں سویا رہا اور سوتے میں ڈرائیونگ کرتا رہا۔ اس وقت ٹریفک بھی دن و دے تھی۔ سڑک بھی تنگ اور خراب، درمیان میں کئی جگہ موڑ بھی تھے مگر اللہ محافظ رہا اور گاڑی چلتی

رہی۔

خدا نے بدلہ لے لیا

درج ذیل واقعہ کے راوی ڈاکٹر امیر محمد خان آف مانکی شریف ہیں، فرماتے ہیں:

ایک دن ایک ایم پی صاحب نے مجھے دوران بحث کہا کہ چند دن ہوئے حضرت شیخ الحدیثؒ نے حکومت سے ایک کروڑ روپے بطور رشوت لیے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ بالکل جھوٹ ہے، یہ بہتان ہے، حضرت شیخ الحدیثؒ کے متعلق اس قسم کی باتیں شرافت کے خلاف ہیں۔ اس نے پھر کہا کہ میں ثابت کر سکتا ہوں۔ میں نے اس کی سفید جھوٹ کو ماننے سے انکار کر دیا اور سیدھا اکوڑہ خٹک جا کر حضرت مولانا صاحبؒ کو سارا ماجرا سنایا کیونکہ میں اپنی مزید تسلی کرنا چاہتا تھا۔ خدا گواہ ہے کہ مولانا حسب عادت ہنس پڑے اور کوئی بددعا منہ سے نہ نکالی۔

خدا کی شان دیکھئے کہ تھوڑے دنوں بعد وہ ایم پی اے گونگا ہو گیا اور جھوٹ کی سزا اس کو نقد ملی۔ (خصوصی نمبر ص ۱۰۸۰)

کوچہ محبوب کی زیارت کی روئیداد

الحاج حبیب الرحمٰن صاحب مدینہ منورہ کے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

لوگوں کا بے حد ہجوم تھا، ٹرانسپورٹ کا مسئلہ بڑا کٹھن تھا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے مجھے حکم فرمایا کہ ساتھیوں کے لئے ٹرانسپورٹ کا انتظام کر دیں۔ میں جب اس سلسلہ میں آگے بڑھا تو یہ کام آسان نہ تھا، کارے دارد، بڑی پریشانی ہوئی، اتفاقاً ایک عرب نوجوان سے انگریزی میں بات ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ میرے ساتھ ضعیف ساتھی ہیں، مکہ مکرمہ تک ان کو پہنچانے کا انتظام کر دیں۔ انہوں نے میری بات سمجھ لی اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ حضرتؒ کی دعا و توجہ کی برکت اور کرامت تھی کہ انہوں نے بس نمبر دے دیا اور تاکید کر دی کہ سامان اس گاڑی میں پہنچا دو اور ساتھیوں کو بٹھا دو۔

میں طبعاً تیز واقع ہوا ہوں اور پھر ایسے ہجوم میں جب کچھ نکلنے کا راستہ بھی مل جائے، تو طبعاً طبیعت میں تیزی کا آنا بھی تو فطری بات ہے۔ میں ساتھیوں کے پاس آیا اور جوش مسرت سے اونچی آواز سے کہنے لگا کہ جلدی کرو اور سامان سمیٹو اور فلاں جگہ پر پہنچاؤ......... اور ایسے مواقع پر منتظمین یا خدام یا ذمہ دار ساتھیوں کو ایسا کرنا ہی پڑتا ہے۔ مگر میں نے دیکھا کہ حضرتؒ نے مجھے اشارہ سے بلایا اور بڑے نرم اور محبت بھرے لہجے میں ارشاد فرمایا "یہ سفر بڑا مبارک اور مقدس سفر ہے، یہ مقام بھی مقدس ہے، یہ فضا بھی مقدس ہے، اتنی اونچی آواز سے بات نہیں کرنی چاہیے۔" بس حضرت کا یہ اشارہ میرے لئے کافی تھا۔ الحمد للہ کہ اس کے بعد کسی بھی جگہ میں آپ سے باہر نہ ہو سکا۔ تمام سفر میں میری آواز نیچی اور بات کرنے کا لہجہ پست رہا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ (سوانح شیخ الحدیث مولانا عبدالحق: ۱۸۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام

حضرت شیخ الحدیثؒ کو قدرت نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت لازوال سے مالا مال کر دیا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنتے تو آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی اور تحفہ درود ضرور بھیجتے۔ ایک دفعہ ایک بزرگ عالم دین جو غالباً بلوچستان سے تعلق رکھتے تھے، حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ موصوف مدینہ منورہ سے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے حضرتؒ سے جہاں مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی بہت باتیں کیں، وہیں دوران گفتگو بڑے ہلکے لہجے میں یہ بھی عرض کیا کہ حضرت! مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے نام پیغام دیا کہ (مولانا) عبدالحق سے کہہ دیجئے کہ کافی وقت سے تمہارا ہدیہ نہیں پہنچ رہا۔

ہدیہ کی تعیین نہ ہو سکی لیکن غالباً گمان اور خیال یہی ہے کہ حضرت کا درود شریف کا کوئی باقاعدہ معمول تھا اور اس معمول میں مشاغل زندگی کی وجہ سے کوئی کمی واقع ہو رہی تھی، کیونکہ سلف صالحین اور اولیائے کرام کی تاریخ میں اس قسم کے واقعات ملتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث،

دہلویؒ نے "اخبار الاخیار" میں لکھا ہے کہ ایک شخص جو حضرت بختیار کاکیؒ کے متعلقین میں سے تھے، اس کا نام رئیس تھا، کو حضور ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی، نبی کریم ﷺ نے رئیس سے فرمایا کہ بختیار کاکیؒ کو ہمارے سلام کے بعد کہنا کہ تم ہر رات کو جو تحفہ ہمیں بھیجا کرتے تھے، تین رات سے وہ ہمیں نہیں ملا۔ یہ محض عقیدت کا غلو نہیں، ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا من صلی علی نائیا ابلغته "جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے، وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔" بعض احادیث میں مروی ہے کہ بھیجنے والے شخص کا نام مع اس کے والد کے لیا جاتا ہے کہ فلاں بن فلاں درود بھیج رہا ہے۔ (سوانح شیخ الحدیث مولانا عبدالحق: ۱۸۲)

حضرت شیخ الحدیثؒ بارگاہ رسالت میں

حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنی بیماری کے ایام میں بارگاہ رسالت ﷺ میں ایک خط بھیجا اور حضرتؒ کا یہ خط تاریخ کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں، بلکہ تاریخ اسلاف میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ عمر بن احمد خر بوتی اپنی شرح میں قصیدہ بردہ کے اس شعر:

کم ابرأت وصبا باللمس راحته
واطلقت اربا من ربقة اللمم

کے تحت لکھتے ہیں کہ میرے استاد کی اہلیہ محترمہ دل کی بیماری میں مبتلا تھیں۔ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق علاج معالجے سے کوئی افاقہ اور آرام نہ ہوا تو ایک دن میرے استاد نے مجھے فرمایا کہ میری طرف سے امام الانبیاء ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک عریضہ اور درخواست لکھیں کہ آپ ﷺ بارگاہ الٰہی میں مریضہ کی صحت یابی کے لئے شفاعت اور سفارش فرمائیں۔ عمر بن احمد خربوتیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خط لکھ کر حجاج کرام کے حوالے کر کے بارگاہ رسالت میں بھیج دیا۔ جس دن حجاج مدینہ منورہ پہنچے اور گنبد خضراء پر کھڑے ہو کر وہ خط سنایا، اسی دن سے مریضہ شفایاب اور صحتمند ہوگئی۔

چونکہ حضرت شیخ الحدیثؒ بھی اکثر بیمار رہتے تھے، خاص کر بینائی پر بہت اثر پڑ گیا تھا، اس لئے اسلاف امت کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے مفتی سیف اللہ حقانی سے ادب و احترام سے بارگاہ رسالت ﷺ میں خط لکھوایا۔ مفتی سیف اللہ حقانی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:

جب احقر نے وہ خط سنایا تو حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرط محبت کی وجہ سے آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ خط کے اختتام پر حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا: "فرزند من! اللہ تعالیٰ آپ کو دارین میں سرفراز فرمائیں۔ آپ نے میرے دل کی ترجمانی کی ہے۔" اس موقع پر اتفاق سے حضرت مولانا سید شیر علی شاہ صاحب مدنیؒ دامت برکاتہم مدینہ منورہ واپس تشریف لے جانے والے تھے۔ چنانچہ حضرتؒ کے ارشاد کے مطابق وہ خط میں نے مولانا سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ کے حوالے کیا۔ جس تاریخ اور جس وقت پر وہ خط وہاں سنایا گیا، اس تاریخ اور اس وقت سے حضرت شیخ الحدیثؒ کی حالت میں بہت خوشگوار تبدیلی محسوس ہونے لگی۔ (خصوصی نمبر ص ۲۹۶)

سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات

بارہا میری آنکھوں نے دیکھا کہ جب بھی کسی مسئلہ میں رخصت و عزیمت کا مقابلہ آیا تو آپ کے ہاں عزیمت راجح اور رخصت مرجوح ہوا کرتی تھی۔ فرمایا کرتے کہ "فرض تو فرض ہے، جو ہمارے ذمہ ہے ہی، لامحالہ ادا کرنا ہوگا، سنت جو فعل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اسے بھی ادا کرنا ہوگا۔" اس سے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ جب بھی قومی اسمبلی جاتے، سفید دستار زیب سر ہوا کرتی تھی۔ ایک بار چارپائی پر تکیے کے سہارے بیٹھے تھے، سفید جالی دار ٹوپی سر پر تھی۔ مجھ سے وہی دستار طلب کی۔ عرض کیا کہ حضرت والا! یہ سفید ٹوپی بہت لطف دے رہی ہے۔ مسکرا کر فرمایا کہ میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو کب چھوڑ سکتا ہوں۔ آج جو برکتیں اور تھوڑا بہت دین اور علم دین سے واسطہ اور تعلق ہے، وہ اس سنت کی وجہ سے ہے۔

(خصوصی نمبر ص ۲۸۸)

سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عجیب مطابقت

حضرت شیخ الحدیثؒ در کھے جام شریعت اور در کھے سندان عشق کا بہترین نمونہ تھے۔ اتباع سنت گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ اختیاری اور غیر اختیاری طور پر وہ پیروی سنت کا

مظہر اتم تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کا درج ذیل واقعہ اس بات کا بین ثبوت ہے۔ حضرت مولانا سمیع الحق راوی ہیں کہ:

۱۳/ اکتوبر ۱۹۵۵ء مطابق صفر ۱۳۷۵ھ دارالعلوم کے دارالحدیث کی بنیادیں بھری جا رہی ہیں۔ تمیں پینتیس مزدور آج کام کر رہے ہیں۔ آج والد ماجد اور دیگر اساتذہ و طلباء دارالحدیث کی زیر تعمیر عمارت میں تشریف لے گئے۔ بنیادیں چھوٹے پتھروں سے بھر گئی ہیں۔ باضابطہ سنگ بنیاد رکھنا تھا۔ ایک پتھر منتخب کیا گیا۔ والد ماجد اور صدر صاحب (مولانا عبدالغفور سواتی) اور دیگر حاضرین نے طویل خشوع و خضوع سے دعا کی قبولیت کے آثار نمایاں تھے۔ والد ماجد نے سنت نبوی ﷺ کے اتباع میں پتھر ایک چادر میں رکھنے کی تجویز پیش کی۔ اس پر سب خوش ہوگئے۔ اساتذہ و طلباء سب نے مل کر پتھر اٹھایا۔ پھر نہایت عاجزی سے والد ماجد نے دعا کی اور واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسماعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم کا ورد کرتے رہے۔ سب آمین کہہ رہے تھے۔ پھر سارے حاضرین نے حضرت صدر صاحب کے کہنے پر تین مرتبہ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم پڑھا اور سب نے عاجزی اور خشوع سے دعا کی۔ اس وقت قبولیت کے آثار نمایاں تھے۔ ایک کیفیت و سرمستی سب حاضرین پر طاری تھی۔ عجیب دلکش منظر تھا۔

پھر والد ماجد اور حضرت صدر صاحب نے مل کر پتھر چادر سے اٹھایا اور موجودہ دارالحدیث کی مغربی سمت کے شمالی کونے میں رکھ دیا۔ خداوند کریم اس عمارت کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر علوم و معارف الٰہیہ کی نشر و اشاعت و حفاظت اسلام کا ذریعہ بنا دے۔ (خصوصی نمبر ص۹۱)

خلاف سنت امور پر تنبیہ کا مشفقانہ انداز

مولانا حافظ راشد الحق بیان کرتے ہیں:

حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹا! باہر سے کسی حجام کو بلاؤ، کافی دن ہوئے ہیں، سنت اور حجامت نہیں ہوائی۔ میں حجام کو ساتھ لایا، اس نے حجامت وغیرہ بنائی اور ناخن بھی کاٹے۔ تو میں نے حجام سے کہا کہ داڑھی کے بال اور یہ ناخن مجھے دے دو، میں انہیں سنبھال کر رکھوں گا۔ اتفاق سے حضرت شیخ الحدیثؒ نے یہ سن لیا اور مجھ سے بڑے نرم انداز سے فرمایا کہ بیٹا! یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ بدعت ہے، ناجائز ہے، ایسا نہیں کرنا چاہیے، انہیں باہر کہیں زمین میں دفن کر دو۔ (خصوصی نمبر ص ۱۱۷۸)

اتباع سنت کا اہتمام

حضرت شیخ الحدیثؒ کے داماد جناب ڈاکٹر داؤد صاحب راوی ہیں۔

۵/ ستمبر کو انتہائی نگہداشت کے کمرہ میں میں حضرتؒ کے ساتھ تھا تو حضرتؒ بار بار چارپائی پر بیٹھ جاتے اور ساتھ رکھی ہوئی پگڑی کو بڑے اہتمام سے اپنے سر پر باندھنا شروع کر دیتے۔ اسی دوران جب ایک مرتبہ غلبہ حال اور استغراق کی کیفیت طاری ہوئی تو ارشاد فرمایا ''ہمارا عصا لے آؤ، ہم تو سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے پیش نظر جا رہے ہیں، صرف پانچ منٹ ہی تو لگیں گے، سنت کی اتباع بہت ضروری ہے۔''

تو اسی دوران بخار کی شدت کی وجہ سے ہمیں ان کی ٹوپی اور پگڑی اتارنی پڑی۔ حضرتؒ نے یکدم فرمایا کہ میری پگڑی کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ آپ کو بخار ہے، اسے ہم نے آپ کے ساتھ ہی میز پر رکھ دیا ہے۔ فرمایا، ''اگر ایک لمحہ بھی سنت پر عمل کے بغیر گزر جائے تو بہت بڑا خسارہ ہے۔ مجھے فوراً پگڑی اور عصا دے دو۔'' اور بخار ہونے کے باوجود انہوں نے پگڑی سر پر باندھ کر عصا کو چارپائی کے ساتھ لگا دیا۔ میں افسردہ دوسرے کمرے میں چلا گیا، جہاں پر مولانا سمیع الحق، پروفیسر محمود الحق، حضرت مولانا انوار الحق اور اظہار الحق اور میری اہلیہ تشریف فرما تھیں، ان کو بتایا تو انہیں یقین ہو گیا کہ

حضرتؒ رحلت فرمانے والے ہیں اور ہم سب نے تلاوت شروع کر دی۔

(خصوصی نمبر ص ۹۱۲)

ارباب حکومت سے بے نیازی

مولانا سمیع الحق فرماتے ہیں:

صدر یحییٰ کے ملٹری سیکرٹری نے رات کو فون کر کے اصرار کیا کہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صدر یحییٰ سے ملاقات کریں اور مجھے کہا کہ حضرتؒ سے اجازت لے کر وقت متعین کر دیا جائے گا۔ میں نے حضرت تک یہ بات پہنچا دی مگر حضرت شیخ الحدیثؒ کی فراست انہیں اس کی اجازت نہیں دے رہی تھی، بڑے پریشان ہوئے۔ دوسرے روز مجھے درسگاہ آ کر بلایا اور کہہ دیا کہ صدر کے ملٹری سیکرٹری کا فون آئے تو صدر سے ملاقات کے لئے وقت کا تعین نہ کریں، صدر یحییٰ بے کار آدمی ہے، ان سے ملنا فضول ہے۔ (ذاتی ڈائری، ص ۴۹)

☆☆☆